عربوں میں تبلیغِ احمدیت کے لئے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفائے کرام کی بشارات،

گرانقدر مساعی اور ان کے شیریں ثمرات کا ایمان افروز تذکرہ

جلد اوّل

(ابتداء سے 1954ء تک)

مؤلفہ

محمد طاہر ندیم

مربی سلسلہ

عربک ڈیسک یو۔کے۔

جلد اوّل
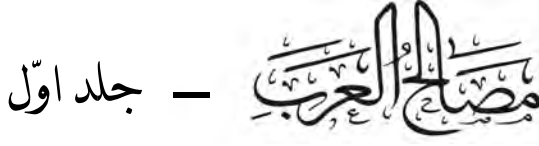
Maṣāliḥul - ‘Arab — Vol:1

(Urdu)

Compiled by: Muhammad Tahir Nadeem

First Published in UK in 2012 by:
Islam International Publications Limited
Islamabad
Sheephatch Lane
Tilford, Surrey GU10 2AQ
United Kingdom

Printed in UK at:

ISBN: 978-1-84880-112-7

بسم الله الرحمن الرحیم

''مصالح العرب'' کے بارہ میں
حضرت امامِ ہُمام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

لندن

5-1-12

پیارے مکرم محمد طاہر ندیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اطلاع دی ہے کہ آپ جماعت احمدیہ کی عرب ممالک میں تاریخ وواقعات جو آپ کے تحریر کردہ ہیں اور الفضل میں شائع ہورہے ہیں، کو کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو پڑھنے والوں کے لئے معلوماتی اور ازدیادایمان کا باعث بنائے۔ آمین

میں تو پورا ہفتہ الفضل انٹرنیشنل کا خاص طور پر آپ کے مضمون کی وجہ سے انتظار کرتا ہوں۔ خلافت ثانیہ کے دور کے تاریخی اور ایمان افروز واقعات اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پیغامات اور ابتدائی مبلغین جن کے ذریعہ بعض عرب ممالک میں احمدیت کا پیغام پہنچا اور سعید روحوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی، یہ سب تو ایمان افروز اور دل کو جلا بخشنے والے ہیں ہی لیکن اس دور میں جس طرح عرب ممالک میں احمدیت کا نفوذ ہورہا ہے اور جس ایمانی حرارت کا نئے شامل ہونے والے مظاہرہ کررہے ہیں، کن کن مشکلات سے گزر رہے ہیں وہ بھی پڑھنے والے پرانے احمدیوں کو اپنے جائزے لینے پر مجبور کرتا ہے اور نئے آنے والوں کو حوصلہ اور جرأت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام کی بے انتہا جزاء دے کہ اپنے تمام علمی کام کے ساتھ اس ایمان افروز تاریخ کو بھی محفوظ کررہے ہیں اور پھر ان واقعات کے بیان کے دوران کسی علمی یا عقیدے کے مسئلہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی روشنی میں آپ کا بیان علمی، تفسیری اور عقیدے کے مسائل بھی حل کردیتا ہے اور اسی طرح غیروں کی بدعقیدگی اور بدعات کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے اور یوں ایک احمدی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے مقصد کا مزید ادراک ہوجاتا ہے بلکہ ہر سعید فطرت کو ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام کی بہترین جزاء دے اور پڑھنے والے اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ آمین

والسلام

خاکسار

[signature]

خلیفۃ المسیح الخامس

نقل دفتر PS لندن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
هُوَالنَّاصِرُ

عرض حال

سن 2008ء جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جاری ہونے والی خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام پر سو سال پورے ہوئے۔

یہ سال عربوں کے لحاظ سے بھی اہم تھا کیونکہ اس وقت تک عربوں کے لئے علیحدہ ویب سائٹ اور علیحدہ ٹی وی چینل ایم ٹی اے 3 العربیہ کا اجراء عمل میں آ چکا تھا اور عربوں میں تبلیغ کے لئے چند خاص پروگرامز شروع ہو چکے تھے جن میں ہر دلعزیز پروگرام الحوار المباشر سرِفہرست ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ بلاد عربیہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کو پہنچانے کے لئے آسمان سے دروازے کھول دیئے۔

اس تاریخی حوالے سے جماعت خدا تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کے شکرانے کے طور پر مختلف پروگرام بنا رہی تھی ۔اس موقعہ پر جماعت کے دیگر رسائل واخبارات کی طرح ''الفضل انٹرنیشنل'' کا بھی ایک خاص نمبر شائع کیا گیا جس کے لئے مکرم نصیر احمد قمر صاحب مدیر ''الفضل انٹرنیشنل'' نے خاکسار کو عربوں میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی کاوشوں کے بارہ میں ایک مضمون لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے اس بارہ میں مواد اکٹھا کرنا شروع کیا تو وہ ایک مضمون سے بہت زیادہ تھا، لہٰذا اسے قسط وار چھاپنے کا

فیصلہ کیا گیا اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور اسکی خاص مدد سے جہاں مواد میسر آتا گیا وہاں گاہے گاہے حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعا، شفقت اور راہنمائی خاص برکتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور ایک قسط سے شروع ہونے والا یہ مضمون محض خدا کے خاص فضل اور حضورانور کی نظرِ شفقت کی برکت سے آج تک جاری ہے۔

اس سارے مواد کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، حصۂ تاریخ اور حصۂ سیرت۔ حصۂ تاریخ کی دو جلدیں ہیں جن میں سے یہ پہلی جلد قارئین کرام کی خدمت میں اس دعا کے ساتھ پیش ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اور اس خاکسار کو بھی اپنی جناب میں قبول فرماتے ہوئے اپنی مغفرت اور رحمت کی رداء میں چھپالے، آمین۔

مواد کی فراہمی اور اسے کتابی شکل میں تیار کرنے میں بہت سے بزرگان اور احباب نے مدد وراہنمائی فرمائی ہے، دعا کی غرض سے ذیل میں ان کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں: استاذی المکرّم میر محمود احمد ناصر صاحب سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ، سید عبد الحی شاہ صاحب مرحوم ناظر اشاعت ربوہ، مکرم نصیر احمد قمر صاحب مدیر الفضل انٹرنیشنل، مکرم منیر الدین شمس صاحب، مکرم عبد المومن طاہر صاحب، مکرم مبشر احمد ایاز صاحب، مکرم اسفندیار منیب صاحب، مکرم نوید احمد سعید صاحب، مکرم محمود احمد منیر صاحب، مکرم میر انجم پرویز صاحب، مکرم شیخ مسعود احمد صاحب، مکرم طارق خلیل صاحب، مکرم طارق حیات صاحب اور انکی اہلیہ عائشہ طارق صاحبہ، مکرم تنویر احمد صاحب، مکرم محمد داؤد ظفر صاحب اور مکرم ڈاکٹر نعیم الجابی صاحب۔ اسی طرح خاکسار اپنی اہلیہ مکرمہ شازیہ نورین صاحبہ کا بھی اس فہرست میں بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہے جنہوں نے اس کام کی انجام دہی میں خاکسار کا بھرپور ساتھ دیا۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا أَحْسَنَ الْجَزَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ۔

خاکسار

محمد طاہر ندیم مربی سلسلہ

عربک ڈیسک اسلام آباد ٹلفورڈ

30/جولائی 2012ء

فہرست مضامین

❁❁❁❁❁

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی حیاتِ مبارکہ میں تبلیغی مساعی
اور سلسلہ میں داخل ہونے والے
خوش نصیب عرب صحابہ کرامؓ

سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام
مسیح موعود و امام مہدی

عربوں میں تبلیغ ونفوذ کے بارہ میں بشارتِ الٰہیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق آخرین کو اوّلین سے ملانے والا موعود نبی وعدہ کے عین مطابق اہل فارس میں سے ظاہر ہوا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی روحانی فرزند اور ظلّ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) کا عظیم وعدہ پورا کرنا تھا۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچانے کا الہام فرمایا وہاں مختلف قوموں اور ملکوں میں آپ کی تبلیغ کے خصوصیت سے پھیلاؤ کی بھی خبریں عطا فرمائیں۔ اور یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ آپ جس نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم وعاشقِ صادق اور روحانی فرزند بن کے آئے تھے اس سے نسبت رکھنے والی عرب قوم اور بلادِ عربیہ کے بارہ میں آپ کو خبریں نہ ملی ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہامات بھی فرمائے اور رؤیا وکشوف کے ذریعہ بھی خبریں عطا فرمائیں۔ آیئے احمدیت کی تاریخ کے اس باب کا مطالعہ کر کے اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے ہیں:

عربوں میں تبلیغ اور مقبولیت کی بشارت

ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’کوئی پچیس چھبیس سال کا عرصہ گزرا ہے ایک دفعہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی

میں لکھا ہے‘‘۔ (الحکم جلد 9 نمبر 32 مؤرخہ 10 ستمبر 1905ء صفحہ 3، کالم نمبر 3)

1905ء میں حضورؑ فرماتے ہیں کہ پچیس چھبیس سال پہلے کا یہ رؤیا ہے اسکا مطلب ہے کہ غالبًا یہ 1880ء کی بات ہے۔

اس رؤیا سے عرب وعجم میں آپ کے نام کی یکساں مقبولیت کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ اور شاید حضور علیہ السلام کا مندرجہ ذیل ارشاد بھی اس رؤیا کی تعبیر ہے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں۔ ایک یہ کہ عرب میں اشاعت ہو، دوسرے یورپ پر اتمام حجت کریں۔ عرب پر اس لئے کہ اندرونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہوگا کہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ خدا نے کوئی سلسلہ قائم کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ان کو پہنچائیں، اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہوگی۔ ایسا ہی یورپ والے حق رکھتے ہیں کہ انکی غلطیاں ظاہر کی جاویں کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خدا سے دور جا پڑے ہیں‘‘۔ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 253)

عربوں کی خبر گیری اور راہنمائی کا ارشاد

۞......1893ء میں حضورؑ نے اپنی عربی کتاب حمامة البشری تالیف فرمائی اس میں خدائی بشارت اور حکم لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وَإِنَّ رَبِّی قَد بَشَّرَنِی فِی الْعَرَبِ وَأَلْهَمَنِی أَنْ أُمَوِّنَهُمْ وَأُرِیَهُمْ طَرِیْقَهُمْ وَأُصْلِحَ لَهُمْ شُیُوْنَهُم۔‘‘

(حمامة البشری روحانی خزائن جلد 7 ص 182)

ترجمہ: اور میرے ربّ نے عربوں کی نسبت مجھے بشارت دی اور الہام کیا ہے کہ میں انکی خبر گیری کروں اور ٹھیک راہ بتاؤں اور انکے معاملات کو درست کروں۔

۞......7 ستمبر 1905ء کو آپؑ کو کشف میں ایک کاغذ دکھائی دیا اس پر لکھا تھا:

’’مَصَالِحُ الْعَرَبِ۔ مَسِیْرُ الْعَرَبِ‘‘

اس کی وضاحت میں حضورؑ نے فرمایا:

’’اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ (عربوں میں چلنا) شاید مقدر ہو کہ ہم عرب

میں جائیں۔ مدت ہوئی کہ کوئی پچیس چھبیس سال کا عرصہ گزرا ہے ایک دفعہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی میں۔ انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رؤیا نبی کے اپنے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعے پورے ہوتے ہیں، مثلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر وکسری کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے‘‘۔

(بدر جلد 1 نمبر 23، مؤرخہ 7 ستمبر 1905ء صفحہ 2، الحکم جلد 9 نمبر 32 مؤرخہ 10 ستمبر 1905ء صفحہ 3)

یہ پیشگوئی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ چنانچہ حضور تین دفعہ عرب ممالک میں تشریف لے گئے۔ پہلے آپ 1912ء میں منصب خلافت پر فائز ہونے سے قبل مصر تشریف لے گئے اور وہاں سے حج بیت اللہ شریف کی غرض سے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا۔ اور دوسری دفعہ 1924ء میں حضور بیت المقدس اور دمشق اور بیروت وغیرہ تشریف لے گئے۔ جبکہ تیسری دفعہ 1955ء میں بغرض علاج یورپ کا سفر اختیار فرمایا جس کے دوران دمشق اور بیروت وغیرہ میں بھی کچھ ایام کے لئے قیام فرمایا۔

مسیر العرب کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے بعد مصالح العرب کی جلوہ گری کا بیان آئندہ صفحات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے عہد مبارک میں عربوں میں احمدیت کی تبلیغ اور ان کے مصالح کے سلسلہ میں کی گئی کوششوں کے ضمن میں کیا جائے گا۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔

اہل مکہ کے فوج درفوج قبول احمدیت کی خوشخبری

1894ء میں آپ نے اپنی عربی کتاب نور الحق تالیف فرمائی جس میں یہ بشارت تحریر فرمائی:

”وَاِنِّیْ أَرَى أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يَدْخُلُوْنَ أَفْوَاجًا فِي حِزْبِ اللّٰهِ الْقَادِرِ الْمُخْتَار، هٰذَا مِنْ رَبِّ السَّمَآءِ وَعَجِيْبٌ فِيْ أَعْيُنِ أَهْلِ الْاَرْضِيْن۔“

اور میں دیکھتا ہوں کہ اہل مکہ خدائے قادر کے گروہ میں فوج درفوج داخل ہو جائیں گے۔ اور یہ آسمان کے خدا کی طرف سے ہے اور زمینی

لوگوں کی آنکھوں میں عجیب‘‘۔

(نور الحق حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 197)

عربوں اور بلادِ شام سے جماعتِ مومنین کی بشارت

”إنی رأیتُ فی مبشّرة أُریتُها جماعةً من المؤمنین المخلصین والملوك العادلین الصالحین، بعضهم من هذا المُلك وبعضهم من العرب وبعضهم من فارس وبعضهم من بلاد الشام وبعضهم من أرض الروم وبعضهم من بلادٍ لا أعرفُها۔ ثم قیل لی من حضرة الغیب إن هؤلاء یصدّقونك ویؤمنون بك ویصلّون علیك ویدعون لك۔ وأعطِی لك برکاتٍ حتی یتبرّك الملوك بثیابك وأُدخِلهم فی المخلصین۔هذا رأیتُ فی المنام وأُلْهِمْتُ من اللّٰه العلّام“۔

(لجۃ النور، روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 339-340)

مَیں نے ایک مبشر خواب میں مخلص مومنوں اور عادل اور نیکو کار بادشاہوں کی ایک جماعت دیکھی جن میں بعض اس ملک (ہند) کے تھے اور بعض عرب کے، بعض فارس کے اور بعض بلادِ شام کے، بعض روم کے اور بعض دوسرے بلاد کے تھے جن کو میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ یہ لوگ تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر ایمان لائیں گے، اور تجھ پر درود بھیجیں گے، اور تیرے لئے دعائیں کریں گے، اور میں تجھے بہت برکتیں دوں گا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے، اور میں ان کو مخلصین میں داخل کروں گا۔ یہ وہ خواب ہے جو میں نے دیکھی اور وہ الہام ہے جو خدائے علّام کی طرف سے مجھے ہوا۔

۞......6/اپریل 1885ء کو آپؑ نے ایک رؤیا دیکھی۔اس بارہ میں حضورؑ فرماتے ہیں:۔

’’آج اسی وقت میں نے خواب دیکھا ہے کہ کسی ابتلاء میں پڑا ہوں اور میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہا اور جو شخص سرکاری طور پر مجھ سے مؤاخذہ کرتا ہے میں نے اس سے کہا کیا مجھ کو قید کریں گے یا قتل کریں گے۔ اس نے کچھ ایسا کہا کہ انتظام یہ ہوا ہے کہ گرایا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں اپنے خداوند تعالیٰ جل شانہ کے تصرف میں ہوں،

جہاں مجھ کو بٹھائے گا بیٹھ جاؤں گا، اور جہاں مجھ کو کھڑا کرے گا کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور یہ الہام ہوا: ''یَدْعُونَ لَکَ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبَادُ اللّٰہِ مِنَ الْعَرَبِ''۔یعنی تیرے لئے ابدال شام کے دعا کرتے ہیں اور بندے خدا کے عرب میں سے دعا کرتے ہیں۔

خدا جانے یہ کیا معاملہ ہے اور کب اور کیونکر اس کا ظہور ہو۔ واللّٰہ أعلم بالصواب''۔ (ازمکتوب مؤرخہ 6۔اپریل 1885۔مکتوبات احمدیہ جلداول صفحہ 86)

......اگست 1888ء میں آپؑ نے فرمایا:

''اللہ جل شانہ نے مجھے خبر دی ہے کہ یُصَلُّونَ عَلَیْكَ صُلَحَاءُ الْعَرَبِ وَأَبْدَالُ الشَّامِ۔ وَتُصَلِّی عَلَیْكَ الأَرْضُ وَالسَّمَاءُ۔ وَیَحْمَدُكَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ۔''

(ازمکتوب حضرت اقدسؑ، اگست 1888ء مندرجہ الحکم جلد 5 نمبر 32 مؤرخہ 31/اگست 1901ء صفحہ 6 کالم نمبر 2)

الہامِ مندرجہ بالا کا مطلب ہے کہ صلحائے عرب اور ابدال شام تجھ پر درود بھیجیں گے اور زمین اور آسمان بھی تجھ پر درود بھیجیں گے اور اللہ عرش سے تیری تعریف کرے گا۔

مصر کے بارہ میں خوشخبری

19/جنوری 1903ء کو حضرت اقدسؑ نے عشاء سے پیشتر یہ رؤیا سنائی کہ:

''مَیں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور مَیں اپنے آپ کو موسیٰ سمجھتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں۔ نظر اٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکرِ کثیر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اسکے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے و گاڑیوں و رَتھوں کے ہے اور وہ ہمارے بہت قریب آ گیا ہے۔ میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بے دل ہو گئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ! ہم پکڑے گئے۔ تو میں نے بلند آواز سے کہا:

''کَلَّا إِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔''

اتنے میں مَیں بیدار ہو گیا اور زبان پر یہی الفاظ جاری تھے۔

(تذکرہ صفحہ 373)

آنحضورؐ کی معیت اور ارض حجاز میں اکرام کی خوشخبری

غالباً 1891ء میں حضورؑ نے ایک رؤیا دیکھی اس کے بارہ میں حضور فرماتے ہیں:

''ایک مدت کی بات ہے جو اس عاجز نے خواب میں دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ پر میں کھڑا ہوں اور کئی لوگ مر گئے ہیں یا مقتول ہیں ان کو لوگ دفن کرنا چاہتے ہیں۔ اسی عرصہ میں روضہ کے اندر سے ایک آدمی نکلا اور اس کے ہاتھ میں سرکنڈہ تھا اور وہ اس سرکنڈہ کو زمین پر مارتا تھا اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی۔ تب وہ یہی کام کرتا کرتا میرے نزدیک آیا، اور مجھ کو دکھلا کر اور میرے سامنے کھڑا ہو کر روضہء شریفہ کے پاس کی زمین پر اس نے اپنا سرکنڈہ مارا اور کہا کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی۔ تب آنکھ کھل گئی۔ اور مَیں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ معیت معادی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جو شخص فوت ہونے کے بعد روحانی طور پر کسی مقدس کے قریب ہو جائے تو گویا اس کی قبر اس مقدس کی قبر کے قریب ہو گئی۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ أَحْکَمُ۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 352)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد میں عربوں میں احمدیت کی تبلیغ کے واقعات اور تاریخ کے ذکر کو خاکسار نے سہولت کے لئے دو اَدوار میں تقسیم کیا ہے۔

جیسا کہ ان الہامات اور رؤیا وکشوف سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تقریباً 1880ء سے ہی عربوں کے بارہ میں خوشخبریوں، ان کے امور کی اصلاح، انہیں سیدھا راستہ دکھانے اور انکے احمدیت میں داخل ہونے کی بشارات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، تاہم 1891ء تک نہ تو حضورؑ نے کوئی عربی کتاب لکھی تھی، نہ ہی عربوں میں تبلیغ کی راہ نکل سکی۔

لیکن وہ خدا جس نے یہ بشارات عطا فرمائی تھیں خود ہی ان کے پورا ہونے کے سامان کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے خود ہی تبلیغ کے سامان پیدا فرما دیئے اور دیارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سعادت منداور نیک فطرت انسان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں لا ڈالا۔ یوں عربوں میں احمدیت کا پہلا پودا لگا۔

عرب دنیا سے پہلا احمدی
حضرت الشیخ محمد بن احمد المکی صاحب رضی اللہ عنہ

(بیعت: 10 جولائی 1891ء۔ وفات: 28 جولائی 1940)

تعارف، سلسلہ احمدیہ سے رابطہ اور بیعت:

حضرت الشیخ محمد بن احمد المکی رضی اللہ عنہ مکہ میں شعب بنی عامر میں رہائش رکھتے تھے۔ جہاں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کے مکانات واقع تھے۔

ان کے سلسلہ سے رابطہ اور بیعت کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''حبّی فِی اللہ محمد ابن احمد مکی من حارہ شعب عامر۔ یہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہیں۔ اپنے وطن خاص مکہ معظّمہ سے زادہ اللہ مجدا وشرفا بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے اور ان دنوں میں بعض بداندیش لوگوں نے خلاف واقعہ باتیں بلکہ تہمتیں اپنی طرف سے اس عاجز کی نسبت انکو سنائیں اور کہا کہ یہ شخص رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ مسیح جس پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ میں ہی ہوں۔ ان باتوں سے عربی صاحب کے دل میں بہ مقتضائے غیرت اسلامی ایک اشتعال پیدا ہوا تب انہوں نے عربی زبان میں اس عاجز کی طرف ایک خط لکھا جس میں یہ فقرات بھی درج تھے:

إنْ كُنْتَ عِيسى ابن مريم فَأنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً أيّها الْكَذّاب۔ إنْ كُنْتَ عيسى ابن مريم فَأنزِل عَلَيْنا مَائِدَةً أيّها الدَّجّال۔

یعنی اگر تو عیسی بن مریم ہے تو اے کذاب اے دجال ہم پر مائدہ نازل کر۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ کس وقت کی دعا تھی کہ منظور ہوگئی اور جس مائدہ کو دے کر خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے آخر وہ قادر خدا انہیں اس طرف کھینچ لایا۔ لودھیانہ میں آئے اور عاجز کی ملاقات کی اور سلسلہء بیعت میں داخل ہوگئے۔ فالحمدُ لِلّٰہِ الّذِی نَجّاہُ مِنَ النّار وأنزَلَ عَلَیْہِ مَائِدَۃً مِنَ السَّمَاءِ۔

ان کا بیان ہے کہ جب مَیں آپ کی نسبت بُرے اور فاسد ظنون میں مبتلا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہتا ہے کہ: یَا مُحَمّدُ أنْتَ کَذّابٌ۔ یعنی اے محمد کذاب تُو ہی ہے۔

اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ تین برس ہوئے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ عیسی آسمان سے نازل ہو گیا ہے اور مَیں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انشاء اللہ القدیر مَیں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 538-539)

اظہار ندامت اور بیعت کا خط

حضرت الشیخ محمد بن احمد المکی رضی اللہ عنہ جمّوں میں تھے جب آپ کو احمدیت کا پیغام ملا اور اس پر آپ کے ردّ عمل کا ذکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انکے سخت جارحانہ الفاظ کے جواب میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کو پڑھتے ہی ان پر حق آشکار ہوگیا، لہذا انہوں نے اپنے الفاظ پر ندامت کا اظہار کیا اور حضورؑ کی خدمت میں معافی اور بیعت کا خط لکھا جسے حضورؑ نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں درج فرمایا ہے جہاں حضورؑ فرماتے ہیں:

''اسلام کے مستند علماء کا تخت گاہ حرمین شریفین ہے زادھما اللّٰہ مجدًا وشرفًا وبرکۃً، اور اسلام میں یہی بلادِ عرب، خاص کر کے مکہ ومدینہ، دین کا گھر سمجھے جاتے ہیں۔ سو

ان متبرک مقامات کے جگر گوشہ اور فاضل مستند بھی اس عاجز کے ساتھ شامل ہوتے جاتے ہیں۔‘‘ (سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 75)

ذیل میں حضرت الشیخ محمد بن احمد المکیؓ کا مذکورہ خط مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ایک عالم عرب مکّی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الخلق أجمعين۔ إلى حضرة الجناب المحترم المكرم العزيز الأكرم مولانا ومرشدنا وهادينا ومسيح زماننا غلام أحمد حفظه اللّٰه تعالى آمين ثم آمين يارب العلمين۔

أما بعد السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته۔ قد وصلنا كتابكم العزيز قرأنا وفهمنا ما فيه وحمدنا اللّٰه الذى أنتم بخير وعافية۔ ويا سيدى أطلب من اللّٰه ثم من جنابكم العفو والسماح فيما قد أخطأت ويا سيدى أنا ولدك وخادمك ومحسوب على اللّٰه، ثم إلى جنابكم وإن شاء اللّٰه تعالى أنا تبت وعزمت على أن لا أعود أبدا ولا أتكلم بمثل الكلام الذى ذُكر قطّ۔ جمّل اللّٰه حالكم و شكر اللّٰه فضلكم۔

والسلام۔ الراقم أحقر العباد محمد ابن أحمد مكى

قد عجبنى الكلام الذى ذكرتم فى الكتاب۔ الحمد للّٰه الذى وعدنى بملاقاة جنابكم لا شك ولاريب أنك أنت من عند اللّٰه آمنا وصدقنا وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين۔ راقم محمد ابن أحمد مكى۔

(سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 79)

بسم اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عزت واحترام کے اعلیٰ القاب سے مخاطب کرنے، آپ کو مسیح ومہدی تسلیم کرنے اور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضورؑ کا نامہ گرامی ملا۔ ہم نے اسے پڑھ لیا ہے اور اسکے مضمون کو سمجھ لیا ہے، اور حضورؑ کے بخیر وعافیت ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا ہے۔

سیدی، مَیں پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کے بعد آپ کی خدمت میں اپنی غلطی پر عفو ودرگزر کی درخواست کرتا ہوں۔ سیدی، میں حضور کا بیٹا اور حضور کا خادم ہوں، اور اللہ کے سامنے اور بعد ازاں حضورؑ کو جوابدہ ہوں۔ میں اپنی غلطی پر توبہ کرتا ہوں اور یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ایسی بات نہیں کہوں گا جیسی پہلے مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حالات بہتر فرمائے اور آپ کے فضل واحسان کی بہتر جزا عطا فرمائے۔

والسلام راقم: احقر عباد محمد بن احمد مکی۔

آپ نے اپنے مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے وہ مجھے بہت پسند آیا ہے۔ شکر ہے اس خداوند کریم کا جس نے مجھے آپ کی ملاقات کا وعدہ عطا فرمایا ہے۔ آپ کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، اس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔ راقم: محمد بن احمد مکی

یہاں پر قارئین کرام کی یاددہانی کے لئے تحریر ہے کہ 4/اپریل 1885ء کو حضورؑ کو الہام نازل ہوا۔ يَدْعُونَ لَكَ أَبْدَالُ الشّامِ وَعِبَادُ اللّٰهِ مِنَ الْعَرَبِ۔ یعنی تیرے لئے ابدال شام اور عرب کے نیک بندے دعا کرتے ہیں۔ اس آسمانی خبر کے تقریباً چھ سال بعد لدھیانہ میں 10/جولائی 1891ء کو پہلے عرب احمدی کی حیثیت سے حضرت محمد بن احمد مکی صاحبؓ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت 141 نمبر پر رجسٹر بیعت میں درج ہے۔ جہاں پورا نام یوں درج ہے:

شيخ محمد بن شيخ احمد مكى من حارة شعب عامر۔

(تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 355)

دوسرے جلسہ سالانہ میں شرکت

بیعت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ قادیان میں قیام فرمایا اور 1892ء کے جلسہ سالانہ میں بھی شرکت فرمائی۔ یہ جماعت کی تاریخ کا دوسرا جلسہ سالانہ تھا جس میں (327) احباب نے

شمولیت اختیار کی جن میں سے ایک حضرت شیخ محمد بن احمد مکی تھے۔ ان تمام احباب کی فہرست حضور علیہ السلام نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے آخر پر دی ہے۔

کچھ عرصہ برکات سے مستفیض ہونے کے بعد 1893ء میں آپؓ مکہ شریف بخیریت پہنچ گئے۔ فریضہء حج کی بجا آوری کے بعد 4/اگست 1893ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اپنے بخیریت مکہ معظّمہ پہنچنے اور مختلف لوگوں سے حضورؑ کا ذکر کرنے اور ان کے مختلف تاثرات کے ذکر کے بعد یہ خوشخبری لکھی کہ مَیں نے شعب عامر کے اپنے ایک دوست تاجر السید علی طایع تک پیغامِ حق پہنچایا اور اسے حضورؑ کے دعویٰ سے مفصل خبر دی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا ہے کہ میں حضورؑ کی خدمت میں عرض کروں کہ حضورؑ انہیں اپنی کتب ارسال فرمائیں تو وہ انہیں شرفاء و علماءِ مکّہ مکرمہ میں تقسیم کریں گے۔ اس خط کے ملنے پر حضورؑ نے اسے تبلیغ حق کا ایک غیبی سامان سمجھتے ہوئے ''حمامۃ البشریٰ'' عربی زبان میں تصنیف فرمائی جس میں حضورؑ نے دعویٰ مسیحیت، دلائل وفات مسیح اور نزول مسیح اور خروج دجال کا کی حقیقت کا مفصل بیان اور مکفّرین علماء کی طرف سے آپ کے عقائد اور دعویٰ پر اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

(مأ خذ ازالہ اوہام، آئینہ کمالات اسلام، حمامۃ البشریٰ، رجسٹر بیعت مطبوعہ تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 355، مضمون حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح الأولؓ کی مالی تحریکات روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ 4/جنوری 2002ء، روزنامہ الفضل 19 مئی 1983ء، تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصر اللہ خان ناصر و عاصم جمالی صفحہ 147-148)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم کے آخر میں اپنے تین سو تیرہ اصحاب باصفا کی فہرست درج کی ہے اس میں بھی آپ کا نام نمبر 98 پر مذکور ہے۔

ایک تصحیح

ہمارے لٹریچر میں بعض جگہ حضرت محمد سعید الشامی الطرابلسی صاحبؓ کو پہلا عرب احمدی لکھا گیا ہے۔ لیکن حالات وواقعات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عرب احمدی حضرت محمد بن احمد مکی صاحبؓ تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا مفصل ذکر اپنی کتاب ازالہ اوہام میں فرمایا ہے۔ اور ازالہ اوہام 1891ء کی تصنیف ہے۔ جبکہ حضرت محمد سعید الشامی الطرابلسی صاحبؓ آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ کو پڑھ کر احمدی ہوئے تھے

جو کہ 1893ء کی تالیف ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ عرب علاقوں میں حضور کی کتب کی اشاعت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلص ان بلاد سے اس سلسلہ میں کوشش اور تعاون کرے، لہذا حضورؑ نے ایسے سلطان نصیر کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شامی صاحب کو حضورؑ کی دعا کے ثمرہ کے طور پر احمدیت کی آغوش میں ڈال دیا۔اور حضورؑ نے خود بھی انہیں اپنی دعا کا پہلا پھل قرار دیا۔شاید اس بات سے سہوًا انہیں پہلا عرب احمدی سمجھ لیا گیا۔واللہ اعلم۔

عربوں کی طرف التفات اور پہلی عربی تصنیف

......حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب نور الحق حصہ اول میں فرماتے ہیں کہ جب میں نے ملک ہند کے اکثر مولویوں کو طرح طرح کی روحانی بیماریوں اور زہروں میں مبتلا پایا اور کتاب اللہ اور رسول اللہ سے بے رغبت پایا، تو عربوں کی طرف توجہ کی۔

آپؑ فرماتے ہیں: (اردو ترجمہ از نور الحق نقل کیا جاتا ہے)

''پس جب ہند کی زمین میں ایسا زلزلہ آیا کہ ساری زمین ہل گئی اور علماء میں مَیں نے بخل اور حسد پایا تو میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ ان لوگوں سے اعراض کروں اور مکّہ کی طرف بھاگوں اور صلحاء عرب اور مکّہ کے برگزیدوں کی طرف توجہ کروں ......سو خدا تعالیٰ نے اس حاجت کے پیدا ہونے کے وقت میرے دل میں یہ القاء کیا کہ میں کھلی کھلی عربی میں چند کتابیں تالیف کروں۔ سو میں نے خدا کے فضل اور اسکی رحمت اور اسکی توفیق سے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام تبلیغ ہے پھر دوسری کتاب تالیف کی جس کا نام تحفہ ہے پھر تیسری کتاب تالیف کی جس کا نام کرامات الصادقین ہے، پھر چوتھی کتاب تالیف کی جس کا نام حمامۃ البشری ہے......اور میں نے ان کتابوں کو صرف زمین عرب کے جگر گوشوں کے لئے تالیف کیا ہے۔''

(اردو ترجمہ از نور الحق حصہ اول، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 19-20)

حضور علیہ السلام کی پہلی عربی کتاب

......11 رجنوری 1893ء کو جب حضورؑ اپنی معرکۃ الآراء کتاب آئینہ کمالات اسلام کے اُردو حصہ کی تالیف سے فارغ ہوئے تو مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ نے ایک مجلس میں حضرت اقدسؑ سے عرض کیا کہ اس کتاب کے ساتھ مسلمان فقراء اور پیر زادوں پر اتمام

حجت کے لئے ایک خط بھی شائع ہونا چاہئے جو دن رات بدعات میں غرق ہیں اور خدا کے قائم کردہ اس سلسلہ سے بے خبر ہیں۔ حضورؑ کو یہ تجویز پسند آئی۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:

''میرا ارادہ یہ تھا کہ یہ خط اُردو میں لکھوں لیکن رات کو بعض ارشادات الہامی سے ایسا معلوم ہوا کہ یہ خط عربی میں لکھنا چاہئے۔ اور یہ بھی الہام ہوا کہ ان لوگوں پر اثر بہت کم پڑے گا، ہاں اتمام حجت ہوگا''۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 359-360)

چنانچہ آپؑ نے خدا داد قوت ومقدرت سے نہایت فصیح وبلیغ عربی زبان میں ''التبلیغ'' کے عنوان سے ہندوستان، عرب، مصر، شام، ایران، ترکی، اور دیگر ممالک کے سجادہ نشینوں، زاہدوں، صوفیوں کے نام ایک مکتوب تالیف فرمایا۔ حضورؑ نے یہ پہلی عربی کتاب خدا تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت اور اس کے الہام اور اس کی خاص قدرت سے تالیف فرمائی جس کے بارہ میں حضور فرماتے ہیں:

"والحمد لله أولًا وآخرًا، وظاهرًا وباطنًا، هو وليي في الدنيا والآخرة۔ أنطقني روحه ، وحركتني يده ، فكتبت مكتوبي هذا بفضله وإيمائه وإلقائه...... رب كتبت هذا المكتوب بقوتك وحولك ونفحات إلهامك، فالحمد لك يا رب العالمين۔

أنت محسني ومنعمي، وناصري وملهمي، ونور عيني وسرور قلبي وقوة إقدامي۔"

یعنی: اول وآخر میں اور ظاہر وباطن میں سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے، وہی میرا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دوست ومددگار ہے۔ اسکی روح نے مجھے نطق کی طاقت بخشی، اور میرے ہاتھ کو جنبش دی، چنانچہ میں نے اسکے فضل اور اسکے اشارہ اور اسکے الہام سے اپنا یہ مکتوب لکھا ہے...... اے میرے پروردگار، یہ مکتوب مَیں نے تیری دی ہوئی قوت اور طاقت سے اور تیرے الہام کے نفحات کی مدد سے لکھا ہے۔ پس اے پردورگار عالم ہر قسم کی تعریف صرف تیرے لئے ہی ہے، تو مجھ پر احسان کرنے والا اور مجھ پر انعام کرنے والا، اور میری مدد ونصرت اور مجھے الہام فرمانے والا ہے، تو میری آنکھ کا نور ہے اور میرے دل کا سرور ہے اور میرے ہر اقدام کی اصل قوت تو ہی ہے''۔

اس کتاب میں حضورؑ نے عربوں کو براہ راست مخاطب فرمایا، اور خدا تعالیٰ کے الہام

وانعام اوراس کی مدد ونصرت وقوت سے لکھی گئی اس کتاب کا تقاضا تھا کہ حضور کا عربوں کو یہ خطاب بے مثال اور مؤثر ترین ہونا اور اعجازی رنگ لئے ہوئے ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جن الفاظ میں حضورؒ نے عربوں کو مخاطب فرمایا وہ دل ودماغ پر اک عجیب کیفیت برپا کر دیتے ہیں، اس کی ابتداء حضورؒ نے ان الفاظ سے فرمائی:

"السلام عليكم أيها الأتقياء الأصفياء من العرب العرباء، السلام عليكم يا أهل أرض النبوة و جيران بيت الله العظمى......"۔

اس خطاب کے ایک حصہ کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے تاہم جن احباب کو عربی زبان سے واقفیت ہے انہیں چاہئے کہ حضورؒ کے اصل عربی کلمات پڑھ کر علمی، ادبی اور روحانی طور پر لطف اٹھائیں۔

السلام علیکم! اے عرب کے تقوی شعار اور برگزیدہ لوگو۔

السلام علیکم! اے سرزمینِ نبوت کے باسیو اور خدا کے عظیم گھر کی ہمسائیگی میں رہنے والو۔

تم اقوام اسلام میں سے بہترین قوم ہو اور خدائے بزرگ وبرتر کا سب سے چنیدہ گروہ ہو۔ کوئی قوم تمہاری عظمت کو نہیں پہنچ سکتی۔ تم شرف وبزرگی اور مقام ومرتبہ میں سب پر سبقت لے گئے ہو۔ تمہارے لئے تو یہی فخر کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا آغاز حضرت آدم سے کر کے اُسے اُس نبی پر ختم کیا جو تم میں سے تھا اور تمہاری ہی زمین اس کا وطن اور مولد و مسکن تھی۔

تم کیا جانو کہ اس نبی کی کیا شان ہے۔ وہ محمد مصطفیٰ ہے، برگزیدوں کا سردار، نبیوں کا فخر، خاتم الرسل اور دنیا کا امام۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہر انسان پر ثابت ہے۔ اور آپ کی وحی نے تمام گزشتہ رموز و معارف ونکات عالیہ کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اور جو معارف حقہ اور ہدایت کے راستے معدوم ہو چکے تھے ان سب کو آپؐ کے دین نے زندہ کر دیا۔

اے اللہ تو روئے زمین پر موجود پانی کے تمام قطروں اور ذرّوں اور زندوں اور مُردوں اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ظاہر یا مخفی ہے ان سب کی تعداد کے برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت اور سلامتی اور برکت بھیج۔ اور ہماری طرف سے آپ کو اس قدر سلام پہنچا جس سے آسمان کناروں تک بھر جائے۔

مبارک ہے وہ قوم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جؤا اپنی گردن پر رکھا۔ اور مبارک ہے وہ دل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا اور آپ میں کھو گیا اور آپ

کی محبت میں فنا ہو گیا۔

اے اُس زمین کے باسیو جس پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم پڑے! اللہ تم پر رحم کرے اور تم سے راضی ہو جائے اور تمہیں راضی برضا کر دے۔

اے بندگانِ خدا! مجھے تم پر بہت حسن ظن ہے۔ اور میری روح تم سے ملنے کے لئے پیاسی ہے۔ میں تمہارے وطن اور تمہارے بابرکت وجودوں کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہوں تا کہ میں اس سرزمین کی زیارت کرسکوں جہاں حضرتِ خیرُ الوَریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم پڑے، اور اس مٹی کو اپنی آنکھوں کے لئے سرمہ بنا لوں۔ اور میں مکہ اور اس کے صلحاء اور اس کے مقدس مقامات اور اس کے علماء کو دیکھ سکوں۔ اور تا کہ میری آنکھیں وہاں کے اولیائے کرام سے مل کر اور وہاں کے عظیم مناظر کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوں۔ پس میری خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں عنایت سے آپ لوگوں کی سرزمین کی زیارت نصیب فرمائے اور آپ لوگوں کے دیدار سے مجھے خوش کر دے۔

اے میرے بھائیو! مجھے تم سے اور تمہارے وطنوں سے بے پناہ محبت ہے۔ مجھے تمہاری راہوں کی خاک اور تمہاری گلیوں کے پتھروں سے محبت ہے۔ اور مَیں تمہیں کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتا ہوں۔

اے عرب کے جگر گوشو! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو خاص طور پر بے پناہ برکات، بے شمار خوبیوں اور عظیم فضلوں کا وارث بنایا ہے۔ تمہارے ہاں خدا کا وہ گھر ہے جس کی وجہ سے اُمُّ الْقُرَیٰ کو برکت بخشی گئی۔ اور تمہارے درمیان اس مبارک نبی کا روضہ ہے جس نے توحید کو دنیا کے تمام ممالک میں پھیلایا اور اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کیا۔

تمہی میں سے وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے سارے دل اور ساری روح اور کامل عقل وسمجھ کے ساتھ اللہ اور اسکے رسول کی مدد کی، اور خدا کے دین اور اس کی پاک کتاب کی اشاعت کے لئے اپنے مال اور جانیں فدا کر دیں۔ بے شک یہ فضائل آپ لوگوں ہی کا خاصہ ہیں اور جو آپ کی شایانِ شان عزت واحترام نہیں کرتا وہ یقیناً ظلم وزیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

اے میرے بھائیو! میں آپ کی خدمت میں یہ خط ایک زخمی دل اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ پس میری بات سنو، اللہ تعالیٰ تمہیں اسکی بہترین جزاء عطا فرمائے۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 419-422)

پھر اسی کتاب میں دوسری جگہ حضورؑ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اے عرب کے مشائخ اور حرمین شریفین کے چنیدہ لوگو! میں نے ان تمام امور کو ہندوستان کے علماء کے سامنے رکھا لیکن انہوں نے ان کو قبول نہ کیا۔ مَیں نے انہیں سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے، مَیں نے ان کو جگانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں جاگے۔ بلکہ اس کے برعکس میری تکفیر وتکذیب کی کوششوں میں لگ گئے۔

اے عرب اور مصر اور بلاد شام وغیرہ کے برادران، جب مَیں نے دیکھا کہ یہ ایک عظیم نعمت ہے اور آسمان سے نازل ہونے والا مائدہ ہے اور عطاؤں والے خدا کی طرف سے ایک قابل قدر نشان ہے تو میرے دل نے چاہا کہ میں آپ کو اس مَیں شریک نہ کروں۔ چنانچہ مَیں نے اس امر کی تبلیغ کو ایک فرض سمجھا اور ایسے قرض کے مشابہ خیال کیا جسے ادا کئے بغیر اسکا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

اب مَیں نے آپ کو وہ سب کہہ دیا ہے جو میرے لئے میرے رب کی طرف سے ڈالا گیا ہے اور میں اس بات کے انتظار میں ہوں کہ تم کس طرح اس کا جواب دیتے ہو“۔

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 488-490)

حضورؑ کے پُرتاثیر کلمات کا جادو

حضورؑ کے یہ پُرتاثیر کلمات ایسے ہیں کہ پتھر سے پتھر دل کو بھی پگھلا کے رکھ دیں۔ لیکن اُس زمانہ میں حضورؑ کی کتب کا عربوں تک پہنچنا نہایت مشکل تھا اس لئے اس عرصہ میں اکثر عرب آپؑ کے عربی کلام کے حسن وتاثیر سے ناآشنا رہے۔ لیکن تاریخ نے سینۂ قرطاس پر بصد فخر ایک مثال یوں محفوظ کی کہ طرابلس کے ایک مشہور عالم السید محمد سعید الشامی نے جب یہ کتاب پڑھی تو بے ساختہ کہا: ’واللہ ایسی عبارت عرب نہیں لکھ سکتا‘۔ اور بالآخر اس سے متاثر ہو کر احمدیت قبول کر لی۔ (ملخص از تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 473)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدہ

اسی کتاب ”التبلیغ“ کے آخر میں حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایک معجزہ نما عربی قصیدہ بھی رقم فرمایا ہے جو چودہ سو سال کے اسلامی لٹریچر

میں اپنی نظیر آپ ہے۔ جب حضورؑ یہ قصیدہ لکھ چکے تو آپ کا روئے مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا:

یہ قصیدہ جناب الٰہی میں قبول ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ قصیدہ حفظ کرلے گا اور ہمیشہ پڑھے گا میں اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دوں گا، اور اپنا قرب عطا کروں گا''۔

جب یہ قصیدہ السید محمد سعید الشامی کو دکھایا گیا تو وہ پڑھ کر بے اختیار رونے لگے اور کہا: خدا کی قسم میں نے اس زمانہ کے عربوں کے اشعار بھی کبھی پسند نہیں کئے مگر ان اشعار کو میں حفظ کروں گا۔ (تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 473)

یہ قصیدہ جماعت کے ہر چھوٹے بڑے میں یکساں مقبول ہے۔

اس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

یا عین فیض اللّٰہ والعرفان

یسعی إلیك الخلق کالظمآن

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی الہامی زبان کے بارہ میں بعض جاہل یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضورؑ نے اچھی خاصی عربی پڑھی ہوئی تھی اور قادر الکلام تھے اور خدا کی طرف سے تعلیم محض ایک بنائی ہوئی بات ہے۔

گو کہ یہ تحریر ایسے اعتراضات کے ردّ کے طور پر تو نہیں لکھی جارہی لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے جس عربی قصیدہ کی بات ہورہی ہے اس کے بارہ میں ایک غیر از جماعت دوست کی رائے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں مذکورہ بالا اعتراض کا بھی ردّ ہو جاتا ہے۔

علاّمہ نیاز فتح پوری صاحب نے اس قصیدہ کے بارہ میں لکھا:

''اب سے تقریبا 65 سال قبل 1893ء کی بات ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوی تجدید و مہدویت سے ملک کی فضا گونج رہی تھی اور مخالفت کا اک طوفان انکے خلاف برپا تھا۔ آریہ عیسائی اور مسلم علماء سبھی ان کے مخالف تھے اور وہ تنِ تنہا ان تمام حریفوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انہوں نے مخالفین کو هَل مِن مُبارِز کے متعدد چیلنج دیئے اور ان میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجملہ اور اتہامات میں سے ایک اتہام یہ بھی تھا کہ وہ عربی وفارسی سے نابلد ہیں۔ اسی اتہام کی تردید میں انہوں نے یہ قصیدہ نعت عربی میں لکھ کر مخالفین کو

اس کا جواب لکھنے کی دعوت دی۔لیکن ان میں سے کوئی بروئے نہ آیا۔مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ 69 اشعار پر مشتمل ہے۔اپنے تمام لسانی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ایک ایسا شخص جس نے کسی مدرسہ میں زانوئے ادب تہ نہ کیا تھا کیونکر ایسا فصیح وبلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہوگیا............ یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی وفنی خصوصیات بلکہ اس والہانہ محبت کے لحاظ سے جو مرزا صاحب کو رسول اللہ سے تھی بڑی پُر اثر چیز ہے‘‘۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 474-475)

عربی زبان کے خدائی علم کا دعویٰ اور عربی میں مقابلہ کی دعوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ابتدائی عمر میں بعض پرائیویٹ استادوں سے عربی کا علم سیکھا تھا مگر یہ تعلیم محض ایک ابتدائی رنگ رکھتی تھی اور مروّجہ تعلیم کے مرحلہ سے متجاوز نہیں تھی اور پنجاب و ہندوستان میں ہزاروں علماء ایسے موجود تھے جو کتابی علم میں آپ سے بہت آگے تھے۔ لیکن جب خدا تعالی نے آپ کو مبعوث فرمایا تو قرآن علوم سے آپ کو مالا مال کر دیا اور اسے کے ساتھ یہ خارق عادت رنگ میں عربی کا علم بھی عطا فرما دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب مکتوب احمد (جو انجام آتھم کا عربی حصہ ہے) میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”وَإِنَّ كَمَالِيْ فِيْ اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ، مَعَ قِلَّةِ جُهْدِيْ وَقُصُوْرِ طَلَبِيْ، آيَةٌ وَاضِحَةٌ مِنْ رَبِّيْ، لِيُظْهِرَ عَلَى النَّاسِ عِلْمِيْ وَأَدَبِيْ، فَهَلْ مِنْ مُعَارِضٍ فِيْ جُمُوْعِ الْمُخَالِفِيْنَ؟ وَإِنِّيْ مَعَ ذَلِكَ عُلِّمْتُ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا مِنَ اللُّغَاتِ الْعَرَبِيَّةِ،وَأُعْطِيْتُ بَسْطَةً كَامِلَةً فِى الْعُلُوْمِ الأَدَبِيَّةِ، مَعَ اِعْتِلَالِيْ فِيْ أَكْثَرِ الأَوْقَاتِ وَقِلَّةِ الْفَتَرَاتِ، وَهَذَا فَضْلُ رَبِّيْ اَنَّهُ جَعَلَنِيْ أَبْرَعَ مِنْ بَنِيْ الْفُرَاتِ، وَجَعَلَنِيْ أَعْذَبَ بَيَانًا مِنَ الْمَاءِ الْفُرَاتِ۔ وَكَمَا جَعَلَنِيْ مِنَ الْهَادِيْنِ الْمَهْدِيِّيْنَ، جَعَلَنِيْ أَفْصَحَ الْمُتَكَلِّمِيْنَ۔

فَكَمْ مِنْ مُلَحٍ أُعْطِيْتُهَا، وَكَمْ مِنْ عَذْرَاءَ عُلِّمْتُهَا، فَمَنْ كَانَ مِنْ لُسْنِ

الْعُلَمَاءِ ، وَحَوَى حُسنَ البَيَانِ كَالأدَبَاءِ ، فَإِنِّی أَسْتَعْرِضُهُ لَو كَانَ مِنَ الْمُعَارِضِيْنَ الْمُنْكِرِيْنَ ـ" (روحانی خزائن جلد 11ص 234)

اور باوجود بہت ہی تھوڑی جدو جہد اور کوشش کے میرا عربی زبان میں کمال حاصل کرنا میرے رب کی طرف سے ایک واضح نشان ہے تا وہ لوگوں پر میرا علم اور ادب ظاہر فرمائے۔پس کیا میرے مخالفین کے گروہ میں کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے؟ اسکے ساتھ ساتھ مجھے عربی زبان کے چالیس ہزار لغات (الفاظ) بھی سکھائے گئے ہیں اور مجھے ادبی علوم میں کامل وسعت عطاء ہوئی ہیں باوجودیکہ میں اکثر بیمار رہتا ہوں اور صحت کے اوقات کم ہی ہوتے ہیں ۔ یہ میرے رب کا فضل ہے کہ اس نے مجھے بنی فرات (فارسی ترجمہ میں لکھا ہے کہ اس سے مراد عباسی دور کے چار وزراء ابوالحسن علی، ابو عبداللہ جعفر، ابو عیسی ابرہیم اور ان تینوں کے والد محمد بن موسیٰ بن حسن بن فرات ہیں) سے بھی زیادہ قادر الکلام بنایا ہے۔اور میرے بیان کو میٹھے پانی سے بھی زیادہ شریں بنایا ہے۔اور جیسے کہ اس نے مجھے ایسے ہادیوں میں سے بنایا ہے جو خدا سے براہ راست ہدایت پاتے ہیں ویسے ہی اس نے مجھے سب سے زیادہ بلیغ الکلام بنایا ہے۔پس کتنے ہی ادب کے شہہ پارے مجھے عطا ہوئے ہیں اور کتنے ہی خوبصورت کلمات مجھے سکھائے گئے ۔ پس ہر وہ شخص جو زبان کا ماہر ہے اور ادباء کی طرح حسن بیان پر قادر ہے اسے میں مقابلہ پر بلاتا ہوں اگر وہ مخالفت اور انکار کرنے والوں میں سے ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ آپ نے بڑی تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ پیش کیا اور آخر عمر تک دہراتے رہے لیکن کسی کو آپ کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ بعد ازاں آپ نے یہ بھی لکھا کہ اگر کوئی ایک فرد مقابلہ کی جرأت نہیں کرسکتا تو میری طرف سے اجازت ہے کہ سب مل کر میرے مقابل پر آؤ اور میری جیسی فصیح و بلیغ اور معارف سے پُر عربی لکھ کر دکھاؤ، مگر کوئی بھی مقابل پر نہ آیا۔ آپ نے اس چیلنج کو صرف ہندوستانی علماء تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے عربوں اور مصریوں اور شامیوں تک وسیع کر دیا۔اور نثر و نظم، سجع و غیر سجع اور مقفی و غیر مقفی فصیح و بلیغ عربی زبان میں کتابیں لکھیں اور ادب کے ہر میدان میں اپنے گھوڑے دوڑائے اور شاہسواری کا حق ادا کر دیا۔

(ماخوذ از سلسلہ احمدیہ صفحہ 56 تا 58)

اوّل ابدال الشام

حضرت محمد سعید الشامی الطرابلسی رضی اللہ عنہ

مکرم السید محمد سعید الشامی صاحب رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر ہوا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جس قدر حالات ہمارے لٹریچر سے میسر آ سکے ہیں یہاں درج کر دیئے جائیں۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے مطابق ابدال الشام میں سے پہلے صالح انسان تھے جنہیں حضرت مسیح موعود کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نہایت درجہ بزرگ اور نابغہء روزگار عالم تھے، فخر الشعراء اور مجد الأدباء کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے اور طرابلس کے رہائشی تھے جو کہ بیروت سے تیں کوس کے فاصلے پر ہے۔ آپ طرابلس سے براستہ کراچی کرنال گئے، وہاں سے دہلی بغرض علاج حکیم اجمل خان دہلوی کے پاس گئے اور دہلی کے مشہور مدرسہ فتح پوری میں علوم عربیہ کی تدریس کے فرائض بجا لاتے رہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے تعلق

حضرت حافظ محمد یعقوب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے جو ڈیرہ دُون میں رہتے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت محمد سعید الشامی صاحب کا تعارف ہوا۔ ایک دفعہ آپ محترم حافظ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حافظ صاحب نے آئینہ کمالات اسلام (جس کا عربی حصہ التبلیغ کے نام سے شائع ہوا) میں مندرجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعتیہ قصیدہ سے آپ کا تعارف کروایا جسے پڑھ کر آپ بے ساختہ پکار اٹھے کہ:۔

’’عرب بھی اس سے بہتر کلام نہیں لا سکتے‘‘۔

ازاں بعد آپ کو سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوا جہاں آپ کی ملاقات حضرت میر حسام الدین رضی اللہ عنہ سے ہوئی جنہوں نے آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ کی بابت گفتگو کے دوران اس کا ردّ لکھنے پر ایک ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔اس ملاقات میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جن سے حضرت محمد سعید صاحب الشامیؓ نے حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے بارہ میں معلومات اور تعارف حاصل کیا۔

التبلیغ کی عربی زبان کا سحر اور نعتیہ قصیدہ کی ادبی بلاغت اور معانی کے بحرِ زخار نے آپ کی سوچ میں تلاطم برپا کر دیا اور آپ کشاں کشاں قادیان چلے آئے۔

قادیان میں قیام اور بیعت

آپ تقریباً سات ماہ تک تحقیق میں مصروف رہے۔حضرت اقدس علیہ السلام کو نہایت قریب سے دیکھا اور حضورؑ کے علمی فیضان سے متمتع ہوئے اور بالآخر بعض مبشر رؤی کی بناء پر سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔

دینی خدمات

حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک ’’الإنصاف بین الأحباء‘‘اور دوسری ’’إیقاظ الناس‘‘ ہے۔

تذکرۂ واقعات

آپ کے حضرت اقدس علیہ السلام کی صحبت میں رہنے کے ایام میں چندایمان افروز واقعات کا ذکر ملتا ہے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۞...... حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دھوبی آپ کے دھلے ہوئے کپڑے لایا۔آپ کے دل میں خیال گزرا کہ اگر حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اس وقت موجود ہوتے تو اسے اُجرت دے دیتے۔عین اسی لمحہ جب حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ یہ بات سوچ رہے تھے کہ یکا یک حضورؑ رونق

افروز ہوئے اور اپنے دست مبارک سے دھوبی کو اس کی مطلوبہ رقم مرحمت فرمادی۔

۞...... ایک امر شرعی نے آپ کو سخت مشکل میں ڈال رکھا تھا اور اس بارہ میں اکثر احباب تشفی کرانے سے قاصر تھے۔ حضرت محمد سعید صاحب الشامی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز ظہر کے لئے تشریف لائیں گے تو آپؑ سے دریافت کروں گا۔ آپؑ نے ظہر کی نماز میں آتے ہی فرمایا کہ جس مسئلہ نے آپ کو اور دیگر حضرات کو الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے اس کا حل یہ ہے۔ حالانکہ آپ نے اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

(عالم روحانی کے لعل و جواہر نمبر 167۔ مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ 21 جولائی 2001ء، صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقریر جلسہ سالانہ 1964ء، ذکر حبیب صفحہ 42، بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصر اللہ خان ناصر و عاصم جمالی صفحہ 101-103)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم کے آخر میں تین سو تیرہ اصحاب کی جو فہرست دی ہے اس میں آپ کا نام 55 نمبر پر مذکور ہے۔

۞......حضورؑ نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں حضرت شامی صاحبؓ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''ایک فاضل عرب کی اس عاجز کی کتاب آئینہ کمالات اسلام اور تبلیغ کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت پر گواہی جو ایک بلدہ عظیمہ میں تعلیم ادب وغیرہ کے مدرس ہیں۔

اخی مکرم مولوی حافظ محمد یعقوب صاحب سلّمہٗ۔ ڈیرہ دون سے لکھتے ہیں کہ مَیں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ آپ امام زمانہ ہیں، مؤید من اللہ ہیں۔ علماء کو اللہ تعالیٰ نے ضرور آپ کا شکار بنایا ہے یا غلام۔ آپ کا مخالف کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ مجھے اللہ تعالیٰ آپ کے خادموں میں زندہ رکھے اور اسی میں مارے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ ایک عرب عالم اس وقت میرے پاس بیٹھے ہیں۔ شامی ہیں، سیدی ہیں، بڑے ادیب ہیں۔ ہزاروں اشعار عرب عاربہ کے حفظ ہیں۔ ان سے آپ کے بارے گفتگو ہوئی وہ عالم متبحر اور میں عامی محض۔ مگر توفّی کے معنے میں کچھ بَن نہ پڑا۔ آپ کی عبارت ''آئینہ کمالات اسلام'' جو عربی ہے ان کو دکھائی گئی۔ کہا واللہ

ایسی عبارت عرب نہیں لکھ سکتا ہندوستانی کو تو کیا طاقت ہے۔ قصیدہ نعتیہ دکھایا۔ پڑھ کر رو دیا۔ اور کہا خدا کی قسم مَیں نے اس زمانہ کے عربوں کے اشعار کو کبھی پسند نہیں کیا اور ہندیوں کا تو کیا ذکر ہے، مگر ان اشعار کو حفظ کروں گا۔ اور کہا واللہ جو شخص اس سے بہتر عبارت کا دعویٰ کرے چاہے عرب ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ملعون مسیلمہ کذاب ہے۔ تَمَّ کَلَامُہٗ۔

مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ کلام ربّانی اور تائید سبحانی کا اعجاز ہے آدمی کا کام نہیں۔ مَیں نے حضرت کو اپنی جان اور اپنی اہل اور اولاد میں مالک کر دیا۔

(سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 75-76)

......اسی طرح آپؑ نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں حضرت شامی صاحبؓ کا ایک خط اور اس پر حضورؑ کا جواب بھی عربی زبان میں درج فرمایا ہے جو اپنی ذات میں عربی ادب کا ایک شہ پارہ معلوم ہوتا ہے۔ اس خط کا خلاصہ قارئین کی نظر کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے انہوں نے حضورؑ کو مخاطب کرنے کا سحر انگیز طریق اختیار کیا ہے عرض کرتے ہیں:

اے وہ عظیم الشان وجود کہ جس کے اوصاف حمیدہ کے بارہ میں مجھے نسیمِ شوق نے آگاہی دی ہے، اور اے وہ ہستی کہ جس کے فیوض کے عطر سے نرگس کے پھولوں نے مہک مستعار لی ہے۔

پھر دعا گو ہوتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اللہ کرے کہ حضور کے نجات کے سفینے علوم وفنون کے سمندروں میں محو سفر رہیں۔ اور لوگوں کے سر آپ کے بلند وبالا مرتبہ کے سامنے جھکے رہیں، اور زبانیں آپ کے محاسن کی گواہی دیتی رہیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ: میرا آپ سے ملنے کا شوق ناقابل بیان ہے۔ مجھے قضا وقدر نے ملک ملک پھراتے ہوئے اس علاقے میں لا پھینکا اور ایک شفیق بھائی مولوی محمد یعقوب سے ملایا۔ اس کے ساتھ باتوں میں آپ کا ذکر چل نکلا اور جب آپ کے اخلاق ومحاسن سے آگاہی ہوئی تو آپ سے ملاقات کی جستجو پیدا ہوگئی۔ لیکن راہ کی تکلیف، گرمی کی تپش، تہی دستی، اور قلت زاد جیسے امور میری راہ میں حائل ہیں۔

اس کے آگے انہوں نے دو شعروں میں اپنی حالت کا نقشہ کھینچا ہے جن کا ترجمہ ہے:

اگر مجھے قوت پرواز ہوتی تو مَیں وفورِ شوق سے آپ کی طرف اڑتا چلا جاتا اور کبھی گریز نہ کرتا۔ لیکن کیا کروں کہ میرے پر کٹے ہوئے ہیں اور پر کٹا پرندہ پرواز کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

تاہم جب تک قدم آپ کی طرف چل کے نہیں جا سکتے تب تک قلم سے ہی یہ پیاس بجھاتا ہوں کیوں کہ خط بھی تو آدھی ملاقات ہے اور ویسے بھی جب پانی میسر نہ آ سکتا ہو تو اسکے متبادل کو ہی اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے اس خط کے جواب میں اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ عربی زبان میں خط لکھا جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''اے میرے پیارے اور مخلص مجھے تمہارا نامہ گرامی ملا۔ اسے کھول کر دیکھا اور اس کے مندرجات کو پڑھا تو پتہ چلا کہ یہ ایک سچے، پارسا، صاحب فہم و عقل اور صائب الرائے، صاحبِ بصیرت ناقد دوست کی طرف سے اس عاجز کے نام آیا ہے جسے تکفیر کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ہر چھوٹا بڑا اسے چھوڑ کر الگ ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں آپ جیسا تسلی دینے والا فاضل عربی محبّ عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے مجھے آپ جیسے شرفاء کی محبت کی بشارت دی ہوئی ہے۔ مَیں نے عرب ممالک اور شام بھجوانے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے تا مَیں ان معزز لوگوں کی طرف سے مدد پاؤں۔ ان بابرکت ایام میں آپ کا خط ملا تو مَیں نے اسے عرب ممالک کے اثمار میں سے پہلا ثمر خیال کیا۔ اور اسے شرق وغرب کی اصلاح کے کام کے لئے نیک فال کے طور پر لیا۔ اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ خدا تعالیٰ مجھے آپ کے ممالک میں لے جائے تا میں آپ لوگوں کے دیدار سے متمتع ہوسکوں۔

برادرِ من! اس ملک کے علماء نے مجھے کافر قرار دیا، میری تکذیب کی، مجھ پر بہتان لگائے اور لعن طعن وبیہودہ گوئی کی مجھ پر بھر مار کر دی ہے۔ لہٰذا مَیں ان علماء اور ان کے علم سے بیزار ہو گیا ہوں اور ان لوگوں کے اسلام میں شک کرنے والوں میں سے ہو گیا ہوں۔ ان کے دلوں کو بدظنّی کرنے اور خدائے معبود کی گستاخی کرنے میں یہود کے مشابہ پاتا ہوں۔

یہ مجھے کافر قرار دینے پر مصر ہیں اور انہوں نے مجھے تکلیف دینے کی کوئی کسر نہیں اٹھا

رکھی۔ انہوں نے ایک مؤحد اور مومن کو تحریر و تقریر میں کافر کہا ہے اور میری تکفیر میں جلد بازی پر نادم نہیں ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وقت تجدید دین اور شیطان کو شکست دینے کے لئے آنے والے مجدد کے ظہور کا نہیں ہے۔ وہ نہیں دیکھتے کہ ظلمت چھا گئی ہے اور دشمن اسلام پر حملہ آور اور نقب زن ہے۔ زمین پر صلیب کی عبادت کرنے والی قوم کا غلبہ ہے جو ہر ایک کو گمراہ کرنے پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی اس حالت پر رحم فرماتے ہوئے ایک بندہ کو تجدید دین اور اتمام حجت کے لئے کھڑا کیا تا وہ ان کو ظلمتوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لائے۔

مَیں نے یہ دکھ درد آپ کے سامنے اس لئے بیان کئے ہیں کہ تا آپ کو اسلام کی کمزور حالت پر رحم آئے۔ مَیں آپ کو نیک اور مخلص نوجوان سمجھتا ہوں۔ آپ نے اپنے الفاظ سے مجھے خوش کر دیا ہے اور پیار بھری باتوں سے اس عاجز مورد طعن و ملامت کو تسلی دی ہے۔ اللہ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور آپ پر رحم فرمائے۔ وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے"۔ (سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 ص 77-78)

حضرت مسیح موعودؑ کے قلم مبارک سے آپؓ کے اوصاف کا بیان

❖......آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اور مَیں نے ان کتابوں (التبلیغ، تحفہ بغداد، کرامات الصادقین، حمامۃ البشریٰ۔ ناقل) کو صرف زمین عرب کے جگر گوشوں کے لئے تالیف کیا ہے۔ اور میری بڑی مراد یہی تھی کہ ان مقدس جگہوں اور مبارک شہروں میں میری کتابیں شائع ہو جائیں۔ پس مَیں نے دیکھا کہ کتابوں کا ان ملکوں میں شائع ہونا ایک ایسے نیک انسان کے وجود کی فرع ہے جو شائع کرنے والا ہو.........سو مَیں تضرع کے ہاتھ اٹھاتا اور دعائیں عاجزی سے کرتا تھا کہ یہ آرزو اور مراد میرے لئے حاصل اور متحقق ہو یہاں تک کہ میری دعا قبول ہو گئی اور میری طرف خدا کا فضل ایک ایسے آدمی کو کھینچ لایا جو صاحبِ علم اور فہم اور مناسبت تھا اور نیک بختوں میں سے تھا۔ اور مَیں نے اس کو پاک اصل اور پسندیدہ خلق والا اور پاک فطرت والا اور دانا اور پرہیزگار پایا۔

سو مَیں اس کی ملاقات سے جو میری عین مراد تھی خوش ہوا اور اپنی دعا کا پہلا پھل مَیں نے اس کو خیال کیا......۔ اس مجمل بیان کی تفصیل یہ ہے کہ بلادشام سے ایک جوان صالح

خوشرو میرے پاس آیا، یعنی طرابلس سے، اور حکیم وعلیم اس کو میری طرف کھینچ لایا اور قریب سات مہینے کے یعنی اس وقت تک میرے پاس رہا اور مَیں نے فراست سے اس کے وجود کو باخیر دیکھا اور اس میں رُشد پایا اور اس کے چہرہ میں صلاحیت کے انوار پائے اور صلحاء کے نشان پائے۔ پھر مَیں نے اس کے حال اور قال میں غور کی اور اس کے ظاہر اور باطن میں تفحص کیا اور اس نور اور الہام کے ساتھ دیکھا جو مجھ کو عطا کیا گیا ہے۔ سو مَیں نے مشاہدہ کیا کہ وہ حقیقت میں نیک ہے اور متانت عقل اس کو حاصل ہے اور آدمی نیک بخت ہے جس نے جذبات نفس پر لات ماری اور ان کو الگ کر دیا ہے اور ریاضت کش انسان ہے۔ پھر خدا نے اس کو کچھ حصہ میری شناخت کا عطا کیا، سو وہ بیعت کرنے والوں میں داخل ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے ہماری معرفت کی باتوں میں سے ایک عجیب دروازہ اس پر کھول دیا۔ اور اس نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ''ایقاظ الناس'' رکھا اور وہ کتاب اس کے وسعت معلومات پر دلیل واضح ہے اور اس کی رائے صائب پر ایک روشن حجت ہے اور وہ کتاب ہر ایک مباحث کے لئے ہر ایک میدان میں کفایت کرتی ہے۔ اور جب اس نے اس کتاب کا تالیف کرنا شروع کیا تو بہت سی کتابیں حدیث اور تفسیر کی جمع کیں اور ہر ایک امر میں پوری غور کی سو یہ کتاب اس کے فکروں کا ایک دودھ اور اس کی نظروں کا ایک نور ہے اور عارف کی علامت اس کی معرفت کی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ اور جب میں نے اس کی کتاب کو پڑھا اور صفحہ صفحہ کر کے اس کے باب دیکھے اور اس کی چادر اٹھائی تو مَیں نے اس کے بیان کو ملیح پایا اور اس کی شان کی مَیں نے تعریف کی اور مَیں نے اس میں کوئی ایسی بات نہ پائی جو اس کو بٹہ لگائے۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کی کتاب کو میری کتابوں کے ساتھ شائع کرے اور اس میں قبولیت رکھ دیوے اور اس میں اپنی روح داخل کرے اور بعض دل پیدا کرے جو اس کی طرف جھک جاویں۔ اور اس کے مؤلف کو دونوں جہانوں میں بدلہ دے اور اس کے مقاصد میں برکت ڈالے اور اس کو مقبولوں میں داخل کرے۔ اور جب وہ اپنی تالیف سے فارغ ہوا تو اس کے اخلاص نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ہماری معرفت کی باتوں کو اپنے وطن کے علماء تک پہنچاوے اور ہماری خبریں ان میں پھیلاوے۔ اور منادی بن کر ہر ایک طرف آوازیں پہنچاوے اور کتابوں کو شائع کرے تا ان لوگوں پر حقیقت کھل جاوے اور یہ وہی مراد ہے جس کے

لئے ہم دن رات دعائیں کرتے تھے۔

اور مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ شخص اپنے قول اور وعدہ میں مرد صادق ہے۔ بیہودہ کلام سے پرہیز کرتا ہے۔اور زبان کو ہر ایک چراگاہ میں مطلق العنان نہیں چھوڑتا اور خدا تعالیٰ نے ہماری محبت اس کے دل میں ڈال دی۔ سو ہم سے وہ محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے۔ جو کچھ اس نے کہا اور وعدہ کیا میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اس کا اہل ہے اور جیسا کہ کہا ویسا ہی کرے گا اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا اس کو ہمارے بیج کی نشو ونما اور ترو تازگی کا باعث کرے اور ہمارا دودھ اس کے ذریعہ سے خوشگوار ہو جاوے۔ اور خدا سب مسبّبوں سے نیک تر ہے۔ اور مَیں نے دیکھا کہ یہ شخص ریاضت کش اور صابر ہے شکوہ اور جزع فزع اس کی سیرت نہیں اور میں نے بارہا دیکھا کہ یہ شخص ادنیٰ چیزوں کے کھانے پر کفایت کرتا ہے اور ایسا ہی ادنیٰ ملبوسات پر اگر لحاف نہ ہو تو اس کو مانگتا نہیں بلکہ دھوپ میں بیٹھنے اور آگ سینکنے سے گذارہ کر لیتا ہے اور تکلیف اٹھا کر اپنے تئیں سوال سے باز رکھتا ہے۔مَیں نے اس میں فروتنی اور حلم اور انابت اور نرمیٔ دل کو پایا اور خدا بہتر جانتا ہے اور وہ اس کا حسیب ہے۔مَیں نے جو دیکھا سو کہا۔ پس خدا کی رحمت سے کچھ تعجب مت کرو کہ وہ اس شخص کی سعی سے ان حرجوں کو اٹھاوے جو ہمیں پہنچ گئے۔ اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے جس بات کو وہ چاہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو کچھ وہ دیوے کوئی اس کو رد نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے دین کا حافظ اور تمام ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کریں۔

اور بھائیو یہ بھی تمہیں معلوم رہے کہ دیار عرب میں کتابوں کے شائع کرنے کا معاملہ اور ہماری کتابوں کے عمدہ مطالب عرب کے لوگوں تک پہنچانا کچھ تھوڑی سی بات نہیں بلکہ ایک عظیم الشان امر ہے اور اس کو وہی پورا کرسکتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ کیونکہ یہ باریک مسائل جن کے لئے ہم کافر ٹھہرائے گئے اور جھٹلائے گئے کچھ شک نہیں کہ وہ عرب کے علماء پر بھی ایسے سخت گزریں گے جیسا کہ اس ملک کے مولویوں پر سخت گزر رہے ہیں۔ بالخصوص عرب کے اہل بادیہ کو تو بہت ہی ناگوار ہوں گے کیونکہ وہ باریک مسائل سے بے خبر ہیں اور وہ جیسا کہ حق سوچنے کا ہے سوچتے نہیں اور ان کی نظریں سطحی اور دل جلد باز ہیں مگر ان میں قلیل المقدار ایسے بھی ہیں جن کی فطرتیں روشن ہیں اور ایسے لوگ کم پائے جاتے ہیں۔

سو ان مشکلات کی وجہ سے جو تم سن چکے مصلحت دینی نے تقاضا کیا جو اس کام کے لئے ہم

اس عالم مذکور کو منتخب کریں جس کا نام محمد سعیدی النشار الحمیدی الشامی ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس کا وجود اس مہم کے لئے از بس غنیمت ہے اور اس کا اس جگہ آنا خدا تعالیٰ کے فضل میں سے ہے اور وہ نیک دل اور بہت اچھا آدمی ہے اور اس طرف ضرورت بھی سخت ہے پس شاید خدا اس کے ہاتھ پر ہمارے کام کی اصلاح کرے اور وہ اس تقریب سے اپنے وطن میں پہنچ جاوے اور سفر کی سخت مشقتوں سے نجات پاوے اور وطن اور دوستوں کی جدائی سے بھی رہائی ہو اور تم کو خدا تعالیٰ سے اجر ملے۔ اور مَیں نے صرف اللہ کے لئے یہ باتیں کی ہیں اور مَیں نے امانت سے نصیحت کرنے والا ہوں۔ اور وہ لوگ جن کا یہ گمان ہے کہ عرب کے لوگ قبول نہیں کریں گے اور نہ سنیں گے پس ہمارے پاس اس نادانی کا بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں کہ ہم ان کے اس خیال پر لاحول پڑھیں اور ان کی سمجھ پر اِنَّا لِلّٰہ کہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ عرب کے لوگ حق کے قبول کرنے میں ہمیشہ اور قدیم زمانہ سے پیش دست رہے ہیں بلکہ وہ اس بات میں جڑ کی طرح ہیں اور دوسرے ان کی شاخیں ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے اور عرب کے لوگ الٰہی رحمت کے قبول کرنے کے لئے سب سے زیادہ حقدار اور قریب اور نزدیک ہیں اور مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کی خوشبو آ رہی ہے۔ سو تم نو امیدی کی باتیں مت کرو اور نا امیدوں میں سے مت ہو جاؤ اور بدگمانیوں میں مت پڑو اور بعض ظن گناہ ہیں۔ سو تم ایسے ظن مت کرو جن سے بدگمان انسان کی ایمانی زمین ہل جاتی ہے اور نیت صالحہ میں جنبش آ جاتی ہے اور شیطانی وساوس بڑھتے ہیں۔ اور خدا کے توکل پر کھڑے ہو جاؤ اور کوئی نیکی کر لو جو کر سکتے ہو اور اپنے بھائی کے لئے کچھ زادِ سفر بہم پہنچاؤ جو اس کے سفر بحری اور بری کے لئے کافی ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو اور تمہیں توفیق دے اور بہتر توفیق دہندہ ....اور چاہئے کہ بھیجنے والے کے لئے جلدی کریں کیونکہ وقت تنگ ہے اور مہمان عزیز سفر کو تیار ہے اور ہم پر واجب ہو چکا ہے کہ جو غفلت میں ہیں ان کو بہت جلد متنبہ کریں۔ پس مناسب نہیں کہ تم سستی کر کے بیٹھے رہو بعد اس کے جو میں نے اس امر کی ضرورت بیان کر دی۔ پس تم مدد کے لئے آگے قدم بڑھاؤ اور مت پیچھے ہٹو اور ہاتھوں کو جھاڑو تا مدد دیئے جاؤ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرو‘‘۔

(اردو ترجمہ منقول از نور الحق حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 19 تا 29)

سیرت المہدی کی روایات میں آپ کا ذکر

سیرت المہدی کی بعض روایات میں حضرت محمد سعید الشامی صاحب کے حوالے سے بعض روایات کا ذکر ملتا ہے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، یہ روایات درج ذیل ہیں:

❁ ’’منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک شخص محمد سعید صاحب عرب تھے اور وہ ڈاڑھی منڈوایا کرتے تھے۔ جب وہ قادیان میں زیادہ عرصہ رہے تو لوگوں نے انہیں داڑھی رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ آخر انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ ایک دفعہ میرے سامنے عرب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میری داڑھی دیکھیں ٹھیک ہے۔ آپ نے فرمایا اچھی ہے اور پہلے کیسی تھی۔ گویا آپ کو یہ خیال ہی نہ تھا کہ پہلے یہ داڑھی منڈایا کرتے تھے۔‘‘ (سیرت المہدی روایت نمبر 1105)

❁ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن محمد سعید صاحب عرب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی داڑھی کے متعلق پوچھا۔ اُس وقت ایک شخص نے عرض کی کہ حضور داڑھی کتنی لمبی رکھنی چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں داڑھیوں کی اصلاح کے لئے نہیں آیا۔ اس پر سب چپ ہو گئے۔ (سیرت المہدی روایت نمبر 1106)

❁ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عرب غالباً اس کا نام محمد سعید تھا۔ قادیان میں دیر تک رہا تھا۔ ایک روز حضور علیہ السلام بعد نماز مسجد مبارک میں حاضرین مسجد میں بیٹھے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک فرما رہے تھے کہ اس عرب کے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا کہ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غریب تھے۔‘‘ پس عرب کا یہ کہنا ہی تھا کہ حضور علیہ السلام کو اس قدر رنج ہوا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور محمد سعید عرب پر وہ جھاڑ ڈالی کہ وہ متحیر اور مبہوت ہو کر خاموش ہو گیا اور اس کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ فرمایا کہ ’’کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب تھا جس نے ایک رومی شاہی ایلچی کو اُحد پہاڑ پر سارا کا سارا مال مویشی عطا کر دیا تھا وغیرہ۔ اس کو مال دنیا سے لگاؤ اور محبت نہ تھی۔‘‘ (سیرت المہدی روایت نمبر 1246)

ایک روایت اور وضاحت

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

غالباً 1894ء کے قریب دو عرب شامی جو علوم عربیہ کے ماہر اور فاضل تھے قادیان آئے، ایک عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہے۔ ہر دو کا نام محمد سعید تھا اور طرابلس علاقہ شام کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب شاعر بھی تھے۔ مالیر کوٹلہ میں ایک ہندوستانی لڑکی سے حضرت نواب محمد علی رضی اللہ عنہ نے شادی کروادی۔ دوسرے محمد سعید نے ایک رسالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید میں تصنیف کیا تھا اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر جو بصورت رسالہ چھپی تھی لے کر اپنے وطن ملک شام سلسلہ کی تبلیغ کے واسطے چلے گئے۔ (ذکر حبیب صفحہ 42)

اسی مضمون کی سیرت المہدی کی ایک روایت یوں ہے:

''حافظ نور محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک نوجوان عرب جو حافظ قرآن اور عالم تھا، آ کر رہا اور آپ کی تائید میں اس نے ایک عربی رسالہ بھی تصنیف کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی شادی کا فکر کیا۔ میرے گھر کے ایک حصہ میں میرے استاد حافظ محمد جمیل صاحب مرحوم رہا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کی ایک ہمشیرہ نوجوان تھی۔ حضرت صاحب نے ان کو رشتہ کے لئے فرمایا۔ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ لڑکی کے والد سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لیکن مَیں حضور کی تائید کروں گا۔ اتنے میں خاکسار حسب عادت قادیان گیا۔ جب مَیں نے مسجد مبارک میں قدم رکھا۔ تو اس وقت حضرت صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور وہ عرب صاحب موجود تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ'' هٰذَا رَجُلٌ حَافِظُ نُوْر مُحَمَّد '' اور حضور نے فرمایا۔ کہ میاں نور محمد آپ عرب صاحب کو ہمراہ لے جائیں اور وہ لڑکی دکھلا دیں۔ بعد نماز ظہر مَیں عرب صاحب کو ساتھ لے کر فیض اللہ چک کو روانہ ہوا۔ آپ کے ارشاد کے ماتحت کارروائی کی گئی۔ مگر انہوں نے پسند نہ کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ان کی شادی مالیر کوٹلہ میں کرادی۔'' (سیرت المہدی روایت نمبر 508)

حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ دو محمد سعید نامی عرب احمدی ہوئے

تھے۔ایک شاعر تھے جو شادی کر کے ہندوستان میں ہی رہ گئے۔ جبکہ دوسرے وہ ہیں جنہوں نے حضورؑ کی تائید میں ایقاظ الناس رسالہ لکھا اور بعد ازاں اپنے وطن ملک شام سلسلہ کی تبلیغ کے واسطے چلے گئے۔لیکن سیرت المہدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایقاظ الناس رسالہ لکھنے والے محمد سعید صاحب کی شادی ہندوستان میں ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نور الحق میں جس محمد سعید الشامی کا ذکر کیا ہے وہ رسالہ ایقاظ الناس کے مصنف ہیں ،اور آپؑ نے انکے شاعر ہونے کا ذکر نہیں فرمایا، اسی طرح مکرم مولوی حافظ محمد یعقوب صاحبؓ آف ڈیرہ دون نے جب آپؑ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کیا تو لکھا کہ شامی ہیں،سیدی ہیں، بڑے ادیب ہیں۔ ہزاروں اشعار عرب عاربہ کے حفظ ہیں۔لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ خود بھی بڑے شاعر ہیں۔

ان تمام روایات اور حقائق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد سعید الشامی الطرابلسی جو کچھ عرصہ رہ کر تبلیغ کی غرض سے واپس اپنے ملک چلے گئے وہ بڑے ادیب فاضل اور عالم بزرگ تھے جنہوں نے حضورؑ کی تائید میں ایقاظ الناس رسالہ لکھا۔جبکہ دوسرے محمد سعید صاحب شاعر تھے جنکی شادی مالیر کوٹلہ میں ہوئی۔

شاید نام کی مماثلت اور ایک ہی ملک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سلسلہ کے لٹریچر میں اکثر اوقات ایک ہی محمد سعید الشامی کو جملہ صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ ایقاظ الناس رسالہ کے مصنف محمد سعید الشامی صاحب شاعر بھی ہوں اور ان کے اوصاف و واقعات اس لئے محفوظ رہ گئے کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ بنے اور بعد میں اپنے ممالک میں حضورؑ کی کتب شائع کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عبداللہ العرب صاحبؓ

آپ کا زمانہ بیعت بھی 1891ء سے 1893ء کے درمیانی عرصہ کا ہے کیونکہ آپ کا ذکر حضرت اقدس نے حَمَامَةُ الْبُشْرٰی میں فرمایا ہے جو کہ 1893ء کی تصنیف ہے۔

آپ بہت بڑے تاجر تھے اور بلاد سندھ کے ایک بہت مشہور پیر جن کا نام پیر صاحبِ علم تھا، کے مرید خاص تھے۔ان پیر صاحب کے پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی (یہ پاکستان کے مشہور سیاسی لیڈر پیر صاحب پگاڑا کے آباء میں سے تھے)۔ان پیر صاحب کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو انہوں نے آپؐ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں دریافت کیا کہ کیا یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا؟ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں جواب دیا کہ یہ سچا ہے اور خدا کی طرف سے ہے۔

اس پر ان پیر صاحب نے اپنے دو خاص مرید عبداللطیف اور عبداللہ العرب صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جو آپؑ سے فیروز پور میں ملے اور عرض کی کہ اس طرح ہمارے پیر صاحبِ علَم نے خواب میں دیکھا ہے اور انہیں آپ کی صداقت میں ادنیٰ شک بھی نہیں رہا لہذا انہوں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا تا یہ عرض کریں کہ ہم آپ کے حکم اور اشارہ کے غلام ہیں جیسے آپ ارشاد فرمائیں گے ہم ویسا کرنے کے لئے تیار ہیں۔اگر آپ ہمیں یہ فرمائیں کہ جاؤ امریکا کی سرزمین کی طرف سفر کرو تو ہمیں اس میں ذرا بھی تأمل نہیں ہوگا بلکہ آپ اس معاملہ میں ہمیں کامل اطاعت کرنے والا پائیں گے۔

(ماخوذ از حمامۃ البشری، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 309-310)

......حضرت عبد اللہ العرب صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں آکر رہے۔ان کا سابقہ مسلک شیعہ تھا اور جب احمدیت قبول کی تو کئی دفعہ اپنے سابقہ عقیدہ پر بہت پشیمان ہوتے تھے۔

......ایک دفعہ انہوں نے اپنے شیعہ عقیدہ ’’تقیہ‘‘ کے حالات حضرت مسیح موعود علیہ

السلام کی خدمت میں عرض کئے پھر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے ان کو نجات دی۔
حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:
’’خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے جب تک آنکھ نہ کھلے انسان کیا کرسکتا ہے‘‘۔
(ملفوظات جلد 4 صفحہ 173)

۞......حضرت اقدس کے ایماء پر عبداللہ العرب صاحب نے کشتی نوح کے چند اوراق کا ترجمہ عربی زبان میں کیا اور پھر حضرت اقدس کو سنایا تو حضرت اقدس نے فرمایا:
’’اگر یہ مشق کرلیں کہ اُردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کرلیا کریں تو ہم ایک عربی پرچہ یہاں سے جاری کردیں۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 166)

۞......سید عبداللہ العرب صاحب نے ایک رسالہ ایک شیعہ علی حائری کے ردّ میں عربی زبان میں لکھا تھا جس کا نام سبیل الرشاد رکھا تھا، جب یہ رسالہ انہوں نے حضرت اقدس کو سنایا تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ ساتھ ساتھ اُردو ترجمہ بھی کرتے جاؤ تا کہ تم کو مشق ہو مگر عرب صاحب کو جرأت نہ ہوئی کہ اتنی مجلس میں ترجمہ ٹوٹی پھوٹی اُردو میں سناویں۔ یہ رسالہ سن کر حضرت اقدس نے تعریف کی کہ:
’’عمدہ لکھا ہے اور معقول جواب دیئے ہیں‘‘۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 168-169)

۞......10رستمبر 1901ء کو سید عبداللہ عرب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا کہ مَیں اپنے ملک عرب میں جاتا ہوں وہاں میں ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

فرمایا: مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

عرب صاحب نے عرض کیا وہ لوگ حضور کے حالات سے واقف نہیں ہیں اور ان کو تبلیغ نہیں ہوئی۔

فرمایا: ان کو پہلے تبلیغ کردینا پھر یا وہ مصدق ہوجائیں گے یا مکذّب۔

عرب صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے ملک کے لوگ بہت سخت ہیں اور ہماری قوم شیعہ ہے۔

فرمایا: تم خدا کے بنو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا معاملہ صاف ہوجائے اللہ تعالیٰ آپ اس کا متولی اور متکفل ہوجاتا ہے۔ (از ملفوظات جلد 2 صفحہ 343)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں۔آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے ترکی ٹوپی والے صحابی حضرت عبداللہ العربؓ صاحب ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں، حضرت عبداللہ العربؓ آپؑ کے پیچھے کھڑے ہوئے صحابہ کرامؓ میں دائیں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔

''التبلیغ'' پر ایک برعکس ردِّعمل

جب بھی انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم لے کر آتے ہیں تو ایک گروہ اسے خدا کی طرف سے ہدایت و رہنمائی سمجھ کر قبول کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اسی سرزمین میں ہی اس تعلیم کو محض جھوٹ کا پلندہ تصور کرتا ہے اور انکار کر دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''التبلیغ'' کا بھی جہاں حضرت محمد سعید الشامی صاحبؓ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ اس کی فصاحت و بلاغت اور روحانی معارف کے دیوانے ہوگئے، وہاں یہ کتاب بغداد سے حیدر آباد دکن میں آئے ہوئے ایک شخص السید عبد الرزاق قادری البغدادی نے بھی پڑھی اور اس کے بعد ایک اشتہار اور ایک خط عربی زبان میں لکھ کر حضورؑ کو بھیجا جس میں آپؑ کے دعوی کو خلاف شریعت اور آپ کو جھوٹا مدعی اور واجب القتل قرار دیا جبکہ آپ کی کتاب ''التبلیغ'' کو معارض قرآن قرار دیا۔

خلاصہ اشتہار السید البغدادی

بغدادی صاحب نے اپنے اشتہار میں نہایت جارحانہ اور غلیظ زبان استعمال کی ہے جس میں انہوں نے لکھا کہ (حضرت) مرزا غلام احمد قادیانی پنجابی نے دعوی کیا ہے کہ وہ مسیح موعود ہے، خدا اس سے کلام کرتا ہے اور اس کی بیعت حق ہے اور یہ کہ عیسیٰؑ وفات پا گئے ہیں۔ اس مضمون پر مشتمل اس کی کتاب آئینہ کمالات اسلام قرآن کی معارض اور شریعت محمدی کی توہین کے مترادف ہے۔ لہذا ایسے دجّال اور مُضِلّ اور بطّال وغیرہ کا علاج اس دنیا میں تلوار اور آخرت میں نار ہے۔ اس نے شریعت محمدیہ کی ہتک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت کی ہے۔ لہذا مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ تین ماہ کے اندر اندر

آ ئینہ کمالات اسلام کے ہر ہر حرف اور ہر ہر سطر کا کافی وشافی جواب لکھوں گا اور اپنی کتاب کا نام ''کشف الضال و الظلام عن مرآۃ کمالات الإسلام'' رکھوں گا۔ اور اس کی کتاب کو عراق اور بغداد میں بھیج کر وہاں کے علماء کا فیصلہ لوں گا تا کہ اس فساد کی جڑ کا مکمل خاتمہ کیا جائے۔

خلاصہ خط السید البغدادی

28 ذی الحجہ 1310 ہجری کو بغدادی صاحب نے اپنے اس اشتہار کے ساتھ جو خط حضور علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کیا اس کی زبان اشتہار کی نسبت بہت نرم تھی بلکہ اس میں حضورؑ کو الأجَلّ والمُطاع المبجَّل العالم الفاضل والمجتهد الكامل، وغیرہ کے القاب سے مخاطب کیا۔ اس میں انہوں نے مزید لکھا کہ مَیں نے آپ کی کتاب پڑھی ہے اور اس کا جواب آپ سنیں گے نہیں بلکہ پڑھ لیں گے جو کہ مَیں تیار کروں گا۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ مجھے اپنی کتاب کا نسخہ ارسال کریں کیونکہ مَیں نے آپ کی کتاب کسی سے لے کر پڑھی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

حضور علیہ السلام نے ان کے خط کو نیک نیتی پر محمول کر کے نہایت محبت آمیز طریقہ سے اس کے جواب میں عربی زبان میں اپنی کتاب تحفہ بغداد تصنیف فرمائی، جس میں آپ نے شیخ بغدادی کے تمام شبہات کا مفصل جواب دیا نیز اپنے دعویٰ ماموریت اور وفات مسیح ناصری کا ثبوت اور امت محمدیہ میں مکالمات ومخاطبات الہیہ کا سلسلہ جاری رہنے کا ذکر فرما کر شیخ بغدادی صاحب کو کہا کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے خیالات کی اصلاح کریں اور اگر کسی بات کی حقیقت آپ پر ظاہر نہ ہو تو اس کے متعلق مجھ سے دریافت کریں۔ نیز لکھا کہ مولویوں کے فتاویٔ تکفیر سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ میرے پاس آئیں اور بچشمِ خود حالات دیکھیں تا حقیقت کو پا سکیں۔ اور اگر آپ لمبے سفر کی تکلیف برداشت نہ کر سکیں تو اللہ تعالیٰ سے میرے بارہ میں ایک ہفتہ تک استخارہ کریں۔ استخارہ کا طریق بتا کر فرمایا کہ استخارہ شروع کرنے کے وقت سے مجھے بھی اطلاع دیں تا میں بھی اس وقت دعا کروں۔ اس کتاب میں حضورؑ نے دو قصیدے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں سے دوسرے قصیدہ کا مطلع کچھ یوں ہے:

هَدَاكَ اللّٰهُ هَلْ قَتْلِيْ يُبَاحُ
وَهَلْ مِثْلِيْ يُدَمَّرُ أَوْ يُجَاحُ

یعنی : (اے شیخ بغدادی) اللہ تمہیں ہدایت دے، کیا میرا قتل تیرے نزدیک امرِ مباح ہے؟ کیا میرے جیسا انسان بھی تمہاری نظر میں تباہی اور بیخ کنی کا مستحق ہے؟

شیخ بغدادی نے اپنے اشتہار میں کہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ جھوٹے ہیں اور آپ کا علاج صرف تلوار ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضورؑ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

اے میری مخالفت میں مجھے تلوار سے قتل کرنے کی دھمکیاں دینے والے، تجھے کیا معلوم کہ مجھ پر تو اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی تلوار کب کی چل چکی ہے۔

نتیجہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ردّ جمیل کے بعد شیخ بغدادی صاحب کی طرف سے کسی قسم کے جواب کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا، نہ ہی ان کی طرف سے مجوزہ کتاب کے نشر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ایسی کتاب کا جواب لکھنے کی جرأت بھی کر سکتا یا اس کو اس اقدام کی توفیق مل سکتی جو کتاب خاص طور پر خدائی تائید اور اشارات سے لکھی گئی ہو۔

حسنِ اتفاق یا تقدیرِ الٰہی

شیخ بغدادی صاحب کے خط کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک کتاب لکھنا عظیم حکمتوں سے خالی نہ تھا۔ خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ آئندہ زمانوں میں بہت بڑے بڑے نشان دکھانا چاہتا تھا۔

عجیب تصرف الٰہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب روحانی خزائن میں تو طبع ہوگئیں لیکن عربی کاتب میسر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کتابت ایسے کاتب حضرات نے کی جن کو عربی زبان کا علم بہت کم تھا یا بالکل نہیں تھا اس کی وجہ سے جہاں کتابت عربوں کے طریق پر نہ تھی وہاں کہیں کہیں بعض کتابت وغیرہ کی معمولی غلطیاں بھی رہ گئی تھیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ کتب دیگر اردو کتب کے ساتھ مختلف جلدوں میں موجود تھیں جن کا علیحدہ طور پر حصول عربوں

کے لئے بہت مشکل امر تھا۔ چنانچہ ان عربی کتب کو علیحدہ طور پر ایڈیشن اول کے ساتھ ملا کر نئے اور خوبصورت طبع میں پرنٹ کرنے کا کام جماعت کے مرکزی عربک ڈیسک میں شروع ہوا، اور کتاب تحفہ بغداد 2007ء میں ہوئی اور یہ وہ وقت تھا جب عراق اور بغداد کی حالت ایسے زخم زخم جسم کی طرح تھی جو مرہم کی بھیک مانگنے کے لئے خون رو رہا ہو۔ جب MTA اور ہماری عربی ویب سائٹ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور آپ کے کلام سے اقتباسات ان لوگوں تک پہنچے تو ان کی کایا پلٹ گئی اور عرب اقوام سے بکثرت احمدیت میں داخل ہونے کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

تحفہ بغداد کا اثر شیخ بغدادی پر تو معلوم نہیں ہوا یا نہیں لیکن خدا کی تقدیر دیکھیں کہ اس کتاب میں بتائے گئے استخارہ کے طریق کو اہل عراق اور دیگر عرب دنیا کے کئی نیک سیرت احباب نے آزمایا اور خدا تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی اور وہ احمدیت کی آغوش میں آ گئے اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ احباب کے افادہ کے لئے ان میں سے ایک مثال ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

❁ ......مکرم صفاء غانم السامرائی۔ از بعقوبہ کردستان عراق کہتے ہیں:

جماعت کے ساتھ تعارف ہونے کے بعد میرے لئے نشان ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

”پچھلے سال مئی (2007ء) میں جبکہ رات کے وقت میں مختلف نئے چینلز کی تلاش کر رہا تھا کہ مَیں نے کسی کو یہ عدد کہتے ہوئے سنا: 10888۔

مَیں بہت گھبرا گیا۔ لیکن مَیں نے یہ فریکونسی ریسیور میں feed کی اور search کی تو اچانک میرے سامنے 14 نئے چینلز کی لسٹ آ گئی جن میں سے ایک MTA تھا۔ اور اس چینل پر سب سے پہلے جس شخصیت کو دیکھا وہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تھے جو لقاء مع العرب پروگرام میں موجود تھے۔ اس دن سے مَیں MTA کے مختلف پروگرامز دیکھ رہا ہوں۔ مَیں تو ایک لمبے عرصہ سے امام مہدی کو تلاش کر رہا تھا اور اپنے شیعہ دوستوں کے ساتھ اس سلسلہ میں بحث بھی کرتا تھا۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے امام مہدی کو (ٹی وی کے ذریعہ) میرے گھر میں بھیج دیا۔

ایک دن MTA پر ایک پروگرام کلام الإمام میں مَیں نے سیدنا احمد علیہ السلام کا یہ کلام سنا جس میں آپ نے فرمایا کہ میرے بارہ میں خدا سے دعا کرو اور استخارہ کرو، اور دو رکعت نماز

ادا کرو اور خدا سے کہو کہ اے اللہ اگر مرزا غلام احمد امام مہدی ہے اور سچا ہے تو مجھے اس کی صداقت کا کوئی نشان دکھا تو اللہ تعالیٰ ضرور کوئی نشان دکھا دے گا۔

چنانچہ مَیں نے خلوص نیت سے یہ دعا کی۔ اس کے بعد مجھے مکمل انشراح صدر ہو گیا اور ایک ہفتہ بعد ہی میرے لئے وہ نشان بھی ظاہر ہو گیا جو کہ درحقیقت بہت عظیم نشان تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ میری دوسری شادی 2001ء میں ہوئی لیکن ابھی تک ہم اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ اس کی وجہ میری بیوی کو لاحق کچھ ایسی مشکلات تھیں جن کی وجہ سے حمل نہیں ٹھہرتا تھا۔

چنانچہ اس دعا کے ایک ہفتہ بعد مجھے میری بیوی نے بتایا کہ اس کو اس دفعہ ماہواری نہیں ہوئی۔ دو دن بعد جب ہم نے ڈاکٹر سے چیک کروایا تو پتہ چلا کہ وہ حاملہ ہے۔ یہ نشان میرے لئے بہت عظیم الشان تھا۔ چنانچہ مَیں نے فوراً امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کر لی ہے۔

میری درخواست ہے کہ آپ میری طرف سے حضرت مرزا مسرور احمد کی خدمت میں سلام عرض کریں اور میری بیعت ان کے حضور پیش کر دیں۔ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے لئے اس دنیا میں اس سے بڑا کوئی فخر نہیں ہوگا اگر مجھے حضور کا غلام اور خادم بن کر آپ کی جوتیاں صاف کرنے کی سعادت مل جائے۔

میری بیوی حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ سے بہت محبت کرتی ہے کیونکہ ان کی شکل اس کے والد سے ملتی ہے اس لئے جب بھی وہ انہیں ٹی وی پر دیکھتی ہے رو پڑتی ہے۔

ہم نے دوسرے تمام چینلز کو خیر باد کہہ دیا ہے اور اب صرف MTA ہی دیکھتے ہیں۔

(خط جنوری 2008ء)

علاوہ ازیں سلسلہ کی تاریخ میں دو ایسے اصحاب کا ذکر بھی ملتا ہے جن کا تعلق بغداد سے تھا اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں شمولیت کی سعادت حاصل کی۔ ان دو اصحاب کے جس قدر حالات ملتے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

حضرت حاجی مہدی صاحب عربی بغدادیؓ نزیل مدراس

تعارف و بیعت:

آپ کا تعارف عربی بغدادی کے طور پر ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے 31/ جولائی 1897ء کے مکتوب بنام سیٹھ عبد الرحمٰنؓ مدراس میں ذکر ہے کہ آپ نے ایک فضیلت والی مسجد کیلئے چندہ کی تحریک کی تھی جس کا تذکرہ براہین احمدیہ میں ہے۔ اس پر حاجی مہدیؓ نے بھی چندہ دیا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس نے اپنے 9/اکتوبر 1897ء کے مکتوب میں فرمایا ہے۔ مزید برآں آپ نے 22/نومبر 1898ء کے خط میں حضرت حاجی مہدیؓ کے پچاس روپیہ بھجوانے کی رسید لکھی ہے۔ آپ مدراس میں وارد ہوئے، اور مدراس کے دیگر مبایعین کے ساتھ ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔

حضرت اقدسؑ کی کتب میں ذکر

حضرت اقدس علیہ السلام نے آپ کا ذکر 'سراج منیر' میں چندہ دہندگان کے ضمن میں کیا ہے۔

(مأخذ ضمیمہ انجام آتھم، سراج منیر، ذکر حبیب، مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول صفحہ 10، 22، بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصر اللہ خان ناصر و عاصم جمالی صفحہ 170)

حضرت عبدالوہاب صاحب بغدادیؓ

حضرت عبدالوہاب صاحب بغدادی سیاحت یا کاروبار کے لئے ملک ہند میں وارد ہوئے اور قبول حق کی توفیق پائی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے کتاب البریہ میں آپ کا نام قاضی عبدالوہاب نائب قاضی ضلع بلاسپور ممالک متوسط 268 نمبر پر درج فرمایا ہے۔ (ممالک متوسط Middle East کو کہتے ہیں اور شاید بغداد کا علاقہ اس میں شامل تھا۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

(بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا از نصراللہ خان ناصر و عاصم جمالی صفحہ 306)

حضرت سید علیؓ ولد شریف مصطفیٰ عرب

حضرت سید علی ولد شریف مصطفیٰ عرب صاحب کی بیعت بھی غالباً 1891ء تا 1893ء کے درمیانی عرصہ کی ہے جس عرصہ میں حضرت شیخ محمد بن احمد مکی صاحب نے بیعت کی۔ان کا ایک خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''سچائی کا اظہار'' میں درج فرمایا ہے جو کہ 1893ء کی تالیف ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں:

خلاصہ خط ایک عالم عربی سید علی ولد شریف مصطفٰے عرب:

سید صاحب عرب نے اپنے ایک لمبے خط میں بہت سے اشعار قصیدہ نعتیہ کے طور پر اور ایک لمبی عبارت نثر میں بطور مدح و ثنا لکھی ہے چنانچہ اس کی طوفانی عبارتوں میں سے یہ عبارت بھی ہے:۔

إلى جناب الأجلّ الناقد البصير طود العقل الغزير و كوكب الشرق المنير---الإلهام ركن الدولة الا بدية سلطان الرعية الإسلامية ميرزا غلام احمد۔ فضائله تلوح كالكوكب فى الآفاق للجاهل والعاقل بحر الندى الذى لا يرى له الساحل ومنبع العلوم والعطايا التى هى صافية المناهل۔

امید ہے کہ کسی دوسرے موقعہ پر اس فاضل عرب کا قصیدہ اور مفصل خط بھی چھاپ دیا جائے گا۔ بالفعل بطور شہادت اسی قدر کافی ہے۔(سچائی کا اظہار، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 76 تا 80)

اس خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مشرق کا درخشندہ ستارہ، صاحب الہام، ابدی سلطنت کے شہنشاہ جیسے عظیم القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے علمِ باصفا کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

حضرت سید علیؓ عرب صاحب کے بارہ میں مزید معلومات میسر نہیں آ سکیں۔

حضرت عثمان عرب صاحبؓ

حضرت عثمان عرب رضی اللہ عنہ کا تعلق طائف شریف سے تھا۔ ان کی بیعت ابتدائی زمانہ کی ہے۔ ان کے بارہ میں مزید تفصیلات میسر نہیں آ سکیں، ان کا ذکر حضورؑ نے ضمیمہ انجام آتھم میں 313 صحابہ میں 292 نمبر پر کیا ہے۔ اور انجام آتھم آپؑ نے 1896ء میں تالیف فرمائی تھی۔

(انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 328)

حضرت عبد المحی عرب الحویریؓ

تعارف اور بیعت

آپ کا تعلق بھی عراق سے تھا اور شیعوں سے احمدی ہوئے تھے۔آپ کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔سیرت المہدی کی روایت نمبر 1200 میں آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح سے درج ہے:

’’ملک مولا بخش صاحب پنشنر نے بذریعہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک صاحب عبد المحی عرب قادیان میں آئے تھے۔انہوں نے سنایا کہ میں نے حضرت اقدس کی بعض عربی تصانیف دیکھ کر یقین کر لیا تھا کہ ایسی عربی بجز خداوندی تائید کے کوئی نہیں لکھ سکتا۔ چنانچہ میں قادیان آیا۔ اور حضور سے دریافت کیا کہ کیا یہ عربی حضورؑ کی خود لکھی ہوئی ہے۔حضورؑ نے فرمایا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل وتائید سے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر آپ میرے سامنے ایسی عربی لکھ دیں تو میں آپ کے دعاوی کو تسلیم کرلوں گا۔ حضور نے فرمایا یہ تو اقتراحی معجزہ کا مطالبہ ہے۔ایسا معجزہ دکھانا انبیاء کی سنت کے خلاف ہے۔ میں تو تب ہی لکھ سکتا ہوں جب میرا خدا مجھ سے لکھوائے۔ اس پر میں مہمان خانہ میں چلا گیا اور بعد میں ایک چٹھی عربی میں حضور کو لکھی۔ جس کا حضور نے عربی میں جواب دیا۔ جو ویسا ہی تھا۔ چنانچہ میں داخل بیعت ہو گیا۔‘‘

شادی اور بعض سعادتوں کا ذکر

اسی طرح سیرت المہدی ہی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کی شادی ریاست پٹیالہ کے ایک گھرانے میں ہوئی تھی،لیکن یہ

شادی چل نہ سکی اور علیحدگی ہوگئی۔ایسا لگتا ہے کہ عبدالمحی عرب صاحب بھی بیعت کے بعد قادیان کے ہی ہوکر رہ گئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے عہد مبارک میں آپ کا ذکر متعدد امور کے ضمن میں بار بار آتا ہے۔عبدالمحی عربؓ نے حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کے ساتھ 1912 میں عہد خلافت اولیٰ میں سفر بلاد عربیہ اور حج بھی کیا۔

آپ کو جماعت احمدیہ کے پہلے عربی رسالہ ''مصالح العرب'' کے مدیر ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

سیرت المہدی میں ایک اور روایت میں آپ کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جود و سخا کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالمحی صاحب عرب نے مجھ سے ایک روز حضرت خلیفہ اوّلؓ کے زمانہ میں ہی ذکر کیا کہ حضرت صاحب کی سخاوت کا کیا کہنا ہے۔ مجھے کبھی آپ کے زمانہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ جو ضرورت ہوتی۔ بلاتکلف مانگ لیتا اور حضور میری ضرورت سے زیادہ دے دیتے اور خود بخود بھی دیتے رہتے۔ جب حضور کا وصال ہوگیا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ حالانکہ وہ اتنے سخی مشہور ہیں میری حاجت براری نہ کر سکے۔ آخر تنگ ہوکر مَیں نے ان کو لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ تو بن گئے مگر میری حاجات پوری کرنے میں تو ان کی خلافت نہ فرمائی۔ حضرت صاحب تو میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا کرتے تھے۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میری امداد کی۔ مگر خدا کی قسم! کہاں حضرت صاحب اور کہاں یہ۔ اُن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔''

(مآخذ تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 410۔ سیرت المہدی روایت نمبر 562 و 1200 و 1273)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں ذکر

آپ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نزول المسیح میں پیشگوئی نمبر 90 کے گواہان میں کیا ہے جہاں آپ کا نام یوں تحریر ہے: ''سید عبدالمحی عرب حویری''۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 ص 594)

اسی طرح آپ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں سخت زلزلہ

والی پیشگوئی مورخہ 28رفروری 1907ء کے قبل از وقت سُننے کے گواہوں میں فرمایا ہے۔ چنانچہ تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد۲۲ کے صفحہ۴۹۱ پر آپ کا نام یوں تحریر ہے:

''عبدالمحیی عرب مصنف لغات القرآن۔''

حضور علیہ السلام کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمحیی عرب صاحب نے لغات قرآن کی تالیف بھی فرمائی۔ استاذی المکرّم والمحترم سید میر محمود احمد صاحب ناصر سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ نے ایک دفعہ بتایا کہ انہوں نے اس لغات قرآن کا وہ نسخہ بھی دیکھا ہے جو حضرت عبدالمحیی عرب صاحب نے حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا اور اس پر اپنے دستخط بھی کئے تھے۔

سلسلہ کی تاریخ میں عبدالمحیی عرب کو عبدالحی عرب بھی لکھا گیا ہے، جیسا کہ حیات نور میں ہے، لیکن دراصل یہ حضرت عبدالمحیی عرب صاحب ہی کی شخصیت ہے جنہیں حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ سفرِ حج پر جانے کی سعادت ملی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپریل 1912 میں ایک وفد کے ہمراہ
ہندوستان کے دینی مدارس کا دورہ کیا۔اس دورہ کے دوران لکھنؤ میں لی گئی ایک تصویر

کرسیوں پر دائیں سے بائیں:
حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب،
حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ

عرفانی صاحبؓ کے ساتھ کھڑے ہوئے:

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت قاضی سید امیر حسین صاحبؓ، اور عقب میں دائیں سے
دوسرے نمبر پر حضرت سید عبد المحی العرب صاحبؓ کھڑے ہیں۔
(باقی لکھنؤ جماعت کے بعض مخلص احباب جماعت)

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسفؓ

تعارف اور ابتدائی خاندانی حالات

حضرت ابوبکر یوسف صاحب رضی اللہ عنہ المعروف بہ سیٹھ ابوبکر یوسف آف جدہ ابن مکرم محمد جمال یوسف صاحب مرحوم ومغفورمتوطن ومتولد پٹن ضلع گجرات احمد آباد ریاست بڑودہ ہندوستان۔آپ کی تاریخ پیدائش غالبًا 1865 بنتی ہے۔

آپ صدیقی النسب تھے اورقبولیت احمدیت سے پہلے رفاعی الطریقت اور حنفی المشرب تھے۔اولاً رفاعی خاندان کے خلیفہ محمد زاہد سے اور پھر اسی خاندان کے خلیفہ سید نور الدین رفاعی سے بیعت ہوئے۔گو ہندوستان کے بعض صدیقی النسب اپنے آپ کو خاندان سادات میں شمار کرتے ہیں مگر آپ نے اپنے آپ کو سادات (جنہیں عربوں میں شریف کہتے ہیں) کی طرف منسوب نہیں کیا۔گذشتہ تین سو سال سے آپ کے آباؤ آجداد کے مستقل گھر دو ملکوں میں تھے۔ایک گھر گجرات کاٹھیاواڑ میں تھا اور ایک عرب میں۔عرب میں آپ کے دو گھر تھے ایک مکہ معظّمہ میں اور دوسرا جدہ میں جو آپ کی تجارت کا مرکز ہونے کی وجہ سے زیادہ معروف ومشہور تھا۔دو ممالک میں گھر ہونے کی وجہ سے عرب سے ہندوستان آپ کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

اعلیٰ ساکھ کے تاجر اور عالم دین

عرب اور ہندوستان میں آپ ایک بڑی اعلیٰ ساکھ کے مالک تاجر تھے۔کپڑے کی تجارت کا ذکر آپ کی تحریرات سے ملتا ہے۔تاریخ احمدیت حیدرآباد دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بمبئی سے سفید جوار لے کر مدینہ کے عربوں میں فروخت کرتے تھے۔اسی طرح

چاول اور کالی مرچ کا بہت بڑا کاروبار تھا مگر زیادہ نام آپ نے ہیرے جواہرات کی تجارت میں کمایا۔

تجارت کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل کی لگن بھی تھی، اور عبادات، مناجات، اور مجاہدات کی طرف بھی رجحان تھا۔ علماءِ وقت کی صحبت اور مجالس میں بیٹھک رہتی تھی اور آپ کو اپنے وسیع حلقہ احباب میں علوم دینیہ میں سند تسلیم کیا جاتا تھا۔ فقہ حنفیہ میں گہرا تفقہ تھا اور عنفوانِ شباب میں جب بیت اللہ اور رضہء رسول ﷺ کے قرب میں قیام کی سعادت نصیب میں آئی تو تصوف میں شغف بڑھا۔

مردِ کامل کی تلاش

ایک تاجر ہونے کی حیثیت سے عامۃ المسلمین کی اخلاقی، علمی، اور روحانی درماندگی سے پالا پڑا اور خصوصًا مسلمان تجار کی دنیا طلبی اور دینی غفلت، حلال وحرام کی تمیز سے لاپرواہی غیر اسلامی مشرکانہ رسومات اور بدعتوں میں دلچسپی دیکھ کر دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا اور پھر ایک ایسے مرد کامل فانی فی اللہ کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے جو امت مسلمہ کی دگر گوں حالت کو بہتری کی طرف لا سکے۔ یہ بھی خیال آتا کہ امام مہدی اور مسیح علیہما السلام کے نزول کا وقت بھی قریب ہے۔ عالم اسلام کی زبوں حالی کے تصور سے آپ کی حالت بسا اوقات خیال گزرتا کہ آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ پھر دعاؤں اور مناجات کی طرف توجہ ہوتی۔ ایک رات کچھ ایسے ہی لمحات میں گزر ہوئی اور جبکہ طلوع فجر کا عمل تھا کہ ایک نظارہ دیکھا جس میں آپ کو روضہء اقدس حضرت رسول کریم ﷺ پر پانچ منور چراغ دکھائے گئے۔ پھر وہی پانچ منور چراغ بارہ چراغوں کی صورت میں نور افشاں کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پھر ایک اور چراغ ان سب کے سوا دکھائی دیا جو شعلہ پکڑنے سے پہلے پھڑ پھڑا رہا تھا اور پھر وہ چراغ ایک شان سے بقعۂ نور ہو گیا۔

یہ نظارہ دیکھنے کے بعد یہی خیال آتا رہا کہ بارہ اماموں کا نورانی زمانہ تو گزر چکا ہے اس لئے آخری امام الزمان کے نور کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا ظہور ہو چکا ہو۔ اسکی تلاش کرنی چاہئے۔ ایسے میں بالآخر خدا کے فضل نے آپ کی دستگیری فرمائی اور بحمد اللہ بالیقین آپ پر یہ منکشف ہو گیا کہ اس وقت کے ہادی اور امام جس کے ہم

منتظر تھے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلاۃ والسلام ہی ہیں۔

صداقت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان اور بیعت

یوں بفضلہٖ تعالیٰ آپ خدا تعالیٰ کی براہِ راست راہنمائی کے نتیجہ میں 1905 میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی صداقت پر صدق دل سے ایمان لے آئے تھے، مگر بیعت اس وجہ سے نہ کر سکے کہ آپ کو علم نہ تھا کہ خط کے ذریعہ بھی بیعت کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اسی انتظار میں رہے کہ کب قادیان حاضرِ خدمت ہو کر دستی بیعت کا شرف حاصل کریں۔ مگر 1907 میں جیسے ہی حضرت سیٹھ ابراہیم سے معلوم ہوا کہ عریضہ کے ذریعہ بھی بیعت پیش کی جا سکتی ہے تو آپ نے بلا توقف مکرمی زین الدین محمد ابراہیم کے گھر سے ہی بیعت کا خط تحریر کر دیا اور بیعت کی تحریری منظوری کی اطلاع حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے دستخطوں سے جولائی 1907 کے ایک مکتوب گرامی سے ملی۔

دستی بیعت کے لئے قادیان میں ورود

تحریری بیعت کے چند ماہ بعد 15ستمبر 1907 بروز اتوار ظہر کی نماز سے قبل آپ قادیان دارالأمان حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز مسجد مبارک میں حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کی امامت میں ادا کی۔

نماز کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام مسجد مبارک میں ہی قعدہ کی صورت میں تشریف فرما ہوئے۔ اور جب آپ کو حضور اقدس کی خدمت میں بالمشافہ حاضری کا شرف حاصل ہوا تو حضور اقدس نے دریافت فرمایا: آپ ہمیں کیسے جانتے ہیں؟ اسی دوران گھر سے پیغام آیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی علالت شدت پکڑ گئی ہے، چنانچہ حضور اقدس گھر تشریف لے گئے۔

16ستمبر 1907 کو پیشگوئی کے عین مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی وفات حسرت آیات کا افسوسناک سانحہ وقوع میں آیا۔ آپ کو نماز جنازہ میں شمولیت کا موقعہ ملا۔

وفات کے دوسرے یا تیسرے روز سیدنا حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لے

گئے جس میں آپ کو بھی معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔

18 ستمبر 1907 کی نماز جمعہ بھی مسجد مبارک میں ہوئی۔ خطبہ جمعہ حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی نے پڑھایا۔ حضور اقدس امروہی صاحب کے قریب ہی تشریف فرما تھے۔

18 ستمبر 1907 بروز جمعہ کی شام کو آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تحریرًا مراجعت کے لئے اجازت کی درخواست پیش کی۔ اسی خط پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے تحریرًا اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ آپ 19 ستمبر کی صبح کو قادیان سے عازمِ جدّہ ہوئے۔

روانگی کے وقت حضور اقدس علیہ السلام نے اپنی عربی تصنیف ''الاستفتاء'' اور عربی تفسیر سورۃ الفاتحہ (غالبًا کرامات الصادقین یا اعجاز المسیح) کے دس دس نسخے جدّہ اور مکہ میں تقسیم کے لئے مرحمت فرمائے۔

اس پانچ روزہ مقدس صحبت یار کا عرصہ حیات، ایک عظیم لیلۃ القدر کے گراں قدر لمحات کی طرح سابقہ اور بقیہ پوری 80 یا 90 سالہ طویل زندگی سے اپنی برکات میں کہیں زیادہ بارآور تھا۔

نظام وصیت میں شمولیت

25 محرم 1326 یعنی 1908 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کو نظام وصیت میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ 1/3 کے موصی تھے اور آپ کا وصیت نمبر 040411/ 290 ہے اور تاریخ احمدیت کے مطابق آپ کو پہلے عرب موصی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وصیت کے وقت پٹن، جدّہ اور مکہ میں سکنی جائیداد کے علاوہ جدہ میں تجارتی رأس المال کا اندازہ پچاس ہزار ریال تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ رأس المال 1908 میں اگر ہندوستانی کرنسی میں لاکھوں میں تھا تو تجارتی ساکھ اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

وفات مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت سے تعلق

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپ کو سخت صدمہ ہوا اس پر مزید

صدمہ یہ ہوا کہ آپ کے قبیلہ کے لوگ حضور اقدس علیہ السلام کی زندگی میں قبول احمدیت سے محروم رہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت مفتی محمد صادق رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب گرامی محررہ 13/اگست 1913 سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الأول رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات سے بھی آپ کا خادمانہ ومخلصانہ وفا کا گہرا تعلق استوار رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الأول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آپ کے عریضہ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''آپ کا خط ملا۔ حضرت خلیفۃ المسیح آپ کے واسطے بہت دعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ہم آپ کے واسطے رمضان میں بہت دعا کریں گے۔ آپ بڑے مخلص ہیں۔''

احمدی حجاج کرام کی خدمت کی سعادت

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب اور حضرت عبد الحی عرب رضی اللہ عنہم حج کی نیت سے یکم اکتوبر 1912 کو جدّہ پہنچے تو چھ روز تک حضرت ابوبکر یوسف رضی اللہ عنہ کے غریب خانہ کو قیام کی سعادت بخشی۔

آپ نے ایک حج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نیت سے اور ایک حج حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی نیت سے بھی کیا تھا۔ جدّہ میں جب تک آپ کا قیام رہا اکثر احمدی حجاج آپ ہی کے غریب خانہ میں قیام فرماتے رہے۔

1924 میں مکرمی محمود مجیب اصغر صاحب کی روایت کے مطابق ان کے دادا جان مکرم میاں عبد الرحمٰن بھیروی صاحب نے بھی وہاں قیام فرمایا۔

1927 میں حضرت عبد الرحیم صاحب نیر قادیان سے اور حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب لندن سے، نیز ڈاکٹر عبد العزیز سندھی اور انکی اہلیہ حفیظہ صاحبہ عدن سے، ڈاکٹر یوسف زئی صاحب اوران کی اہلیہ (جو محترم مرزا مہتاب بیگ صاحب ٹیلر ماسٹر کی عزیزہ تھیں) اور انکے بیٹے یحییٰ خان صاحب کے علاوہ سات اور احباب کے قافلہ نے حج کی سعادت پائی اور جدّہ میں آپ ہی کے ہاں قیام کیا۔

ڈاکٹر عبد العزیز صاحب نے آپ کو اپنی کتاب میں امیر الحجاج کے لقب سے خطاب

کیا ہے۔ بہر حال کثرت سے آپ کے غریب خانہ پر احمدی حجاج قیام فرمایا کرتے تھے۔

این سعادت بزور بازو نیست

جہاں آپ کے خاندانِ حضرت مسیح پاک اور آپ کے کبار صحابہ اور مخلص احباب جماعت حجاج کی خدمت گزاری کی سعادت حاصل ہوئی وہاں آپ کی انتہائی خوش نصیبی کی بات یہ ہے کہ یکم فروری 1926 کو آپ کی بیٹی الحاجہ سیدہ عزیزہ بیگم المعروف بہ ام وسیم صاحبہ کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے عقد زوجیت میں قبول فرمایا اور اس طرح آپ کی بیٹی بطور حرم خامس حضرت مصلح موعود کی طرف منسوب ہو کر ''خواتین مبارکہ'' کے مقدس زمرہ میں شامل ہوئیں اور امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درخت وجود کی سرسبز شاخ بننے کی سعادت دارین پائی۔

این سعادت بزور بازو نیست   گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مقدس جوڑے کی مبارک نسل سے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور درویش قادیان وامیر جماعت قادیان وناظر اعلیٰ صدر انجمن بھارت اور صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب مرحوم ومغفور افسر امانت تحریک جدید پاکستان پیدا ہوئے۔

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحبؓ کی ایک بیٹی الحاجہ حلیمہ یوسفیہ مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم ومغفور ایڈووکیٹ، امیر جماعت احمدیہ لاہور سے بیاہی گئیں۔ اور آپ کے ایک بیٹے (سید کمال یوسف صاحب کے والد ماجد) مکرمی محمد سعید یوسف صاحب مرحوم ومغفور کی شادی حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ وپرنسپل جامعہ احمدیہ کی بیٹی الحاجہ سیدہ حلیمہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔

مکرمی ومحترم چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین وگیمبیا کی روایت کے مطابق فلسطین جماعت کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح کا عربی ترجمہ جب پہلی بار فلسطین سے شائع ہوا تو اس کی اشاعت کے اخراجات محمد سعید یوسف صاحب مرحوم نے پیش کئے تھے۔

ابوبکر یوسف صاحب کی بہو اور محمد سعید یوسف صاحب کی اہلیہ مبلغ سلسلہ مکرم سید

کمال یوسف صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان کا ایک رضاعی تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس خاندان سے یوں بھی تھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے پہلوٹھے فرزند صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک پر حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (نانی جان سید کمال یوسف صاحب) نے دودھ پلایا تھا اور اس طرح والدہ صاحبہ سید کمال یوسف صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب مرحوم کی رضاعی بہن تھیں۔

قادیان میں مستقل سکونت

اگر چہ جدہ میں اس وقت کے شریف مکہ سے حضرت ابو بکر یوسف صاحب کے گہرے روابط تھے اور شاہی خاندان میں اٹھنا بیٹھنا تھا مگر پھر کسی وقت حالات میں تغیر آیا اور آپ قبول احمدیت کی وجہ سے جدہ سے ملک بدر کر دیئے گئے۔ اور ایسے ہی احمدیت کی مخالفت میں پٹن کے ہم قبیلہ احباب نے بھی آپ کا معاشرتی اور اقتصادی مقاطعہ کر دیا تھا۔

آپ جدہ اور پٹن چھوڑ کر خلافت ثانیہ کے عہد میں ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے قادیان آ گئے۔ جب آپ قادیان آئے تو بروایت صاحبزادی بی بی امۃ الرشید صاحبہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ازراہ ذرہ نوازی اور شفقت کے اپنے تمام خاندان کو آپ کے استقبال کے لئے قادیان کے ریلوے سٹیشن بھجوایا۔

صاحبزادی بی بی امۃ الرشید صاحبہ فرماتی ہیں کہ ریلوے سٹیشن پر آپ اور آپ کے اہل وعیال کے رئیسانہ رکھ رکھاؤ اس وقت ایسا منظر پیش کر رہے تھے کہ ہم بچوں کا یہ تاثر تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' آپ کی ذات میں پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

باوجود اسکے آپ کی تجارت اقتصادی مقاطعہ کی بدولت کساد بازاری کا شکار ہو چکی تھی قیام قادیان میں پاکستان ہجرت کرنے تک آپ بڑی حد تک آسودہ حال رہے۔

ایک دفعہ ازراہ ذرہ نوازی اور شفقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے ایک وقت اس قدر نقد چندہ دینے کی توفیق پائی جو ساری جماعت کے مجموعی چندہ سے زیادہ تھا۔

قادیان میں آپ کا مختلف جگہوں میں قیام رہا۔ آپ کی آخری قیام گاہ حلقہ مسجد مبارک فخر الدین ملتانی کی حویلی سے ملحقہ ایک پختہ مکان تھا جس میں چار فیملی یونٹس تھے۔ آپ بالا خانہ میں رہتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹ رضی اللہ عنہ امیر جماعت قادیان کی ہمسائیگی میں تھے۔ آپ نے مسجد مبارک سے ملحقہ کچھ دکانیں بھی خرید لی تھیں جن کا کرایہ آتا تھا۔ ضرورت کے وقت اپنے ہیروں کے اندوختہ میں سے کوئی ہیرا بیچ کر گزر بسر کر لیتے اور جس دن ہیرا بکتا اہل قادیان کی دعوت کرتے اور جس جس گھر ضیافت بھجواتے تو توشہ برتن واپس نہیں لیتے تھے۔

قادیان سے جب ربوہ ہجرت کی تو انجمن کے دو کمروں کے جونیئر کوارٹر میں سولہ افرادخانہ کے ساتھ وفات تک قیام کیا۔ ایک لمبا عرصہ خوشحال اور آسودگی کی زندگی گزارنے کے بعد سخت عُسر اور شدید مالی تنگی کے کڑے اور تلخ دن بھی دیکھے مگر تقویٰ کی زادِ راہ سے مالا مال اور ایمان کی متاع سے شادکام رہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

وفات اور آخری آرام گاہ

آپ 10 جنوری 1955 کو 90 سال کی عمر پاکر بہشتی مقبرہ ربوہ قطعہ نمبر B10/4 میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، حضرت خلیفہ ثالث رحمہ اللہ، حضرت ام المؤمنین نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا اور آپ کی بیٹی حضرت ام وسیم صاحبہ قطعہ خاص الخاص کی چاردیواری کے سایہ اور صحابہ کبار کے مدفنوں کی معیت میں آسودہ خاک ہیں۔

حضرت احمد رشید نوابؓ

مکہ مکرمہ سے تعلق رکھنے والے ایک عرب حضرت احمد رشید نواب صاحب ایک عرصہ سے ہندوستان میں مقیم تھے۔ 1324 ہجری یعنی 1906 کے شروع میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔جس کے بعد آپ نے 4 ربیع الاول 1324 ہجری کو احمدیت کی طرف اپنے سفر کی داستان تحریر فرمائی جو 17 مئی 1906 کے اخبار بدر کے صفحہ 8 تا 10 پر شائع ہوئی ہے۔ چونکہ طرز تحریر پر قدیم اردو اور عربی کا ملا جلا رنگ غالب ہے، خاکسار نے سہولت کے لئے ہر حصہ کا علیحدہ ذیلی عنوان لگا دیا ہے۔

ابتدائی حالات اور احمدیت سے تعارف

حضرت احمد رشید نواب صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

''اما بعد عرض کرتا ہے امیدوارِ رحمتِ توّاب ''احمد رشید نواب''، مجھ کو ایک زمانہ ہوا کہ ہندوستان میں وارد ہوں۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق رہا۔ ازاں جملہ حضرت اقدس امام الزمان مسیح موعود ومہدی مسعود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے متعلق بہت کچھ مختلف باتیں سنتا رہا، موافق بھی مخالف بھی۔مگر بکثرت ان کے مخالف ہی رائیں سنتا رہا۔ چونکہ ان کی کوئی تصنیف وتالیف کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور زیادہ تر مخالفوں سے ہی ملنا جلنا رہتا تھا۔ اس لئے میں بھی انکار ومخالفت پر تلا ہوا تھا مگر زبانی جمع خرچ تھا یعنی کبھی قلم نہیں اٹھایا۔اور الحمد للہ زبان سے بھی کبھی کوئی سخت کلمہ شاید نہ نکلا ہوگا۔مگر پھر مخالفت مخالفت ہے۔''

رؤیا اور اس کے پورا ہونے کا انتظار

’’مجھ کو بارہ تیرہ سال کا عرصہ ہوا جبکہ میں نے مکہ معظّمہ میں ایک خواب دیکھا تھا جس میں میں نے امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔اور اس خواب کے ظہور کا ہمیشہ منتظر رہتا تھا۔اس کے بعد میں نے متعدد مقامات ومختلف اوقات میں کچھ آوازیں سنیں کچھ خواب دیکھے مگر حضرت اقدس کی خبر بھی جب تک میرے کان میں نہیں پہنچی تھی۔ رفتہ رفتہ جب ہندوستان میں آنے کا اتفاق ہوا تو میں نے یہ سنا کہ ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب قادیان میں ہیں جنہوں نے دعویٰ مسیحیت ومہدویت کیا ہے تو یہ بات کچھ ایسی بھیانک اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہے کہ اندازہ سے باہر اور خاص کر مخالفین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا۔ مگر إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ (یعنی جس چیز کا اللہ ارادہ فرمائے اسکے اسباب بھی بہم پہنچا دیتا ہے۔ ناقل) کے موافق حق کی روشنی مجھ پر ظاہر ہوئی۔ جب میں پنجاب میں پہنچا تو قریب تین ماہ کے امرتسر میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بھی حضرت اقدس کے مخالفین ہی سے زیادہ تر ملنے کا اتفاق رہا جن سے بجز مخالفت کے دوسری بات ہی نہ سنتا تھا۔الغرض ایسی حالت میں جماعت احمدیہ میں سے دو ایک شخصوں سے حیات ووفات مسیح کے متعلق کچھ نیم گفتگو سی ہو کر رہ گئی۔ بحث ناتمام رہی، دوسرے روز پر ملتوی ہوئی، دوسرے روز بھی کسی وجہ سے ملتوی ہوگئی۔‘‘

سفرِ قادیان اور حیرت انگیز تبدیلی

’’شب کو میں نے حضرت اقدس کو خواب میں دیکھا اور جن لوگوں میں مباحثہ ٹھہرا تھا بلاتأمل یہ کہہ دیا کہ اس کا فیصلہ خاص دن میں جا کر جناب مرزا صاحب سے ہی ہوگا۔ جیسے میرے دل میں اس جوش کے ساتھ یہ ارادہ ہوا کہ جس قدر جلدی ہو سکے قادیان پہنچوں یہاں تک کہ میں قادیان پہنچا۔ راہ میں بلکہ پہنچکر بھی بہت سی باتیں میرے دل میں تھیں مگر پہنچتے ہی وہ باتیں خود بخود دل سے نکلنی شروع ہوگئیں۔ میں اس کو بجز کرامت یا اعجاز کے کیا کہہ سکتا ہوں۔ قادیان دار الامان میں پہنچ کر دوسرے روز حضرت اقدس (روحی فداہ) کی قدم بوسی سے مشرف ہوا جو کیفیت مجھ کو حاصل ہوئی اس کو مخالفین کے لئے میں ان

لفظوں میں ادا کرتا ہوں۔۔۔کسی کا شعر ہے:

لطف مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

''بدر'' کی پیشانی پر جو شعر لکھا ہوا ہے:

چہ گوئم باتو گر آئی چہا در قادیان بینی دوا بینی، شفا بینی، غرض دارالامان بینی

بالکل سچ ہے۔میری زبان پر یہ شعر ہر وقت جاری رہتا ہے۔''

بیعت اور رؤیا

''دوسری بار جو حضرت اقدس سے نیاز حاصل ہوا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بیعت کر ہی لی۔ اس وقت میری زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے کہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (هَـذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقّاً)اس کے بعد میں موافق عادت کے دوپہر کو سو گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ آپ فرماتے ہیں ہماری رائے تجھ کو ابھی بیعت کرنے کی نہیں تھی، ہم چاہتے تھے کہ اپنے شکوک پورے طور پر رفع کر لیتا تو بہتر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے دل میں ایسے شکوک ہی نہیں رہے کہ جن کے ازالہ کی ضرورت ہو۔ دوسرے روز میں نے یہ خواب آپ سے عرض کیا کہ واقعی ہمارے دل میں یہی بات تھی کہ جو تو نے دیکھی اس کے بعد آپ نے مہتمم کتب خانہ کو حکم فرمایا کہ جو تصنیف میں مانگوں مجھ کو دی جاوے۔ چنانچہ آٹھ دس تصنیف میں نے لیں۔ ازاں جملہ حمامۃ البشریٰ جس کو میرے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اس کی تعریف سے تو میری زبان قاصر ہے۔۔۔ واقعی یہ تقریر اور یہ تحریر خارق عادت سوائے معجزہ کے اور کیا ہوسکتی ہے۔مگر افسوس ہے کہ مخالفین کو نظر نہیں آتا۔بجز اس کے کیا کہا جاسکتا ہے: (وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ)۔''

تفہیمات ربانیہ

''یہاں پہنچ کر جو کیفیتیں مجھ پر وارد ہوئیں ان کا بیان نہیں کرسکتا۔ وفات مسیح جس کا میں سخت مخالف تھا۔اس کے متعلق مجھ کو عجیب عجیب مضامین سوجھنے لگے اور مجھ کو خود یہ امر

محسوس ہوتا ہے کہ ایک چشمہ ءفیض ہے جو میرے دل پر گر رہا ہے۔ چنانچہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش کشِ ناظرین ہے۔

میں دوپہر کو ایک روز حسب عادت سو کر جو اٹھا تو یہ مضمون میرے دل میں جوش مار رہا تھا اور یہ ساری عمر میں پہلا اتفاق تھا۔''

حضرت مسیح کی آمد ثانی کی غرض

''یکا یک میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی کیا ضرورت ہے تو میرے خیال میں مندرجہ ذیل ضرورتیں معلوم ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ آپ اپنے پیرؤوں کو کافروں پر غلبہ بخشیں۔ دوم یہ کہ اپنی شریعت کو دوبارہ قائم کریں۔سوم یہ کہ تثلیث کا ابطال کریں۔

اب اس کی تفصیل سنئے۔ پہلی شق تو اس وجہ سے باطل ہے کہ تحصیل حاصل ہے۔ ایک تو اللہ تعالی نے ویسے ہی وعدہ فرمایا ہے۔

دوسری صورت کا بطلان بیّن ہے کہ اب کوئی دوسری شریعت قائم کرنے والا نہیں آوے گا۔ رہا یہ کہ وہ شریعت محمد یہ ہی کو آ کر مستحکم کریں گے۔تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کام کو اللہ تعالیٰ ایک مجدد سے بخوبی نکال سکتا ہے۔ چنانچہ نکالتا چلا آیا ہے۔ تیرہ سو برس سے اس کام کے لئے ایک جلیل القدر پیغمبر کو دو ہزار سال تک آسمان پر بیٹھا رکھے اور اب اس کو نازل کرے۔۔۔۔ کیونکہ نہ تو وہ دشمن جن کے ہاتھوں سے ان کو تکلیفیں پہنچیں موجود ہیں کہ ان سے اگر بدلہ لیں گے نہ کوئی دوسری وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

رہی تیسری صورت تو اس میں ان کو کوئی خصوصیت نہیں جس عالم یا مجدد کو خدا کھڑا کر دیوے وہ اسکی بیخ کنی باحسن الوجوہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ مشاہد ہے تو یہ بھی کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جو ان کے دو ہزار سال بعد آسمان سے تشریف آوری مقتضی ہو۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ان کا ابطال تثلیث کرنا ایک خاص اثر رکھے گا۔ اس وجہ سے کہ ان کو ہی خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔تو جب وہ خود ان کے عقیدہ کا بطلان ظاہر کریں گے تو بہت کچھ اثر مترتب ہوگا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس بات پر دلیل کیا ہوگی۔ کہ یہ وہ ہی عیسیٰ بن مریم سلام اللہ علیہ ہیں جن کو ہم خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔ کیوں کہ ان

کے نزول آسمانی کو اگر مان لیا جاوے تو اس وقت تمام دنیا تو موجود ہوگی نہیں اگر ہوگی بھی تو بالفرض متعدد اشخاص ہی ہوویں گے تو ان کی تصدیق کون کرے گا۔ نہ ماننے والے جب نہ مانیں گے پھر ایک فضول بات ٹھہری۔ اوران کا دوبارہ آنا لغوسا ہوگیا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا یہ امر ممکن نہیں تو اسکا جواب ہم یہ دیں گے کہ امکان مستلزم وقوع کب ہے۔ جو ہم خواہ مخواہ تسلیم کرلیں۔ اور جب امکان ہی پر آ گئے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم میں سے کسی کو خدا یہ شرف بخشے اور مسیح ابن مریم بنائے۔ جب یہ بھی ممکن ہے اور وہ بھی تو جو عقل سے زیادہ اقرب ہوگا ہم تو اس کو ہی پسند کریں گے۔''

ایمان اچھا یا تکذیب

''اب ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب سے اول یہ بات دریافت کرتے ہیں حضرات مکفرین سے کہ حضرت اقدس نے ارکان دین میں سے کسی رکن کا نعوذ باللہ انکار کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حاشا عن ذلک۔ اچھا اصولِ دین میں سے کسی اصل کے ساتھ مخالفت کی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ پانچوں ارکان اسلام کو وہ مانتے ہیں۔۔۔ اگر ان کی اور حضراتِ مکفرین کی مخالفت ہے تو صرف ایک مسئلہ حیات وفات مسیح میں ہے تو کیا کوئی شخص ہم کو یہ بتا سکتا ہے کہ حیات مسیح علیہ السلام کا اقرار کرنا ارکان اسلام میں سے ہے یا اصول دین میں سے ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کے انکار سے انسان کافر کیونکر ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی اور وجہ اس کے علاوہ ہو تو کوئی صاحب ہم کو سمجھا دیں کیونکہ اصول وفروع میں حضرت مرزا صاحب کا وہی طرز عمل ہے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا۔ وہ مدعی نبوتِ تشریعی نہیں۔ سرور کائنات کے ختم نبوت سے انکاری نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اتباع کو اپنا فخر سمجھتے ہیں اور انہی کی غلامی کا دم بھرتے ہیں پھر یہ کفر کہاں سے آ گیا۔ کوئی صاحب یہ معمہ حل کردیوے تو بڑی ہی مہربانی ہو۔ افسوس دنیا میں انصاف نہیں ہے۔ مگر میں اوروں کو تو بعد میں کہوں گا پہلے میں خود ایسا تھا۔ مگر للہ الحمد مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا مادہ ایسا رکھا ہے کہ جب تک خوب چھان بین نہیں کرلیتا یکا یک کوئی حکم قائم نہیں کرتا۔ اگرچہ میں مخالف ضرور رہتا مگر نہ ایسا کہ خواہ مخواہ کوئی حکم لگاتا۔ چنانچہ اس کا انجام یہ ہوا کہ آج سے چوبیس

پچیس روز پہلے میں مخالفین کے گروہ میں تھا اور آج اپنے آپ کو ایک جانثار غلام و خادم سمجھتا ہوں۔ اور اس پر مجھ کو فخر اور ناز ہے۔ یہ کس چیز کی برکت ہے؟ تحقیق کی فقط۔ میں آج بیس روز سے حضرت اقدس علیہ السلام کی تصانیف لطیفہ کا مطالعہ کر رہا ہوں اور بڑی کوشش اور جانفشانی سے دیکھتا ہوں اور شب و روز اسی میں مستغرق رہتا ہوں کہ کوئی بات تو ایسی نظر پڑے جس سے شبہ ہی کسی قسم کا وارد ہو سکے مگر اس وقت تک ایسی کوئی بات نظر نہ آئی۔ آخر کو میں نے یہ سمجھ لیا کہ یا تو مخالفین کو خدا نے عقل سے بے بہرہ کیا ہے اور یا مجھے وہ باتیں نظر نہیں آئیں جن کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے۔۔۔ اے لوگو خدا سے ڈرو قیامت آنے والی ہے خدا کو کیا جواب دو گے۔ کیونکہ دیکھو کہ اگر بالفرض حضرت اقدس نے جو دعویٰ کیا ہے وہ غلط ہی ہے تو ہم کو یہ بتاؤ کہ ان سے بیعت کرنے کا قیامت میں ہم پر کیا وبال پڑے گا۔ کیونکہ وہ شرک کی تعلیم نہیں کرتے خدانخواستہ راہ ضلال نہیں بتاتے۔ پر ہمارا کیا نقصان ہوا ان کو ماننے سے۔ اور اگر وہ اپنے دعوے میں سچے نکلے تو بتاؤ قیامت میں دست حسرت کون ملے گا۔ بہر حال درصورت صدقِ دعویٰ ہمارے پانچوں بلکہ دسوں گھی شکر میں، و درصورت کذب ہمارا گرہ سے کیا خرچ ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔۔۔ اب بتاؤ کون اچھا؟ ہم یا تم؟ انصاف سے کام لینا چاہئے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ جو کچھ فرماتا ہے اپنے پاک کلام میں وہ فرمان مثال و نظیر ہمارے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو مؤمنِ آلِ فرعون کا قصہ خدا نے بیان فرمایا، وہ کیوں؟ ہمارے لئے دیکھو کیا فرماتا ہے؟ (وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِباً فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقاً يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ) یہ تعلیم خداوندی ہے۔ کیوں نہ ہم بھی ایسا کہیں اور کریں۔ اگر اس میں کوئی نقص ہو تو ہم کو بتاؤ ورنہ تم ہمارا کہا مان جاؤ۔"

حیاتِ مسیح کا ردّ

"اب ہم ایک معیار اور بتاتے ہیں۔ دیکھو ان کی تعلیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ملا کر دیکھو اگر ایک ہے تو پھر ماننے میں کیا عذر ہے۔ اگر اس کے خلاف ہے تو بے شک پھینک دو۔ بلکہ ہم کو بھی وہ مخالفت بتا دو تو ہم بھی سے اس سے رجوع کریں۔ مجھے

ایک زمانہ تک حیات وفات مسیح کے متعلق بڑا اشتباہ رہا مگر غور کیا تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں۔ اور واقعی قرآن شریف میں کوئی آیت ایسی نہیں جس سے حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہو سکے۔ جس قدر آیتیں ہیں ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود کا جو دعویٰ ہے کہ ان کو صلیب دی گئی تھی غلط ہے۔ بلکہ اپنی طبعی موت سے مرے۔ مثلاً آیت کریمہ (إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) اس میں ایک تو توفی ہے ایک رفع اِلی اللہ ہے ایک تطہیر ہے ایک متبعین کو مخالفین پر غالب کرنا ہے۔ ہر ایک ان میں سے واقع ہو گیا اور جس ترتیب سے یکے بعد دیگرے لفظاً واقع ہیں اس طرح سے یکے بعد دیگرے ظہور میں آئے۔ پہلے توفی ہوئے پھر رفع ہوا پھر تطہیر ہوئی اور پھر آپ کے متبعین کو بھی غلبہ ہو گیا۔ اب بتایئے کہ وہ تشریف لاویں گے کیوں، اور کیا ضرورت باقی رہی ہے؟

دوسری آیت (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنتَ أَنتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ) یہ صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے تعلق رکھتی اور یہاں وفات کے معنے موت ہی کے ہیں۔ پر دوسری آیت میں توفی بمعنی رفع مع الجسم العنصری کیسے ہو جاوے گا۔

تیسری آیت وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيناً۔ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ہے۔ اس میں صاف ظاہر ہے کہ موت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے۔

رہی آیت (وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا) اس آیت میں ضمیر حضرت مسیح کی طرف عائد ہونے میں کلام ہے۔ کسی نے قرآن کی طرف راجع کیا ہے، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف، کسی نے حضرت مسیح کی طرف۔ اکثر مفسرین نے اسی ضمیر کے مرجع میں اختلاف کیا ہے۔ پھر ہم کیونکر خواہ مخواہ حضرت مسیح کو ہی مرجع ضمیر ٹھہرا لیویں۔ اور کم از کم جب مفسرین کا اختلاف ہو گیا تو کسی صورت سے صحیح نہیں رہا۔ کیونکہ إِذَا جَاءَ الِاحْتِمَالُ بَطَلَ الِاسْتِدْلَال۔ اور پھر مہربانی فرما کر کوئی شخص ہم کو اس آیت کے معنے ہی ذرا سمجھا دیویں کہ (وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَاب) سے کیا مراد ہے؟ آیا کہ دنیا میں جب سے اہل کتاب کا وجود آیا ہے قیامت تک جس قدر ہوئے اور ہوویں گے ان کی موت سے قبل تو یہ یقیناً باطل ہے۔ کیونکہ کروڑوں اہل کتاب مر گئے بے ایمان لائے ہوئے، اور مرتے چلے جاتے ہیں۔ اب

یہ کہو کہ انکے نزول من السماء کے وقت جس قدر اہل کتاب روئے زمین پر موجود ہوویں گے سب آپ پر ایمان لاویں گے۔ تو یہی محال ہے کیونکہ تمام روئے زمین کے اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ایمان لائے نہیں حضرت مسیح پر کیسے ایمان لے آویں گے۔ نیز خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ (فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) صاف بتلا رہا ہے کہ کافروں کے فرقے قیامت تک رہیں گے۔ اگر آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے کئے جاویں کہ سب حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آویں کے تو اس سے قرآن شریف کے بیان میں اختلاف لازم آتا ہے۔ گویا وہ کسی جگہ کچھ کہتا ہے اور دوسری جگہ اس کے مخالف بیان فرماتا ہے..... ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ یہود نے ٹھوکر کھائی۔ اور انکی کتاب میں جبکہ یہ لکھا ہے کہ مسیح اس وقت آوے گا جب ایلیا آسمان سے دوبارہ آئیگا۔ ایلیا نہیں آیا لہذا وہ مسیح کو بھی نہیں مانتے کیونکہ وہاں تو ایلیا کا مثیل آیا۔ اور کتاب میں نفس ایلیا لکھا تھا۔ تو ہم کہتے ہیں جب ہمارے پاس ایک یہ نظیر بھی موجود ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان کی طرح مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کے منتظر رہیں۔ اور وقت ہاتھ سے جاتا رہے، کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کچھ بھی نہ آوے۔ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے۔ اور بنظر خیر خواہی ہم لوگوں کے لئے یہ لکھتے ہیں کہ: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ مجھے تو امید ہے کہ جو شخص میری اس تحریر کو بنظر انصاف دیکھے گا وہ ضرور انشاء اللہ اس سے فائدہ اٹھاوے گا۔ ویسے رہی ہٹ دھرمی اور ضد تو اسکا علاج کوئی نہیں۔ اسکا علاج خدا کرے۔ اور جب یہ شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے مامور ہوں، کھلے نشان اپنے ساتھ رکھتا ہوں چنانچہ کسوف وخسوف جس کو تمام دنیا نے دیکھا اور جس کا منتظر ایک جہان تھا وہ بھی وقوع میں آ گیا، پھر اس کے ماننے میں کیا تأمل ہوسکتا ہے۔''

نشان مانگنا صدیقیت کے خلاف ہے

''اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو نشانوں کی حاجت کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسا نشان طلب کیا تھا۔ اور واقعی صدیقیت اسی سے تو عبارت ہے کہ بےکسی نشان ومعجزہ کے دیکھے ایمان لے آئے ورنہ ان میں اور دوسروں میں جو نشان یا معجزہ دیکھ کر ایمان لائے فرق ہی کیا رہتا۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ ہم نے خدا

کے اس مأ مور کو بدوں کسی نشان طلب کرنے اور دیکھنے کے مانا اور قبول کیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہم کو خدا بھی قبول کرے گا اور ضرور کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور واقعی نشان طلب کرنا تو میرے خیال میں ضعفِ یقین کی دلیل ہے کیونکہ حق تو اپنے ساتھ ایک ایسی روشنی رکھتا ہے جس کا اثر فوراً قلب پر پڑتا ہے بشرطیکہ ذرا سی بھی صلاحیت وقابلیت ہو ورنہ وہ فِیْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً والا مضمون ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی نشان فائدہ دیتا ہے نہ کوئی معجزہ۔ جیسا کہ ابوجہل وغیرہ میں مشاہد ہے۔ وقِس علیٰ ھذا۔ اَللّٰهُمَّ أرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اِجْتَنَابَه۔ اور ہم کو تو زیادہ اس بات کا خیال ہے کہ۔۔۔ یَاحَسْرَةً عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ نہ کہنا پڑے۔ ہائے افسوس وہ پیر جو اپنے مریدوں کو سوائے شرک کے اور کچھ تعلیم نہ دیں، دنیا کے کئی قبر پرست گدا یا غوث یا قطب یا اللہ کے بدلے پکارنے والے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے والے تو لوگوں سے بیعت لیویں اور لوگوں کو بھی ان سے بیعت کرنے میں کوئی تأمل نہ ہو۔ اور ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو مأ مور من اللہ بھی کہتا ہے اور تعلیم بھی وہی دیتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ دیتے تھے اس سے انکار ہو۔ اور اس پر کفر کے فتوے دیئے جائیں۔ لا حول و لا قوة إلا بالله العلی العظیم۔ اب میں اس رسالہ کو اس آیت پر ختم کرتا ہوں، شاید اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچ جاوے۔ أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجیم۔ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِىْ إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔ قریب ہے کہ تم میرا کہا یاد کرو گے اور میں اپنے کام خدا کے سپرد کرتا ہوں وہ سب کے حال سے خوب آگاہ ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ والسلام علی المرسلین والحمد للّٰه رب العالمین۔ حرَّره الراجی عفوَ التوّاب أحمد رشید نواب الأحمدی کان اللّٰه له۔ وذلك فی 4من شهر ربیع الأول1324مِن هجرة مَن له العزّ والشرف بقریة قادیان من أقطار پنجاب ضلع گورداسپور۔ فقط۔"

حضرت احمد زہری بدر الدینؓ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جنوری 1907ء میں مصر کے شہر اسکندریہ سے ایک شخص احمد زہری بدر الدین صاحب کا ۱۹ دسمبر 1907 کا تحریر کردہ خط ملا جسمیں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عقیدت کا اظہار کیا۔ حضور انور نے ان کے خط کا ذکر اپنی عربی کتاب الاستفتاء میں فرمایا ہے۔

(ماخوذ از الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی جلد۲۲ص۶۵۳)

حضرت ابو سعید عربؓ

''التبلیغ'' نے ان کا دل موہ لیا

(سیرت المہدی کی ایک روایت کے مطابق ان کا تعلق عرب قوم سے نہ تھا لیکن کثرت سے عرب ممالک میں سفر کرنے اور عربی بولنے کی وجہ سے عرب کہلائے۔ ان کے ایک خط کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک عربی جملہ میں دیا تھا۔ کثرت سے عرب ممالک میں آنے جانے اور عربی زبان بولنے کی وجہ سے ان کا ذکر عرب اصحاب کے زمرہ میں کیا جارہا ہے۔مرتب)

حضرت ابو سعید عرب صاحبؓ بہت بڑے تاجر تھے اور رنگون برما کے علاقہ میں بغرض تجارت رہائش پذیر تھے۔ بڑے آزاد مشرب اور نیچریت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ خدا کے وجود پر بھی ایمان نہ تھا۔ بس یہی خیال تھا کہ کھانا ہے اور کمانا ہے۔

عرب صاحب 1894ء میں لاہور آئے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' دی جبکہ ایک مولوی نے آپؑ کے خلاف لکھی ہوئی ایک کتاب انہیں دی۔ مگر یہ دونوں کتابیں وہیں کسی کو دے کر چل دیئے اور پرواہ نہ کی۔ انہیں کہا گیا کہ قادیان آئیں مگر یہ نہ آئے۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھیں کہ پھر وہی کتاب آئینہ کمالات اسلام ان کی نظر سے گزری تو اس کے پڑھنے سے حقیقت اسلام ان پر منکشف ہوگئی۔ پھر کیا تھا کہ آپ اس قدر فاصلہ طے کر کے رنگون سے تشریف لائے اور دسمبر 1902 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

❁...... جب آپ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ان کے حالات حضورؑ کی خدمت میں سنائے۔ پھر حضورؑ نے خود ان سے ان کے حالات

دریافت فرمائے اور پوچھا کہ آپ کتنے دن تک رہ سکتے ہیں۔عرب صاحب نے بیان کیا کہ مَیں نے کلکتہ سے سیکنڈ کلاس کا واپسی کا ٹکٹ لیا ہے جس کی میعاد جنوری 1903ء تک ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ: میری بڑی خوشی ہے کہ آپ اس دن تک ٹھہریں جب تک کہ ٹکٹ اجازت دیتا ہے۔

اس پر عرب صاحب نے نیازمندی سے عرض کی کہ کرایہ کی فکر نہیں،مَیں زیادہ بھی ٹھہر سکتا ہوں۔انہوں نے خود اپنے حالات جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کئے اور کہا کہ آئینہ کمالات اسلام نے آخر اس غلطی سے نجات دے کر حضور کی محبت کا تخم دل میں جمایا۔اس پر حضرت اقدس نے جو نصیحت فرمائی اس کے پہلے جملے یہ ہیں:

خدا ہی کی تلاش کرو۔حقیقی لذت خدا ہی میں ہے۔

یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے

۞......عرب صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک چینی آدمی کے روبرو مَیں نے آپؑ کی تصویر کو پیش کیا۔وہ بہت دیر تک دیکھتا رہا،آخر بولا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے۔پھر میں نے اور تصاویر بعض سلاطین کی پیش کیں مگر ان کی نسبت اس نے کوئی مدح کا کلمہ نہ نکالا اور بار بار آپ کی تصویر کو دیکھ کر کہتا رہا کہ یہ شخص ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں۔

سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے

۞......18 دسمبر 1902ء کو آپ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ:

ایک صاحب برما میں کہتے تھے کہ اگر میرزا صاحب صرف قرآن کی تفسیر لکھیں اور اپنے دعاوی کا ذکر اس میں ہرگز نہ کریں تو مَیں بہت سا روپیہ صرف کر کے اسے طبع کروا سکتا ہوں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا: اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ابتداء ہی میں ہے:صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَاالضَّآلِّیْنَ(الفاتحۃ: 7) اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْب کونسا فرقہ تھا؟ تمام فرقے اسلام کے اس پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی ہو جائے گی،تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہوگا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے؟

اسی طرح انہوں نے مختلف ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت سے سوال کئے جن کے جوابات ملفوظات جلد 4 میں موجود ہیں۔

۞...... انہوں نے ایک سوال یہ کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ لیکھرام کو خود اپنے کسی جماعت کے آدمی کے ذریعہ سے مروا ڈالا؟

حضورؑ نے اس بات کا نہایت عارفانہ جواب عطا فرمایا جس کو یہاں درج کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ حضورؑ نے فرمایا:

''ہمارے ساتھ ہزارہا جماعت ہے، اگر ان میں سے کسی کو کہوں کہ تم جا کر مار آؤ تو یہ میری پیروی اور بیعت کا سلسلہ کب چل سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی چل سکتا ہے کہ صفائی ہو اور پیرؤوں کو معلوم ہو کہ پاک باطنی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جب ہم خود ہی قتل کے منصوبے لوگوں کو سمجھائیں تو یہ کاروبار کیسے چل سکتا ہے؟ اب یہ اس قدر گروہ ہے، کوئی ان میں سے بولے کہ ہم نے کس کو اور کب کہا تھا کہ جا کر اس کو مار ڈالے''۔

۞...... اسی طرح 23 دسمبر 1902ء کو حضور نے دریافت فرمایا: چین میں اہل اسلام عربی زبان سے واقف ہیں کہ نہیں اور وہاں عربی کتب روانہ کرنے کے متعلق حضرت اقدس ابو سعید عرب صاحب سے گفتگو فرماتے رہے۔

۞...... 28 دسمبر 1902ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور جناب ابو سعید عرب صاحب نے اپنے بعض احباب کا تذکرہ کیا اور گونہ افسوس ظاہر کیا کہ ان کو اس سلسلہ کی آگاہی اور اطلاع نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تحریک پر ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مَیں نماز پڑھتا ہوں مگر دل نہیں ہوتا۔ حضورؑ نے اس کا مفصل علاج عطا فرمایا۔ اس کا پہلا جملہ گویا مضمون کا خلاصہ ہے فرمایا:

''جب خدا کو پہچان لو گے تو پھر نماز ہی نماز میں رہو گے''۔

اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا

۞...... ابو سعید عرب صاحب کو کمال شوق دلّی کے جلسہ کا تھا کہ وہاں کی رونق دیکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت بھی چاہی تھی اور حضرت اقدسؑ نے اجازت دے بھی دی تھی مگر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دعائے استخارہ کر لو۔ چنانچہ دعا سے پھر ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ

عرب صاحب دلّی جانے سے رک گئے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:
’فرمایئے، اب دلّی جانے کا خیال ہے یا نہیں؟‘
عرب صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ حضور اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا۔
حضور نے فرمایا کہ اب دوسری سیروں کو چھوڑ کر روحانی سیروں کی طرف متوجہ ہو جاویں۔ یہ آپ کی سعادت کی علامت ہے کہ اتنی دور سے اس جلسہ کے واسطے آئے اور یہاں ٹھہر گئے اور اس قدر مقابلہ نفس کا کیا۔ ہر ایک کو یہ طاقت نہیں ہوتی کہ جذب نفس کے ساتھ کشتی کریں۔

آپؓ کی ایک خواب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعبیر

۞...... 3/جنوری 1903ء کو ابو سعید عرب صاحبؓ نے اپنی رؤیا بیان کی کہ ایک کتا پیار سے کاٹتا ہے اور پھر اس نے انڈا دیا جس کو انہوں نے توڑ ڈالا اور وہ بھاگ گیا۔

فرمایا: کتا ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں۔ جب وہ محبت سے کاٹے تو محبت ہے۔ اور کتے سے مراد خفیف سا دشمن ہوتا ہے۔ اس کے انڈے سے مراد اس کی ذرّیت ہے۔ جب اس کو توڑ دیا تو گویا خفیف اور کمزور دشمن کی ذریت کو تلف کر دیا۔

عرب صاحب نے پوچھا جو لوگ حضور کو برا نہیں کہتے اور آپ کی دعوت کو نہیں سنا وہ طاعون سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

فرمایا: میری دعوت کو نہیں سنا تو خدا کی دعوت تو سنی ہے کہ تقوی اختیار کریں۔ پس جو تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے خواہ اس نے ہماری دعوت سنی ہو یا نہ سنی ہو کیونکہ یہی غرض ہے ہماری بعثت کی‘‘۔

عرب صاحب نے ادھر ادھر غیر آبادی کو دیکھ کر عرض کی کہ یہ صرف حضور ہی کا دم ہے کہ جس کی خاطر اس قدر انبوہ ہے ورنہ اس غیر آباد جگہ میں کون اور کب آتا ہے۔ فرمایا کہ اس کی مثال مکّہ کی ہے کہ وہاں بھی عرب لوگ دور دراز جگہوں سے جا کر مال وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 276 تا 411)

حَمَامَةُ الْبُشْرىٰ

قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت محمد بن احمد مکی صاحبؓ جب بیعت کے بعد مکہ شریف گئے تو وہاں تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اپنے ایک دوست علی طائع صاحب کے حوالے سے حضورؑ کی خدمت میں لکھا کہ حضورؑ انہیں اپنی کتب بھجوائیں تو وہ انہیں شرفاء وعلماء مکہ مکرمہ میں تقسیم کریں گے۔ اس خط کے ملنے پر حضورؑ نے اسے تبلیغ حق کا ایک غیبی سامان سمجھتے ہوئے ''حمامۃ البشریٰ'' عربی زبان میں تصنیف فرمائی جس میں حضورؑ نے دعویٰ مسیحیت، دلائل وفات مسیح اور نزول مسیح اور خروج دجال کا مفصل بیان اور مکفرین علماء کی طرف سے آپ کے عقائد اور دعویٰ پر اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

یہ کتاب حضورؑ نے 1893ء میں ہی تصنیف فرما دی تھی تاہم اس کی اشاعت فروری 1894ء میں ہوئی۔ اس میں حضور علیہ السلام نے حضرت محمد بن احمد مکی صاحبؓ کا خط بھی درج فرمایا ہے۔ اس کتاب کے ٹائیٹل پیج پر حضور علیہ السلام نے دو شعر درج فرمائے ہیں جو نہایت ہی لطیف ہیں اور ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

حَمَامَتُنَا تَطِیْرُ بِرِیْشِ شَوْقٍ
وَفِیْ مِنْقَارِھَا تُحَفُ السَّلَامِ
إِلَی وَطْنِ النَّبِیِّ حَبِیْبِ رَبِّی
وَسَیِّدِ رُسلِهِ خَیْرِ الْأَنَامِ

یعنی: ہماری کبوتری اپنی چونچ میں سلامتی کے تحفے لئے ہوئے شوق کے پروں کے ساتھ میرے رب کے محبوب اور نبیوں کے سردار، سرور کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کی طرف محو پرواز ہے۔

چونکہ یہ کتاب لکھی ہی اہل مکہ وحجاز اور دیگر بلاد عربیہ کے باسیوں کے لئے گئی تھی اس لئے اس میں حضورؑ نے عربوں کو بڑے پُر تاثیر الفاظ میں مخاطب فرمایا اور اپنی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی۔ مشتے از خروارے کے طور پر ایک اقتباس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

''اے عرب کے شریف النفس اور عالی نسب لوگو! مَیں قلب وروح سے آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے میرے ربّ نے عربوں کے بارہ میں بشارت دی ہے اور الہامًا فرمایا ہے کہ مَیں اُن کی مدد کروں اور انہیں اُن کا سیدھا راستہ دکھلاؤں، اور ان کے معاملات کی اصلاح کروں، اور اِس کام کی انجام دہی میں مجھے آپ لوگ انشاءاللہ تعالیٰ کامیاب وکامران پائیں گے۔

اے عزیزو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی تائید اور اس کی تجدید کے لئے مجھ پر اپنی خاص تجلّیات فرمائی ہیں اور مجھ پر اپنی برکات کی بارش برسائی ہے۔اور مجھ پر قسما قسم کے انعامات کئے ہیں، اور مجھے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بدحالی کے وقت میں اپنے خاص فضلوں اور فتوحات اور تائیدات کی بشارت دی ہے۔ پس اے قومِ عرب! مَیں نے چاہا کہ تم لوگوں کو بھی ان نعمتوں میں شامل کروں۔ میں اس دن کا شدت سے منتظر تھا، پس کیا تم خدائے رب العالمین کی خاطر میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو؟

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 182-183)

عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے

احمدیت کی تاریخ کے مضمون میں جہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عربی زبان کی چالیس ہزار لغات کا علم عطا فرمایا وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عربی زبان کے بارہ میں عظیم انکشاف کا ذکر بھی از بس ضروری ہے جس کا اعلان حضور نے 1895ء میں فرمایا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

علماء اسلام کو غفلت میں سوئے ہوئے اور ان کی ہمدردئ دین اور اس کی خدمت سے عدم توجہی اور دنیا طلبی اور مخالفین کی دین اسلام کے مٹانے کے لئے مساعی اور ان کے حملوں کو دیکھ کر میرا دل بیقرار ہوا اور قریب تھا کہ جان نکل جاتی۔ تب مَیں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور تضرع سے دعا کی کہ وہ میری نصرت فرمائے۔ اللہ تعالی نے میری دعا کو قبول فرمایا۔ سو ایک دن جبکہ میں نہایت بیقراری کی حالت میں قرآن مجید کی آیات نہایت تدبر اور فکر اور غور سے پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے معرفت کی راہ دکھاوے اور ظالموں پر میری حجت پوری کرے تو قرآن شریف کی ایک آیت میری آنکھوں کے سامنے چمکی اور غور کے بعد میں نے اسے علوم کا خزانہ اور اسرار کا دفینہ پایا۔ میں خوش ہوا اور الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔ اور وہ آیت یہ تھی۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ (الشوریٰ:8)

اس آیت کے متعلق مجھ پر کھولا گیا کہ یہ آیت عربی زبان کے فضائل پر دلالت کرتی ہے اور اشارہ کرتی ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں کی اور قرآن مجید تمام پہلی کتابوں کی ماں ہے اور یہ کہ مکّہ مکرمہ اُمُّ الأَرْضِيْن ہے۔

(ملخّص از منن الرحمٰن جلد 9 صفحہ 180 تا 184)

اس کے بعد آپؑ نے اس تحقیق پر مشتمل اپنی کتاب ''منن الرحمٰن'' لکھی اور یہ چیلنج دیا کہ اگر کوئی شخص دوسری کسی زبان کے یہ کمالات ثابت کردے تو پانچ ہزار روپیہ کا انعام پائے گا۔

اس تحقیق سے کہ عربی امّ الألسنہ ہے آپ نے اسلام کی عالمگیر فتح کی بنیاد رکھ دی۔ کیونکہ عربی زبان کے امّ الألسنہ اور الہامی زبان ثابت ہونے سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کتابوں میں سے جو مختلف زبانوں میں مخصوص قوموں کی اصلاح کے لئے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، سب سے اعلیٰ اور ارفع، اتم اور اکمل اور خاتم الکتب اور ام الکتب قرآن مجید ہے اور رسولوں میں سے خاتم النبیین اور خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر یہ عظیم کتاب نازل ہوئی۔

(روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 6-7)

عربی زبان سیکھنے کی نصیحت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے 21 ؍اپریل 1899ء یوم عید اضحیٰ کو فرمایا:

''مَیں یہ بھی اپنی جماعت کو نصیحت کرنی چاہتا ہوں کہ وہ عربی سیکھیں کیونکہ عربی کی تعلیم کے بدُوں قرآن کریم کا مزا نہیں آتا۔ پس ترجمہ پڑھنے کے لئے ضروری اور مناسب ہے کہ تھوڑا تھوڑا عربی زبان کو سیکھنے کی کوشش کریں۔ آج کل تو آسان آسان طریق عربی پڑھنے کے نکل آئے ہیں۔ قرآن شریف کا پڑھنا جبکہ ہر مسلمان کا فرض ہے تو کیا اس کے معنے یہ ہیں کہ عربی زبان سیکھنے کی کوشش نہ کی جاوے، اور ساری عمر انگریزی اور دوسری زبانوں کے حاصل کرنے میں کھو دی جاوے؟''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 297)

عربی کی اشاعت وترویج کے لئے عملی مہم

اس بارہ میں قبل ازیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے عربی کی اشاعت وترویج کے لئے ایک عملی مہم بھی شروع کی۔ یعنی اپنی جماعت کے دوستوں کو تحریک فرمائی کہ وہ عربی زبان سیکھیں اور اسے اپنی روزمرہ کی گفتگو میں اظہار خیال کا ذریعہ بنائیں۔ آپ کے نزدیک کسی زبان کے سیکھنے کی صورت یہ نہیں تھی کہ پہلے صرف ونحو پڑھی جائے، بلکہ بہتر طریقہ یہ تھا

کہ اسے بولا جائے۔ بولنے سے ضروری صرف ونحو خود بخود آ جاتی ہے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت اقدسؑ نے 1895ء میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کو (جو اس وقت 14 برس کے تھے) عربی کا قریبا ایک ہزار فقرہ ترجمہ سے لکھوایا۔ حضور روزانہ پندرہ بیس کے قریب فقرے لکھوا دیتے اور دوسرے دن سبق سن کر اور لکھوا دیتے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی بھی حضرت میر صاحب کے ہم سبق تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 522)

سیرت المہدی کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی اس مہم کے بارہ میں معلومات ملتی ہیں:

''میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام کو اس طرف توجہ تھی کہ جماعت میں عربی بول چال کا رواج ہو۔ چنانچہ ابتدا میں ہم لوگوں کو عربی فقرات لکھ کر دیئے گئے تھے جو خاص حد تک یاد کئے گئے تھے بلکہ اپنے چھوٹے بچوں کو بھی یاد کراتے تھے۔ میرا لڑکا (مولوی قمر الدین فاضل) اس وقت چار پانچ سال کا تھا جب میں اسے کہتا۔ ''اِبْرِیْق'' تو فوراً لوٹا پکڑ لاتا۔ (قمر الدین کی پیدائش بفضل خدا مئی 1900 کی ہے) مگر کچھ عرصہ یہ تحریک جاری رہی بعد میں حالات بدل گئے اور تحریک معرض التوا میں آ گئی۔''

(سیرت المہدی روایت نمبر 1370)

وفد نصیبین

جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب (مسیح ہندوستان میں) تالیف فرما رہے تھے۔انہی ایام میں معلوم ہوا تھا کہ ''نصیبین''میں حضرت مسیح ناصریؑ کے بعض آثار موجود ہیں جن سے ان کے اس سفر کا پتہ ملتا ہے اور تصدیق ہوتی ہے کہ وہ کشمیر میں آ کر رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرینِ مصلحت سمجھا تھا کہ ایک وفد بھیجا جائے جو ان آثار وحالات کی خود تحقیق کرے اور پھر اسی راستہ سے جو حضرت مسیح نے کشمیر آنے کے لئے تجویز کیا تھا واپس ہوتے ہوئے قادیان پہنچ جائے۔

تین رکنی اس وفد کے بارہ میں حضورؑ نے فرمایا کہ:

ان کے لئے ایک عربی تصنیف بھی میں کرنی چاہتا ہوں جو بطور تبلیغ کے ہو۔اور جہاں جہاں وہ جائیں اسکو تقسیم کرتے رہیں۔اس طرح پر اس سفر سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ ہمارے سلسلہ کی اشاعت بھی ہوتی جائے گی۔

اس وفد کو الوداع کرنے کے لئے جلسہ 12 تا 14 نومبر 1899 میں منعقد ہوا جسے جلسہ الوداع کہا گیا۔لیکن بعض پیش آمدہ امور ضروریہ کی وجہ سے یہ وفد نصیبین کے لئے روانہ نہ ہو سکا۔

(تفصیل کے لئے دیکھیں ملفوظات جلد 1 صفحہ 331 تا 336)

دوسرا دَور

1900ء تا1908ء

اِعجازُ الْمَسِیح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو اپنے بالمقابل فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کا چیلنج دیا اور یہ فرمایا کہ:

انہیں اجازت ہے کہ وہ اس تفسیر میں دنیا کے علماء سے مدد لیں، عرب کے بلغاء فصحاء بلا لیں، لاہور اور دیگر بلاد کے عربی دان پروفیسروں کو بھی مدد کے لئے طلب کریں۔

اس مقابلہ کے لئے آپ نے 70 دن کا وقت مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں ان کو 500 روپیہ انعام دوں گا اور اپنی کتابیں جلا دوں گا۔ لیکن اگر وہ 70 دن میں تفسیر سورۃ فاتحہ نہ لکھ سکے تو مجھے ایسے لوگوں سے بیعت لینے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ روپیہ کی خواہش ہے۔ صرف یہی دکھلاؤں گا کہ کیسے انہوں نے پیر کہلا کر قابل شرم جھوٹ بولا۔ (ماخوذ از اعجاز المسیح روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 449-450)

اس اعلان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خاص تائید سے حضرت اقدس علیہ السلام نے مدت معینہ کے اندر 23 فروری 1901ء کو ''اعجاز المسیح'' کے نام سے فصیح و بلیغ عربی زبان میں سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع کر دی۔ اور باعلام الٰہی اپنی اس تفسیر کے متعلق لکھا کہ اگر ان کے علماء اور حکماء اور فقہاء اور ان کے باپ اور بیٹے متفق اور ایک دوسرے کے معاون ہو کر اتنی قلیل مدت میں اس تفسیر کی مثل لانا چاہیں تو ہرگز نہیں لا سکیں گے۔ چنانچہ نہ پیر گولڑوی کو اور نہ عرب و عجم کے کسی ادیب فاضل کو اس کی مثل لکھنے کی جرأت ہوئی۔

جب اس کتاب کے جواب سے ہندوستان کے تمام علماء عاجز آ گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بلاد عرب یعنی حرمین اور شام اور مصر وغیرہ بھجوانا مناسب خیال فرمایا۔ چنانچہ مصر میں کئی جگہ یہ کتاب بھجوائی گئی اور ایک نسخہ اخبار ''المنار'' کے ایڈیٹر کو بھی ارسال

کیا گیا۔ چونکہ اس کتاب میں مسئلہ جہاد کے غلط تصور کا ردّ تھا اس لئے اصل مقصد اس کے بھجوانے سے ان لوگوں کے غلط تصور جہاد کی اصلاح کرنا تھا۔ اس لئے جب ایڈیٹر ’المنار‘ نے جہاد کے متعلق حضورؑ کی تحریر پڑھی تو اپنے تعصب کی وجہ سے جل گیا اور اس نے آنکھیں بند کرلیں، اور سخت گوئی اور گالیوں پر آ گیا، اور المنار میں بہت تحقیر اور توہین سے حضرت مسیح موعودؑ کو یاد کیا۔ یہ پرچہ کسی طرح پنجاب میں پہنچ گیا اور بعض متعصب مُلّاؤں کے ہاتھ لگ گیا جنہوں نے اس کا ترجمہ کر کے اور مزید بڑھا چڑھا کر ایک اخبار میں شائع کروادیا اور جا بجا بغلیں بجانے لگے کہ دیکھو اہل زبان ادیب نے مرزا صاحب کی کیسے خبر لی ہے۔ حالانکہ مدیر ’المنار‘ کا اکثر غصہ جہاد کے بارہ میں حضورؑ کے مضمون پر تھا۔ ورنہ قاہرہ کے ہی اخبار ’المناظر‘ کے ایڈیٹر نے، جو ایک نامی ایڈیٹر تھا جس کی تعریف ایڈیٹر المنار بھی کرتا تھا، اپنے اخبار میں صاف طور پر اقرار کردیا کہ کتاب اعجاز المسیح درحقیقت فصاحت و بلاغت میں بے مثال کتاب ہے اور صاف گواہی دی کہ اس کی مثل بنانے پر دوسرے مولوی ہرگز قادر نہ ہوں گے۔ نیز کہا کہ اعجاز المسیح کی فصاحت و بلاغت درحقیقت معجزہ کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح قاہرہ ہی سے نکلنے والے عیسائی اخبار ’الہلال‘ کے ایڈیٹر نے بھی اعجاز المسیح کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کی۔

(ماخوذ از اشتہار حضرت مسیح موعود مؤرخہ 18 نومبر 1901ء، مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 442 تا 447)

اعجاز المسیح کا چیلنج اور مخالفین کی بیچارگی۔ایک جائزہ

کتاب اعجاز المسیح کے جواب سے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے ہندوستان یا مصر ہی کے علماء عاجز نہیں آئے تھے بلکہ آج تک یہ معجزہ قائم ہے اور کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ اس عظیم کتاب کا جواب لکھنے کی کوشش بھی کر سکے۔ ہاں ایک شخص نے کوشش کی لیکن چند ہی دنوں میں راہیٔ ملکِ عدم ہو گیا۔

مولوی محمد حسن فیضی ساکن موضع بھیں مدرس مدرسہ نعمانیہ واقع شاہی مسجد لاہور نے عوام میں شائع کیا کہ میں اعجاز المسیح کا جواب لکھتا ہوں۔ ابھی اس نے جواب کے لئے کتاب ’اعجاز المسیح‘ پر نوٹ ہی لکھے تھے اور ایک جگہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ بھی لکھ دیا تو اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ جلد ہلاک ہو گیا۔ (روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 3 تا 5)

ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ سے الہام پا کر اس کتاب میں لکھ چکے تھے کہ:

"مَیں نے اس کتاب کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے علماء کے لئے معجزہ بنائے اور کوئی ادیب اس کی نظیر لانے پر قادر نہ ہو۔ اور ان کو لکھنے کی توفیق نہ ملے۔ اور میری یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی اور کہا: مَنَعَهٗ مَانِعٌ مِنَ السَّمَآءِ کہ آسمان سے ہم اسے روک دیں گے۔ اور مَیں سمجھا کہ اس میں اشارہ ہے کہ دشمن اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔ (خلاصہ عربی عبارت اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 68-69)

اسی طرح اس کتاب کے سرورق پر آپ نے بطور تحدی فرمایا کہ:

فَاِنَّهٗ كِتَابٌ لَيْسَ لَهٗ جَوَابٌ۔ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَرٰى اَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ۔

یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جسکا کوئی جواب نہیں ہے اور جو شخص بھی غصہ میں آ کر اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے تیار ہوگا وہ ندامت وحسرت کا شکار ہو کر رہ جائیگا۔

اسی طرح فرمایا:

میرا یہ رسالہ خدا تعالیٰ کے نشانات میں سے ایک نشان ہے...... اور یہ میرے ربّ کی طرف سے حجت قاطعہ اور برہان مبین ہے تا کہ جھوٹ بولنے والوں کو ان کے گناہ کا کسی قدر بدلہ دے۔...... مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ (اِنَّ هٰذَا الكلام كأنه حسامٌ) یہ کلام ایسے ہے جیسے کہ نشانے پر لگنے والا تیر۔ اس نے تمام جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا ہے اور اس کے بعد کوئی نزاع نہیں رہا۔ اور جو کہتا ہے کہ وہ فصیح ہے اور اس کا کلام مثلِ بدرِ تام ہے تو اسے چاہئے کہ اس کتاب کی نظیر لکھ لائے اور ہرگز خاموش نہ بیٹھا رہے کیونکہ اس معاملہ میں خاموشی حرام ہے۔ لیکن اگر تمہارے آباء واجداد اور تمہارے بیٹے اور تمہارے ساتھی اور تمہارے علماء وحکماء وفقہاء سب مل کر بھی اس جیسی تفسیر مقررہ مختصر مدت میں لانے کے لئے جمع ہو جائیں تب بھی وہ اس کی نظیر نہیں لا سکیں گے چاہے جس قدر بھی وہ ایک دوسرے کی مدد ومعاونت کر لیں۔ کیونکہ مَیں نے اس امر کے لئے دعا کی تھی اور میری دعا قبول ہوگئی، لہذا اب اس کا جواب نہ تو کاتب یا ادیب لکھ سکے گا نہ کوئی بوڑھا نہ جوان۔

(ترجمہ عربی عبارت اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 56-57)

ایک ایسی کتاب جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قدر بشارتیں ملی ہوں کیسے ممکن ہے کہ کسی کو اس کا جواب لکھنے کی توفیق نصیب ہو۔لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ اس میں وجہِ اعجاز کیا تھا۔

وجہ اعجاز

اعجاز المسیح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا کی تائید سے سورہ فاتحہ کی تفسیر عربی زبان میں تحریر فرمائی۔اوراس کے بالمقابل کتاب لکھنے کی مدت مقرر کی اوراس عرصہ میں اس کا جواب لکھنے والوں کو انعام واکرام کا وعدہ بھی کیا۔اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ کتاب اس وقت لکھی جبکہ باوجود التبلیغ اور حمامۃ البشری جیسی اعجازی تصانیف کے بھی آپ کو اس بات کے طعنے دیئے گئے کہ آپ تو قرآن کی زبان سے ہی نابلد ہیں اور محض جھوٹے اور مفتری ہیں۔اس سارے پس منظر میں اگر کوئی شخص کتاب لکھے اور پہلے سے ہی اسی کتاب میں ہی اعلان کر دے کہ اگر تمہارے بڑے چھوٹے عالم وادیب،عربی وغیر عربی، سب جمع ہو جائیں اوراس جیسی کتاب لکھنے کی کوشش کریں تب بھی کامیاب نہیں ہوں گے،اور پھر ایسا ہی ہو جائے اور کوئی اس کا جواب نہ لکھ سکے تو پھر ہر ذی عقل کو یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ واقعی یہ ایک معجزہ ہے اور وہ ہاتھ جس نے حق کے دشمنوں کو اس کا جواب لکھنے سے روکے رکھا ضرور اُسی خدا کا ہاتھ تھا جس نے مسیح موعود علیہ السلام کو یہ بشارت دی تھی کہ یہ لاجواب کتاب ہے اور کوئی اسکا جواب لکھنے کی سکت نہ پائے گا۔امام غزالی اپنی کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں لکھتے ہیں کہ:

اگر کوئی نبی یہ کہے کہ میری سچائی کا نشان یہ ہے کہ آج مَیں اپنی اس انگلی کو حرکت دوں گا اوراس کے بعد کوئی میری مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا۔پھر اگر اس دن کوئی اس کی مخالفت نہ کرے تو اس نبی کی سچائی ثابت ہوگئی۔

اعتراضات منکرین

شاید کہ قارئین کرام یہ جاننا چاہیں گے کہ جن مخالفین نے اعجاز المسیح کے معجزے کو نہ مانا انہوں نے کیا دلیلیں پیش کیں۔ہم ذیل میں صرف عرب مخالفین کے کلام کے حوالے سے

بات کریں گے۔

شیخ رشید رضا ایڈیٹر رسالہ المنار نے کہا:

اہل علم کی ایک بڑی تعداد اس کتاب سے بہت بہتر کتاب ستّر کی بجائے سات دن میں لکھ سکتے ہیں۔ (المنار المجلد الرابع)

شاید شیخ رشید رضا صاحب کو علم نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ شاید وہ بھول گئے کہ انبیاء پر ہونے والے اعتراضات ایک جیسے ہی ہوتے ہیں اور انبیاء کے مخالف ہمیشہ ایک سا ہی جواب دیتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر اعتراض کرنے والوں نے کہا تھا کہ:

لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (الانفال:32)

یعنی اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ کل انہوں نے یہ کہا تھا اور آج شیخ رشید رضا نے کہا کہ اس جیسی کتاب تو بہت سے لوگ لکھ سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کفار مکہ قرآن جیسی کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ اور یہی ان کے جھوٹا ہونے اور عاجز آجانے کی واضح دلیل ہے۔ اسی طرح شیخ رشید رضا اس چیلنج کے بعد ثلث صدی تک زندہ رہے۔ لیکن کیا وہ اس جیسی یا اس سے بہتر کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ لہذا یہ شیخ رشید رضا کی کذب بیانی اور افتراء اور عاجز آجانے کی واضح دلیل ٹھہری۔

اسی طرح ایک مصری اخبار الفتح نے لکھا کہ:

مرزا غلام احمد جھوٹ بولتا تھا کیونکہ اس نے اپنی بے سروپا کتب لکھنے کے لئے ایک شامی کو تنخواہ پر رکھا ہوا تھا۔

انہوں نے بھی اپنے اس قول میں اپنے سے قبل انبیاء کے مخالفین کا قول ہی دہرایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے اس بات کا طعنہ دیا تھا اور کہا تھا کہ: إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ (النحل: 104) یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اور آدمی آکر تعلیم دیتا اور سکھاتا ہے۔

نادان سمجھ نہیں سکتے کہ اگر کوئی شامی حضور علیہ السلام کی کتابیں لکھتا تھا تو وہ یا مؤمن ہے یا منافق۔ اس کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اگر منافق ہے تو نہایت خسیس ہے وہ شخص جس نے چند کوڑیوں کے بدلے خدا پر جھوٹ باندھا۔ اور اگر مخلص مومن تھا تو کتنی عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ جانتا تھا جس پر ایمان لایا ہے وہ بے علم ہے بلکہ خود اس سے سیکھتا

ہے، پھر بھی اس پر مخلصانہ ایمان رکھتا رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسے منافق پر الٰہی معارف کی بارش بھی ہوتی رہی، اور اگر چند کوڑیوں کا بھوکا تھا تو ان کے بدلے حضوعلیہ السلام کے مخالفوں کی بھی مدد کر دیتا تا کہ وہ حضور علیہ السلام کا چیلنج قبول کرتے اور اس کا جواب دے سکتے۔

ایسے ہی انبیاء کے مخالف لوگوں کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے اقوال ہمیشہ متضاد ہوا کرتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال سنیں:

اخبار الفتح نے لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب ایک شامی عربی نے لکھی ہیں۔

جبکہ اخبار المنار کے ایڈیٹر شیخ رشید رضا نے لکھا کہ: حضور کی تحریر میں عجمیوں کی سی رکاکت پائی جاتی ہے۔

اب کوئی بھی عقلمند ان دونوں باتوں کا تضاد حل کر کے نہیں دکھا سکتا۔ ایک کہتا ہے کہ اتنی اچھی عربی ہے کہ عجمی لکھ ہی نہیں سکتا بلکہ ایک شامی عربی نے لکھی ہے۔ دوسرا کہتا ہے اتنی پھسپھسی تحریر ہے کہ صاف پتہ چلتا ہے کسی عجمی نے لکھی ہے۔

حضرت مسیح موعوعلیہ السلام نے اس کا کیا ہی پیارا جواب دیا۔ آپ ایک عربی قصیدہ میں فرماتے ہیں:

أُنْظُرْ إلى أقوالِهِم وتَناقُضٍ
سَلَبَ العِناد إصابةَ الآراءِ
طَورًا إلى عَربٍ عَزَوهُ وَتارةً
قالوا كلامٌ فاسدُ الإملاءِ
هَذا مِن الرحمٰن يا حزبَ العِدا
لا فِعلَ شاميٍّ ولا رُفَقائِي

ترجمہ: تُو ان کی باتوں اور ان میں موجود تضاد کو دیکھ کہ کس طرح دشمنی نے ان سے درست بات کہنے کی طاقت بھی سلب کر لی ہے۔

کبھی تو میرے کلام کو کسی عرب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اس کی تو املاء ہی فاسد ہے۔

اے گروہِ دشمناں! یہ تو خدائے رحمان کی طرف سے ہے۔ نہ کسی شامی کا کام ہے نہ ہی میرے رفقاء کا۔

حضور علیہ السلام کے اس جواب کے بعد کسی اور جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔

(اعجاز المسیح، نزول المسیح، الہدی والتبصرۃ لمن یری، رسالہ البشری نومبر دسمبر 1935ء)

ایک اور چیلنج

حضرت مسیح موعو علیہ السلام کو جب شیخ رشید رضا کی بدزبانی اور تمسخر کی خبر ملی تو حضورؑ نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس کا کسی قدر بیان ہو چکا ہے۔ اس اشتہار میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ مَیں ایک اور کتاب لکھتا ہوں جسے ایڈیٹر المنار کو بھجوایا جائے گا اور بڑے اصرار کے ساتھ اس سے اس کتاب کی نظیر طلب کی جائے گی۔

(اشتہار بتاریخ 18 نومبر 1901ء)

چنانچہ حضور علیہ السلام نے بہت تضرع اور خشوع وخضوع سے دعا کی یہاں تک کہ قبولیت دعا کے آثار ظاہر ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے لکھا (ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے):

’اور مجھے اس کتاب کی تالیف کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق بخشی گئی۔ سومَیں تکمیل ابواب اور اس کی طبع کے بعد اسے اس کی طرف بھیجوں گا۔ اگر مدیر المنار نے اس کا اچھا اور عمدہ ردّ لکھا تو مَیں اپنی کتابیں جلا دوں گا اور اس کی قدم بوسی کروں گا، اور اس کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں گا اور پھر دوسرے لوگوں کی قدر و قیمت اس کے پیمانہ سے لگاؤں گا۔ سومَیں پروردگارِ جہان کی قسم کھاتا ہوں اور اس قسم سے عہد کو پختہ کرتا ہوں۔

(الہدی والتبصرۃ لمن یری، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 264)

اس کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام نے خدا سے علم پا کر یہ پیشگوئی بھی فرما دی:

”أم له فی البراعة يد طولی؟ سيهزم فلا يُری، نبأ من اللّٰه الذی يعلم السرّ وأخفی۔“

یعنی: کیا مدیر المنار کو فصاحت اور بلاغت میں بڑا کمال حاصل ہے؟ وہ یقیناً شکست کھائے گا اور میدان مقابلہ میں نہ آئے گا۔ یہ پیشگوئی اس خدا کی طرف سے ہے جو نہاں در نہاں باتوں کا علم رکھتا ہے۔

(الہدی والتبصرۃ لمن یری، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 254)

اسی طرح دوسرے ادیبوں اور علماء کے متعلق فرمایا:

أم يزعمون أنهم من أهل اللسان ؟ سيهزمون ويولّون الدبر۔

یعنی: کیا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہل زبان ہیں؟ وہ عنقریب شکست کھائیں گے اور میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

(الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 268)

چنانچہ حضور علیہ السلام نے لکھ کر 12 جون 1902ء کو کتاب ''الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ'' چھاپ دی اور اس کا ایک نسخہ شیخ رشید رضا کو بھی بھجوایا گیا لیکن انہیں یہ توفیق نہ ملی کہ اس کے جواب میں ایسی فصیح وبلیغ کتاب لکھ کر آپ کی پیشگوئی کو باطل ثابت کرتے۔

(ماخوذ از روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 12)

سَیُھْزَم فَلَا یُریٰ

12 ستمبر 1933ء کو شام کے مخلص احمدی مکرم منیر الحصنی صاحب نے ایک مضمون لکھ کر مصر کے ایک اخبار ''الأھرام'' میں چھپوایا جس میں انہوں نے لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سب سے زیادہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے تھے جبکہ ایسے عظیم شخص کو شیخ رشید رضا نے ایسے مسلمان کافر کہا اور احمدیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا۔

اس پر 27 ستمبر کے الأھرام کے پرچے میں شیخ رشید رضا نے مکرم منیر الحصنی صاحب کو تلبیس وکذب وتحریف کا مرتکب لکھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی اہانت، انگریزوں کے ساتھ منافقانہ طرز عمل اور جہاد منسوخ کرنے کا ملزم ٹھہرایا۔

مکرم منیر الحصنی صاحب نے شیخ رشید رضا کے جملہ اعتراضات کا کافی وشافی جواب تو دیا اور ساتھ ایک بہت دلچسپ فتوے کی طرف بھی توجہ دلائی جو اسی دن وہاں کے اخبار ''السیاسۃ'' میں شائع ہوا جس دن شیخ رشید رضا کا مذکورہ بالا مضمون ''الأھرام'' میں چھپا تھا۔ یہ فتویٰ مصر کے شیخ الدجوی صاحب کا تھا جنہوں نے رشید رضا صاحب کو مخاطب کر کے لکھا:

''إنك أحد الرجلين ، رجلٌ يلبس على الناس ، أو رجلٌ لا يفهم ما يقول۔''

یعنی: اے شیخ رشید رضا، یا تو تم ایسے آدمی ہو جو لوگوں سے دھوکا دہی سے کام لیتا ہے، یا ایسے آدمی ہو جسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

اخبار ''السیاسیۃ'' میں مکرم منیر الحصنی صاحب کا شیخ رشید رضا کے ساتھ یہ مناظرہ چلتا رہا۔ بالآخر 5/ اکتوبر 1933ء کو شیخ رشید رضا نے اس اخبار کو ایک نوٹ ارسال کیا جس میں لکھا کہ اس طرح کی مباحث اخباروں میں نشر کرنے کو اسلام جائز قرار نہیں دیتا۔ پھر اخبار ''السیاسیۃ'' کو ملامت کی کہ چونکہ یہ ایک اسلامی اخبار ہے اس لئے اسلام اس کو ایسے آرٹیکلز چھاپنے کی اجازت نہیں دیتا جن کا مقصد اسلام پر کاری ضرب لگانا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں انہوں نے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ مَیں یہ خط اخبار ''السیاسیۃ'' کو اس لئے لکھ رہا ہوں تا ان کو بتاؤں کہ مَیں ان قادیانی عیسائیوں (ان کی مراد احمدی ہیں) کی باتوں کا ردّ نہیں لکھوں گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ میرا جواب انہیں ان کی گمراہی سے نہیں موڑ سکے گا بلکہ اس اخبار کے بعض جاہل قارئین کو نقصان پہنچائے گا اس لئے کاش کہ اسلامی اخبارات ان کے متعلق کچھ نہ چھاپیں۔

اس پر اخبار ''السیاسیۃ'' کے مدیر نے لکھا کہ ہمارے اخبار کے جس کارنر میں منیر الحصنی صاحب کا مضمون چھپا ہے اس کا نام ہے ''آراء حرّۃ'' یعنی آزاد آراء۔ اور ان کا مدیر یا اخبار کے ساتھ اتفاق ضروری نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی وضاحت کردیں کہ اسلام تو احسن طریق پر مجادلہ کی دعوت دیتا ہے، اور ایسا دین ہے جو دلیل کے ساتھ بات کرنے کو پسند کرتا ہے۔ ایسا دین نہیں ہے کہ جو اپنے اَتباع کو حکم دے کہ اسلام مخالف بات سننے سے پہلے اپنے کان بند کرلو۔ وغیرہ۔ (ماخوذ از ''البشریٰ'' نومبر دسمبر 1937ء صفحہ 29 تا 43)

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس لکھتے ہیں کہ جب مَیں حیفا میں تھا اس وقت شیخ رشید رضا نے اپنے رسالہ المنار میں یہ ذکر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''سیھزم فلا یُری'' میں اس کی موت کی پیشگوئی کی تھی جو غلط نکلی۔ اس پر مَیں نے ان کو تفصیلی جواب دیا تھا کہ اس میں کوئی موت کی پیش گوئی نہ تھی بلکہ یہ پیشگوئی تھی کہ ایڈیٹر 'المنار' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب 'اَلْھُدٰی'' جیسی فصیح وبلیغ کتاب لکھنے کی توفیق نہیں پائے گا۔ اور باوجود اس کے کہ ایڈیٹر المنار اس پیشگوئی کے بعد تیس سال سے زائد عرصہ تک زندہ رہا لیکن اسے یہ توفیق نہ ملی کہ اس کتاب کے جواب میں کوئی کتاب لکھتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کمال آب وتاب سے پوری ہوئی۔

(روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 12)

ایک اعتراف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہجرت مسیحؑ کا عظیم انکشاف جب عرب ممالک میں پہنچا تو مدیر المنار شیخ رشید رضا نے لکھا:

"ففراره إلى الهند وموته فى ذلك البلد ليس ببعيد عقلا ونقلا۔"

یعنی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا ہندوستان کی طرف ہجرت کرنا اور اس ملک میں جا کر وفات پانا عقلی و نقلی اعتبار سے بعید از قیاس نہیں ہے۔ (تفسیر المنار جلد ۶ ص ۳۶)

شیخ رشید رضا کے اس قول کی وجہ سے ہمارے مخلص عرب احمدی مکرم ہانی طاہر صاحب کے دل میں احمدیت کی صداقت جاگزیں ہوگئی اور بالآخر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ انکے اس سفر کا تفصیلی حال 90ء کی دہائی کے بعض صلحاء العرب وابدال الشام کے ذکر میں کیا جائے گا۔

اسی طرح ایک اور نامور عالم اور ادیب محمود عباس عقاد اپنی کتاب ''حیاۃ المسیح وکشوف العصر الحدیث'' میں قبرِ مسیح کے متعلق حضورؑ کے انکشاف کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 530)

فونوگراف کے ذریعہ عربی زبان میں تقریر ریکارڈ کرنے کی تجویز

31/اکتوبر 1910ء کی ملفوظات کی ڈائری میں لکھا ہے:

حضرت اقدسؑ حسب معمول سیر کوتشریف لے گئے راستہ میں فونوگراف کی ایجاد اور اس سے اپنی تقریر کومختلف مقامات پر پہنچانے کا تذکرہ ہوتا رہا۔ چنانچہ یہ تجویز کی گئی کہ اس میں حضرت اقدس کی ایک تقریر عربی زبان میں بند ہو جو چار گھنٹہ تک جاری رہے۔اس تقریر سے پہلے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی تقریر ایک انٹروڈکٹری نوٹ کے طور پر جس کا مضمون اس قسم کا ہو کہ انیسویں صدی مسیح کے سب سے بڑے انسان کی تقریر آپ کو سنائی جاتی ہے جس نے خدا کی طرف سے مامور ہونے کا دعوی کیا ہے اور جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے نام سے دنیا میں آیا ہے اور جس نے ارض ہند میں ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور جس کے ہاتھ پر ہزاروں تائیدی نشان ظاہر ہوئے ، خدا تعالیٰ نے جس کی ہر میدان میں نصرت کی وہ اپنی دعوت بلاد اسلامیہ میں کرتا ہے سامعین خود اسے اس کے منہ سے سن لیں کہ اس کا کیا دعوی ہے اور اسکے دلائل اسکے پاس کیا ہیں۔اس قسم کی ایک تقریر کے بعد پھر حضرت اقدس کی تقریر ہوگی اور جہاں جہاں یہ لوگ جائیں اسے کھول کر سناتے پھریں۔

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 378)

لیکن بعد میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کی آواز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو نظمیں اس میں ریکارڈ کی گئیں جو حضورؑ نے انہی ایام میں محض تبلیغ کی غرض سے لکھی تھیں۔ اور ایک سال بعد حضرت مولوی نور الدین صاحب کی آواز میں ایک وعظ بھی ریکارڈ کرایا گیا۔

ایک پرانا الہام

اس عنوان کے تحت ملفوظات جلد 3 میں ایک عرب کے بارہ میں حضور علیہ السلام کے الہامات اوران کے قبول صدق کے بارہ میں بیان ملتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ خوش نصیب کون تھے۔ ذیل میں ملفوظات کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

’’ابتدائے جنوری 1902ء کو ایک عرب صاحب آئے ہوئے تھے بعض لوگ ان کے متعلق مختلف رائے رکھتے تھے۔ حضرت اقدس امام علیہ الصلاۃ والسلام کو 9 جنوری کی شب کو اس کے متعلق الہام ہوا:

قد جرت عادة اللّٰه أنه لا ينفع الأموات إلا الدعاء۔

اس وقت رات کے تین بجے ہوں گے، حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ اس وقت پر مَیں نے دعا کی تو یہ الہام ہوا:

و كلِّمه من كلّ بابٍ ولن ينفعه إلا هذا الدواء (أى الدعاء)

اور پھر ایک اور الہام اسی عرب کے متعلق ہوا کہ:

فيتبع القرآن، إن القرآن كتاب اللّٰه ، كتابُ الصادق۔

چنانچہ 9/جنوری 1902ء کی صبح کو جب آپ سیر کو نکلے تو حضرت اقدسؑ نے عربی زبان میں ایک تقریر فرمائی جس میں سلسلہ محمدیہ اور موسویہ کی مشابہت کو بتایا۔ اور پھر سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ التحریم سے اپنے دعاوی پر دلائل پیش کئے۔ اور قرآن شریف اور احادیث کے مراتب بتائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب صاحب جو پہلے بڑے جوش سے بولتے تھے بالکل صاف ہوگئے۔ انہوں نے صدق دل سے بیعت کی اور ایک اشتہار بھی شائع کیا اور بڑے جوش کے ساتھ اپنے ملک کی طرف بغرض تبلیغ چلے گئے‘‘۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 210)

مصر میں تبلیغ

ملفوظات میں 29/دسمبر 1902ء کی ڈائری کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

''ایک احمدی حج کو جاتے ہوئے کچھ عرصہ مصر میں مقیم رہے اور ابھی تک وہیں ہیں۔ اور حضرت اقدسؑ کی کتب کی اشاعت کر رہے ہیں۔ انہوں نے لکھا تھا کہ اگر حکم ہو تو مَیں اس سال حج ملتوی رکھوں اور مجھے اور کتب ارسال ہوں تو ان کی اشاعت کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ: ان کو لکھ دیا جاوے کہ کتابیں روانہ ہوں گی۔ ان کی اشاعت کے لئے مصر میں قیام کریں۔ اور حج انشاء اللہ پھر اگلے سال کریں۔ ''من أطاع الرسول فقد أطاع اللّٰہ''۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 323-324)

مصر میں تبلیغ کے ضمن میں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جنوری 1907ء میں مصر کے شہر اسکندریہ سے ایک شخص احمد زہری بدر الدین صاحب کا 19 دسمبر 1906ء کا تحریر کردہ خط ملا جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

(ماخوذ از الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی جلد 22 صفحہ 653)

مواھبُ الرّحمٰن

مصری جریدہ ''اللّواء'' کے ایڈیٹر مصطفیٰ کمال پاشا کو انگریزی زبان میں ایک اشتہار ملا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوی اور آپ کے اور آپ کے کامل متبعین کے طاعون سے حفاظت سے متعلق وعدہ الٰہی کا ذکر تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ حفاظت کی بناء پر آپ نے فرمایا کہ مجھے اور میرے 'الدّار' میں رہنے والوں کو طاعون کے ٹیکا کے لگوانے کی ضرورت نہیں۔ اس پر اس مصری اخبار کے ایڈیٹر نے یہ اعتراض کیا کہ آپ نے ٹیکا کی ممانعت کر کے ترک اسباب کیا ہے اور دوا نہ کرنے کو مدار توکل قرار دیا ہے اور یہ امر قرآن مجید کی مخالف اور آیت وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ:196) کے منافی ہے، اور توکل کے بھی خلاف ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے عربی میں 'مواھب الرحمٰن' کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی جو جنوری 1903ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں حضورؑ نے ایڈیٹر موصوف کے اعتراضات کا مفصل جواب عطا فرمایا۔ نیز اپنے عقائد اور جماعت کی تعلیم اور نشانات کا ذکر فرمایا ہے۔

(ماخوذ از روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 16-17)

یہ معجزہ کی طرح پھرے گی

اس کتاب کے بارہ میں حضورؑ نے فرمایا:

امید ہے کہ یہ معجزہ کی طرح پھرے گی اور دلوں میں داخل ہوگی۔ اول و آخر کے سب مسائل اس میں آ گئے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے۔ دیر کا باعث ایک یہ ہو جاتا ہے کہ لغات جو

دل میں آتے ہیں پھر ان کو کتب لغت میں دیکھنا پڑتا ہے۔ میرا دل اس وقت گواہی دیتا ہے کہ اندر فرشتہ بول رہا ہے۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 413)

کتاب کی اشاعت اور سعید روحوں کے استفادہ کے متعلق امید

اس کتاب کی اشاعت کے بارہ میں حضورؑ نے فرمایا: ''سرِ دست بیس جلد مواہب الرحمٰن کی مجلد کروا کر مصر کے اخبار نویسوں کو بھیجی جاویں۔ اور اگر میری مقدرت میں ہوتا تو میں کئی ہزار مجلد کروا کر بھیجتا''۔

فرمایا: ''یہاں کے لوگوں کا تو یہ حال ہے۔ شاید مصر کے لوگ ہی فائدہ اٹھالیں۔ جس قدر سعید روحیں خدا کے علم میں ہیں وہ ان کو کھینچ رہا ہے''۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 67)

اس کتاب کی فصاحت و بلاغت اور سحر کے بارہ میں ملفوظات میں سے ایک اقتباس پیش ہے جس میں ذکر ہے کہ مولوی عبد الکریم اور مولوی حکیم نورالدین صاحبان اس کتاب کی فصاحت و بلاغت کے بارہ میں کلام کرتے رہے کہ:

انشاء اللہ بہت ہی سعید روحیں عرب میں ہوں گی جو اسے دیکھ کر عاشق زار ہو جائیں گی۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ میں حیران ہو ہو جاتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ سجدہ کروں پھر حیران ہوتا کہ کون کون سے لفظ پر سجدہ کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

''ہمارا مطلب یہی ہے کہ چونکہ ہر وقت موقعہ نہیں ہوتا۔ اکثر کام اردو زبان میں ہوتا ہے اس لئے دو ہزار چھپوا لیا جاوے۔ جہاں کہیں عرب میں بھیجنے کی ضرورت ہوئی بھیج دیا۔ مخالفت میں بھی ہمارے لئے برکت ہوتی ہے اور جو لکھتا ہے ہماری خیر کے لئے لکھتا ہے۔ ورنہ پھر تحریک کیسے ہو''۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 304)

ایک بغدادی الاصل ڈاکٹر صاحب کی قادیان آمد

13رفروری1903ء کولکھنؤ سے ایک ڈاکٹر صاحب تشریف لائے جن کا نام البدر میں محمد یوسف درج ہے۔ بقول ان کے وہ بغدادی الاصل تھے اور عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم تھے۔ ان کے چند احباب نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات جاننے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ بعد از مغرب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف ملاقات حاصل کیا۔ پھر ان کی حضورؑ سے گفتگو ہوئی۔ ذیل میں اس کے چند حصے درج کئے جاتے ہیں:

حضرت اقدس: آپ کہاں سے آئے ہیں؟

نو وارد: میں اصل رہنے والا بغداد کا ہوں مگر اب عرصہ سے لکھنؤ میں رہتا ہوں۔ وہاں کے چند آدمیوں نے مجھے مستعد کیا کہ قادیان جا کر کچھ حالات دیکھ آئیں۔

حضرت اقدس: کیا آپ یہاں کچھ عرصہ ٹھہریں گے؟

نو وارد: کل جاؤں گا۔

حضرت اقدس: آپ دریافتِ حالات کے لئے آئے اور کل جائیں گے۔اس سے کیا فائدہ ہوا؟ یہ تو صرف آپ کو تکلیف ہوئی۔ دین کے کام میں آہستگی سے دریافت کرنا چاہئے تا کہ وقتاً فوقتاً بہت سی معلومات ہو جائیں۔ جب آپ کے دوستوں نے آپ کو منتخب کیا تھا تو آپ کو یہاں فیصلہ کرنا چاہئے۔ جب آپ ایک ہی رات کے بعد چلے جائیں گے تو آپ کیا رائے قائم کر سکیں گے؟...... اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: کونوا مع الصادقین کہ صادقوں کے ساتھ رہو یہ معیت چاہتی ہے کہ کسی وقت تک صحبت میں رہے۔ کیونکہ جب تک ایک حد تک صحبت میں نہ رہے وہ اسرار اور حقائق کھل نہیں سکتے۔ وہ اجنبی کا اجنبی اور بیگانہ ہی رہتا ہے اور کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

نو وارد: میں جو کچھ پوچھوں آپ اس کا جواب دیں۔ اس سے ایک رائے قائم ہو سکتی ہے۔ اگرچہ وہ لوگ جن کی طرف سے میں آیا ہوں آپ کا ذکر ہنسی اور تمسخر سے کرتے ہیں مگر میرا یہ خیال نہیں ہے۔ آپ چونکہ ہمارے مذہب میں ہیں اور آپ نے ایک دعویٰ کیا ہے اس کا دریافت کرنا ہم پر فرض ہے۔

حضرت اقدس: بات یہ ہے کہ مذاق، تمسخر صحتِ نیت میں فرق ڈالتا ہے اور ماموروں کے لئے تو یہ سنت چلی آئی ہے کہ لوگ ان پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ مگر حسرت ہنسی کرنے والوں ہی پر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا ہے:

﴿يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُونَ﴾ (سورة يٰس:31)

اس کے بعد حضورؑ نے اپنے دعوی کی صداقت میں دلائل پیش فرمائے اور صادق کی شناخت کے تین معیار بیان فرمائے جو یہ ہیں:

اول: نصوص کو دیکھو۔ پھر عقل کو دیکھو کہ کیا حالات موجودہ کے موافق کسی صادق کو آنا چاہئے یا نہیں۔ تیسرا کیا اس کی تائید میں کوئی معجزہ اور خوارق بھی ہیں؟

پھر فرمایا: اب اگر کوئی سچے دل سے طالب حق ہو تو اس کو یہی باتیں یہاں دیکھنی چاہئیں اور اسکے موافق ثبوت لے۔ اگر نہ پائے تو تکذیب کا حق اسے حاصل ہے۔ اور اگر ثابت ہو جائیں اور وہ پھر بھی تکذیب کرے تو میری نہیں کُل انبیاء کی تکذیب کرے گا۔

نو وارد: اگر ان ضروریات موجودہ کی بناء پر کوئی اور دعویٰ کرے کہ میں عیسیٰ ہوں تو کیا فرق ہوگا؟

حضرت اقدس: اگر آپ کا یہ اعتراض صحیح ہو سکتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی تو بعض جھوٹے نبی موجود تھے جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی۔ اگر انجیل اور توریت میں جو بشارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہیں اس کے موافق یہ کہتے کہ یہ بشارات میرے حق میں ہیں تو کیا جواب ہو سکتا تھا؟

نو وارد: میں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت اقدس: یہ سوال اس وقت ہو سکتا تھا جب ایک ہی خبر پیش کرتا مگر مَیں تو کہتا ہوں کہ میری تصدیق میں دلائل کا ایک مجموعہ میرے ساتھ ہے۔ نصوص قرآنیہ حدیثیہ میری

تصدیق کرتے ہیں۔ ضرورتِ موجودہ میرے وجود کی داعی اور وہ نشان جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے وہ الگ میرے مصدق ہیں۔ ہر ایک نبی ان امور ثلاثہ کو پیش کرتا رہا اور میں بھی یہی پیش کرتا ہوں۔ پھر کس کو انکار کی گنجائش ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ میرے لئے ہے تو اسے میرے مقابلہ میں پیش کرو۔

ان فقرات کو حضرت اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے ایسے جوش سے بیان کیا کہ وہ الفاظ میں ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں نو وارد صاحب بالکل خاموش ہوگئے اور پھر چند منٹ کے بعد انہوں نے اپنا سلسلہ کلام یوں شروع کیا:

نو وارد: عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جو آیا ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے کیا یہ صحیح ہے؟

حضرت اقدس: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو آیا ہے کہ آپ مثیل موسیٰ تھے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے عصا کا سانپ بنایا ہو۔ اور کونسے دریائے نیل پر آپ کا گزر ہوا؟ اور کب اور کس قدر جوئیں مینڈکیں اور خون آپ کے زمانہ میں برسا؟ کافر یہی اعتراض کرتے رہے: فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (الانبیاء:6)۔ معجزہ ہمیشہ حالتِ موجودہ کے موافق ہوتا ہے۔ پہلے نشانات کافی نہیں ہو سکتے اور نہ ہر زمانہ میں ایک ہی قسم کے نشان کافی ہو سکتے ہیں۔

نو وارد: عربی میں آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں لکھ سکتا۔ بے ادبی معاف آپکی زبان سے قاف ادا نہیں ہوسکتا۔

حضرت اقدس: مَیں لکھنؤ کا رہنے والا تو نہیں ہوں کہ میرا لہجہ لکھنوی ہو۔ میں تو پنجابی ہوں۔ حضرت موسیٰ پر بھی یہ اعتراض ہوا کہ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ اور احادیث میں مہدی کی نسبت بھی آیا ہے کہ اس کی زبان میں لکنت ہوگی۔

اس مقام پر ایک مخلص مخدوم کو یہ اعتراض حسنِ ارادت اور غیرت عقیدہ کے سبب سے ناگوار گزرا۔ اور وہ سوء ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے کہا کہ یہ حضرت اقدس ہی کا حوصلہ ہے۔ اس پر نو وارد صاحب کو بھی طیش سا آ گیا اور انہوں نے بخیال خویش یہ سمجھا کہ انہوں نے غصہ سے کہا ہے اور کہا کہ میں اعتقاد نہیں رکھتا اور حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر کہا کہ استہزاء اور گالیاں سننا انبیاء کا ورثہ ہے۔

حضرت اقدس: ہم ناراض نہیں ہوتے یہاں تو خاکساری ہے۔

ازاں بعد حضورؑ نے نو وارد کی اطمینان قلب کے لئے اسکے سوال کا مزید تفصیل سے جواب عطا فرمایا اور احباب کو نرم کلامی کو اپنانے کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا اگر مہمان کو ذرہ بھی رنج پہنچے تو ہم اسے معصیت میں سے خیال کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس نو وارد نے کئی اور بھی سوالات کئے اور بالآخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صبر، اخلاق اور صداقت کے دلائل سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اپنے لئے دعا کی درخواست کی پھر یوں گویا ہوا:

مَیں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں بہت بُرا ارادہ کرکے آیا تھا کہ میں آپ سے استہزاء کروں۔ مگر خدا نے میرے ارادوں کو ردّ کر دیا۔ اب میں زور دے کر نہیں کہہ سکتا کہ آپ مسیح موعود نہیں ہیں۔ بلکہ مسیح موعود ہونے کا پہلو زیادہ زور آور ہے۔ اور میں کسی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ جہانتک میری عقل اور سمجھ تھی میں نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور جو کچھ میں نے سمجھا ہے میں ان لوگوں پر ظاہر کروں گا جنہوں نے مجھے منتخب کر کے بھیجا ہے۔ کل میری اور رائے تھی اور آج اور ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک پہلوان بغیر لڑنے کے زیر ہو جائے تو وہ نامرد کہلائے گا۔ اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ بدوں اعتراض کئے تسلیم کر لیتا۔ چونکہ میں معتمد ان لوگوں کا ہوں جنہوں نے مجھے بھیجا ہے اس لئے میں نے ہر ایک بات کو بغیر دریافت کئے ماننا نہیں چاہا۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 5 صفحہ 82 تا 110)

مجمع الاحباب والاِخوان کا قیام

مارچ 1908ء کے دوسرے ہفتہ میں حضرت مولانا نورالدینؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اجازت لے کر احباب جماعت کے سامنے ایک اہم دینی تحریک رکھی جس میں عربی زبان سیکھنے اور عربی تعلیم کے لئے عرب ممالک میں بعض لوگوں سے مراسلات کا بھی ذکر ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی یہاں درج کر دیا جائے۔اس تحریک کا ماحصل یہ تھا کہ کوئی ایسا امتیازی نشان مقرر کیا جائے کہ:

1۔سب تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِ کا مصداق بن کر خدائی فضلوں کے جذب ونزول کا موجب ہوں۔

2۔کوئی ایسی تدبیر نکل آوے کہ عربی زبان احمدیوں میں خصوصاً اور مسلمانوں میں عموماً رائج ہو جاوے کہ یہی ذریعہ مسلمانان عالم کے عالمگیر اتحاد کا ہے۔اور اسی پر قرآن وحدیث کا فہم وادراک منحصر ہے۔

3۔جہاں جہاں احباب میں باہمی رنجش وکدورت دیکھیں وہاں یہ اصحاب صلح کرادیں۔

4۔ہر عُسر ویسر میں باہمی مشوروں اور دعاؤں سے کام لیں۔

5۔تائید اسلام میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کا سلسلہ جاری کیا جائے۔

آپ نے اس سلسلہ میں اسکندریہ اور مصر تک خطوط لکھے کہ کس طرح عربی تعلیم اور تقریر وتحریر میں ترقی ہوسکتی ہے۔یہ تحریک مجمع الاخوان کی شکل میں قائم ہوئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 175)

حضرت مولانا نورالدینؓ نے اس تحریک میں شامل ہونے والوں کے لئے 1400 کارڈز بھی چھپوائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں:

''میرا خیال تھا کہ اتنے احباب میرے ہو گئے تو مَیں حضرت صاحب سے دعا کراؤں گا کہ ہم پر وہ فیضان ہو جو اجتماع پر موقوف ہے۔ مگر میرے مولیٰ کو میرے دل کی تڑپ کا حال معلوم تھا۔ مَیں چودہ سو چاہتا تھا مگر خدا نے مجھے کئی چودہ سو مخلص احباب دیئے اور میری وہ حالت ہو گئی جو تم دیکھتے ہو۔ (حیات نور صفحہ 320)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ

کے عہد مبارک میں

عربوں میں تبلیغ
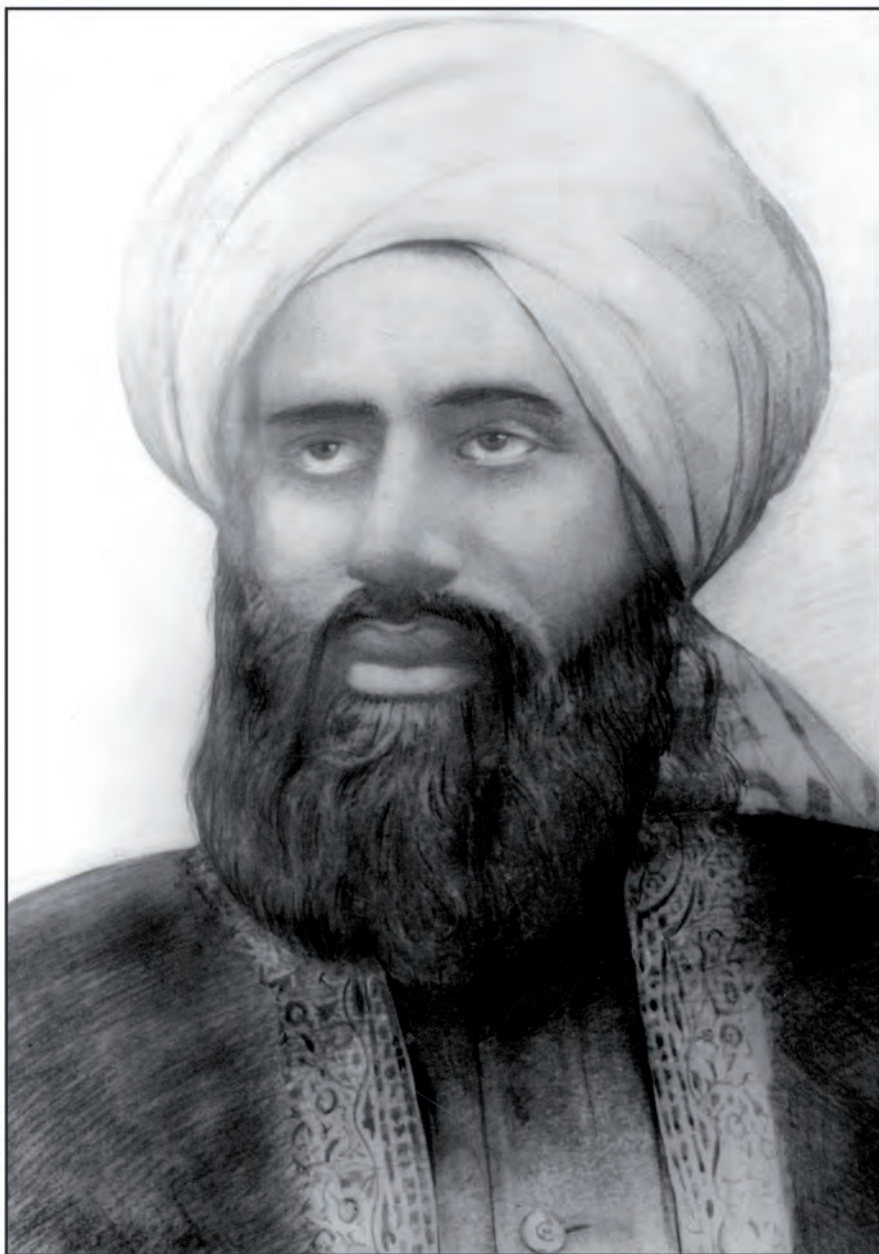
حضرت حکیم مولوی نور الدین

خلیفة المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور مبارک میں حضرت ابوسعید عرب صاحب کی بیعت اور ان کے سوالات کا تذکرہ ہوا تھا اس کے بعد کے بعض واقعات سے ایسے لگتا ہے کہ عرب صاحب نے کچھ عرصہ قادیان میں ہی قیام کیا تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں حیدر آباد دکن میں شدید طوفان آیا جس سے بہت زیادہ تباہی ہوئی مکانات گر گئے اور کئی لوگ مارے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے وہاں جماعت کے افراد کے حالات دریافت کرنے کے لئے متعدد رجسٹرڈ خطوط اور تار ارسال فرمائے لیکن افراتفری کے عالم میں جماعت کو نہ مل سکے۔ اس پر آپ نے گھبرا کر حضرت ابوسعید عرب صاحب کو جماعت کی خبر گیری کے لئے روانہ فرمایا، جنہوں نے افراد جماعت کے ساتھ نہایت ہمدردی کی۔ اس کا بیان جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے نام اپنے شکریہ کے خط میں یوں کیا:

''امیر المؤمنین کی خاص شفقت قلبی و ہمدردی آخرکار یہ کئے بغیر نہ رہ سکی کہ اپنے ایک مخلص محبّ جناب حافظ ابوسعید صاحب کو اس قدر دور دراز مسافت سے اور خاص اپنے ذاتی مصارف سے ہم دور افتادوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لئے روانہ فرمایا۔ جناب عرب صاحب موصوف نے یہاں تشریف لا کر باوجود اپنی علالت کے فرائض مفوضہ کو بخوبی ادا کیا اور ہر احمدی بھائی کو تسلّی اور تشفی دینے سے احمدی اخلاق کے اعلیٰ نمونہ کا کامل ثبوت دیا''۔

(ماخوذ از حیات نور صفحہ 420-421)

انجمنِ تشحیذ

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے ایک انجمن تشحیذ الاذہان تشکیل دی تھی جس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک نوجوانوں کے علمی معیار کو بلند کرنا بھی تھا۔ مئی 1910ء میں اس انجمن کے بارہ میں اخبار بدر میں لکھا گیا:

''انجمن تشحیذ خوب ترقی کر رہی ہے لائبریری کا انتظام اعلیٰ پایہ پر زیر غور ہے۔ ساڑھے دس ماہ سے جو فہرست کتب تیار ہو رہی ہے انشاء اللہ اب جلد مکمل ہونے والی ہے۔ امید ہے کہ عنقریب ہم ہندوستان اور مصر کے اردو اور عربی چیدہ اخبارات اس کی میز پر دیکھیں گے''۔

نیز لکھا کہ ''صاحبزادہ مرزا محمود احمد کو نوجوانوں کی سدھار کا خاص خیال رہتا ہے۔ آپ نے ان کالجیٹوں یا طالب علموں کے لئے جو بعد از امتحان یا گرمیوں کی چھٹیوں میں قادیان آتے ہیں کے لئے ایک تعلیمی نصاب تیار کیا ہوا ہے جس میں قرآن وحدیث کے علاوہ قصیدہ ''بانت سعاد'' وغیرہ شامل ہیں۔ آپ بڑی محنت سے ان کو پڑھاتے ہیں اور عربی سے اور دین سے عمدہ واقفیت کرا دیتے ہیں''۔ (ماخوذ از حیات نور صفحہ 452-453)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ نے عربی زبان کے سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی طرف نوجوانوں کو خصوصی طور پر راغب کیا اور خود کوشش کر کے اس کام کو عملی جامہ پہنایا۔ 1912ء میں جب آپ صدر انجمن احمدیہ کے پریذیڈنٹ تھے اور مدرسہ احمدیہ کے بھی انچارج تھے اس کے باوجود آپ خصوصی طور پر اس کام کے لئے وقت نکالتے تھے۔ آپ نے عربی زبان کو ترویج دینے کے لئے ایک ایسی انجمن بنائی ہوئی تھی جس کے تمام ممبر عربی زبان میں تقریر کرنے کی مشق کرتے رہتے تھے اور جب کوئی عرب قادیان میں آتا تھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا کہ یہاں کے اکثر نوجوان بڑی سلاست کے ساتھ عربی بول اور لکھ سکتے ہیں۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کا سفرِ حج

1912ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے حضرت عبد المحی عربؓ کے ساتھ ترقی معلومات وعلوم عربیہ کی خاطر مصر جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مبارک سفر کی غرض وغایت کے بارہ میں آپ نے خود فرمایا:

’میرا جانا گو بہت حد تک اپنی صحت کی درستی اور عربی کی تحقیق کے لئے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ تبلیغ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راہ کھول دے گا‘۔

(حیات نور صفحہ 581-582)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا یہ سفر گو کہ ابتدائی طور پر محض مصر میں علوم عربیہ کے حصول وغیرہ کے لئے تھا اور مصر سے واپسی پر حج کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن بعد کے واقعات اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں خدائی حکمتیں مضمر تھیں جن کے تحت آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہونی تھی اور مصر کا سفر محض اسکے لئے ایک تدبیر تھی۔ یوں یہ سفر مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، اور مصر وغیرہ پر مشتمل رہا۔

جلسہ الوداع اور محترم صاحبزادہ صاحب کی ایک دعا

آپ 26ستمبر 1912ء کو روانہ ہونے والے تھے اس سے ایک روز قبل 25ستمبر کو آپ کو الوداع کرنے کے لئے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں آپ نے تقریر فرماتے ہوئے اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا:

’’میرے دل میں مدت سے خواہش تھی کہ مَیں مکّہ معظّمہ جو خدا کے پیاروں کی جگہ ہے وہاں جا کر دعائیں کروں کہ مسلمان اس وقت بہت ذلیل ہو رہے ہیں۔ اے خدا قوم نے تجھ کو

چھوڑا، نہ دین رہا نہ دنیا رہی، کوئی تدبیر ان کی اصلاح کی کارگر نہیں ہوتی۔ اس جگہ تو نے ابراہیمؑ کو وعدہ دیا تھا اور اس کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول کیا تھا۔ آج پھر وہی دعائیں ہمارے لئے قبول فرما اور اہل اسلام کو عزت اور ترقی عطا کر۔ دشمن بڑا زبردست ہے اور ہم کمزور، مگر ہمارا محافظ بھی بڑا زبردست ہے‘‘۔

اس دعا میں ہم سب کے لئے راہنمائی اور نصیحت کا سامان بھی ہے کہ جس کو اس مبارک سرزمین کی زیارت نصیب ہو تو اسلام اور اہل اسلام کے لئے اس طرح کے پر درد اور رقت آمیز الفاظ میں دعا کرے۔

سفر پر روانگی

26؍ستمبر بروز جمعرات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ معہ محترم عبد الحیی عرب صاحبؓ عازم سفر ہوئے۔ اس سال حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب کا ارادہ چونکہ پہلے مصر جانے کا تھا اس لئے جدہ میں دونوں بزرگ اکٹھے ہو گئے۔

عدن میں ورود

21؍اکتوبر کو حضرت صاحبزادہ صاحب عدن پہنچے جہاں مختصر قیام کے دوران آپ نے عدن کی سیر کی۔ یوں اس سرزمین پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریت طیبہ میں سے سب سے پہلے حضرت صاحبزادہ صاحب کے قدم مبارک پڑے۔

(تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 410)

مصر میں آمد

26؍اکتوبر کو آپ عبد الحیی عرب صاحب کے ساتھ پورٹ سعید پہنچ گئے۔ آپ نے شہر کی مذہبی اور تمدنی حالت کا مختصراً جائزہ لیا۔ ایک قہوہ خانہ میں وہاں کے شیخ الاسلام سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔ عبد الحیی عرب صاحب نے ان سے وفات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو کی جس سے وہاں پر موجود لوگ محظوظ ہوئے۔ (تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 411)

پورٹ سعید سے آپ کا ارادہ قاہرہ میں جا کر مدارس اور لائبریریاں دیکھنے اور شہر کی معزز شخصیات سے ملاقات کرنے کا تھا۔مگر یہاں آپ کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ حج کو چلے جاؤ ورنہ پھر جگہ نہ ملے گی۔ چنانچہ آپ نے وہاں سے مصر کی سیر کئے بغیر مکۃ المکرّمہ کا سفر اختیار فرمایا۔

پورٹ سعید سے سویز آتے ہوئے سیکنڈ کلاس میں پانچ آدمی آپ کے ساتھ اور سوار تھے ایک یورپین اور چار مسلمان، جن میں سے دو بدوی رؤساء اور ایک محکمہ تار کا افسر اور ایک ریلوے انسپکٹر تھا۔آپ نے ان مسلمانوں کے سامنے اسلام کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی پر روشنی ڈالی۔محکمہ تار کا افسر جو عربی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی اور اٹلی زبان بھی جانتا تھا آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ اور آپ کا پتہ لے کر نوٹ کر لیا اور آئندہ خط وکتابت رکھنے کا وعدہ کیا۔اور دوران سفر آپ کو آرام پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

(ماخذ حیات نور صفحہ 592۔594۔تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 416)

جدّہ اور مکہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب کے خطوط

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے جدہ اور مکّہ سے مرسلہ خطوط کے بعض اقتباسات بھی نقل کر دیئے جائیں تا قارئین کرام کو پتہ چل سکے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اسلام اور جماعت احمدیہ کی ترقی کے لئے کس قدر دعائیں کی ہیں۔

پہلے خط میں آپ لکھتے ہیں:

’’خدا کے فضل سے مصر سے ہو کر احرام کی حالت جدہ پہنچ گئے ہیں۔اللہ اللہ کیا پاک ملک ہے۔ہر چیز کو دیکھ کر دعا کی توفیق ملتی ہے۔خدا کی رحمتیں اس زمین پر بے شمار ہی معلوم ہوتی ہیں۔احباب قادیان کے لئے ، احمدی جماعت کے لئے اور حالت اسلام کے لئے اس قدر دعاؤں کی توفیق ملی ہے کہ بیان نہیں ہوسکتی۔میں نے احمدی جماعت کے لئے اور حالت اسلام کے لئے اس سفر میں اس قدر دعائیں کی ہیں کہ اگر وہ ان کا اندازہ لگا سکیں تو انکے دل محبت سے پگھل جائیں۔لیکن لَا یَعْلَمُ اَسْرَارَ الْقُلُوْبِ اِلَّا اللّٰہ......تبلیغ کے وقت بھی بڑی کامیابی معلوم ہوتی ہے۔لوگ بڑے شوق سے باتیں سنتے ہیں......کئی لوگوں نے اقرار کیا ہے کہ وہ غور

کریں گے اور مجھ سے خط وکتابت کریں گے۔ اگر کوئی ان بلاد میں آ کر رہے تو انشاء اللہ بہت کامیابی ہوگی کیونکہ تعصب اور حسد سے خالی ہیں‘‘۔

ایک اور خط جو آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس خط میں آپ نے تحریر فرمایا:

’’سیدی وامامی واستاذی۔

السلام علیکم

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور عنایت سے بخیر وخوبی کل بتاریخ 7/ اکتوبر کو ملّہ مکرمہ پہنچ گئے۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر اور عنایت ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اپنے پاک اور مقدس مقام کی زیارت کا موقعہ دیا۔ کل جب ملّہ کی طرف اونٹ آ رہے تھے دل کی عجیب کیفیت تھی کہ بیان نہیں ہوسکتی۔ محبت کا ایک جوش دل میں پیدا ہو رہا تھا اور جوں جوں قریب آتے تھے دل کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔

مَیں حیران ہوں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی حکمت اور ارادہ کے ماتحت کہاں سے کہاں کھینچ لایا۔ پہلے مصر کا خیال پیدا ہوا، پھر یہ خیال آیا کہ راستہ میں مکہ ہے اسکی زیارت بھی کر لیں۔ پھر خیال ہوا حج کے دن ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔ غرض کہ ارادہ مصر سے مکہ اور حج کا ہوا اور آخر اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچا دیا۔ مجھے مدت سے حج کی خواہش تھی اور اس کے لئے دعائیں بھی کی تھیں لیکن بظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ وہاں کے رستہ کی مشکلات سے طبیعت گھبراتی تھی اور یہ بھی خیال تھا کہ مخالفین کوئی شرارت نہ کریں۔ لیکن مصر کے ارادہ سے یہ خیال ہوا کہ مصر جانا اور راستے میں مکہ کو ترک کر دینا ایک بے حیائی ہے۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جدہ سے مکہ کا سفر نہایت کٹھن ہے۔ اور میر صاحب تو قریباً بیمار ہو گئے اور مجھے بھی سخت تکلیف ہوئی اور تمام بدن کے جوڑ جوڑ ہل گئے۔ لیکن بڑی نعمتیں بڑی قربانیاں بھی چاہتی ہیں۔ اس بڑی نعمت کے لئے یہ تکلیف کیا چیز ہے۔ مدینہ کا راستہ اور بھی طویل اور کٹھن ہے۔ لیکن چند دن کی تکلیف ان پاک مقامات کو دیکھنے کیلئے کہ جہاں رسول کریم فداہ ابی واُمّی نے اپنی بعثت نبوت کا ایک روشن زمانہ گزارا کیا چیز ہے؟ میرا دل تو اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر قربان ہوا جا رہا ہے کہ وہ کس حکمت کے ساتھ مجھے اس جگہ لے آیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اول تو اس جہاز سے جو مصر جاتا تھا رہ گئے۔ لیکن بعد میں جب اصرار کر کے دوسرے جہاز میں سوار ہوئے تو مصر پہنچتے ہی خواب آیا کہ حضرت صاحب یا آپ فرماتے ہیں کہ فوراً مکہ چلے جاؤ پھر شاید موقع ملے نہ ملے۔ چنانچہ دو جہاز چلے گئے اور ہم ان میں سوار نہ ہو سکے جس سے خواب کی تصدیق ہو گئی۔ اس طرح مصر کی سیر بھی نہ کر سکے اور جب مکّہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اب مصر نہیں جا سکتے۔ کیونکہ گورنمنٹ مصر کا قاعدہ ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو مصر کے باشندہ ہوں حج کے بعد چار مہینہ تک کوئی شخص حجاز و شام سے مصر تک نہیں جا سکتا۔...... مَیں نے تو ان سب واقعات کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا ہے کہ منشائے الٰہی مجھے حج کروانے کا تھا اور مصر کا خیال ایک تدبیر تھی''۔

(ماخذ حیات نور صفحہ 592-594، تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 417-418)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

قدیم سے جماعت احمدیہ پر ایک اعتراض کیا جا رہا ہے کہ ان کا قبلہ دیگر مسلمانوں کے قبلہ سے مختلف ہے اور ان کا حج قادیان میں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کا ایک اقتباس بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ گو کہ میڈیا کی ترقی سے جماعت احمدیہ کی آواز کے انتشار میں حائل بے شمار رکاوٹیں بے معنی ہو گئی ہیں اور لوگ بہت حد تک حقیقت کو دیکھنے اور سمجھنے لگ گئے ہیں اس کے باوجود آج کل بھی خصوصاً عرب دنیا سے یہ اعتراض بار بار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے شاید مناسب ہو کہ یہاں پر آ کر حضرت صاحبزادہ صاحب کے اس سفر کی داستان کے بعض نکات ہی ذکر کر دیئے جائیں تو اس اعتراض کا شافی جواب آ جائے گا۔

مثلاً روانگی سے قبل فرمایا:

۞ ......''میرے دل میں مدت سے خواہش تھی کہ مکّہ معظّمہ جو خدا کے پیاروں کی جگہ ہے وہاں جا کر دعائیں کروں کہ مسلمان اس وقت بہت ذلیل ہو رہے ہیں۔ اے خدا قوم نے تجھ کو چھوڑا، نہ دین رہا نہ دنیا رہی، کوئی تدبیر ان کی اصلاح کی کارگر نہیں ہوتی۔ اس جگہ تو نے ابراہیمؑ کو وعدہ دیا تھا اور اس کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول کیا تھا۔ آج پھر وہی دعائیں ہمارے لئے قبول فرما اور اہل اسلام کو عزت

اور ترقی عطا کر‘‘۔

✿......’سرزمین مکہ سے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا:

’اللہ اللہ کیا پاک ملک ہے۔ ہر چیز کو دیکھ کر دعا کی توفیق ملتی ہے۔ خدا کی رحمتیں اس زمین پر بے شمار ہی معلوم ہوتی ہیں‘۔

✿......مکہ مکرمہ کے بارہ میں ایک خط میں لکھا:

’خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر اور عنایت ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اپنے پاک اور مقدس مقام کی زیارت کا موقعہ دیا۔کل جب مکہ کی طرف اونٹ آ رہے تھے دل کی عجیب کیفیت تھی کہ بیان نہیں ہوسکتی۔محبت کا ایک جوش دل میں پیدا ہو رہا تھا اور جوں جوں قریب آتے تھے دل کا شوق بڑھتا جا تا تھا‘۔

✿......حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے نام اپنے ایک خط میں آپ نے لکھا:

’سرزمین مکہ کی ہر ایک اینٹ اور ہر ایک مکان اور ہر ایک آدمی اور ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ثبوت ہے۔اس وادی غیر ذی زرع میں کیا کچھ سامان لا کر اکٹھا کر دیا۔کعبہ کو بھی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہر وقت سینکڑوں آدمی گھوم رہے ہیں اور عملی طور پر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے احکام پر قربان کرنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔ پھر اس سرزمین سے کیسا پاک انسان خاتم الرسل پیدا ہوا‘۔

✿......ایک اور خط میں آپ نے تحریر فرمایا:

’دعاؤں سے رغبت اور دعاؤں کا القاء اور رحمت الٰہی کے آثار جو میں نے اس سفر میں اور خصوصاً مکّہ مکرمہ اور ایام حج میں دیکھے ہیں وہ میرے لئے بالکل ایک نیا تجربہ ہے۔اور میرے دل میں ایک جوش پیدا ہوا ہے کہ اگر انسان کو توفیق ہو تو وہ بار بار حج کرے۔ کیونکہ بہت سی برکات کا موجب ہے‘۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 421، حیات نور باب ہفتم)

کیا کوئی منصف مزاج ان تحریرات کو پڑھ کر مذکورہ بالا اعتراض کو درست تسلیم کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ کلمات بیت اللہ، اُمّ القریٰ، اور دیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز اور ان کے عشق کے عطر سے ممسوح ہیں۔

مکّہ مکرمہ میں تبلیغ اور آپ کے قتل کی سازش

آپ نے اپنے ایک خط میں لکھا:

'اس سفر میں بہت سے تبلیغ کے موقعے بھی ملتے رہے ہیں، اور بہت سے نئے تجربات بھی ہوئے ہیں۔شریفِ مکہ سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا'۔

ایک اور خط میں فرمایا:

'معلوم نہیں کہ کس طرح مکّہ میں ہماری آمد کی اطلاع ہوگئی اور اکثر ہندوستانی اس بات کو جانتے ہیں۔ ......مکّہ میں مَیں کچھ ایسا مشہور ہوا کہ بازار میں لوگ بعض دفعہ اشارہ کر کے ایک دوسرے کو بتاتے تھے کہ ابنِ قادیانی۔اللہ اللہ قادیان حضرت صاحب کی وجہ سے کیسا مشہور ہوا'۔

(حیات نور صفحہ 595)

وہاں پر لوگوں میں علماء نے بہت غلط باتیں مشہور کر رکھی تھیں مثلاً یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ شرعی نبوت کے مدعی ہیں نیز آپ نے جہاد کو قطعی حرام قرار دے دیا ہے۔ایک شخص نے جو رشتہ میں آپ کے ماموں تھے اور بھوپال کے رہنے والے تھے، بھوپال کے ایک رئیس (خالد نامی) کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سخت شورش بھی شروع کر دی۔ اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکانے لگے کہ یہ قادیانی کفر پھیلاتے ہیں۔اور ساتھ ہی اہل حدیث مولوی ابراہیم سیالکوٹی کو (جو اس سال حج کو گئے تھے) مباحثہ کے لئے آمادہ کرلیا۔مقصد یہ تھا کہ مکّہ میں باقاعدہ حکومت کوئی نہیں اگر مباحثہ ہوا تو لوگ جوش میں آکر انہیں قتل کر دیں گے۔اس شخص نے یا اس کے ساتھیوں نے گورنمنٹ حجاز کو بھی توجہ دلائی کہ آپ کے خلاف فوری کاروائی کرے اور اس فتنہ کو بڑھنے سے روکے۔عبدالمحی عرب صاحب کے پاس جب مولوی ابراہیم صاحب کی دعوت مباحثہ پہنچی تو عرب صاحب نے پیغام لانے والے کو جواب دیا کہ ہم یہاں مباحثات کے لئے نہیں آئے، حج کی غرض سے آئے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کو اس اشتعال انگیزی کا ابھی تک کوئی علم نہ تھا۔ایک دن آپ ایک عرب عالم مولانا عبد الستار قبطی کو جو شریفِ مکّہ کے بچوں کے استاد تھے تبلیغ کے لئے گئے۔وہ عقیدہ کے لحاظ سے اہل حدیث تھے مگر چونکہ ان دنوں اہل حدیثوں کو سخت نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس لئے وہ اپنے تئیں حنبلی ظاہر کرتے تھے۔آپ کافی دیر

تک ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ آخر وہ کہنے لگے: آپ نے مجھے تو تبلیغ کر لی ہے اور آپ کی باتیں بھی معقول ہیں۔ لیکن میرے سوا کسی اور کو تبلیغ نہ کریں ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں۔ اور خطرہ ہے کہ کوئی شخص آپ پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ یا حکومت ہی آپ کو قید نہ کر دے۔ پھر اس نے آپ کے غیر احمدی ماموں کا نام لیا کہ اس نے آپ کے خلاف اشتہار دیا یا دلوایا ہے۔ اور لکھا کہ اگر انہیں اپنے دعاوی کی صداقت پر یقین ہے تو مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے مباحثہ کر لیں۔ مولانا عبد الستار صاحب فرمانے لگے: مَیں نے مولوی سیالکوٹی صاحب سے کہا ہے کہ کہیں جوش میں آکر مباحثہ نہ کر بیٹھنا۔ کیونکہ یہاں احمدیوں سے زیادہ اہلحدیثوں کی مخالفت ہے۔ احمدیوں کے خلاف کسی کو اشتعال آیا یا نہ آیا تمہارے خلاف ضرور لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کس طرف سے زیادہ خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ انہوں نے ایک عالم کا نام لیا کہ اسے تو بالکل تبلیغ نہ کرنا۔ اس پر حضور نے ان کو بتایا کہ مَیں اسے ایک گھنٹہ تبلیغ کر کے آرہا ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولے پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ غصّہ اور جوش کی حالت میں کہہ دیتے تھے کہ: نہ ہوئی تلوار ہمارے قبضہ میں ورنہ تمہارا سر قلم کر دیتا۔

غرض مکہ میں مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں اور وعدوں کے مطابق آپ کے غلام کی آواز پوری قوت وشوکت سے آخر دم تک پہنچاتے رہے۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 420)

مکہ معظّمہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب کا ایک مبارک رؤیا

مکّہ معظّمہ سے ایک خط میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنا ایک مبشر خواب بھی درج فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کو بہت ترقی دینے والا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

'مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک جگہ ہوں اور میر صاحب اور والدہ ساتھ ہیں۔ آسمان سے سخت گرج کی آواز آرہی ہے اور ایسا شور ہے جیسے توپوں کے متواتر چلنے سے پیدا ہوتا ہے اور سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ ہاں کچھ کچھ دیر کے بعد آسمان پر روشنی ہو جاتی ہے۔ اتنے میں

اس دہشت ناک حالت کے بعد آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور نہایت موٹے اور نورانی الفاظ میں آسمان پر

لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

لکھا گیا۔مَیں نے میر صاحب سے پوچھا: آپ نے یہ عبارت نہیں دیکھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔مَیں نے کہا کہ ابھی آسمان پر یہ عبارت لکھی گئی ہے۔اس کے بعد کسی نے بآواز بلند کچھ کہا جس کا مطلب یاد رہا کہ آسمان پر بڑے بڑے تغیرات ہو رہے ہیں جس کا نتیجہ تمہارے لئے اچھا ہوگا۔اس کے بعد اس نظارہ اور تاریکی اور شور کی دہشت سے آنکھ کھل گئی۔واللہ اعلم بالصواب'۔

حج کے بعد مکہ معظّمہ سے قادیان واپسی اور بعض مخالفین کا انجام

حج میں آپ نے اسلام احمدیت اور اہل قادیان کے لئے بیشمار دعائیں کیں۔ حج کے بعد آپ کا ارادہ کچھ عرصہ اور اس مقدس سرزمین پر قیام کرنے کا تھا مگر ایک تو آپ بیمار ہوگئے دوسرے حج ختم ہوتے ہی مکّہ میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔جو اتنا شدید تھا کہ لوگ گلیوں میں مُردوں کو پھینک دیتے تھے اور دفن کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت نانا جان گھبرا گئے۔اور انہوں نے کہا ہمیں جلدی واپس چلنا چاہئے۔چنانچہ آپ نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔آخری ملاقات کے لئے جب اس غیر احمدی ماموں کی طرف گئے تو معلوم ہوا کہ منٰی سے واپسی پر وہ ہیضہ کے حملہ کی تاب نہ لا کر تھوڑی دیر میں ہی فوت ہوگئے ہیں۔

جب آپ جدہ پہنچے تو جدہ کے انگریزی قونصل خانہ میں بھی آپ کے ننھیال کے ایک رشتہ دار تھے۔آپ ٹکٹ کے لئے ان کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو کمپنی کا ملازم سمجھ کر بڑی لجاجت سے کہا کہ ہمارا قافلہ تیس بتیس عورتوں اور مردوں پر مشتمل ہے اور اس وقت سخت مصیبت کا سامنا ہے۔مگر ہمیں سب سے زیادہ فکر عورتوں کا ہے۔ ہیضہ کی وجہ سے عورتیں تو پاگل ہو رہی ہیں۔اگر آپ دس بارہ ٹکٹ خرید دیں تو ہم عورتوں کو یہاں سے رخصت کر دیں۔آپ نے فرمایا: عورتیں اکیلی کس طرح جائیں گی؟ اس پر اس نے کہا: آپ دو چار اور ٹکٹ لے دیں تو کچھ مرد بھی ان کے ساتھ جاسکیں گے۔ اور ساتھ ہی

روپوں کی ایک تھیلی آپ کو پکڑا دی۔ چنانچہ آپ نے اپنے رشتہ دار سے کہا کہ ان لوگوں کی حالت بہت قابل رحم ہے آپ ان کو بھی ٹکٹ لا دیں۔ وہ اس وقت کسی بات پر چڑے ہوئے تھے کہنے لگے: کیا مَیں کوئی ایجنٹ ہوں کہ ٹکٹ لاتا پھروں۔ مگر آپ نے دوبارہ کہا کہ یہ رحم کا معاملہ ہے آپ ضرور کوشش کریں۔ اور اگر ان کے لئے نہیں تو کم از کم میری خاطر ہی ٹکٹ لا دیں۔ وہ واپس گئے اور تھوڑی ہی دیر میں غالباً سترہ ٹکٹ لے کر واپس آئے۔ آپ نے وہ ٹکٹ اور باقی روپے کھڑکی میں سے اس شخص کو پکڑا دیئے۔ شاید دوسرے ہی دن جب آپ اپنے نانا جان کے ساتھ (منصورہ نامی) جہاز پر سوار ہونے کے لئے گئے، اور جبکہ جہاز چلنے ہی والا تھا وہ نوجوان جہاز کے دروازہ پر ہی آپ کو ملا اور کہنے لگا: آپ نے اتنی دیر لگا دی جہاز تو چلنے والا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی مزدوروں پر زور دے کر جلد جلد آپ کا اسباب جہاز میں رکھوایا اور پھر بڑی ممنونیت کا اظہار کیا کہ آپ نے بڑا احسان کیا جو ہمیں ٹکٹ لے کر دیئے ورنہ ہمارا اس جہاز پر سوار ہونا بالکل ناممکن تھا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی (خالد) ہے جو مکّہ میں بحث مباحثہ کرا کے آپ کو مار دینے کی سازش میں شریک تھا۔ یہ 25/دسمبر کا واقعہ ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 452 تا 454)

عربی زبان میں
ایک چار صفحہ کا ٹریکٹ شائع کرنے کی تجویز

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کے سفر حج سے واپس تشریف لانے کے بعد غالبًا فروری 1913ء میں عرب ممالک کے لوگوں تک پیغام حق پہنچانے کے لئے ایک چہار صفحات کا ضمیمہ بزبان عربی اور ساتھ ہی اردو ترجمہ بھی شائع ہونا تجویز کیا گیا۔اس کی ادارت کے لئے جناب سید عبدالمحیی عرب صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔مصر، حجاز، بغداد اور عربستان، علاقہ ایران وغیرہ سے معززین کے پتے بھی حاصل کر لئے گئے۔ اور دوستوں میں تحریک کی گئی کہ اگر اس ٹریکٹ کے ایک ہزار خریداروں کی طرف سے سالانہ چندہ دو روپے کی ادائیگی کا وعدہ آ جائے تو ٹریکٹ جاری کر دیا جائے گا اور پہلا پرچہ سب صاحبان کے نام وی پی کیا جائے گا۔اور عربی ضمیمہ ان کی طرف سے ان ملکوں میں روانہ کیا جائیگا۔یا وہ چاہیں تو خود منگوا کر اور پڑھ کر کسی ملک کو روانہ کر دیں۔

(ماخوذ از حیات نور صفحہ 599-600)

بعد ازاں غالبًا مئی 1913ء میں یہ قرار پایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام ''مصالح العرب'' کے پورا کرنے کے واسطے اخبار بدر کے ساتھ ایک چار صفحات کا ضمیمہ عربی زبان میں معہ ترجمہ اردو شائع کیا جایا کرے اور عربی ممالک میں معززین کے نام بھیجا جایا کرے۔ غالبًا اسی تجویز کا بعد ازاں نئے پیرایہ میں یوں فیصلہ ہوا کہ اخبار ہذا کا ایک ماہوار ایڈیشن عربی زبان میں نکالا جائے جس کی ادارت کے فرائض سید عبدالمحیی عرب صاحب ادا کریں۔اس تجویز کو دوستوں نے بہت پسند کیا اور بعض احباب نے پیشگی چندہ بھی جمع کروا دیا۔

(ماخوذ از حیات نور صفحہ 619-620)

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ کی مصر روانگی

مدرسہ احمدیہ کو عربی علوم کے چوٹی کے اساتذہ کی ضرورت تھی یہ خلا پُر کرنے کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جولائی 1913ء کے آخری ہفتہ میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبد الرحمٰن صاحب لاہوری کو عربی تعلیم کے حصول کے لئے مصر روانہ فرمایا۔ لیکن اس فیصلہ تک پہنچنے سے پہلے کے مراحل کا حال حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی زبانی ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو مکرم احمد طاہر مرزا صاحب کی تالیف ''حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب'' سے ماخوذ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں بلادِ عربیہ میں تبلیغ کے لئے گیا ہوں اور مجھے وہاں کامیابی ہوئی ہے......۔

حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے مکتب میں

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ سے میں نے دو تین سال پڑھا۔ اس دوران میں حضور کی عیادت کا بھی مجھے موقع ملا۔ جب حضور گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے ہیں اُنہی دنوں کی بات ہے۔ شیخ تیمور احمد صاحب جو حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے سے آپ نے فرمایا کہ ولی اللہ شاہ کو وقف کی تحریک کی جائے اور ان سے میرے متعلق اچھی امید کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ شیخ تیمور احمد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں مخلص ہو کر دینی تعلیم

حاصل کروں اور کالج کی تعلیم کا خیال چھوڑ دوں اور جب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور شیخ تیمور کو مفتاح العلوم کا سبق پڑھانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مجھ سے بھی فرمایا کہ میں بھی شریک ہو جاؤں۔ مجھے عربی کا بہت معمولی علم تھا بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ میں حیران ہوا بلکہ میرے ساتھی بھی حیران ہوئے لیکن حکم کی تعمیل میں دو تین سبقوں میں شریک ہوا۔ مجھے اپنی کمزوری کا نہایت درجہ احساس ہوا۔ حضرت حافظ صاحب سے سبق پڑھنے کیلئے جدوجہد کی۔ میرے دوست مرزا برکت علی صاحب بھی میرے ساتھ وہی سبق پڑھتے تھے جو میں پڑھتا تھا۔ مسجد مبارک میں ہمیں حافظ صاحب پڑھا رہے تھے ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔ ''تہانوں نہیں عربی اونی'' میں نے ہنستے ہوئے کہا میرا ابھی یہی خیال ہے۔ کون زیر زبر پیش کے ساتھ ساتھ ہر دفعہ آنکھیں اُونچی نیچی کرے۔ اگر یہ زیر زبر پیش نہ ہوتو پڑھنا ناممکن ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ پڑھائی جاری رکھوں یا نہ رکھوں۔ ایک جمعہ کے دن مسجد مبارک کے اُس حجرہ میں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سرخی والا نشان دکھایا گیا تھا بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ اسی کمرہ میں میری رہائش تھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ میرے پاس تشریف لائے اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

دورانِ گفتگو میں مجھ سے فرمایا۔ کیا خیال ہے اگر آپ کو مصر بھیج دیا جائے تو آپ وہاں عربی پڑھیں۔ مدرسہ احمدیہ کے لئے بھی ہمیں ضرورت ہے۔ میں یہ بات مذاق سمجھا لیکن بار بار فرمایا۔ مذاق نہیں یہ اقرار کریں تو ابھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔ آپ اُٹھے نہیں جب تک کہ مجھ سے پختہ اقرار نہیں لے لیا اور چند دنوں میں میری اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے سفر کی تیاری ہوگئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے دعا کے ساتھ ہمیں الوداع کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خوش خوش باہر شہر سے جا کر ہمیں یکے پر بٹھا کر رخصت کیا۔ یہ واقعہ 1913ء کا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی بیش قیمت نصائح

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبد الرحمٰن صاحب لاہوری کی روانگی سے قبل مورخہ 5/ جون 1913ء کو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے انہیں دو خطوط لکھ

کر دیئے تھے جو بیش قیمت نصائح اور ہدایات پر مشتمل ہیں۔ ہم ذیل میں مبلغین اور طالبعلموں کے فائدہ کے لئے خصوصاً اور افراد جماعت کے لئے عموماً ان میں سے چند نصائح درج کرتے ہیں جو آج بھی مشعل راہ ہیں اور ان پر عمل کرنا بیش بہا برکتوں کا موجب ہوگا۔

ان نصائح میں آپ نے علم کی فضیلت اہمیت اور مختصر فہرست علوم و کتب بھی درج فرمائی نیز فرمایا کہ:

''طالبعلم کو چاہئے کہ علم محض للہ سیکھے، اور اللہ کی مدد لے کر اور اللہ تعالیٰ میں ہو کر سیکھے۔ شریعت کے احکام کا عالم بنے اور فخر کرنے والا نہ ہو، نہ ہی بڑائی جتانے والا ہو۔ دوسروں سے علمی باتیں کر کے اپنا علم پکا کرتا رہے اور بار بار پڑھتا اور یاد کرتا رہے، اور ایک دن کا کام دوسرے دن پر نہ ڈالے''۔

''زبان بولنے سے اور سننے سے آتی ہے۔ صرف ونحو کے پڑھنے سے ہرگز نہیں آتی۔ کیا ہم نے پنجابی صرف ونحو پڑھ کر سیکھی ہے؟ کبھی صرف ونحو پر وقت ضائع نہ کرو''۔

''گاہے گاہے توفیق ملے تو مکّہ معظّمہ، بیت المقدس، اور دمشق، شام چلے گئے۔ ہر ہفتہ لکھ دیا کرو''۔

''کوئی عجیب بات اس سے عمدہ نہیں کہ دعائیں مانگو۔ اللہ تعالیٰ کو مددگار بناؤ، اسی سے یار و مددگار طلب کرو۔ میرے لئے صرف دعا''۔

''جدیدہ مطبوعات سے آگاہی، مفید کتاب کی نقل جو طبع ہونے والی نہ ہو۔ قیمت میں روانہ کروں گا''۔ (حیات نور صفحہ 631-632)

یہ تمام نصائح ہی بیش قیمت اور سنہری حروف سے لکھنے والی ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ سے دعا، اسی کی خاطر علم کا حصول اور خلیفۂ وقت کے لئے دعا اور ہر نئی علمی اور تحقیقی خبروں سے اسے باخبر رکھنا اور خلیفۂ وقت کی خدمت میں ایسے امور کے ساتھ دعا کی غرض سے خطوط لکھتے رہنا ایسے بنیادی زرّیں اصول ہیں کہ جنہیں ایک احمدی کو حرزِ جان بنا لینا چاہئے۔

حضورؓ کے دوسرے خط سے پتہ چلتا ہے کہ ابوسعید عرب صاحب ان دنوں وہاں بلاد عربیہ میں مقیم تھے کیونکہ حضور نے حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب لاہوریؓ کو اس خط میں لکھا کہ ابوسعید عربی صاحب سے مل کر طریق تعلیم کے بارہ میں راہنمائی حاصل کریں۔ (حیات نور صفحہ 633)

بلادعربیہ میں قیام کے دوران کے بعض امور کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

قاہرہ اور بیروت میں تعلیم

قاہرہ میں قدیم طریقہ تعلیم سے میرا دل اُچاٹ ہوگیا۔ ابھی چار ماہ گذرے تھے کہ اس تصرف سے بیروت دیکھنے کا مجھے موقع ملا اور میں نے شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب کو قاہرہ چھوڑ کر بیروت میں پڑھائی شروع کردی۔ اتنے میں جنگِ عظیم اوّل شروع ہوگئی اور بیروت خطرہ میں تھا۔ میرے اساتذہ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں حلب چلا جاؤں۔ چنانچہ میں حلب آیا اور یہاں اعلیٰ پایہ کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اسی اثنا میں مجھے سات ماہ ایک تُرکی رسالہ میں بھی خدمت کا موقع ملا اور میری اس خدمت کے صلہ میں سفارش کی گئی کہ تُرکی کے امتحان کی شرط سے مجھے مستثنیٰ کیا جائے۔

صلاح الدین ایوبیہ کالج بیت المقدس

بیت المقدس میں مَیں نے امتحان دیا اور اچھے نمبروں پر پاس ہوا۔ اور صلاح الدین ایوبیہ کالج بیت المقدس میں بطور استاد متعین ہوگیا اور یہاں عربی میں پڑھانے اور تعلیم جاری رکھنے کا سنہری موقع ملا۔ فنِ تعلیم وتدریس میں مقابلہ کے ایک امتحان کا اعلان ہوا جس میں کئی اساتذہ شریک ہوئے۔ مَیں اس امتحان میں اوّل رہا اور مجھے تمغہ اور پچاس اشرفیاں انعام ملیں اور شام کی یونیورسٹی سے جو سند بہ دستخط وزیرِ تعلیم اور کونسل جاری کی گئی وہ بھی تعلیمی لحاظ سے میرے لئے بہت خوش کن تھی۔ اس میں اس بات کا ذکر تھا کہ ایک قلیل عرصہ میں علوم آدابِ عربیہ کی ایسی قابلیت حاصل کرلینا ایک نادر بات ہے۔ (الحمد للّٰہ علی ذلك)

یہ میری تعلیمی جدوجہد کی مختصر سرگذشت ہے۔ (مشارالیہ سند مع قیمتی لائبریری ۱۹۴۷ء میں بوقت تقسیم لوٹ میں ضائع ہوگئی) صلاح الدین ایوبیہ کالج میں مجھے تاریخ ادیان، انگریزی اور اُردو پڑھانے کا موقع ملا اور شام میں انگریزوں اور امیر فیصل کی افواج کے داخل ہونے کے بعد مجھے سلطانیہ کالج کا وائس پرنسپل منتخب کیا گیا اور یہاں علم النفس (Psychology) اور علم الاخلاق (Ethics) کے مضامین دیئے گئے۔

اسیری اور رہائی

اکتوبر 1918ء کے آخر میں جنرل ایلیٹ کے حکم سے جوڈیشل ملٹری نے مجھے حراست میں لیا اور بطور اسیر جنگی اور اسیر سیاسی قاہرہ لے گئے اور جنگ ختم ہونے کے بعد مئی 1919ء کے اواخر میں لاہور لایا گیا۔ بظاہر میں حکومتِ برطانیہ کا شاہی قیدی تھا لیکن حقیقت میں آسمانی اسیر تھا جس سے سلسلہ کے لئے کئی ایک خدمات لینا منشائے الٰہی تھا۔ یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجھے آزاد کروایا۔ ان دنوں پنجاب کے گورنر ریڈوائر (Redwire) تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب، چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب وغیرہ ان کے پاس لاہور بھیجے گئے۔ اس تحریری ہدایت کے ساتھ کہ اگر پچاس ہزار روپیہ کی ضمانت بھی دینی پڑے دی جائے۔ غرض مجھے قادیان جانے کی اجازت دی گئی۔ اس پابندی کے ساتھ کہ اگر باہر کسی جگہ جانا ہو تو گورنمنٹ کو اطلاع دینا ضروری ہوگا اور یہ نگرانی دیر تک رہی۔ (ماخوذ از کتاب حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب تالیف احمد طاہر مرزا)

دو عربوں کا قادیان میں ورود

ستمبر 1913ء میں دو عرب قادیان میں تشریف لائے۔ ایک نے خوش الحانی سے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کو قرآن شریف سنایا جس سے حضور خوش ہوئے اور اسے نصیحت کی کہ ایک جگہ قیام کرنا چاہئے شہر شہر پھرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ (حیات نور صفحہ 639)

یہاں قارئین کرام کی یاد دہانی کے لئے عرض ہے کہ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب عرب ملکوں سے تیل کی دولت ابھی نہیں نکلی تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ہونے کی وجہ سے تجارتی اور مادی احوال بہتر تھے اس لئے کئی عرب ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آتے تھے اور بعض عرصہ دراز تک ادھر ہی رہائش اختیار کئے رکھتے تھے۔ نیز بعض سیاحت اور عربی زبان اور دینی علوم سکھانے وغیرہ کو بھی پیشہ بنا کر اس ملک میں قیام کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

کے عہد مبارک میں

عربوں میں تبلیغ

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بلادِ اسلامیہ کے لئے عربی ٹریکٹ

حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک عربی الہام میں خبر دی گئی تھی کہ رومی سلطنت کسی وقت بیرونی دشمنوں سے مغلوب ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر غلبہ پائے گی۔

(تذکرہ طبع دوم صفحہ 509)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی خلافت کے پہلے سال بلادِ اسلامیہ میں اس کی اشاعت کرنے کے لئے ''اَلدِّیْنُ الْحَی'' (زندہ مذہب) کے نام سے عربی زبان میں ایک ٹریکٹ لکھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے ظہور پر روشنی ڈالی اور تمام عالم اسلام کو حضور علیہ السلام کے دعوے پر ایمان لانے کی پُر زور دعوت دی اور اعلان فرمایا کہ جو اصحاب ماموروقت کی صداقت کے متعلق تحقیق کرنا چاہیں وہ خط وکتابت کے ذریعہ بھی کر سکتے ہیں۔

(از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 153)

حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؓ کا اعزاز

حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے 1914ء میں بیروت میں عربی زبان کے ماہر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جن میں سے ایک مشہور استاد الشیخ صلاح الدین الرافعی تھے۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں احمدیت کی تبلیغ بھی کی۔ الشیخ صلاح الدین الرافعی آپ کے اخلاق اور شخصیت سے بہت متأثر ہوئے اور دعوت احمدیت قبول کرنے کی سعادت پائی۔ چنانچہ اس مناسبت سے انہوں نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں حضرت شاہ صاحب کے علاوہ بیروت سے معززین کی ایک جماعت کو بھی مدعو کیا اوران کے سامنے اپنے احمدیت میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔

اس کے بعد پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل عثمانیوں نے اسلامی ممالک میں عیسائیت کی یلغار اور اس کے بالمقابل کسی بھی اسلامی ملک کی اسلام کے دفاع کے کام میں سست روی اور کسی دینی جماعت کے اس مقصد کے لئے کھڑے نہ ہونے کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔

جب ترکی اس عالمی جنگ میں شامل ہوا تو بلاد شام کی قیادت جمال پاشا نامی قائد کو سونپی گئی جس نے قدس شریف میں ایک دینی کالج قائم کیا جس کا نام ’’کلیۃ صلاح الدین الأیوبی‘‘ رکھا جو کہ ’’الکلیۃ الصلاحیۃ‘‘ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کالج کے قیام کا بنیادی مقصد دین اسلام کی تبلیغ کے لئے لوگ تیار کرنا تھا۔ چنانچہ اس کالج کے لئے جمال پاشا نے اس وقت کے بڑے بڑے علماء کو استاد کے طور پر رکھا جیسے الشیخ ہاشم الشریف الخلیل البیروتی، علامہ الشیخ بشیر الغربی الحلبی ترکی پارلیمنٹ کے ممبر، الشیخ صالح الرافعی، عبدالعزیز جاویش، رستم حیدر، عبدالقادر المغربی، جودت الہاشمی وغیرہ۔ اور اس کالج میں تاریخ ادیان

پڑھانے کے لئے حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ کا انتخاب کیا گیا۔ آپ کے شاگردوں میں سے ایک باسعادت شاگرد مکرم منیر الحصنی صاحب آف شام بھی تھے۔

جب جنگ ختم ہوئی اور عرب فوجیں اپنے حلیفوں کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئیں تو آپ کو سلطانیہ کالج کا وائس پرنسپل مقرر کیا گیا۔ لیکن انگریزوں نے آپ کو اسیر بنالیا۔ چنانچہ ایک لمبے عرصہ تک آپ کے متعلق کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ حتی کہ آپ اسیری میں لاہور لائے گئے جہاں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو آزاد کروایا۔

(ماخوذ از مجلۃ البشری جنوری، فروری 1937ء صفحہ 45 تا 49)

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے اس عرصہ کے بعض واقعات کا بھی تذکرہ کر دیا جائے جو مکرم شیخ نور احمد منیر صاحب نے تحریر فرمائے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب اپنے اساتذہ کے محبوب ترین شاگردوں میں سے تھے اور آپ کو بھی اپنے اساتذہ کا از حد احترام تھا۔ آپ اپنے اساتذہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''میں اس گھڑی کو ہر وقت یاد کرتا ہوں کہ جب میرے یہ استاد مجھے پڑھایا کرتے تھے۔ تاریک رات، موسلا دھار بارش، غضب کی ٹھنڈک اور سردی، اور نیند کا شدید غلبہ، بعض اوقات رات کے بارہ بج جاتے، مگر یہ اساتذہ مجھے پڑھانے کی انتہائی خواہش رکھتے تاکہ میں اپنی تعلیم کی جلدی سے تکمیل کرسکوں اور یہ کام محض بغیر اجر وخواہش کے کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا یہ کہنا تھا کہ وہ مجھ میں خیر وبرکت کو دیکھتے ہیں''۔

''تِلْمِیْذٌ مِنْ تَلَامِیْذِ الْمَھْدِی''

الشیخ صالح الرافعی آپ سے بہت ہی محبت وعقیدت رکھتے تھے اور وہ آپ کی (دعوت الی اللہ) سے بیعت بھی کر چکے تھے چنانچہ اس ضمن میں ایک تاریخی مگر ناقابل فراموش واقعہ بیان کرتا ہوں۔ میرے قیام بیروت میں ایک مرتبہ بیروت کی میونسپلٹی کے ایک کارکن ٹیکس وصولی کیلئے آئے۔ عاجز نے ان کو بٹھایا اور ان کی تواضع کی۔ اس دوران میں کئی امور پر باہمی تبادلہ خیالات ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ میرے والد صاحب مرحوم بھی اس عقیدہ کے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو چکا ہے اور میں نے ان کو قبول کرلیا ہے۔ میں ابھی اس وقت چھوٹی عمر کا تھا۔ جب میں نے ان کے والد کا نام پوچھا تو انہوں نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ الشیخ

صالح الرافعی الطرابلسی۔ ان صاحب کا کہنا تھا کہ استاذ زین العابدین ہمارے گھر روزانہ عربی پڑھنے کیلئے آیا کرتے تھے اور میں دروازہ کھولا کرتا تھا۔ ان کے گھر ایک فوٹو بھی حضرت شاہ صاحب کا ہے۔ جس پر الشیخ صالح الرافعی کی یہ عبارت درج ہے۔ ”تِلْمِیْذٌ مِنْ تَلَامِیْذِ المَھْدِی عَلَیْہِ السَّلَام جَاءَ مِنَ الْھِنْدِ لِتَلَقِّی الْعُلُوْمِ الْعَرَبِیَّۃِ“ یعنی حضرت مہدی علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد جو ہندوستان سے عربی کی تعلیم کیلئے آئے۔ الشیخ صالح الرافعی سے بیرونی ملک کے کئی طلباء مفت تعلیم حاصل کیا کرتے تھے اور وہ بڑے اخلاص سے یہ کام کیا کرتے۔

السید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ دمشق بھی شاہ صاحب کے شاگردوں میں سے تھے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں میں معزز عرب خاندانوں کے کئی صاحبزادگان تھے۔ اس کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے شاہ صاحب کو اعلیٰ علمی سوسائٹی سے رابطہ پیدا کرنے کا موقع مل گیا چنانچہ ان معزز اکابرین میں الاستاذ کرد علی وزیر تعلیم حکومت شام، الاستاذ خلیل بک مرحوم وزیر خارجہ حکومت شام۔ السید جمیل بک مرحوم وزیر اعظم شام اور الشیخ عبدالقادر المغربی پریذیڈنٹ پوپ اکیڈمی بھی تھے۔ خاکسار کو قیام دمشق میں ان سے ملاقات کے کئی مواقع میسر آئے۔ علاوہ ازیں مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی اور السید صالح الخالدی پرنسپل عرب کالج بیت المقدس وغیرہم سے بھی آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ الحاج امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین جب بھی پاکستان آتے تو مکرم شاہ صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (نور اللہ مرقدہ) کی زیر ہدایت ملاقات کیلئے جایا کرتے تھے اور مفتی فلسطین بھی ان سے محبت سے پیش آیا کرتے تھے اور ان کی عزت کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے حقائق حضرت خلیفہ اوّل (نور اللہ مرقدہ) سے پڑھے ہوئے تھے اور آپ کے درس سے استفادہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ قرآن شریف کے بعض مشکل مقامات کی تفسیر بیان کیا کرتے تو آپ کے کئی عرب ساتھی و اساتذہ دریافت کیا کرتے یَا اُسْتَاذُ مِنْ اَیْنَ تَعَلَّمْتَ ھٰذَا التَفْسِیْر؟ (یعنی آپ نے یہ تفسیر کہاں سے سیکھی ہے؟)

شاہ صاحب جواباً کہتے تَعَلَّمْتُ مِنَ الْمفضالِ الشَّیخ نُوْرِالدِّیْن۔ یعنی حضرت مولوی نورالدین صاحب سے میں نے یہ تفسیر سیکھی ہے یہ واقعہ مجھے الشیخ عبدالقادر المغربی رئیس المجمع

العلمی العربی نے بیان کیا تھا۔

مکرم شاہ صاحب عرب ممالک میں تین دفعہ تشریف لے گئے۔ پہلے آپ 1913ء میں گئے تھے۔ بعد ازاں 1925ء میں مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس کے ساتھ دمشق تشریف لے گئے۔ تقریباً چھ ماہ تک آپ نے دمشق میں قیام کیا۔ وہاں آپ نے شادی بھی کی۔ آپ کے برادر نسبتی السید احمد فائق الساعاتی تھے جو محکمہ پولیس کی ایک کلیدی آسامی پر کام کرتے تھے۔

تیسری مرتبہ آپ 1956ء میں تشریف لے گئے اور تقریباً دو ماہ قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ بیروت بھی تشریف لائے تھے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 19 مئی 1967ء، بحوالہ سیرۃ حضرت ام طاہر از ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ص45 تا 48)

دارالتبلیغ مصر کا قیام

1922ء کے آغاز میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کو مصر جانے کا حکم ہوا۔ان کو روانہ کرتے ہوئے حضور نے جو قیمتی نصائح فرمائیں ان میں اور باتوں کے علاوہ زبان سیکھنے کے اصول بھی بیان ہوئے ہیں۔احباب کے فائدہ کے لئے یہ نصائح ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔فرمایا:

''آپ مصر جاتے ہیں ہمیشہ یادرکھیں کہ یہ سرزمین دنیا کی تباہی اور ترقی کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتی ہے۔اس سرزمین سے اسلام کو بہت سا نقصان بھی پہنچا ہے اور فائدہ بھی۔اور آئندہ اور بھی حوادث ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔اور ہم امید کرتے ہیں کہ انجام کار وہ اسلام کے لئے مفید ہوں گے۔پس اس سرزمین میں بہت ہی ڈرتے ڈرتے قدم رکھیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ آپ کا قدم ادھر ادھر پڑنے سے آپ کو محفوظ رکھے۔

آپ کا اوّل کام عربی زبان کا سیکھنا ہے اس لئے ہندوستانیوں سے رابطہ پیدا نہ کریں کیونکہ انسان غیر ملک میں اپنے اہل ملک سے جب ملتا ہے،ان کی طرف بہت کھنچ جاتا ہے۔پس جہاں تک ہو سکے عربوں سے ہی میل ملاقات رکھیں تا کہ زبان صاف ہونے کا موقعہ ملے۔اور یہ بھی احتیاط رہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں سے تعلق ہو کیونکہ جُہّال کی زبان بہت خراب ہوتی ہے۔

سیاسیات میں نہ پڑیں اور نہ سیاسی لوگوں سے تعلق رکھیں۔کیونکہ سیاسی لوگوں میں اگر تبلیغ ہوئی بھی تو ان کو اپنے راستہ سے ہٹا کر دین کی طرف لانا دگنی محنت چاہتا ہے۔اور اس قدر کام آپ موجودہ اغراض کو پورا کرتے ہوئے نہیں کر سکتے۔

اپنے اخلاق کا نمونہ دکھانے کی کوشش کریں کیونکہ غیر جگہ انسان جاتا ہے تو لوگ اس کی حرکات وسکنات کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔

ہر ایک بات پر اپنی رائے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب کوئی ایسی بات پیش کرے جس پر رائے کا اظہار نامناسب ہے یا ایسی بحثوں کی طرف لے جائے جو سفر کے مقصد کے خلاف ہے تو بہتر ہے کہ کہہ دیں کہ مجھے اس امر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے نہ مَیں نے اس پر کافی غور کیا ہے اور نہ اس پر مَیں اپنی رائے کا اظہار کرسکتا ہوں۔

ہر قوم میں کچھ عیوب ہوتے ہیں، کچھ خوبیاں۔ پس مصریوں کی خوبیاں سیکھنے کی کوشش کریں۔ مگر ان کے عیوب سیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے گردوپیش ایک قسم کے حالات دیکھتا ہے تو بری باتیں بھی اسے اچھی نظر آنے لگتی ہیں۔ اور وہ اسے بطور فیشن اختیار کر لیتا ہے۔ مومن کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے''۔

شیخ محمود احمد صاحب 18 فروری 1922ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور اسکندر آباد سے ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے جہاں سے بذریعہ جہاز قاہرہ (مصر) میں وارد ہوئے۔ آپ نے حضور کی ہدایات کی روشنی میں وہاں اس رنگ سے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا کہ خدا کے فضل سے پہلے سال ہی ایک جماعت پیدا کر لی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ 1922ء پر اس کا ذکر فرمایا:

''اس سال بیرونی ممالک میں تبلیغ کے سلسلہ میں ایک نیا مشن مصر میں جاری کیا گیا ہے جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک طالبعلم کے ذریعہ جماعت پیدا کر دی ہے''۔

دسمبر 1923ء سے آپ کی ادارت میں ''قصر النّیل'' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری ہوا۔ عرفانی صاحب نے 1926ء تک مصر میں کام کیا اور اعلیٰ طبقہ کے سرکاری ملازمین آپ کے ذریعہ داخل جماعت ہوئے جن میں سے الأستاذ احمد حلمی آفندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 286-287)

شیخ محمود احمد عرفانی صاحب نے ان سالوں کی بعض یادوں کو ایک مضمون بعنوان: ''عالم اسلامی میں میرے آقا کے تذکرے'' میں قلم بند فرمایا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے ان میں سے بعض حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

نیل کے کنارے

......''......ایک دن شام کا وقت تھا۔علامہ احمد ذکی پاشا کے محل کے سامنے ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے جن میں آم کے درختوں کو خاص امتیاز ہے۔ باغیچہ میں تروتازگی تھی۔ چھڑکاؤ ہوا ہوا تھا اور پاشا موصوف اپنے دوستوں کے جمگھٹے میں بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے۔

مصر کے پاشا عام طور پر انگلستان کے لارڈوں سے کم نہیں ہوتے۔اس لئے بالعموم ان میں ایک قسم کا تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ان کے محلات میں ملنا بھی آسان نہیں ہوتا مگر ذکی پاشا کے محل میں یہ باتیں مفقود تھیں۔وہ عرب ہیں۔عربوں کے لئے خاص جذبات رکھتے ہیں۔اپنے آپ کو شیخ العروبہ کہتے ہیں اور قصر کے دروازے پر دارالعروبہ لکھا ہوا ہے۔

احمد ذکی پاشا اسلام کے زبردست مؤرخ ہیں۔مجلس وزراء کے سیکرٹری تھے۔اس وقت عالم عربی میں بہت محبوب ہیں۔ان کے قصر کے سامنے نیل کا دریا بڑی شان سے بہہ رہا تھا۔ سامنے کے کنارے پر رنگین بڑے بڑے ہاؤس بوٹ ان کے اوپر سر بفلک عمارتیں ان کے اوپر کوہ ''مقطم'' کی چوٹیاں اور کھجور کے درخت دل میں ایک زندہ دلی پیدا کر رہے تھے۔ایسے سہانے وقت میں روزانہ ذکی پاشا اپنی مجلس لگاتے ہیں۔کوٹ پتلون اتار کر ایک لمبا عربی کُرتا پہن کر اور سر پر ایک ایسی ٹوپی جیسے دِلّی والے پہنتے ہیں پہن کر بیٹھتے ہیں۔شطرنج اور اسی قسم کی اور کھیلیں بھی کھیلی جاتی ہیں۔باتیں بھی ہوتی ہیں۔خوش گپیاں۔علمی تذکرے۔تاریخی بحثیں سب کچھ اسی مجلس میں ہو جاتا ہے۔میں بھی گاہ گاہ اس مجلس میں پاشا کو ملنے جایا کرتا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی پاشا نے اپنی عادت کے مطابق مسکراتے ہوئے کہا۔وہ آئے۔اپنے دوستوں سے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مرزا احمد قادیانی کے مذہب کے یہاں مبشر ہیں۔یہ کہنے پر میری طرف گردنیں اٹھیں اور بعض استہزاء سے اور بعض محبت سے ملنے لگے۔پاشا نے پھر کہا:۔

''یہ لوگ بڑے باہمت ہیں۔دنیا میں انہوں نے اسلام کی اشاعت کا وہ کام کیا ہے جس کی مثال صحابہ کے زمانہ کے سوا کہیں نہیں ملتی۔یورپ میں امریکہ میں ان کی مساعی سے اب سینکڑوں مسلمان پیدا ہو گئے ہیں''۔

مَیں نے کہا کہ ساری خوبی میرے سید و مولیٰ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی ہے

جس نے ایسی جماعت پیدا کی۔ تو پاشا نے کہا کہ ”بے شک بے شک یہ سب انہیں کی برکت ہے۔ وہ اسلام کا مایہ ناز فرزند تھا۔ لوگ سمجھتے نہیں“۔

خدیوِمصر کی والدہ کے محل میں

۞......قاہرہ کے بہترین حصے میں ایک قصر الدوبارہ ہے جہاں خدیو عباس حلمی سابق فرمانروائے مصر کی والدہ کا محل ہے۔ یہ محل بڑا شاندار محل ہے۔ اس محل کی مصر میں بڑی شہرت تھی اس لئے کہ خدیو کی ماں جو ام الحسنین کہلاتی تھی اس جگہ رہتی تھیں۔ سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ محل میں بڑی چہل پہل تھی۔ میں خدیو مصر کے چھوٹے بھائی ہز ہائینس محمد علی پاشا سے ملنے گیا۔ محل میں اس رات بے شمار ملاقاتی جمع تھے۔ خاکسار نے......شاہی رجسٹر میں اپنا نام احمدیہ مشنری کے مبارک الفاظ کے ساتھ درج کر دیا۔

قصر بقعہء نور بن رہا تھا۔ مجھے میری باری پر اندر بلایا گیا۔ محمد علی پاشا ایک شکیل ووجیہ نوجوان ہیں۔ دروازے پر آپ کھڑے تھے۔ مَیں آپ کو پہچان نہ سکا۔ مَیں نے ان کو باڈی گارڈ کا افسر خیال کیا۔ مَیں آگے آگے تھا اور ہز ہائینس میرے پیچھے۔ مَیں جب ایک کمرے سے گزر گیا۔ دوسرے میں قدم رکھا تو مَیں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ مگر مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ تیسرے کمرے میں جا کر مَیں نے پوچھا ہز ہائینس کہاں ہیں؟ ہز ہائینس مسکرائے اور کہا کہ مَیں ہوں۔ مَیں شرمندہ ہوا۔ کمرے میں میرے ساتھ ابراہیم حسن انصاری بھی تھے۔ مَیں نے پاشا کو سلسلہ کا پیغام دیا۔ کتابیں پیش کیں۔ پاشا نے سن کر کہا کہ ”میں آج سے پہلے احمدیت کو تفصیل سے نہیں جانتا تھا۔ مگر مَیں نے ذکر سنا تھا۔ اور امریکہ میں سنا تھا کہ لوگ احمدی ہو رہے ہیں“۔

پھر کہا کہ: ”مَیں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ میرے دل میں سید احمد (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی بڑی عزت ہے۔ مَیں اس فرزند مشرق کی عزت کرتا ہوں جس کے سامنے یورپ و امریکہ جھکے۔ اور مَیں چاہتا ہوں کہ مشرق کا ہر فرزند اپنے ایسے فرزندوں کی عزت کرے خواہ ان کے عقائد کچھ ہی کیوں نہ ہوں“۔

ایک دشمن کی مجلس میں

۞......جہاں سینکڑوں مداح دیکھے۔ وہاں سینکڑوں دشمن بھی دیکھے دشمنوں کے گھروں

میں بھی میرے آقا کا ذکر ہوتا ہے۔اس میں بھی آپ کی ایک عظمت اور شان معلوم ہوتی ہے۔

محبّ الدین خطیب ہمارے سلسلہ کے ایک بڑے نامی گرامی دشمن ہیں۔ان سے ملنے کے لئے ہم چند دوست گئے۔وہ اپنے دفتر اور کتب خانہ میں موجود تھے۔آپ اخبار کے ایڈیٹر ہیں اور ہماری دشمنی میں خاص جوش رکھتے ہیں۔سلسلہ کا ذکر سن کر بولے:۔

’’میرا بس چلے تو مَیں توپوں اور مشین گنوں کو لے کر جاؤں اور احمدیوں کے مکانوں کو تباہ کر دوں،ان کا قتل عام کر دوں۔مرزا نے دنیا میں ایک ایسا فتنہ پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔مسلمانوں کو دو حصوں میں اس شخص نے تقسیم کر دیا۔آپ لوگوں کی مساعی حیرت انگیز ہیں۔کاش یہ کسی نیک کام کے لئے ہوتیں‘‘۔

اگرچہ بظاہر یہ الفاظ مذمت سے پُر ہیں۔لیکن اس سے بڑھ کر کوئی دشمن کیا مدح کرے گا۔اور میرے آقا کی عظمت کا کیا اعتراف کرے گا۔

(الحکم قادیان کا خاص نمبر۔مؤرخہ 28-21 مئی 1934ء جلد 37 نمبر 18,19 صفحہ 4-5)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفرِ یورپ اور بلادِ عربیہ میں نزول

1924ء میں انگلستان کی مشہور ویمبلے نمائش کے سلسلہ میں بعض انگریز معززین نے یہ تجویز کی کہ اس موقعہ پر لندن میں ایک مذاہب کی کانفرنس بھی منعقد کی جاوے جس میں برٹش ایمپائر کے مختلف مذاہب کے نمائندوں کو دعوت دی جاوے کہ وہ کانفرنس میں شریک ہوکر اپنے اپنے مذہب کے اصولوں پر روشنی ڈالیں۔ یہ دعوت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھی پہنچی اور کانفرنس کے منتظمین نے آپ سے استدعا کی کہ آپ خود تکلیف فرما کر کانفرنس میں شمولیت فرمائیں۔ چنانچہ آپ جماعت کے مشورہ کے بعد 12/جولائی 1924ء کو بمبئی سے روانہ ہوئے۔

اس سفر میں جہاں لندن میں حضورؓ نے اپنا معرکۃ الآراء خطاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' ارشاد فرمایا، وہاں 19/اکتوبر 1924ء کو مسجد فضل کا بھی سنگ بنیاد رکھا۔

(ماخوذ از سلسلہ احمدیہ صفحہ 374 تا 379)

فتح مصر کی بنیاد

اس سفر کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مناسب خیال فرمایا کہ رستہ میں مصر اور شام اور فلسطین میں بھی ہوتے جائیں۔ چنانچہ آپ نے ان ملکوں میں بھی تھوڑا تھوڑا قیام فرمایا اور وہاں کے عرب احمدیوں اور مختلف مشائخ اور لیڈروں کو شرف ملاقات بخشا۔ حضورؓ کا یہ سفر عربوں میں احمدیت کی تبلیغی مساعی کا ایک سنہری باب ہے لہذا یہاں پر اس سفر کے بلاد

عربیہ سے متعلقہ مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔اس سفر کے بیشتر حالات حضرت بھائی عبد الرحمٰن قادیانیؓ کی ڈائری سے ماخوذ ہے جواب ’’حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر یورپ‘‘ کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔

......22 ؍جولائی 1924ء کو حضورؓ کا جہاز عدن سے گزرتا ہوا پورٹ سعید کی طرف چلا۔ 24؍جولائی 1924ء کو حضورؓ نے شام و مصر میں تبلیغ سلسلہ پر کئی گھنٹے دوستوں سے مشورہ لیا اور ایک سکیم تجویز فرمائی اور دوستوں کو تاکید فرمائی کہ سفر کی اہمیت ، مقصد کی عظمت اور مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام وقت اس کی تیاری میں صرف ہونا چاہئے اور اس کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے۔

......25؍ جولائی کو گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان جہاز جدہ اور مکہ شریف کے سامنے سے گزرنے والا تھا۔ حضور نے ارادہ فرمایا کہ خاص طور پر دعا کی جائے۔ چنانچہ حضور نے دو رکعت نماز باجماعت پڑھائی جس میں بہت رقّت انگیز دعائیں کیں۔

مصر کے بارہ میں حضورؓ کی پیشگوئی

......پورٹ سعید پر اترنے کے بعد حضور مع خدام قاہرہ تشریف لے گئے اور شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کے مکان پر فروکش ہوئے۔ حضورؓ قیام مصر کی نسبت اپنے تاثرات وحالات خود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ہم قاہرہ میں صرف دو دن ٹھہرے......میرے نزدیک مصر مسلمانوں کا بچہ ہے جسے یورپ نے اپنے گھر میں پالا ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے بلاد اسلامیہ کے اخلاق کو خراب کرے۔ مگر میرا دل کہتا ہے اور جب سے مَیں نے قرآن کریم کو سمجھا ہے مَیں برابر اس کی بعض سورتوں سے استدلال کرتا ہوں اور اپنے شاگردوں کو کہتا چلا آیا ہوں کہ یورپین فوقیت کی تباہی مصر سے وابستہ ہے اور اب میں اس بناء پر کہتا ہوں......مصر جب خدا تعالیٰ کی تربیت میں آجائے گا تو وہ اسی طرح یورپین تہذیب کے مخرب اخلاق حصوں کو توڑنے میں کامیاب ہوگا جس طرح حضرت موسیٰ فرعون کی تباہی میں۔ بے شک اس وقت یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر جو زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے۔مَیں نے قاہرہ پہنچتے ہی......اس بات کا اندازہ لگا کر کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ ساتھیوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اخبارات وجرائد

کے مدیروں کے ملنے میں مشغول ہوا، اور دوسرا پاسپورٹوں اور ڈاک کے متعلق کام میں لگ گیا، تیسرا سفر کی بعض ضرورتوں کو مہیا کرنے میں...... یہ علاقے تبلیغ کے لئے روپیہ چاہتے ہیں مگر اسی طرح جب ان میں تبلیغ کامیاب ہو جائے تو اشاعت اسلام کے لئے ان سے مدد بھی کچھ مل سکتی ہے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ میں نے بعض دوستوں کو اخبارات کے ایڈیٹروں کے پاس ملنے کے لئے بھیجا تھا...... جن اخبار نویسوں سے ہمارے دوست ملے انہوں نے آئندہ ہر طرح مدد دینے کا وعدہ کیا''۔

الأزہر کی خلافت کمیٹی سے ملاقات

❁......حضورؓ فرماتے ہیں:

''جامعہ الازہر کے ماتحت جو خلافت کمیٹی بنی ہے اور جس کا منشاء یہ ہے کہ آئندہ سال مارچ میں ایک عظیم الشان جلسہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا کر کے اس میں یہ فیصلہ کرے کہ کون شخص خلیفہ ہونا چاہیئے، اس انجمن کے پریذیڈنٹ اور سیکرٹری اور بعض اور دوسرے لوگ ملنے کے لئے آئے اور خلافت کے متعلق تذکرہ کرتے رہے''۔

مصر کے ایک مشہور صوفی

❁......''اس کے بعد مصر کے ایک مشہور صوفی سید ابوالعزائم صاحب ملنے کے لئے آئے۔ یہ صاحب بہت بڑے پیر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ ان کے مرید ہیں۔ علاوہ ان لوگوں کے دو اور معزز آدمی بھی ملنے کے لئے آئے لیکن افسوس کہ بوجہ باہر ہونے کے مجھے ان سے ملنے کا موقعہ نہ ملا۔ ان میں سے ایک تو ترکی رئیس تھے دوسرے صاحب ایک وکیل تھے۔ ان کے گھر پر بھی مَیں نے اپنے بعض ساتھیوں کو بھیجا۔ انہوں نے مصریوں کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کی خواہش کی کہ مصر میں احمدیہ مشن کو مضبوط کیا جائے اور یورپ کو مسلمان بنانے کی بجائے مصر کو یورپ کے پیچھے جانے سے بچانے کی کوشش پر زور دیا جائے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر واپسی پر مصر میں قیام کا موقع ملے تو مَیں اپنے دوستوں کو جمع کر کے آپ کے امام کو دعوت دوں گا اور ہم لوگ مل کر اسلامی روح کی مصر میں اشاعت کی کوشش کریں گے۔ اور یہ بھی کہا کہ مَیں احمدیت کے مسائل سے بہت

متفق ہو چکا ہوں۔ غالبًا آپ لوگوں کی ولایت سے واپسی تک مَیں بیعت میں شامل ہو جاؤں گا۔ چونکہ گرمی کا موسم ہے، تمام عمائد اور علماء ملک کے ٹھنڈے علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں۔اس لئے اور زیادہ لوگوں سے ملنے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا‘‘۔

مصر کے احمدی

❁ ......’’مجھے جو مصر میں سب سے زیادہ خوشی ہوئی وہ وہاں کے احمدیوں کی ملاقات کے نتیجہ میں تھی۔تین مصری احمدی مجھے ملے اور تینوں نہایت ہی مخلص تھے۔دو ازہر کے تعلیم یافتہ اور ایک علوم جدیدہ کی تعلیم کی تحصیل کرنے والے دوست۔تینوں نہایت ہی مخلص اور جوشیلے تھے۔اور ان کے اخلاص اور جوش کی کیفیت کو دیکھ کر دل رقّت سے بھر جاتا تھا۔تینوں نے نہایت دردِدل سے اس بات کی خواہش کی کہ مصر کے کام کو مضبوط کیا جائے‘‘۔

ایک مصلح کے امیدوار بدوی

❁ ......’’ایک بات عجیب طور پر وہاں معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ قاہرہ کے اردگرد کے بدوی علاقے نہایت ہی تڑپ کے ساتھ ایک مصلح کے امیدوار ہیں۔بعض لوگوں نے جب سلسلہ کے حالات سنے تو خواہش کی کہ اگر ہمارے علاقہ میں کوئی آدمی پندرہ بیس روز بھی آ کر رہے تو ہزاروں آدمی سلسلہ میں داخل ہونے کو تیار ہیں‘‘۔

حضورؓ کی ایک اور پیشگوئی اور اس کا پورا ہونا

❁ ......’’قاہرہ میں دو دن کے قیام کے بعد حضورؓ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضور نے دو روز تک قیام فرمایا جس میں وہاں پر موجود حضرت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی قبور اور بعض دیگر مقامات کی زیارت کی۔القدس کے مفتی نے حضورؓ کے اعزاز میں چائے کی دعوت دی جس میں قاضئ شہر اور معززین نے بھی شرکت کی۔اس مجلس میں تمام باتیں فصیح عربی زبان میں ہوئیں۔مفتی صاحب نے حیران ہوکر حضور سے دریافت کیا کہ آپ نے عربی زبان کہاں سے سیکھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے امام بانئ سلسلہ احمدیہ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم قرآن کی زبان

کو زندہ رکھیں اور اسے اپنی دوسری زبان بنا لیں کیونکہ اس میں امت مسلمہ کے اتحاد کا راز پنہاں ہے۔قادیان میں ایک مدرسہ علوم عربیہ کی ترویج کے لئے قائم ہے۔پھر حضور نے عربی زبان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مصر آنے اور حج کے مختلف حالات بیان فرمائے۔

حضور کے اس دورہ کو یہاں کے لوکل اخبارات نے بھرپور کوریج دی۔ یہاں حضور سے بعض بڑے بڑے مسلمان لیڈروں نے بھی ملاقات کی،اس کے بارہ میں حضور فرماتے ہیں:

''وہاں کے بڑے بڑے مسلمانوں سے مَیں ملا ہوں مَیں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔قرآن شریف کی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔پس میرے نزدیک مسلمان رؤساء کا یہ اطمینان بالآخر ان کی تباہی کا موجب ہوگا''۔

(تاریخ احمدیت ج ۴ ص ۴۴۷ تا ۴۴۸۔انوار العلوم ج ۸ دورہ یورپ)

قارئینِ کرام! ان الفاظ کی شوکت پر غور کیجئے۔

قریباً بیس سال بعد اسرائیل کی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور اس کے بعد حقیقتاً مسلمان دنیا کا اطمینان وسکون تباہ ہو گیا اور خطرات نے آج تک ان کو گھیرا ہوا ہے۔

ایک پیاسی اور مستعد روح

چند سطور قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زبانی ایک صوفی بزرگ ابوالعزائم کا ذکر گزرا ہے۔وہ جب حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ تشریف لائے اور انکی حضورؓ سے ملاقات ہوئی جس کا حال حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

سید ابوالعزائم کی ملاقات اور اس کا حضور کے کلام سے وجد میں آجانا اور یا سیدی اور امامنا اور صدقتَ وَ آمنتُ کر کے اظہار اخلاص کرنا کوئی معمولی بات نہیں- وہ بہت بڑا صاحب اثر عالم باعمل مانا گیا ہے حتّٰی کہ بادشاہ وقت تک کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ہے-

پھر صرف تنہائی اور علیٰحدگی میں اگر وہ ایسا اظہار کرتا تو بھی کچھ شبہ اور شک کی بات باقی تھی مگر اس نے تو علیٰ رؤس الاشہاد اپنے خاص شاگردوں اور مریدوں میں جن کی تعداد ٹھیک 9 کس تھی اور واقع میں وہ بڑے علماء بھی تھے۔ بعض انگریزی خوان تھے کیونکہ ان میں سے ایک نے خان صاحب سے انگریزی میں باتیں کرکے ان کا ترجمہ اس کا سنایا۔ ان سب کے سامنے اس نے ایمان لانے کا اظہار کیا اور کہا کہ میں حضرت امامنا پر ایمان لاتا ہوں تم گواہ رہو۔ تم اگر ڈرو اور نہ مانو تو تمہاری مرضی ورنہ میں نے مانا اور قبول کیا کہ یہ سب کلام حق ہے۔ اس کلام میں کھول کر سنا دیا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب ہے کہ مسیحؑ ناصری وفات پا چکے ہیں وغیرہ وغیرہ اور دوسرے تمام خصوصی عقائد بھی پہونچا دیئے تھے۔

(از دورۂ یورپ)

وضاحت کے لئے عرض ہے کہ انکا پورا نام محمد ماضی ابوالعزائم ہے۔ آپ کا نسب حضرت عبدالقادر جیلانی اور آخر میں حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب سے ملتا ہے۔ آپ مصر کے شہر ''رشید'' میں 1869 میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم حفظ کیا اور علوم حدیث وفلسفہ اور تصوف میں گہرا مطالعہ کیا اور ملکہ حاصل کیا۔ خرطوم یونیورسٹی کے شریعت کالج میں بطور استاد بھی کام کیا۔ آپ نے متعدد کتب بھی تصنیف کیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: معارج المقربين، هداية السالك إلى علم المناسك، الفرقة الناجية، السراج الوهاج في الإسراء والمعراج، وسائل إظهار الحق، المفاهيم في الميزان وغیرہ۔ آپ نے 1937 میں 68 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ صوفیوں کے سلسلہ کے امام سمجھے جاتے ہیں بلکہ آپ کے اتباع آج آپ کو مجدد اور امام حق وغیرہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی اور افکار وغیرہ پر فلم بھی بنائی گئی ہے نیز کئی ویب سائٹس پر آپ کی کتب اور آپ کی سیرت ونظریات وخیالات کو نشر کیا گیا ہے۔

اس صوفی بزرگ نے صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سامنے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کا اقرار نہیں کیا تھا بلکہ جب مکرم محمود عرفانی صاحب مصر میں اپنے قیام کے دوران ان سے ملنے گئے تو ان سے ملاقات کا حال ان الفاظ میں لکھا:

"قاہرہ کے پرانے حصہ میں پیچ در پیچ گلیوں میں ایک بڑا مکان ہے جو کسی زمانے میں بہت بڑا محل ہوگا۔ اس محل میں ایک بہت بڑا صوفی (جس کے ہزارہا مرید ہیں اور مرید اپنے

پیر کے پروانے ہیں) رہتا ہے۔آپ کا نام صوفی سید محمد ماضی ابوالعزائم ہے۔عالم اسلامی میں آپ کو ایک خاص شہرت حاصل ہے۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ مَیں ان اندھیری گلیوں میں گزرتے ہوئے اس بڑے مکان میں داخل ہوا اور مکان کے اونچے نیچے صحن سے گزر کر ایک بڑے ہال میں پہنچا جہاں اس کے مرید ذکر کی محفل گرم کئے ہوئے تھے۔مَیں نے صوفی صاحب کے متعلق دریافت کیا۔معلوم ہوا کہ اندر کے کمرے میں بیٹھے ہیں۔آپ ایک بڑی آرام دہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔مریدوں کا حلقہ گرد تھا۔روشنی دھیمی تھی۔کوئی ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔مگر مجھے آپ نے ہمیشہ اپنے قرب میں اور ساتھ بیٹھنے کا شرف دیا۔مجھے دیکھ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا کہ:

’’اسلام میں سخت قحط الرجال ہے۔آج اگر سید احمد (یعنی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ہوتے تو مَیں ان کے جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیتا۔لوگوں نے ان کی حقیقت کو نہیں جانا اور بڑا ظلم کیا ہے‘‘۔

(الحکم قادیان کا خاص نمبر۔مؤرخہ 28-21 مئی 1934ء جلد 37 نمبر 18,19)

بیت المقدس میں

حضرت مصلح موعودؓ اپنے وفد کے ساتھ مصر سے بذریعہ ریل یکم اگست 1924 کو بیت المقدس سٹیشن پر پہنچے جہاں ایک مجاور خوش وضع مولوی قطع جبہ پوش جس کو کسی طرح سے حضور کا نام پہنچ گیا تھا (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد) ایک کاغذ پر لکھا ہوا لئے پوچھتا پھرتا تھا- آخر تلاش کر کے ملا اور عرض معروض کرتا رہا کہ حضور میرے غریب خانہ پر ٹھہریں میں خدمت کرنا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ-مگر حضور یروشلم کے نیو گرانڈ ہوٹل میں فروکش ہوئے- کھانے اور نمازوں سے فارغ ہو کر حضور موٹر کے ذریعہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی قبر پر تشریف لے گئے جو اس جگہ سے 25 میل کے فاصلہ پر واقع ہے جہاں حضرت اسحاقؑ، حضرت سارہ، حضرت اسحاقؑ کی بیویوں کی اور حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کی قبور ہیں اور وہاں مسجد بھی ہے-حضور نے حضرت ابراہیمؑ کے مقبرہ پر لمبی دعائیں کیں۔حضور شام کی نماز کے بعد یہاں سے واپس تشریف لائے۔

القدس کی زیارت

بیت المقدس کو یروشلم، القدس، یا صرف قدس بھی کہا جاتا ہے اور مقامی طور پر اس مقام کو حرم شریف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حرم شریف کے اندر مختلف مقامات حضور کو دکھائے گئے- وہ صخرہ (پتھر) بھی دیکھا جس پر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور دوسرے تمام انبیاء نے قربانیاں کیں نیز وہ تمام باتیں حضور کو بتائی گئیں جو بطور روایات اس مقام سے متعلق چلی آ رہی ہیں-حضور نے حنفی مصلّی پر دو رکعت نماز ادا کر کے لمبی دعائیں کیں-

مفتی بیت المقدس کی حضور سے ملاقات

2/اگست کو مفتی بیت المقدس کے مکان پر حضور کی چائے کے لئے دعوت تھی جو یہاں کی سپریم کونسل کا صدر ہے- چائے پر بڑے بڑے آدمی مدعو تھے چائے پر مذہبی گفتگو اور سلسلہ کے حالات پر بھی بحث رہی-

عیسیٰ علیہ السلام کی یادگاریں

القدس میں قیام کے دوران حضور انور اس مقام کو دیکھنے کے لئے بھی تشریف لے گئے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطور ملزم پیش کیا گیا تھا اور جہاں ان پر فردِ جرم لگایا گیا اور جہاں ان کو فیصلہ سنایا گیا تھا اور جہاں پیلاطوس نے ان کے خون سے بریت کے اظہار کے لئے ہاتھ دھوئے تھے۔ علاوہ ازیں حضور نے اس مقام کو بھی دیکھا جہاں حضرت عیسیٰ نے اپنی صلیب آپ اُٹھائی تھی اور چودہ مقامات پر بے ہوش ہو ہو کر کھڑے ہوتے تھے اور پھر گر جاتے تھے اور جہاں ان کی ماں ان کو ملنے آئی اور جہاں آخر ان کو صلیب دیا گیا تھا ان کا لاشہ رکھ کر معطر کیا گیا تھا نیز وہ قبر بھی دیکھی جس میں تین دن رہے تھے اور وہ پتھر بھی دیکھا جو قبر کے دروازہ سے ہٹایا گیا تھا۔ وہ ابھی تک وہاں کھڑا کیا ہوا ہے۔

حیفا میں ورود

4/اگست کو حضور انور معہ وفد حیفا کے سٹیشن پر پہنچے- حضور گرانڈ ہوٹل نصّار میں تشریف

لے گئے جو سمندر کے کنارے بہت ہی خوبصورت مقام پر واقع تھا۔

❁......صبح ناشتہ وغیرہ کے بعد گھوڑا گاڑیوں پر بیٹھ کر شہر کی سیر کو نکلے۔حضور کی گاڑی کا ڈرائیور پڑھا لکھا بلکہ مولوی آدمی تھا- حضور نے اس کو تبلیغ شروع کر دی اور وہ خاصے سوال وجواب کرتا رہا۔

❁......تھوڑی دور جا کر حیفا کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی کوٹھی آ گئی حضرت صاحب نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو اس سے ملاقات کرنے کو بھیجا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اچھا خلیق آدمی تھا- محبت اور اخلاق سے پیش آیا اور حضرت کا نام سن کر کہا کہ سفر لمبا ہے راستہ میں شاید کوئی سامان نہ ملے لہٰذا میں کچھ فروٹ منگا تا ہوں آپ میری طرف سے ہز ہولی نس (His Holiness) کے پیش کر دیں سفر میں آرام ہو گا مگر مولوی صاحب نے شکریہ کے ساتھ معذرت کی۔

❁......ایک مقام پر ایک مکان کے اوپر لکھا ہوا تھا ''عبدالبھاء عباس''۔حضرت اقدس کو چونکہ رات ہی رپورٹ پہنچ چکی تھی کہ حیفا میں بہائی لوگ موجود ہیں اور یہ کہ شوقی آفندی جو اس وقت بہائیوں کے ایک حصہ کا خلیفہ مانا جاتا ہے وہ عکّہ سے نکل کر حیفا میں آ گیا ہے اس لئے حضرت کے حکم سے مولوی عبدالرحیم صاحب درد، صاحبزادہ حضرت میاں صاحب سلّمہٗ ربّہٗ اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب شوقی کے مکان پر گئے- ان کے نوکر سے معلوم کیا- نوکر نے بتایا کہ شوقی آفندی یہاں موجود نہیں سوئٹزرلینڈ میں گیا ہوا ہے اور کہ اس کا باپ یہاں موجود ہے اس کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔ اتنے میں دو چار چھوٹے چھوٹے بچے اور ایک لڑکی پندرہ سولہ برس کی آ گئے اور محبت سے ملنے لگے- ان میں ایک لڑکا شوقی صاحب کا بھائی اور دوسرا سالا تھا- جب شوقی آفندی کا والد کچھ انتظار کے بعد باہر نہ آیا تو احباب واپس آ گئے۔لیکن بعد میں شاید جب شوقی صاحب کے والد کو علم ہوا کہ یہ کون لوگ تھے تو وہ جلدی جلدی ملاقات کرنے کو سٹیشن پر آیا مگر حضرت اقدس چونکہ پہلے ہوٹل کو گئے ہوئے تھے جہاں سے سامان لیا اور پھر سٹیشن پر تشریف لائے لہٰذا شوقی صاحب کے والد صاحب مولوی عبدالرحیم صاحب درد سے ملے اور پوچھا کہ کیا آپ ہمارے مکان پر گئے تھے؟ مولوی صاحب نے کہا ہاں مگر کوئی بات نہ ہو سکی کیونکہ گاڑی چلنے میں بہت تھوڑا وقت تھا بمشکل سامان پہنچا کر ٹکٹ لیا گیا- اور وفد گاڑی پر سوار ہو کر جلدی حیفا سے رخصت ہو گیا۔

بیت المقدس سے دمشق تک

5/اگست 1924ء کی شام حضور انور کا اپنے قافلہ کے ساتھ دمشق میں ورود مسعود ہوا۔ اگلی صبح حضور انور نے اہل دمشق کے نام ایک پیغام لکھنا شروع کیا جو حضور کی تحریر کے مطابق فل سکیپ کاغذ کے 16 کالموں پر حضور نے ختم فرمایا۔ فارم بیعت بھی ساتھ لگایا اور شیخ صاحب مصری کو ترجمہ کرنے کی غرض سے دیا۔ یہ پیغام کمپوز ہو کر چھپنے کے لئے پریس میں ارسال کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے طبع کروانے کیلئے پہلے پریس برانچ کے افسروں سے اجازت لینی لازمی ہے۔ حضور نے دمشق کے گورنر حقی بیگ کے پاس جا کر معاملہ عرض کرنے کا حکم دیا۔ حقی بیگ نے کہا کہ مفتی صاحب اجازت دیں گے تب شائع ہو سکے گا۔ مفتی صاحب نے دیکھ کر کہا مضمون مذہبی ہے مگر میں اس کو دو تین دن میں پڑھ سکوں گا اور پڑھنے کے بعد فیصلہ دوں گا۔ بہر حال اسے پڑھ کر مفتی نے کہا کہ یہ ہمارے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے لہٰذا اس کی اشاعت کی میں اجازت نہیں دوں گا۔ گورنر حقی بیگ (پاشا) نے بھی آخر کہہ دیا کہ میں کیا کر سکتا ہوں جب مفتی جو اس صیغہ کا افسر ہے اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دیتا کچھ ہو نہیں سکتا حتّٰی کہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس صورت میں اخبارات میں بھی اس مضمون کی اشاعت ناممکن ہے۔ یوں یہ پیغام چھپ کر تقسیم نہ ہو سکا۔

ہم حق کو لے کر دنیا میں نکلے ہیں

6/اگست 1924ء کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد کے ایک بزرگ حضور کی ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ دمشق کے افسر خزانہ اور دو ایک اور سرکاری عہدے دار بھی حاضر تھے۔ حضور نے ملاقات سنترال ہوٹل کے بالائی منزل کے ڈرائینگ روم کے جنوبی حصہ میں سیڑھیوں سے جانب غرب بیٹھ کر کی۔ ان لوگوں نے بہت ہی شریفانہ طریق سے سوالات کئے اور جواب پا کر ادب اور احترام سے قبول کرتے رہے۔ سلسلہ گفتگو قریب نصف گھنٹہ جاری رہا۔ انہوں نے پھر پوچھا اور عرض کیا کہ کہ آپ نے ہمارے ممالک عربیہ میں کیوں مبشّر نہیں بھیجے اور کیوں جرائد اور مجلّات جاری نہیں کئے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ جلدی ہی یہاں مبشّر بھیج دوں اور مبشّرین کے آنے پر انشاء اللہ جرائد اور مجلّات بھی

جاری کر دیئے جائیں گے اور ہمیں اللہ کے فضل سے یقین اور امید قوی ہے کہ جلد تر ان علاقہ جات میں جماعتیں ہمارے ساتھ مل جائیں گی کیونکہ حق ہمارے ساتھ ہے اور ہم حق کو لے کر دنیا میں نکلے ہیں وغیرہ۔اس پر ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ جلدی یہاں مبشّر بھیجیں۔ ہم لوگوں میں ایک بڑی جماعت ہے جو آپ کی جماعت میں شامل ہونے کے لئے تیار و آمادہ ہے جو حق کی پیاسی اور صداقت کی بھوکی ہے۔ یہ بات ایسی سنجیدگی اور متانت سے ان لوگوں نے کہی کہ اس میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ انہوں نے مذاق کیا ہو یا مبالغہ آمیز بات کی ہو۔

مولوی عبدالقادر المغربی

شیخ عبدالقادر المغربی چوٹی کے ادباء میں سے تھے۔حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے علامہ شیخ المغربی سے ان کے علمی، ادبی اور دینی مزاج کی مناسبت سے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔آپ کی ان سے پہلی ملاقات 1916 میں ہوئی۔ایک دفعہ علامہ المغربی نے حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب سے کہا کہ آیئے ہم دونوں تصویر بنوائیں اور دوستی کا اقرار قرآن مجید پر ہاتھ رکھتے ہوئے کیا۔ (تاریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 417-418)

اسی دوستی کی وجہ سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی دمشق آمد پر مولوی عبدالقادر صاحب بھی آپ سے ملنے آگئے جو نہایت ہی جوشیلے اور نیچری خیالات کے آدمی تھے۔ان کے آتے ہی پہلی پارٹی اُٹھ کر چلی گئی صرف سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد کے بزرگ صاحب بیٹھے رہے جو معلوم ہوتا ہے کہ سنجیدہ اور صاحب رسوخ آدمی تھے کیونکہ جو بھی آتا تھا ان کو ادب اور احترام سے سلام کرتا تھا۔ یہ صاحب اول سے آخر تک جماعتی خیالات کی بہت ہی تائید کرتے رہے اور سمجھدار آدمی تھے۔

مولوی عبدالقادر صاحب کی باتوں کا طرز جوشیلہ اور بحث کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ بہت سے سوالات کے جواب پا کر اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگ عرب ہیں۔ اہل زبان ہیں۔ قرآن کو خوب سمجھتے ہیں ہم سے بڑھ کر کون قرآن کو سمجھے گا وغیرہ۔اس پر حضور نے اس کو کسی قدر سختی سے جواب دیا اور فرمایا کہ تم کون ہو۔تم شامی لوگ لغت قرآن کو بالکل نہیں جانتے۔ تمہاری زبان قرآن کی زبان نہیں۔تم لوگ بھی اسی طرح سے لغت کے محتاج ہو جس طرح سے ہم ہیں۔قرآن خدا نے ہمیں سکھایا ہے اور سمجھایا ہے۔ ہماری زبان باوجودیکہ ہم لوگ اردو

میں گفتگو کرنے کا محاورہ رکھتے ہیں اور عربی میں بولنے کا ہمیں موقع نہیں ملتا تم سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہے وغیرہ وغیرہ۔ حضور نے بڑے جوش سے عربی میں ایسی فصیح گفتگو فرمائی کہ وہ سید صاحب بھی مولوی عبدالقادر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ واقع میں ان کی زبان ہم لوگوں سے زیادہ فصیح ہے۔ اس پر مولوی عبدالقادر نے کچھ نرمی اختیار کی اور پھر ادب سے گفتگو کرنے لگا۔ حضرت صاحب نے ان کو بتایا کہ ہم لوگ تو قادیان میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی عربی زبان سکھاتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ عربی زبان ہماری ثانوی زبان ہو جائے چنانچہ اس غرض کے لئے اب حضور نے یہ ارادہ فرمالیا ہے کہ ان عربوں اور شامیوں اور مصریوں کے اس گھمنڈ کو توڑ دیا جائے کہ جب کبھی کوئی عرب، شامی، مصری قادیان جاوے تو ہمارے سقّے اور دھوبی تک ان سے پوچھا کریں کہ کیا تم کو عربی بولنی آتی ہے؟ اور فرمایا کہ ہمارے دوستوں کو چاہئیے عربی عورتوں سے شادی کریں اور عربی زبان کی ترویج کریں۔

مولوی عبدالقادر صاحب سے ختم نبوت اور نبوت حضرت مسیح موعودؑ پر بھی گفتگو رہی اور حضور نے جب قرآن نکال کر بعض آیات پیش کیں تو کہہ اُٹھا کہ قرآن ہاتھ میں لے کر بات کر دینے سے بھی کوئی مسئلہ حل ہوسکتا ہے؟ کوئی تفسیر ہو (غالباً معالم التنزیل کا نام لیا تھا) جب اس نے تفسیر کا نام لیا تو حضرت صاحب نے اس کو بہت جھنجھوڑا اور فرمایا کہ تم لوگ اس علم پر گھمنڈ رکھتے ہوا ور اتنے بڑے دعوے کرتے ہو کہ تم عرب اور اہلِ زبان ہو تفاسیر کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ کیا ہم قرآن سمجھنے کے لئے ان تفاسیر کے محتاج ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کو اپنی فصاحت بھی بھول گئی اور دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے بولا شُفْ یہ کیا کہتے ہیں۔ ایسی بے چارگی اور حیرت سے اس نے شُف کا لفظ بولا کہ اس پر رحم آتا تھا۔ آخر بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ سر سے پگڑی تین مرتبہ اس نے اُتاری اور پسینہ سکھانے کی کوشش کی۔

اس نے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں میں زبان کی غلطیاں ہیں۔ اس کا بھی جواب حضور نے خوب دیا اور فرمایا کہ تم میں اگر کچھ طاقت ہے تو اب بھی ان اغلاط کا اعلان کر دو یا ان کتب کا جواب لکھ کر شائع کر دو مگر یاد رکھو کہ تم ہرگز نہ کر سکو گے اگر قلم اُٹھاؤ گے تو تمہاری طاقتِ تحریر سلب کر لی جاوے گی۔ تجربہ کر کے دیکھ لو وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں پر اب اس نے منت سماجت شروع کی کہ آپ ان دعووں کو عرب، مصر اور شام میں نہ پھیلائیں اس سے اختلاف بڑھتا ہے اور اختلاف اس وقت ہمارے لئے سخت نقصان دہ

ہے- وہابیوں نے پہلے ہی سخت صدمہ پہنچایا ہے- آپ بلاد یورپ، امریکہ اور افریقہ کے کفار اور نصاریٰ میں تبلیغ کریں، مبشّر بھیجیں لیکن یہاں ہرگز ان عقائد کا نام نہ لیں خدا کے واسطے- اَنَا اَرْجُوکُم یا سیّدی- کبھی بوسہ دے کر کبھی ہاتھوں کو لپیٹ کر غرض ہر رنگ میں بار بار منت کرتا تھا کہ خدا کے واسطے ان علاقہ جات میں سیدنا احمد کی تعلیمات کا اعلان نہ کریں اور نہ مبشّر بھیجیں وغیرہ وغیرہ- ہم جانتے ہیں کہ وہ اچھے آدمی تھے- اسلام کے لئے غیور تھے مگر ان کی نبوت اور رسالت کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے صرف لا الہ الا اللہ پر لوگوں کو جمع کریں۔

حضرت نے ان باتوں کا جواب بلند آواز اور پُرشوکت لہجہ میں دیا کہ اگر یہ منصوبہ ہمارا ہوتا تو ہم چھوڑ دیتے مگر یہ خدا کا حکم ہے اس میں ہمارا اور سیدنا احمد رسول اللہ کا کوئی دخل نہیں- خدا کا یہ حکم ہے ہم پہنچائیں گے اور ضرور پہنچائیں گے- لَنْ نَبْرَحَ الْاَرْضَ کا قول ہمارا بھی قول ہے- آپ مشکلات اور مصائب سے ہمیں ڈراتے ہیں- مخالفت کا خوف دلاتے ہیں ہم ہرگز پرواہ نہیں کرتے خواہ ساری دنیا مخالفت پر کھڑی ہو جائے- ایشیا، یورپ، امریکہ اور افریقہ سب مخالف ہوں تب بھی ہم حق پہنچائیں گے خواہ قتل بھی کئے جائیں- کابل نے آخر ہمارے آدمی قتل کئے مگر ہم نے تبلیغ نہیں چھوڑی اور نہ چھوڑیں گے- تم زیادہ جانتے ہو یا خدا زیادہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کے مفادات کس بات میں ہیں- خدا نے مسلمانوں کی بہتری اور اصلاح کی غرض سے جو راہ اختیار کیا ہے بہر حال وہی درست ہے- تم مانو تو بھلا ہو گا، نہ مانو گے تو ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا- تم نہ مانو گے تو دیکھ لینا تمہاری آنکھوں کے سامنے ہزاروں کی تعداد میں اللہ تعالیٰ اس ملک میں جماعت دے گا اور ضرور دے گا- تم لوگوں کی مخالفت اور دشمنی حقیقت ہی کیا رکھتی ہے وغیرہ - الغرض بڑے ہی جوش کی تقریر تھی- اس تقریر پر وہ مولوی عبدالقادر بہت ٹھنڈا ہوا اور کہا کہ آپ کے استقلال اور اولوالعزمی کا میں اعتراف کرتا ہوں- اللہ تعالیٰ مبارک کرے مگر ان خیالات کو ہمارے ملک میں نہ پھیلائیں اور نہ ذکر کریں- آخر اُٹھ کر چلا گیا اور ایک کونہ میں دوسرے لوگوں سے باتیں کرنے لگا-

باوجود اس بحث اور جھگڑے کے طریق ادب کو اس نے نہ چھوڑا اور یا سیدی اور سیدنا حضرت احمد قادیانی کے الفاظ سے ہی بولتا اور کلام کرتا رہا- اس کا لہجہ سخت تھا مگر باادب- آخر اس نے درخواست کی کہ جامع امویہ حضور ضرور دیکھیں۔

دمشق کی فتح کا مصمّم ارادہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

’’جب مَیں دمشق گیا تو عبدالقادر مغربی جو اس علاقہ کی اسلامی تحریکات کی مجلس کے صدر تھے مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور باتوں باتوں میں کہنے لگے ہندوستانی لوگ جاہل ہیں وہ اسلام اور قرآن سے ناواقف ہیں۔اور اس ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر آپ نے ان لوگوں میں اپنے سلسلہ کو پھیلا لیا۔عرب لوگ قرآن کی بولی جانتے ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام اور قرآن کیا کہتا ہے۔ اس لئے یہاں ان عقائد کا ہرگز نام نہ لیں اور یاد رکھیں کہ ایک عرب بھی آپ کے سلسلہ کو قبول نہیں کرسکتا۔ میں نے ان سے کہا آپ کہتے ہیں کہ ہندوستانی لوگ کیونکہ جاہل ہیں اس لئے ان میں ہمارا سلسلہ پھیل گیا۔عرب کا کوئی آدمی ہمارے سلسلہ کو قبول نہیں کر سکتا۔ میں یہاں سے جاتے ہی اپنا مشن بھیجوں گا اور اسوقت تک اس علاقے کو نہیں چھوڑوں گا جب تک عربوں میں سے کئی لوگوں کو احمدی نہ بنا لوں۔ چنانچہ میں نے آتے ہی اپنے مبلغین کو اس علاقہ میں بھجوا دیا اور اب بڑے بڑے ڈاکٹر، بیرسٹر اور تعلیم یافتہ اشخاص ہمارے سلسلہ میں داخل ہوچکے ہیں۔اور ہزاروں روپیہ وہ اسلام اور احمدیت کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔

پس یہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا انکار کرے اور انکار کرتی چلی جائے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جسے خدا نے بھیجا ہے اس پر لوگ ایمان نہ لائیں۔مگر مبارک ہیں وہ جو اب ایمان لاتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو خدا کی آواز کو سنتے اور اس پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کیونکہ جو شخص خدا کے مأمور کی آواز کو سنتا ہے وہ درحقیقت خدا کی آواز کو سنتا ہے۔اور جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی آواز کو ردّ کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی آواز کو ردّ کرتا ہے‘‘۔

(انوار العلوم جلد 17 صفحہ 175)

جامع اموی

دمشق میں قیام کے دوران حضور انور جامع اموی کی زیارت کو تشریف لے گئے- بازاروں میں کثرت ہجوم میں سے حضور کا گزرنا تمام لوگوں کی توجہ کو کھینچتا تھا اور اکثر لوگ تعارف چاہتے تھے- جمعہ کا دن تھا نماز جمعہ کے واسطے دیہاتی لوگ اور ثواب کے

خواہشمند نماز جمعہ کے انتظار کیلئے مسجد میں جمع تھے۔مسجد کے وسط میں ایک حجرہ کے اندر ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت یحییٰ نبی کی قبر ہے حضور زیارت کریں گے؟

حضور نے فرمایا کہ ہم اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتے - یہ بات صحیح نہیں کہ یہاں حضرت یحییٰ نبی کی قبر ہے وہ تو القدس میں فوت ہوئے اور وہیں ان کی قبر ہے۔بعض لوگوں نے اَور ایسی ہی روایات کی طرف حضور کو متوجہ کرنا چاہا مگر حضور نے پسند نہ فرمایا اور مسجد کے اندر کے حصہ میں سے گزرتے ہوئے مغرب سے مشرق کی جانب تشریف لے گئے اور وسعت کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں یقیناً صحابہؓ نے نمازیں پڑھیں ہیں۔مسجد کی عمارت اور وسعت سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں کس قدر لوگ نماز کے پابند تھے۔حضور نے اندازہ کرایا تو معلوم ہوا کم از کم تین سو آدمی ایک صف میں کھڑا ہوسکتا ہے اور بیس سے زیادہ صفوف مسجد کے تینوں حصوں میں کھڑی ہوسکتی ہیں یعنی چھ یا سات ہزار آدمی مسجد کے اندر نماز ادا کر سکتا ہے اور اسی قدر صحن میں گویا قریباً پندرہ ہزار آدمی ایک وقت میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

مسجد کے دو مینار تھے، شمالی مینار پر اذان کہی جاتی ہے اور دوسرا جو مشرقی جانب تھا بالکل بند پڑا تھا اس پر چڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ اس کو حضرت مسیحؑ کے نازل ہونے کے واسطے ریزرو رکھا ہوا ہے۔تاہم مسجد کا کوئی مینار سفید نہ تھا بلکہ دونوں ہی رنگ دار اور سرخی مائل تھے۔

منارۂ بیضاء

دمشق پہنچنے پر حضور کا منشا تھا کہ کسی معزز اور آباد حصہ شہر میں بہت شریفانہ مقام پر کوئی جائے قیام مل جائے اور اس منشا کے ادا کرنے کی غرض سے شہر کے قریباً تمام مقامات پر کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ خدیویہ ہوٹل میں جگہ نہ تھی۔ سنترال ہوٹل حضور کے مناسب حال نہ تھا۔علیحدگی نہ تھی۔ آخر جب کوئی صورت نہ بنی تو اس خیال سے کہ صرف ایک دن گزارنے کے لئے یہاں ٹھہر جائیں حضور ٹھہر گئے۔ اُمید یہ تھی کہ خدیویہ ہوٹل جو نسبتاً زیادہ صاف ہے اس میں جگہ مل جاوے گی جیسا کہ اس کے مینجر نے وعدہ بھی کیا تھا مگر کوئی جگہ خالی نہ ہوسکی اور معلوم ہوا کہ تمام ہوٹل بھرپور ہیں اور مسافر زیادہ آرہے ہیں۔

آخر مجبوراً اسی سنترال ہوٹل کو ہی اختیار کرنا پڑا جس میں آخر قنصل کی کوشش سے ایک الگ کمرہ حضرت اقدس کے واسطے بھی مل گیا- ایک حصہ قافلہ کا اسی میں اور دوسرا حصہ دارالسرور ہوٹل میں ٹھہرا۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت تامہ اور حکمت کاملہ کے ماتحت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو ان دنوں جہاں ٹھہرایا وہ ہوٹل سنترال تھا جس کے بالکل ملحق جانب غرب ایک مسجد کا مینار ہے اور وہ سفید ہے- 6/اگست 1924 کی صبح کو حضور نے نماز صبح اسی ہوٹل میں اپنے دو خدام کے ساتھ پڑھی- سلام پھیرا تو منارۂ مسجد کی طرف نظر پڑی جو بیضاء تھا۔معاً اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ یہی وہ منارۃ بیضاء ہے جس کے متعلق وارد ہے کہ مسیح عند المنارۃ البیضاء نازل ہوگا سو حضرت مسیح موعود کے خلیفہ، حضور کے لختِ جگر اور حسن واحسان میں حضرت مسیح موعودؑ کے نظیر کا اس مقام پر نزول گویا خود حضرت مسیح موعودؑ ہی کا نزول تھا اور یہی اس حدیث کے معنے ہیں جو واقعات کے مطابق ہوئے اور یوں وہ حدیث نبوی پوری ہوئی -طرفہ یہ کہ اس نماز میں حضرت اقدس کے ساتھ دو ہی خادم شریک تھے یعنی مکرمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور خان صاحب ذوالفقار علی صاحب-

سیدنا حضرت اقدس نے ملاقات کے لئے آنے والے بعض لوگوں سے پوچھا کہ جامع اموی میں کون سا منارہ ایسا ہے جو منارۂ بیضاء کہلا سکتا ہے؟ تو انہیں اقرار کرنا پڑا کہ وہاں پر کوئی منارہ منارۂ بیضاء کہلانے والا موجود نہیں ہے چنانچہ ایک دن کی بحث کے بعد حضرت صاحب نے ایک مولوی صاحب کو بطور حجت ملزمہ کہا بھی کہ لاؤ وہ منارۂ بیضاء ہے کہاں؟

خاکسار (محمد طاہر ندیم) عرض کرتا ہے کہ سنترال ہوٹل تو وہاں پر موجود نہیں ہے تاہم یہ مسجد آج بھی موجود ہے جس کا نام جامع ''سَنْجقْدار'' ہے اور اسکا یہ مذکورہ منارہ اُس وقت پرانے دمشق کے مشرقی جانب واحد سفید منارہ تھا۔

اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے بارہ میں حضورؓ خود فرماتے ہیں:

''پھر منارۃ البیضاء کا بھی عجیب معاملہ ہوا۔ایک مولوی عبد القادر صاحب (المغربی۔ ناقل) حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے دوست تھے۔ان سے مَیں نے پوچھا کہ وہ منارہ کہاں ہے جس پر تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ نے اترنا ہے۔کہنے لگے مسجد امویہ کا ہے۔لیکن ایک اور مولوی صاحب نے کہا کہ عیسائیوں کے محلّہ میں ہے۔ایک اور نے کہا: حضرت عیسیٰ

آ کر خود بنائیں گے۔اب ہمیں حیرت تھی کہ وہ کونسا منارہ ہے دیکھ تو چلیں۔صبح کو میں نے ہوٹل میں نماز پڑھائی اس وقت میں اور ذوالفقار علی خان صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے۔یعنی میرے پیچھے دو مقتدی تھے۔جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا سامنے منار ہے اور ہمارے اور اسکے درمیان صرف ایک سڑک کا فاصلہ ہے۔میں نے کہا یہی وہ منار ہے اور ہم اسکے مشرق میں تھے۔یہی وہ سفید منارہ تھا اور کوئی نہ تھا۔مسجد امویہ والے منار نیلے سے رنگ کے تھے۔جب میں نے اس سفید منارہ کو دیکھا اور پیچھے دو ہی مقتدی تھے تو میں نے کہا کہ وہ حدیث بھی پوری ہوگئی'۔

(ماخوذ از انوار العلوم جلد 8 دورہ یورپ۔تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ 438 تا 443)

یہاں قارئین کرام کی یاد ہانی کے لئے عرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب حمامۃ البشری میں مسیح کے منارۂ بیضاء پر نزول والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ثم يسافر المسيح الموعود أو خليفة من خلفائه إلى أرض دمشق، فهذا معنى القول الذى جاء فى حديث مسلم أن عيسىٰ ينزل عند منارة دمشق۔ فإن النزيل هو المسافر الوارد من ملك آخر۔ وفى الحديث۔۔ يعنى لفظ المشرق۔۔ إشارة إلى أنه يسير إلى مدينة دمشق من بعض البلاد المشرقية وهو ملك الهند"۔

(حمامۃ البشری، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 225)

یعنی پھر مسیح موعود یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ سرزمین دمشق کا سفر اختیار کرے گا۔یہ ہے مسلم شریف کی اس حدیث کا معنی جس میں آیا ہے کہ عیسیٰ دمشق کے منارہ کے قریب نازل ہوگا کیونکہ نزیل ایسے مسافر کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے ملک سے آیا ہو۔اور حدیث شریف میں مشرق کے الفاظ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ بعض مشرقی ممالک سے دمشق شہر کی طرف آئے گا اور یہ مشرقی ملک ہندوستان ہے۔

"وہ حسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا" کا عظیم الشان جلوہ

اس سفر میں متعدد امور میں حضورؓ کی مسیح اول اور مسیح ثانی سے مشابہت کے واقعات پیش

آئے۔منارۂ بیضاء کے پاس نزول کے معاملہ میں تو آپؓ نے خود فرمایا کہ میرے یہاں آنے سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی کیونکہ بعض اوقات باپ سے متعلقہ پیشگوئیاں بیٹے یا خلیفہ کے ذریعہ بھی پوری ہوتی ہیں۔

علاوہ ازیں ایک امر کا ذکر خود حضورؓ نے یوں فرمایا:

''غرض عجیب رنگ تھا۔کالجوں کے لڑکے اور پروفیسر آتے ،کاپیاں ساتھ لاتے اور جو مَیں بولتا لکھتے جاتے۔اگر کوئی لفظ رہ جاتا تو کہتے یا استاذ ذرا ٹھہریئے یہ لفظ رہ گیا ہے۔گویا انجیل کا وہ نظارہ تھا جہاں اسے استاذ کرکے حضرت مسیح کو مخاطب کرنے کا ذکر ہے''۔

اس سفر کے واقعات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف حضورؓ کا ہی شعور نہیں تھا کہ لوگوں کے یَا اُسْتَاذ ، یَا اُسْتَاذ کے الفاظ سے حضرت مسیح اور آپ کے حواریوں کی مجلس کا گمان ہوتا تھا، بلکہ حضورؓ کے اس سفر یورپ کے آغاز میں ہی 20/جولائی 1944ء کو جب حضورؓ نے اپنے رفقاء کے ساتھ نمازعصر پڑھائی اور حضورانور ابھی مصلّے پر ہی تشریف فرما تھے کہ جہاز کے ڈاکٹر نے (جس کا نام مینگلی تھا اور وہ اٹلی کا باشندہ تھا)حضور کی طرف اشارہ کرکے آہستہ سے کہا: Jesus Christ and twelve Disciples یعنی یسوع مسیح اور بارہ حواری۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کہتے ہیں کہ یہ سن کر میری حیرت کی کچھ حد نہ رہی کہ خدا تعالیٰ کیسا قادر ہے کہ پوپ کی بستی کا رہنے والا ایک نہایت سچی اور عارفانہ بات کہہ رہا ہے۔

اسی طرح جب حضورؓ اس سفر کے آخری مقام یعنی لندن پہنچے تو وہاں بھی ایک انگریز شخص نے بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ مسیح اپنے تیرہ حواریوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور آج آپ کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 437 تا448۔انوار العلوم جلد 8 دورہ یورپ)

گورنر شام سے مبلغین احمدیت بھجوانے کا ذکر

حضور انور بذریعہ موٹر شام کے گورنر کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے ان کا نام صُبحی بیگ تھا۔ حضرت اقدس نے ان سے سلسلہ کا ذکر فرمایا اور یہ کہ ہم لوگ یہاں مبشرین بھیجنا چاہتے ہیں آپ کو ان کے متعلق کوئی اعتراض تو نہیں یا قانوناً کوئی روک تو نہیں؟ اور اگر کوئی روک نہیں تو کیا آپ ہماری کچھ مدد کر سکیں گے،صرف اخلاقی مدد۔

حضور کے تشریف لے جانے کے وقت اس کے پاس چند علماء اور رؤسا بھی موجود تھے۔ بعض نے ہماری مخالفت کی اور کہا کہ ان لوگوں کو یہاں داخل نہ ہونے دینا چاہئیے اور بہت کچھ شور مچایا مگر ایک صاحب جو شاید کوئی بڑے جلیل القدر عہدے پر مامور تھے، آستینیں چڑھا کر کھڑے ہو گئے اور علماء مخالف کو مخاطب کر کے بڑے جوش سے بولے کہ تم لوگ عیسائیوں اور بابیوں کو تو آنے دو اور ان کا زہر تو ملک میں پھیلنے دو مگر نہ آنے دو تو ایک ایسی جماعت کو جو جان اور مال سے خدمت اسلام کی غرض سے گھروں سے نکلی ہے اور کسی سے کچھ نہیں مانگتی اور مفت خدمتِ دینِ اسلام کرتی پھرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس بزرگ کی تقریر ایسی جوشیلی اور پُر زور تھی کہ سب مخالفت دب گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ آخر گورنر نے بھی اس کی تائید کی اور کہا کہ اچھا آپ لوگ بتائیں کہ اگر یہ لوگ (احمدی) یہاں آ کر اپنا مدرسہ جاری کر کے اپنے خیالات کی تشہیر کریں تو تم روک سکتے ہو؟ نصرانی مدارس اور اخبارات کے ذریعہ سے اپنے خیالات پھیلا جائیں تو پرواہ نہ کرو مگر روک پیدا کرو تو ایسے لوگوں کے لئے جو خادم دین ہیں۔ الغرض گورنر نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ بے شک مبلغین اور مبشرین اسلام یہاں بھیجیں ہم ان کی حتّی المقدر مدد کریں گے اور اگر لوگ ان پر حملہ بھی کریں گے تو ہم ان کی حفاظت اور مدد کریں گے البتہ اگر لوگوں کا زور اور غلبہ و فتنہ اتنا بڑھ جائے کہ ہماری طاقت سے اس کا دبنا اور رکنا ممکن نہ ہو تو پھر ہم آپ سے کہہ دیں گے کہ آپ اپنا انتظام آپ کر لیں ورنہ ہم ہر طرح سے مدد کے لئے حاضر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مخالف مولوی نے تشہیر کر دی

حضرت اقدس کی تشریف آوری کا اعلان اخبارات میں ہو چکا تھا۔ بعض مولوی صاحبان حضور سے مل کر سلسلہ کے حالات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ بعض ایڈیٹروں اور علماء کو حضور کے خدام گھروں پر جا کر سلسلہ کی تبلیغ کر آئے تھے۔

جامع اموی کے خطیب نے اور بھی شہرت اسطرح کر دی کہ اپنے خطبہ جمعہ میں حضور انور اور آپکے وفد کی مخالفت کی ہے اور سخت سُست الفاظ استعمال کئے اور یوں گویا ایک اشتہار دے دیا ہے۔ کئی مولوی محض خطبہ میں حضور کا ذکر سن کر دیکھنے کو چلے آئے اور اس قدر لوگ آئے کہ ہوٹل میں کوئی کرسی باقی نہ رہی بلکہ اکثر لوگ گفتگو کھڑے ہو کر سن رہے تھے۔

حمص کا ایک بزرگ

’’حمص‘‘ کا ایک بزرگ حضرت کی تقاریر اور مباحثات اور مولویوں کی بدعنوانیاں اور چاروں طرف سے حملے واعتراضات کی بوچھاڑ کو اور دوسری طرف حضور کا سب کو حوصلہ، تحمل اور بہادری سے جواب دینا اور نہ گھبرانا دیکھ کر عاشق ہو رہا تھا اور عش عش کر کے بعض اوقات لوگوں سے لڑنے لگتا تھا کہ یہ کیا تہذیب ہے کہ ایک شخص سے ایک آدمی بات نہیں کرتا چاروں طرف سے بولنے لگتے ہو مگر وہ تنہا سب کو مسکت جواب دیتا جا رہا ہے- یہ بزرگ بھی اپنے علاقہ میں بہت بڑا آدمی تھا اور کہتا تھا کہ قریباً ایک ہزار آدمی میرے زیر اثر ہے میں چاہتا ہوں کہ احمدی ہو جاؤں انشاء اللہ میرے ساتھی بھی جماعت میں شامل ہو جائیں گے-

پہاڑ سے ٹکر

شیعہ فرقہ کا بڑا مفتی اور کئی بڑے بڑے علماء بھی ملنے آئے۔ ہر ایک مولوی محض یہ نیت لے کر آتا تھا کہ کسی رنگ میں حضرت اقدس کو یا حضور کے غلاموں کو بحث میں شکست دیں- کوئی لغت کا زور لے کر آتا- کوئی حدیث دانی کے گھمنڈ پر آتا- کوئی فلاسفی کوئی منطق کوئی صرف ونحو کے زعم پر آتا تھا مگر ان کو معلوم نہ تھا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے علوم کو ایسا غلام کر رکھا ہے کہ کسی کو حضرت اقدس تو کیا حضرت کے غلاموں سے بھی بازی لے جا سکنے کی توفیق نہ ملتی- جو آتا پہاڑ سے ٹکر کھا کر واپس لوٹ جاتا- پھوڑتا تو اپنا ہی سر پھوڑتا-

علماء کی اس بے بسی اور بدتہذیبی کی وجہ سے ہی 8/اگست 1924 کے اخبار الف باء نے نوٹ لکھتے ہوئے لکھا کہ میدان میں ایک کامیاب جرنیل یا شیر بہادر کی طرح سے چاروں طرف کے حملوں کا جواب دیتا تھا۔

ایک سعید فطرت

9/اگست 1924ء کو حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے دوست عبدالرحیم آفندی بیروتی پوسٹ ماسٹر دمشق نے بعد نماز ظہر ساڑھے تین بجے حاضر ہو کر ملاقات کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ میں آپ کے عقائد کو ماننے کے لئے تیار ہوں-

لوگوں کا جمِ غفیر

اس قدر لوگ ہوٹل میں آئے کہ ہوٹل کا مالک چیخ اٹھا کہ وہ اس قدر لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتا- دروازہ ہوٹل کا آخر تنگ آ کر بند کر دیا گیا- لوگ دروازے پر اس کثرت سے جمع تھے کہ دروازہ ٹوٹنے کا بھی اندیشہ تھا- چند آدمی دروازہ پر متعیّن کر دیئے گئے -بعض علماء کہتے تھے کہ عوام کو چھوڑ دیا جاوے اور ہم سے بات کی جاوے-صرف دس ہی منٹ دے دیئے جاویں- زیارت ہی کرا دی جاوے-حضرت صاحب باہر تشریف لائے اور بالائی ڈرائینگ روم میں علماء اور اس مفتی کے بیٹے سے جس نے اشتہار کی اشاعت روک دی ہے مختلف مسائل پر گفتگو فرمانے لگے جن میں سے کسر صلیب اور قتل خنزیر اور جزیہ اُٹھا دینے کے معانی و مطالب شامل ہیں-خلق خدا کا انبوہ واژدہام نیچے بے قرار کھڑا انتظار کر رہا تھا- یہ حالت دیکھ کر پولیس ہوٹل میں پہنچ گئی اور لوگوں کو داخلہ سے روک دیا۔

لوگوں کے ہجوم اور غیر معمولی دلچسپی لینے کے بارہ میں خود حضور انورؓ فرماتے ہیں:

’’جب ہم دمشق میں گئے تو اوّل تو ٹھہرنے کی جگہ ہی نہ ملتی تھی۔مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔مَیں بہت گھبرایا اور دعا کی اے اللہ پیش گوئی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہوگی۔اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ہاتھ لگا کر واپس چلے جائیں۔تو اپنے فضل سے کامیابی عطا فرما۔جب مَیں دعا کر کے سویا تو رات کو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوگئے۔عَبْدٌ مُکَرَّمٌ یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی۔...... چنانچہ دوسرے ہی دن جب اٹھے تو لوگ آنے لگے۔یہاں تک کہ صبح سے رات کے بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہتے۔اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہو جائے۔پولیس بھی آ گئی اور پولیس افسر کہنے لگا: فساد کا خطرہ ہے۔مَیں نے یہ دکھانے کے لئے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے مجمع کے سامنے کھڑا ہو گیا۔چند ایک نے گالیاں بھی دیں۔ لیکن اکثر نہایت محبت کا اظہار کرتے۔اور ھذا ابن المھدی کہتے اور سلام کرتے۔مگر باوجود اس کے پولیس والوں نے کہا کہ اندر بیٹھیں، ہماری ذمہ داری ہے۔اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا۔اس پر ہم نے برٹش کونسل کو فون کیا۔اس پر ایسا انتظام کر دیا گیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آتے رہے‘‘۔ (تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 437 تا 448۔انوار العلوم جلد 8 دورہ یورپ)

دمشق اور بیروت میں قیام کے بعض مزید قابل ذکر امور

متعدد اخبارات نے حضور انور اور جماعت کے بارہ میں آرٹیکل شائع کئے ان میں سے اخبار فتی العرب، اخبار المقسم، الف باء وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ متعدد اخباروں کے ایڈیٹروں نے حضور انور سے انٹرویوز بھی لئے اور سوالات کر کے جوابات حاصل کئے۔

10 ؍اگست 1924 کو حضور انور اپنے وفد کے ہمراہ دمشق سے روانہ ہو کر بیروت میں کچھ توقف کے بعد حیفا پہنچ گئے۔

دمشق کے سنترال ہوٹل میں حضور کی خواب گاہ کمرہ نمبر 25 میں تھی، نشست گاہ حضور کی اکثر بلکہ عموماً کمرہ نمبر 32 میں تھی- نماز، کھانا اور ملاقاتیں اسی میں ہوتی تھیں اور یہی وہ کمرہ ہے جو منارہ بیضاء کے جانب شرق واقع تھا-

ہوٹل سنترل بیروت میں حضور کمرہ نمبر 29 کمرہ میں تشریف فرما ہوئے-

بیروت سے حیفا کے سفر کے قابل ذکر امور

۞ ......بیروت سے حیفا کو آتے ہوئے حضور انورؓ نے فیصلہ کیا ہے کہ قادیان واپس جا کر انشاء اللہ اپنی دفتری زبان عربی کر دی جائے گی-

۞ ......دمشق میں حضرت اقدس نے حضرت مسیح موعودؑ کے رؤیا متعلقہ دمشق کی یہ تاویل فرمائی کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دمشق میں آنا گویا خود حضرت مسیح موعودؑ کا آنا ہے-

۞ ......حضور نے یہ بھی فیصلہ فرمایا ہے کہ ایک عربی رسالہ ضرور جاری کر دینا چاہیئے جس کا اسٹاف قادیان میں ہو، اشاعت مصر سے ہوا کرے اور بلاد عرب وشام، فلسطین وغیرہ میں اس کو شائع کیا جاوے-

دمشق سے پورٹ سعید تک

حضورؓ 10؍اگست 1924ء کو دمشق سے روانہ ہو کر بیروت سے ہوتے ہوئے حیفا پہنچے۔ اور حیفا سے پورٹ سعید کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے 13؍اگست 1924ء کو آپ کا جہاز اٹلی کی بندرگاہ برنڈزی کی طرف روانہ ہونا تھا۔ (تاریخ احمدیت 4 صفحہ 442 تا 445)
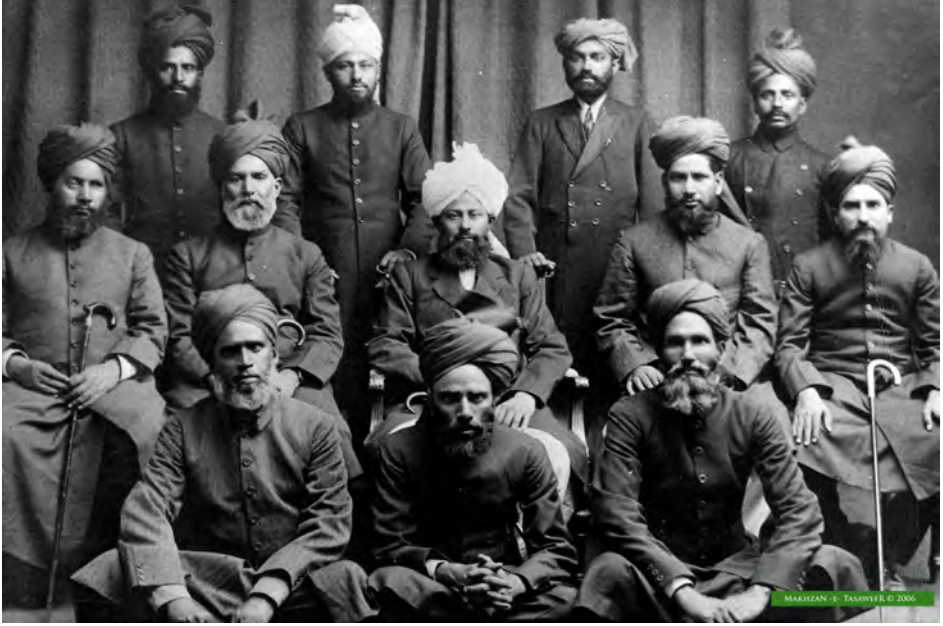
دورۂ یورپ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے وفد کی تصاویر

دورۂ یورپ کے دوران مصر کے ایک ریلوے سٹیشن پر تصویر

دورۂ یورپ کے دوران القدس الشریف کی زیارت کے موقعہ پر لی گئی ایک تصویر

جامع اموی کا ایک منظر

مسجد سنجقدار جس کا یہ منارۂ بیضاء
پرانے دمشق کے مشرقی جانب
واقع ہے اور اسی منارۂ بیضاء
کے جوار میں ایک ہوٹل میں
حضرت مصلح موعودؓ نے
قیام فرمایا۔
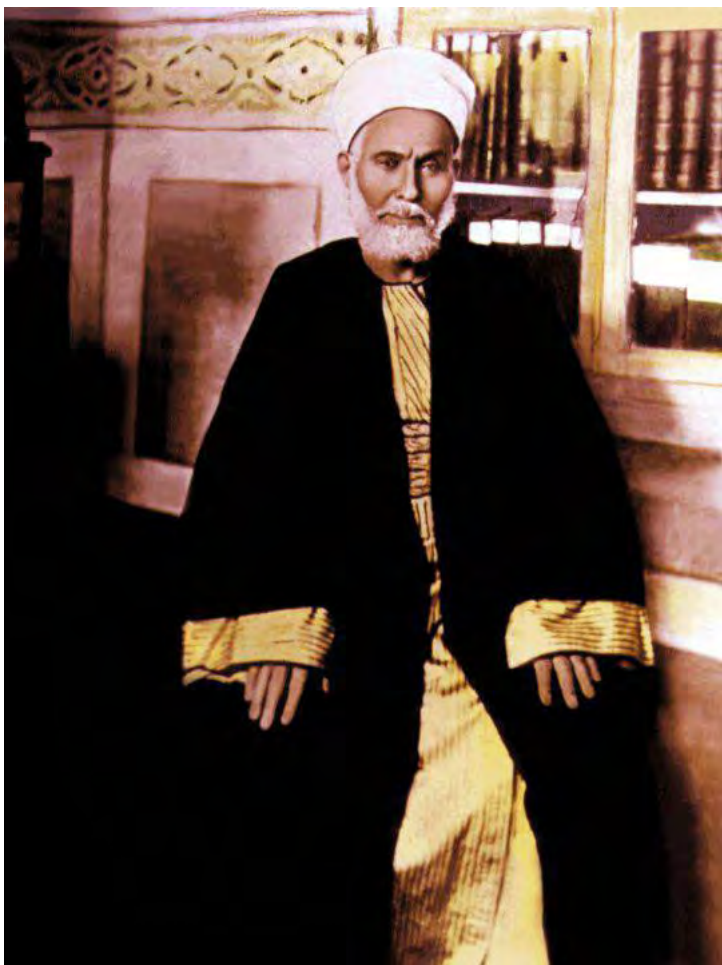
مصر کے مشہور صوفی بزرگ محمد ماضی ابوالعزائم

حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا مصر میں قیام

حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ دورۂ یورپ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔حضور انور اپنے وفد کے ہمراہ لندن سے قادیان کے لئے 25 اکتوبر 1924 کو روانہ ہوئے تو راستے میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کو آپ نے عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کیلئے مصر ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا۔لہذا آپ مصر میں دو ماہ سے زائد عرصہ تک قیام فرمانے کے بعد 19 جنوری 1925ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔ (ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد چہارم ص550)

دارالتبلیغ شام وفلسطین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے سفر یورپ سے واپسی کے بعد 1925ء میں شام میں نیا دارالتبلیغ کھولنے کے لئے حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ 27/جون 1925ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور 17/جولائی 1925ء کو دمشق پہنچے۔

مبلغین کے لئے اہم نصائح

ان دونوں بزرگوں کوالوداع کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جونصائح فرمائیں وہ مبلغین کے لئے خصوصاً اور افراد جماعت کے لئے عموماً مشعل راہ ہیں۔حضور نے فرمایا:

”اہل عرب کے ہم پر بہت بڑے احسان ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ہم تک اسلام پہنچا۔ ہمارا رونگٹا رونگٹا ان کے احسان کے نیچے دبا ہوا ہے۔ان کا بدلہ دینے کے لئے ہمارے یہ مبلغ وہاں جارہے ہیں۔ ان میں سے سید ولی اللہ شاہ صاحب پر دوہری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ انہوں نے علم بھی اس ملک سے حاصل کیا ہے۔اب ان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ان لوگوں کو روحانی علم دیں۔مگر ساتھ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ مبلغ کی حیثیت سے نہیں جارہے بلکہ مدبّر کی حیثیت سے جارہے ہیں۔ان کا کام یہ دیکھنا ہے کہ اس ملک میں کس طرح تبلیغ کرنی چاہئے۔ مبلغ کی حیثیت سے مولوی جلال الدین صاحب جارہے ہیں۔ان کو اسی مقصد کے لئے اپنا وقت صرف کرنا چاہئے تاکہ ان کے جانے کا مقصد فوت نہ ہوجائے......ان کا یہ کام ہے کہ ان کے ذریعہ جو جماعت خدا تعالیٰ پیدا کرے اس کا تعلق مرکز سے اس طرح قائم کریں جس طرح

عضو کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو ہماری ترقی ہی موجب تنزّل ہوگی۔......
پس مبلغین کا سب سے مقدم فرض یہ ہے کہ احمدیت میں داخل ہونے والوں کا آپس میں ایسا رشتہ اور محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کی وجہ سے ساری جماعت اس طرح متحد ہو کہ کوئی چیز اسے جدا نہ کرسکے۔ اگر شامی احمدی ہوں تو انہیں یہ خیال نہ پیدا ہونے دیں کہ ہم ''شامی احمدی'' ہیں، اسی طرح جو مصری احمدی ہوں ان کے دل میں یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ ہم ''مصری احمدی'' ہیں...... کیونکہ مذہب اسلام وطنیت کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ حب وطن مٹانا چاہتا ہے۔ اسلام تو خود کہتا ہے حب الوطن ایمان کی علامت ہے۔ مگر وہ وطن کو ادنیٰ قرار دیتا ہے اور اس سے اعلیٰ یہ خیال پیش کرتا ہے کہ ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسانیت کو وطن سمجھو۔ دنیا سے مراد تو وہ انسان ہوتے ہیں جو زندہ ہوتے ہیں مگر انسانیت سے مراد وہ تمام انسان ہیں جو پہلے گزر چکے اور آئندہ آئیں گے۔ ایک مسلمان کا کام جہاں پہلوں کی نیکیوں کو قائم کرنا اور ان کے الزامات کو مٹانا ہوتا ہے وہاں آئندہ نسلوں کے لئے سامان رُشد پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس کے لئے انسانیت ہی مطمح نظر ہوسکتی ہے۔ پس ہمارے مبلغوں کو یہ مقصد مدنظر رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے اور ہمیشہ اسی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔'' (تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 522-523)

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی نصیحت

اس موقعہ پر مولانا شمس صاحب کو آپ کے استاد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے بھی چند نصائح فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی:

''قائم مقام پیدا کرنے کی ہر وقت کوشش کرنا۔ اس کے واسطے کسی اچھے شخص کو منتخب کر کے اس سے خاص دوستی کرنا کہ اگر تمہارے جسم کو روح سے علیحدہ کیا جائے تو فوراً وہ روح دوسرے جسم کے ساتھ کام کرنے لگ جائے۔''

حضرت مولانا شمس صاحب فرماتے ہیں:

''میں نے حتّی الامکان اپنے استاد مرحومؓ کی ان ہدایات کو مدنظر رکھا اور شام کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا دوست عطا کر دیا (یعنی سید منیر الحصنی صاحب) جن کو مَیں نے اپنے استاد مرحومؓ کی ہدایت کے مطابق تیار کیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے

اس کے اہل بھی ثابت ہوئے۔ جب مجھے اچانک دمشق چھوڑ کر حیفا جانا پڑا تو انہوں نے دمشق میں لوائے احمدیت کو قائم رکھا اور سلسلہ کی تبلیغ کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی۔'' (رسالہ الفرقان دسمبر 1960ء صفحہ 18)

سفرِ دمشق کا ایک واقعہ

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس اپنے اس سفر کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''یکم جولائی کو بمبئی سے ہمارا جہاز روانہ ہوا اور 11؍جولائی کو سویز پہنچا۔ جہاز میں بھی چند اصحاب سے حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق گفتگو ہوئی جن میں سے تین عرب مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے بھی انہیں بعض مسائل کے متعلق سمجھایا، اور مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی کتاب ''الاستفتاء'' اور ''مواہب الرحمٰن'' سے ایک حصہ سنایا۔ ان میں سے ایک عالم تھا وہ کہنے لگا: بہت عرصہ ہوا ہے احمد رضا خان بریلوی نے اس مدعی کے متعلق علماء مدینہ سے کفر کا فتویٰ طلب کیا تھا۔ جو کچھ اس نے لکھا تھا اس بناء پر انہوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے خود مدعی کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا۔ آپ کو یہ کتابیں ضرور وہاں بھیجنی چاہئیں۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ یہ کتاب ضرور مجھے دے دیں مگر ہمارے پاس اس کا کوئی اور نسخہ نہیں تھا۔ آخر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے عربی ترجمہ کی ایک کاپی دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجھ سے ضرور خط وکتابت جاری رکھیں۔

(الفضل 18؍اگست 1925ء صفحہ 2 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلداوّل صفحہ 151-152)

اس عرب عالم کا مخالفین احمدیت کے حوالہ سے یہ جملہ کہ 'انہوں نے خود مدعی کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا'، بہت اہم ہے۔ بلاد عربیہ میں خصوصًا اور باقی دنیا میں عمومًا لوگوں کے پاس احمدیت کے بارہ میں معلومات کا مصدر جماعت کے مخالفین کی کتب ہیں جنہوں نے ایک دفعہ جھوٹ اور افتراء کی راہ سے غلط اور من گھڑت باتیں شائع کر دیں اس کے بعد انہی کتب سے لوگ نقل کرنے لگے اور کسی نے نہ تو اخلاقیات اور صحافتی اقدار کی پاسداری کی، نہ ہی تحقیق کے دیانتدارانہ طریق کو اپناتے ہوئے اس جماعت کی اصل کتب اور لٹریچر کے مطالعہ سے یا افراد

جماعت سے رابطہ کر کے حق جاننے کی کوشش کی۔اس میں بھی کئی فوائد مضمر تھے۔

اوّل تو یہ کہ جب بظاہر بڑے بڑے علماء یوں نقل در نقل کے مرتکب ہوئے تو حقیقت معلوم ہونے پر ان کے علم کی قلعی بھی کھل گئی۔اوران کی دیانتداری بھی لوگوں پر آشکار ہوگئی کہ ایک ایسا معاملہ جس میں ایک مدعی کی صداقت یا افتراء کا فیصلہ کرنا مقصود تھا اس میں انہوں نے متعصب لوگوں کی رائے کو بلا تحقیق اپنا لیا اور اس صادق اور معصوم کے کفر کے مرتکب ہوئے۔

دوسرا یہ کہ جب ایسے افراد جنہوں نے ان نام نہاد علماء کی زبانی احمدیت سے منسوب عجیب وغریب خرافات اور نہایت غلط خبریں سن رکھی تھیں جب خود انہیں سلسلہ کی کتب پڑھنے کا اتفاق ہوا تو یکدم انکی کایا پلٹ گئی اور وہ احمدیت کی گود میں آ گئے۔

لہذا ہمیں تبلیغ کے سلسلہ میں اس امر کو بطور خاص یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور آپؑ کے کلام میں جو تاثیر ہے وہ ہماری کسی دلیل میں نہیں ہوسکتی۔اس لئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ لوگوں کو امام الزمان کا کلام پڑھنے کو دیں کیونکہ یہ کلام بذات خود ایک معجزہ ہے۔آج اللہ کے فضل سے خلفائے احمدیت کی رہنمائی میں عربی زبان میں بہت مفید لٹریچر شائع ہو چکا ہے۔حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتب بھی شائع ہورہی ہیں۔اورانٹرنیٹ پر بھی یہ سارا مواد دستیاب ہے۔احباب کو چاہئے کہ یہ کتب خریدیں اور عربوں میں تبلیغ کے لئے انہیں استعمال کریں۔

دمشق کا پہلا احمدی

حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے دمشق پہنچتے ہی تبلیغی مہمات شروع کردیں اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کوششوں کو پھل لگنے شروع ہوئے۔

ابدال الشام میں سے سب سے پہلے حضرت السید محمد سعید الشامی الطرابلسی صاحبؓ (جو کہ بیروت کے علاقہ سے تھے) کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہونے کے واقعہ کی طرح شام کے علاقہ دمشق کے پہلے احمدی کا واقعہ بھی نہایت ایمان افروز ہے۔

دمشق کے پہلے احمدی مکرم مصطفیٰ نویلاتی صاحب تھے۔آپ علوی شیعہ تھے۔آپ کے والد صاحب ایک عارف باللہ انسان تھے۔ان کا اندازہ تھا کہ امام مہدی کا ظہور کسی مشرقی ملک میں ہو چکا ہے۔چنانچہ وہ اپنے بعض ہم خیال دوستوں کے ساتھ امام مہدی کی تلاش میں ایران،عراق اور افغانستان کے علاقوں تک بھی گئے،لیکن انہیں امام مہدی کے بارہ میں کوئی خبر نہ مل سکی۔مصطفیٰ نویلاتی صاحب کے والد صاحب کی امام مہدی سے ملاقات کی امید جب دم توڑنے لگی اور موت کا احساس دامنگیر ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے مصطفیٰ نویلاتی صاحب کو بلایا اور انہیں چند سونے کی اشرفیاں دیں اور کہا کہ جب تم امام مہدی سے ملو تو انہیں میری طرف سے یہ اشرفیاں بطور چندہ دینا۔

جب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس دمشق تشریف لائے تو مصطفیٰ نویلاتی صاحب وہ پہلے شخص تھے جو بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنے والد کی دی ہوئی اشرفیاں مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حوالے کر دیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 252۔سلسلہ احمدیہ صفحہ 378-379۔مقالات ورودواُحمدیۃ از نذیر مرادنی صفحہ 25-26۔مکرم طٰہٰ قزق صاحب آف اردن کی بلادشام میں احمدیت کے بارہ میں غیر مطبوعہ یادداشتیں)

دمشق پر اتمام حجت اور مبلغین کرام کی قابل ستائش مساعی

1925ء میں سیریا پر فرانس کا قبضہ تھا۔ان دنوں میں جبل دروز سے سلطان باشا الأطرش کی سربراہی میں تحریک انقلاب اٹھی جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے شام میں پھیل گئی۔اس کے نتیجہ میں ملک میں جنگ کے حالات پیدا ہوگئے اور شام کی فرانسیسی حکومت نے دمشق پر مسلسل بمباری کر کے تباہی مچادی۔مگر ان ناموافق حالات میں بھی یہ دونوں مجاہد پیغامِ حق پہنچاتے رہے اور یکم اپریل 1926ء تک دمشق میں ایک جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

(از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 522-523)

۞......حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں فرمایا:

’’شاہ صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب کے جانے کے بعد دمشق پر جو عذاب آیا وہ بتاتا ہے کہ ہم نے جو دمشق کے متعلق سمجھا تھا کہ اس کے لئے انذار اور تبشیر کا وقت آ گیا ہے وہ درست تھا۔ادھر مَیں وہاں گیا،پھر یہ مبلغ بھیجے گئے۔اس کے بعد وہاں ایسا عذاب آیا

کہ دشمن بھی اعتراف کررہے ہیں کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔...... یہ عذاب استثنائی صورت رکھتا ہے اور بتاتا ہے کہ خداتعالیٰ کے نزدیک دمشق مخاطب ہو گیا ہے۔ ......ان مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے شام کے مبلغین نے جو کام کیا وہ اس حد تک ہے کہ انہوں نے تبلیغ کو جاری رکھا اور وقت کو خطرات کی وجہ سے ضائع نہیں کیا۔ پہلی خوبی تو ان کی یہ ہے کہ انہوں نے حالات کے اس قدر خطرناک ہوجانے پر یہ نہ کہا کہ ہمیں تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا نہ کہ میدان جنگ میں رہنے کے لئے اس لئے ہمیں واپس بلا لیا جائے۔ یہی ان کی خوبی دین اور سلسلہ سے محبت کی دلیل ہے۔ اور کئی ایک ایسے ہوتے ہیں جو کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمیں جان کا خطرہ ہے ہمیں واپس بلالو۔...... بہرحال ہمارے مبلغین نے جو کچھ ہوسکتا تھا کیا۔ اور اب مولوی جلال الدین صاحب جس خطرہ میں کام کررہے ہیں اس کی وجہ سے جماعت کو ان کی قدر کرنی چاہئے۔......میرے نزدیک علاوہ اس اخلاص کے اظہار کے جو شام کے مبلغین نے کیا اور عین گولہ باری کے نیچے تبلیغ کی، اس پر ہمارے دشمن بھی حیران ہیں۔...... اس بارہ میں بعض غیر احمدیوں سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے ہمارے مبلغین کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور کہا آپ ہی کے مبلغ کام کرنے والے لوگ ہیں جو کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ مجھے تعجب ہوگا اگر غیر احمدی تو ہمارے مبلغین کی قدر کریں مگر احمدی نہ کریں''۔

(الفضل 18/جون 1926ء صفحہ 4 تا 7 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اول صفحہ 168 تا 170)

علامہ المغربی کی عربی دانی

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں:

''ایک دن مَیں اور حضرت مولانا شمس صاحب دارالدعوۃ میں بعض دوستوں سے احمدیت کے بارہ میں باتیں کررہے تھے کہ شیخ عبدالقادر المغربی مرحوم تشریف لائے اور بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں۔ اثنائے گفتگو میں استخفاف سے اپنی سابقہ ملاقات کا ذکر کیا اور جو مشورہ حضور کو دیا تھا اسے دہرایا اور مذاقاً کہا کہ الہامات کی عربی عبارت بھی درست نہیں۔ مَیں نے خطبہ الہامیہ ان کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ پڑھیں کہاں عربی غلط ہے۔

انہوں نے اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا اور ایک دو لفظوں سے متعلق کہا کہ یہ عربی

لفظ ہی نہیں......مولانا شمس صاحب نے تاج العروس (عربی لغت کی کتاب) المارى سے نکالی اور وہ لفظ نکال کر دکھائے۔ سامعین کو حیرت ہوئی اور مَیں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا: ’’کہلاتے تو آپ ادیب ہیں لیکن آپ کو اتنی عربی بھی نہیں آتی جتنی میرے شاگردکو‘‘۔ (شمس صاحب ان دنوں مجھ سے انگریزی پڑھتے تھے) اس پر انہیں بڑا غصہ آیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے أريك غدًا نجوم الظهر کل مَیں تمہیں ظہر کے تارے دکھاؤں گا (یہ عربی زبان کا محاورہ ہے۔ اُردو زبان میں اس کے بالمقابل کہتے ہیں: دن میں تارے دکھانا۔ ناقل)۔ مَیں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ سامعین میں سے کچھ متاثر ہیں ان سے کہا: یہ میرے پرانے دوست ہیں۔ صلاح الدین ایوبیہ کالج میں علمِ ادب پڑھایا کرتے تھے اور سامعین کو علم تھا کہ مَیں بھی وہاں پڑھایا کرتا تھا۔ مَیں نے کہا انہیں خطبہ الہامیہ پڑھ کر ایسی رائے کا اظہار نہ کرنا چاہئے تھا۔ بجائے ناواقف ہونے کے انہیں حق بات مان لینی چاہئے تھی۔ جب دوست چلے گئے اور شام ہوگئی تو شمس صاحب نے مجھ سے کہا: حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے الوداع کرتے وقت آپ کو یہ نصیحت کی تھی کہ شیخ عبدالقادر المغربی سے نہیں بگاڑنا۔ وہ آپ کے دوست ہیں اور ان کا شہر میں بڑا اثر ہے۔ مَیں نے شمس صاحب سے کہا: فکر نہ کریں، وہ میرے دوست ہیں، مَیں انہیں ٹھیک کرلوں گا۔ کل صبح ہم دونوں ان کے پاس جائیں گے۔ دوسرے دن صبح سویرے ہم دونوں ان کے مکان پر گئے۔ دستک دی تو مغربی صاحب تشریف لے آئے اور آتے ہی مجھ سے بغلگیر ہوئے اور مجھے بوسہ دیا اور کہا کہ آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مَیں آپ کی طرف آنا ہی چاہتا تھا۔ اندر تشریف لے آئیں، قہوہ پئیں اور مَیں آپ کو دکھاؤں کہ میری رات کیسے گزری۔ ہم اندر گئے تو انہوں نے رسالہ الحقائق عن الأحمدية کی طرف اشارہ کیا اور کہا: یہ رسالہ میرے ہاتھ میں تھا اور غصہ میں باہر آیا اور پختہ ارادہ کیا کہ اس رسالہ کا ردّ شائع کروں۔ مَیں نے حدیث اور تفاسیر کی کتب جو میرے پاس تھیں وہ میز پر رکھ لیں اور عشاء کی نماز پڑھ کر ردّ لکھنا شروع کر دیا۔ ادھر سے رسالہ پڑھتا اور ردّ لکھنے کے لئے کتابیں دیکھتا۔ ایک ردّ لکھتا اس میں تکلف معلوم ہوتا، اسے پھاڑا، ایک اور ردّ لکھتا اسے بھی پھاڑا اور اسی طرح رات بہت گزر گئی۔ بیوی نے کہا: رات بہت گزر گئی آرام کرلیں۔ مَیں نے کہا سید زین العابدین نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے اور مَیں یہ ردّ لکھ کر سوؤں گا۔ چنانچہ صبح کی اذان ہوئی اور مَیں ردّ لکھنے کے بعد اس طرح کاغذ

پھاڑتا جاتا اور چمنی کی طرف اشارہ کیا کہ وہ دیکھو ڈھیر۔ جب اللہ اکبر کی آواز میرے کان میں پڑی تو میرے نفس نے مجھے کہا: صداقت بہت بڑی شئے ہے اور تمہارا اس طرح بناوٹ سے ردّ کرنا درست نہیں۔

مَیں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اب ایک کلمہ مخالفت کا مجھ سے نہیں سنیں گے۔ آپ کے خیالات سراسر اسلامی ہیں اور آپ آزادی سے تبلیغ کریں اور پوچھنے والوں سے میں آپ کے حق میں اچھی بات ہی کہوں گا۔ لیکن مَیں آپ کے فرقہ میں داخل نہیں ہوں گا کیونکہ فرقہ بندی سے مجھے نفرت ہے......اور مرحوم آخری دم تک جماعت کی تعریف ہی کرتے رہے۔

(حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب، تالیف احمد طاہر مرزا صفحہ 27 تا 29)

گرانقدر مساعی

حضرت شاہ صاحب نے دمشق میں اپنے مختصر قیام کے دوران عربی زبان میں ترجمہ وتالیف کا عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''کشتی نوح'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ایک ٹریکٹ ''الحقائق عن الأحمدية'' چھپوایا اور ایک مبسوط کتاب ''حياة المسيح ووفاته'' کے نام سے شائع کی جس کا عیسائیوں کے علاوہ بڑے بڑے مسلمان علماء اور فلاسفروں پر بھی بہت گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ مصر کے مشہور مفکر احمد زکی پاشا نے تسلیم کیا کہ وفات مسیح کے متعلق جو تحقیق احمدیوں نے کی ہے اس سے اسلام کی برتری ثابت ہوتی ہے اور عیسائیت پر کاری ضرب لگتی ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ اگر احمدیت وفات مسیح سے متعلق اس تحقیق کے سوا اور کچھ نہ بھی پیش کرتی تب بھی یہ بات ان کے لئے تمام مسلمان فرقوں پر فخر اور برتری کے لئے کافی ہوتا۔

ان کے علاوہ محسن البرازی بیک نے (جو حکومت شام کے سابق وزیر تھے) کہا کہ افسوس اگر میرے دنیوی مشاغل مانع نہ ہوتے تو سب سے بہترین کام جس کے اختیار کرنے میں فخر کرتا وہ تبلیغ اسلام تھا جسے احمدی انجام دے رہے ہیں۔

دمشق سے واپسی

ان دنوں عراق میں امیر فیصل اوّل کی حکومت تھی۔ وہاں پر جماعت کا کوئی مرکزی مبلغ

موجود نہ تھا۔ ہندوستانی احمدی انفرادی طور پر تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔لیکن حکومت عراق نے وہاں تبلیغ احمدیت کی ممانعت کر دی اور ان کے پرائیویٹ اجتماعات پر بھی پابندی لگا دی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہندوستان واپس آتے ہوئے عراق کے راستہ سے آئیں اور ان ناروا پابندیوں کے اٹھائے جانے کے لئے کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب اوائل 1926ء میں بغداد پہنچے، اس سفر کی ابتداء میں آپ شام کے شہر حمص تشریف لے گئے جہاں عیسائیت کے بڑے بڑے علماء اور عربی زبان کے ادباء میں بڑے مؤثر انداز میں تبلیغ کی۔ آپ کی اس مساعی کا ذیل میں مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

یَا قَلْبِیَ اذْکُرْ أَحْمَدَا

حمص میں آپ نے مرحوم عیسیٰ خوری کے ہاں جو بہت بڑے ادیب اور مؤرخ تھے قیام کیا۔آپ فرماتے ہیں:

یہ سب سے بڑے گرجے کے نگران قسیس تھے۔ خوری صاحب اس سے قبل بمعہ تین عیسائی ادباء کے مجھ سے دمشق ملنے آئے تھے، کہا کہ وہ تحقیق کی غرض سے آئے ہیں۔اخباروں میں میرے بعض مقالات پڑھے ہیں۔ دوران گفتگو عیسیٰ خوری نے بتایا کہ مصر کے کسی رسالہ یا اخبار میں دیر ہوئی انہوں نے پڑھا تھا کہ اصل میں عالم تو نور الدین (حضرت خلیفۃ المسیح الأول رضی اللہ عنہ) ہیں جنہوں نے حجاز میں تعلیم حاصل کی اور خود بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیم معمولی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے ہم سے پوچھا کہ ان دونوں کا کوئی کلام عربی میں ہے جسے دیکھ کر وہ اندازہ کر سکیں؟ شمس صاحب نے قصیدہ خلیفہ اولؓ جو براہین احمدیہ کی تعریف میں ہے انہیں دیا۔ چند شعر پڑھ کر انہوں نے کہا اس میں وزن کے لحاظ سے فلاں فلاں نقص ہے۔مَیں نے یَا قَلْبِیَ اذْکُرْ أَحْمَدَا کا قصیدہ ان کے سامنے رکھا اور بتایا کہ یہ قصیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔انہوں نے شعر پڑھنے شروع کئے اور پڑھتے چلے گئے۔حتیٰ کہ وجد میں آ گئے۔بے اختیار کہنے لگے: یہ تو اعلیٰ درجہ کی عربی ہے۔ملاقات کے آخر میں عیسیٰ خوری صاحب اور ان کے ساتھیوں نے باصرار دعوت دی کہ میں حمص آؤں۔عیسیٰ خوری صاحب نے کہا میں ان کا مہمان ہوں گا۔

چنانچہ انہوں نے پانچ دن ٹھہرایا۔ کثرت سے عیسائی مرد اور عورتیں ملاقات کے لئے آتے۔ دلچسپی سے میری باتیں سنتے عیسیٰ خوری صاحب میری شائع شدہ کتابیں: 1) الخطاب الجلیل، 2) التعلیم، (کشتی نوح کا ترجمہ) ،3) کتاب حیاة المسیح ووفاته،اور4) الحقائق عن الأحمدیة اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

ہفتہ کی شام کو مَیں حمص پہنچا تھا اگلی صبح وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے گرجے میں لے گئے جو فتح حمص سے قبل عیسائیوں کے قبضہ ہی میں رہا۔ان کی عورتیں بھی ساتھ تھیں جنہوں نے اسلامی طرز کا پردہ کیا ہوا تھا۔عیسیٰ خوری صاحب عبادت کے بعد مراقبہ کے لئے ایک الگ حجرہ میں گئے۔مَیں ایک طرف کھڑا تھا کہ عربی طرز کے لباس میں خوش پوش خوش شکل چند نوجوان میرے پاس آئے۔اور مجھ سے پوچھا: حضرتك أیضا من أتباع المسیح؟ (کیا آپ بھی مسیحؑ کے ماننے والے ہیں؟)۔مَیں نے کہا: أی نعم، آمنتُ بالمسیح الأول والمسیح الثانی۔(جی ہاں، میں مسیح اول اور مسیح ثانی دونوں پر ایمان لاتا ہوں) تو ان میں سے ایک نے کہا: وحضرتك من الأحمدیین؟ (کیا آپ احمدی ہیں؟)۔مَیں نے کہا: أنا أحمدی (میں احمدی ہوں) اور ان سے پوچھا آپ جانتے ہیں کہ احمدی کون ہیں؟ کہنے لگے ہاں ان کے دو مربی دمشق میں آئے ہوئے ہیں اور ہمارے عیسیٰ خوری صاحب ان سے مل کے آئے ہیں۔ اور ان کی کتابیں بھی لائے ہیں۔ اور وہ کتابیں درسًا پڑھ کے سنائی ہیں۔مَیں نے پوچھا ان کتابوں کے متعلق ان کی کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے بخدا باتیں تو بالکل سچی ہیں اور ان میں ہماری کتابوں ہی کے حوالے ہیں یعنی انجیل وغیرہ کے۔اور عیسیٰ خوری صاحب احمدیوں کے خیالات کی تعریف کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان نے کہا: کیا آپ سید زین العابدین کو جانتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ مَیں اسے جانتا تو ہوں۔ جب پانچویں دن عیسائیوں کے ایک مدرسہ میں میری تقریر کا انتظام ہوا تو وہ نوجوان بھی مجھے ملے اور ہنس کر کہا: جواب تو آپ نے ٹھیک دیا تھا کہ آپ سید زین العابدین کو جانتے ہیں۔

آمنتُ بِالمسیحِ الثّانی

اس سے گزشتہ رات عیسیٰ خوری صاحب کے ہال میں جو بہت وسیع کمرہ تھا عیسائی

عورتیں اور مرد جمع ہوئے اور اتفاق سے اس رات ایک بجے تک بارش ہوتی رہی۔ اس لئے گفتگو کرنے کا بڑا موقع ملا۔ سب نے اطمینان سے سوالات کئے، اور اطمینان سے جوابات سنے۔ ان کا آخری سوال الہام اور وحی سے متعلق تھا۔ اور دوران گفتگو میں ان میں سے ایک نے پوچھا کہ وہ کلمات الہام جو حضرت احمدؑ پر نازل ہوئے تھے وہ سنائیں۔ مجھے کافی یاد تھے مَیں نے سنانے شروع کئے۔ سامعین میں میرے قریب ہی ایک بہت ہی بوڑھے قسیس سفید ریش بیٹھے تھے، کمر کمان کی طرح، پادریوں میں ان کا منصب بہت بڑا تھا، جیسا کہ ان کے عصا اور کمر کی ڈوری اور نشانات سے ظاہر تھا۔ ان کے ابرو جھکے ہوئے، شکل متبرک انسان کی سی۔ وہ اپنے عصا کا سہارا لیتے ہوئے اٹھے۔ اور دائیں بائیں سامعین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے: هؤلاء بناتي وأبنائي يعلمون جيدا أني لم أداهن في حياتي قط فها إني أشهد هؤلاء فإني آمنت بالمسيح الثاني كما آمنت بالمسيح الأول (یہ میرے بیٹے اور بیٹیاں ہیں جو بخوبی جانتے ہیں کہ مَیں نے اپنی زندگی میں کبھی مداہنت نہیں کی۔ پس مَیں آج ان تمام لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جس طرح میں مسیح اول پر ایمان لاتا ہوں ایسا ہی مسیح ثانی پر ایمان لاتا ہوں۔ ناقل) اور یہ کہہ کر بڑے وقار اور خاموشی سے بیٹھ گئے اور ہال میں سناٹا چھا گیا۔

ایک صوفی منش بزرگ

بارش مدہم ہو چکی تھی اور ایک کونے میں ایک صوفی منش بزرگ ہماری باتیں سن رہے تھے۔ عیسیٰ خوری صاحب نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ عالم اور صوفی ہیں اور ان کے بچپن کے دوست اور کہا: آپ کی کتابیں میں نے ان کو پڑھا دی ہیں۔ یہ آپ کے خیالات سے متفق ہیں اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی جماعت میں داخل ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ مَیں نے مکرم شمس صاحب کا پتہ دیا اور آخر ان کے ذریعہ وہ جماعت میں داخل ہو گئے۔

(حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب، تالیف احمد طاہر مرزا صفحہ 33 تا 36)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

دوسرے دن ہم تقریر کرنے کے بعد معہ اہلیہ اور برادر نسبتی بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں آسوری قبائل میں گذر ہوا۔ انہیں پیغام احمدیت پہنچاتے ہوئے تربیتی رسالہ الحقائق عن الاحمدیہ تقسیم کرتے ہوئے دسویں دن ہم بغداد پہنچے۔ بغداد میں میرے قدیم دوست اور نہایت ہی محبّ دوست مرحوم رستم حیدر تھے جو صلاح الدین ایوبیہ کالج میں ناظم الدروس تھے اور تاریخ عام کے پروفیسر تھے۔ یہ سوربون یونیورسٹی (فرانس) کے تعلیم یافتہ اور بہت قابل تھے۔ زبان عربی کے بھی ادیب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں میری بہت ہی محبت اور عزت ڈال دی۔ انہیں بغداد میں میری آمد پر بڑی خوشی ہوئی۔ کئی دعوتیں انہوں نے کیں جن میں شہر کے معزز دوست مدعو کئے جاتے رہے۔ وہ وہاں وزیر دیوان تھے۔ وزراء حکام اور علماء سے تعارف ہوا۔

ملک فیصل مرحوم کے سوالات

یہاں تک کہ ملک فیصل نے بھی مجھے دعوت دی اور اس دعوت میں بھی چیدہ لوگ مدعو تھے۔ دوران طعام رستم حیدر نے احمدیت کا ذکر تعریفی رنگ میں کیا اور احمدیت کے متعلق ملک فیصل مرحوم نے سوالات کئے۔ جنگ عظیم کے دوران بھی ان کا تعارف مجھ سے ہو چکا تھا۔ جب دجال سے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی تو انہوں نے مجھ سے آیت لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (سورۃ انعام:104) کا مفہوم دریافت کیا۔ میرے جواب دینے سے پہلے وہ اپنے بھائی علی سے مخاطب ہوئے اور کہا بھائی آپ بڑے عالم ہیں۔ آپ اس آیت سے کیا سمجھتے ہیں؟ تفاسیر میں جو انہوں نے پڑھا تھا وہ بیان کیا پھر ملک صاحب مرحوم مجھ سے مخاطب ہوئے کہ میں اس سے کیا سمجھتا ہوں۔ میں نے مفصل جواب دیا جس پر وہ اتنے خوش ہوئے کہ بے اختیار کہنے لگے کہ اگر اسلام کے لئے دوبارہ زندگی مقدر ہے تو وہ ان خیالات کے ذریعہ ہے جن کا میں نے اظہار کیا ہے۔ کھانا ختم ہوا میں نے فوراً شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:۔

”آپ کی مملکت میں ہر مذہب کو تبلیغ کی آزادی ہے حتّٰی کہ آریہ جیسے شدید دشمن اسلام کے لئے بھی اور اگر آزادی نہیں تو اس جماعت کیلئے نہیں جس کے خیالات کے متعلق بادشاہ نے یہ داد دی ہے“۔

میز سے اٹھتے ہوئے فرمایا آپ کو ان سے بڑھ کر آزادی ہوگی اس کے بعد جب رستم حیدر مجھے اپنے مکان پر لائے تو اپنے سیکرٹری سے ایک درخواست عربی میں ٹائپ کروائی جس

پر میں نے دستخط کئے اور وہ درخواست بادشاہ کے سامنے پیش ہوئی جس پر انہوں نے مجلس کو غور کرنے کا حکم دیا اور اس طرح یہ درخواست تین ماہ تک دفتروں میں چکر لگاتی رہی اور کئی مایوسیوں کے بعد ایک شام مغرب کی نماز سے ہم دوست فارغ ہوئے تھے کہ سرکاری اردلی پیغامبر نے آ کر جعفر صادق مرحوم امیر جماعت احمدیہ بغداد کو ایک لفافہ دیا۔ وہ کھولا گیا۔ اس میں بادشاہ کی مہر کے ساتھ وزارت داخلہ کی طرف سے یہ اطلاع تھی کہ بادشاہ کی طرف سے ان کا سابقہ حکم منسوخ کر دیا گیا ہے اور جماعت احمدیہ کو مکمل (مذہبی) آزادی دی جاتی ہے۔ یہ الفاظ پڑھ کر جو دوست نماز مغرب میں حاضر تھے بے اختیار سربسجود ہو گئے کیونکہ ان کی مایوسی کی حالت آخری نقطۂ یاس تک پہنچ چکی تھی۔

شاہ صاحب کی سفارتی کوششوں کو سراہتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

''میرے نزدیک شاہ صاحب نے اس سفر میں ایک بڑا کام کیا ہے...... وہ عراق کے متعلق ہے۔ سیاستاً یہ ایک ایسا کام ہے کہ جو دور تک اثر رکھتا ہے۔......ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ کوشش کر چکے تھے مگر پھر بھی اجازت نہ حاصل ہوئی تھی۔ وہاں سے ہمارے کئی آدمی اس لئے نکالے جا چکے تھے کہ وہ تبلیغ کرتے تھے۔ اپنے گھر میں جلسہ کرنا بھی منع تھا۔ ان حالات میں کوشش کر کے کلی طور پر روک اٹھا دینا بلکہ وہاں ایسے خیالات پیدا ہو جانا جوان کے دل میں ہمدردی اور محبت ثابت کرتے ہیں بہت بڑا کام ہے۔...... یہ کام اس قسم کا ہے کہ سیاسی طور پر اس کے کئی اثرات ہیں۔......اس سے سمجھا جائے گا کہ احمدی قوم حکومتوں کی رائے بدلنے کی قابلیت رکھتی ہے۔...... پس شاہ صاحب نے یہ بہت بڑی خدمت کی ہے۔''

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 523-524۔مجلۃ البشری جنوری، فروری 1937ء صفحہ 50 تا 52)

ایک وضاحت

سلسلہ کے لٹریچر میں یہ بھی لکھا ہوا موجود ہے کہ حضرت ولی اللہ شاہ صاحب نے اس سفر بطرف دمشق اور عراق میں اس تاریخی تبلیغی مساعی کے لئے دو سال قیام کیا۔ لیکن تاریخی واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ہمراہ 27/ جون 1925ء کو روانہ ہو کر 17/ جولائی 1925ء کو دمشق پہنچے۔ اور وہاں سے 1926ء کے شروع میں بغداد چلے گئے۔ وہاں پر اپنے مفوضہ کام نپٹانے کے بعد 10/ مئی 1926ء کو

واپس قادیان تشریف لے گئے۔ یوں یہ کل عرصہ تقریبا ساڑھے دس ماہ کا بنتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جماعت دمشق کے پہلے چندہ جلسہ سالانہ کی ادائیگی کا اچھوتا انداز

1926ء کے جلسہ سالانہ کے لئے دمشق کی جماعت سے پہلی دفعہ چندہ جلسہ سالانہ ارسال کیا گیا۔لیکن اس کے ادا کرنے کا انداز نرالا اور دلنشین ہے۔ اس کا ذکر مولانا جلال الدین صاحب شمس نے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ناظر ضیافت قادیان کے نام اپنے ایک خط میں کیا جسے خلاصۃً نقل کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

ارادہ تھا کہ جماعت احمدیہ دمشق بھی جلسہ سالانہ میں حصہ لیوے۔ اس بناء پر گزشتہ سال جو حضور نے فہرست اشیاء معہ قیمت اخبار الفضل میں شائع کی تھی مطالعہ کی۔ اس میں سے موم بتیوں کو انتخاب کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

اختار ذكر لفظ المنارة إشارةً إلى أن أرض دمشق تنير وتشرق بدعوات المسيح الموعود۔

(یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح کے سفید منارہ پر نزول والی حدیث میں لفظ منارہ کا اس لئے استعمال کیا کیونکہ سرزمین دمشق مسیح موعود کی دعاؤں کے نور سے منور اور روشن ہوجائے گی۔) اس لئے نورانی چیز کا انتخاب کیا۔

(ماخوذ از الفضل 26 رنومبر 1926ء صفحہ 2 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اوّل صفحہ 236-237)

مکرم منیر الحصنی صاحب کا قبول احمدیت

حضرت ولی اللہ شاہ صاحب نے دمشق میں چھ ماہ کے قریب عرصہ قیام فرمایا۔ آپ چونکہ قبل ازیں بیت المقدس میں کلیۃ صلاح الدین الایوبی میں تدریس کے فرائض سرانجام دے چکے تھے اور کئی سال اس سرزمین پر قیام فرما چکے تھے اس لئے آپ کے دوستوں، شاگردوں اور واقف کاروں کا حلقہ بیت المقدس اور شام میں وسیع تھا جن سے آپ نے مولانا جلال الدین صاحب شمس کا تعارف کروادیا۔ ان میں سے ایک بزرگ شخصیت جناب منیر الحصنی صاحب کی تھی۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ:

’’میری خوش قسمتی تھی کہ میرا تعارف حضرت ولی اللہ شاہ صاحب کے ذریعہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس سے ہوگیا۔ چنانچہ مَیں اکثر اوقات ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور کئی ان امور دینیہ میں آپ کے ساتھ بات کرتا جن کا حل وہاں کے مولویوں کے پاس نہ تھا۔اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ایسے امور نے نئی نسل کو فتنہ میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ ان کے دلوں میں اسلام کے بارہ میں شکوک اور شبہات پیدا ہوگئے تھے۔لیکن مَیں ہر دفعہ مولانا شمس صاحب سے نہایت تسلی بخش جواب پاتا تھا اور اسلام پر ہر اعتراض کا کافی وشافی ردّ ملتا تھا۔مَیں اکثر آپ کی اسلام کے دفاع میں گفتگو کے دوران محسوس کرتا تھا کہ جیسے قرآن کریم دوبارہ اس زمین پر نازل ہوا ہے‘‘۔ (البشری مارچ 1936ء)

گو کہ مکرم منیر الحصنی صاحب حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب سے شروع میں ہی متعارف ہوکر ان کے گہرے دوست بن گئے تھے، اور بڑی کثرت سے آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔آپ کی زبان سے مسیح موعود علیہ السلام کے لائے ہوئے علم کلام کی قوت کا بھی اعتراف تھا ، پھر بھی احمدیت میں داخل ہونے کے لئے مزید تسلی چاہتے تھے۔اور یہ تسلّی 1927ء میں اس وقت ہوئی جب مولانا جلال الدین صاحب شمس نے دمشق میں ایک تحریری مناظرہ ڈنمارک کے ایک مشہور پادری الفریڈ نلسن سے کیا جو بیس سال سے شام کے علاقہ میں عیسائیت کا کام کر رہے تھے اور شام کے عیسائی مشنوں کے انچارج تھے۔موضوع مناظرہ یہ تھا کہ کیا حضرت مسیح ناصری فی الواقعہ صلیب پر فوت ہوئے؟ اس مناظرہ میں حضرت مولانا شمس صاحب کے دلائل سن کر مکرم منیر الحصنی صاحب احمدیت میں شامل ہوگئے۔ چنانچہ آپ خود لکھتے ہیں:

’’میرے قبول احمدیت کا سب سے بڑا سبب یہی مناظرہ تھا۔کیونکہ مَیں نے دیکھا کہ احمدی مبلغ کے دلائل وبراہین لاجواب تھے۔مسیحی مناظر سے ان کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور عزت وغلبۂ اسلام نصف النہار کی طرح ظاہر ہوگیا۔عیسائی پادری اور مولانا شمس صاحب میں مناظرہ سے پہلے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اختتام مناظرہ پر پوری روئداد مناظرہ فریقین کے خرچ پر طبع کرائی جائے گی۔لیکن جب مناظرہ ہو چکا تو وہ اپنے عہد سے پھر گیا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ قبولِ حق کے لئے کھول دیا اور مجھے مسیح موعود کی جماعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا‘‘۔ (ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 525)

مسیح موسوی کے پیرو اور مسیح محمدی کے غلام

مکرم منیر الحصنی صاحب کا ذکر خیر ہو رہا ہے تو اس سیاق میں ان کا ایک بہت ہی اچھوتا واقعہ ہدیہ قارئین کرنا ازدیادِ ایمان کا باعث ہوگا۔

ایک دفعہ مکرم منیر الحصنی صاحب کے چھوٹے بھائی کو جب ایک عیسائی زرگر کی خیانت کا علم ہوا تو وہ اس کی دکان پر جا کر اس سے جھگڑنے لگے۔ اتنے میں زرگر کے بھائی نے پیچھے سے آ کر انہیں گردن پر مُکّا مارا اور بھاگ گیا۔ مکرم منیر الحصنی صاحب کے بھائی نے پولیس میں رپورٹ درج کرا دی۔ اب اس مسیحی کے رشتہ دار مکرم منیر الحصنی صاحب کے ایک اور بھائی کے پاس گئے تا وہ اپنے چھوٹے بھائی کو سمجھائیں اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ لیکن انہوں نے ان عیسائیوں کو اور بھی ڈرایا دھمکایا۔ آخر وہ مکرم منیر الحصنی صاحب کے پاس آئے۔ آپ نے کہا کہ یا تو اسی دکان پر مُکّا مارنے والے کو سب کے سامنے مُکّا مار کر بدلہ لیا جائے یا حکومتی فیصلہ کا انتظار کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہے۔ آپ نے دونوں طرف سے اقرار لے لیا۔ پھر زرگروں کے بازار میں گئے۔ وہاں ایک دکان پر کھڑے ہو کر سب کو خاموش کرایا۔ پھر تقریباً آدھ گھنٹہ تک لیکچر دیا جس میں بتایا کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی دی ہوئی نعمتوں میں سب انسانوں کو مساوی قرار دیا ہے۔ سورج جیسے مسلم کو روشنی پہنچاتا ہے ویسے ہی مسیحی کو۔ اور جیسے ایک مسلم اپنے ناک کے ذریعہ نہایت آزادی سے ہوا سونگھتا ہے ویسے ہی ایک مسیحی۔ پس کیا خدا تعالیٰ کا یکساں معاملہ ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ ہم بھی ہر ایک انسان کو انسان سمجھ کر اس سے انسانیت کا معاملہ کریں؟ اور ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ نہ تو عام طور پر مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر عمل کرتے ہیں نہ مسیحی حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشادات بجالاتے ہیں۔ مثلاً مسیحؑ نے کہا ہے کہ اگر کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ مگر کون مسیحی اس پر عمل کرتا ہے؟ یا اس کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا ہے؟ مگر مَیں ایک مسلم ہو کر اس کے معانی سمجھتا ہوں۔...... بات یہ ہے کہ جو شخص امن اور سلامتی کی راہ چھوڑتا ہے وہ انسانیت کے درجہ سے گر کر وحشی جانوروں کی سیرت اختیار کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کی تربیت اور اصلاح کے لئے بعض وقت سزا دینا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ میں مکّا مارنے والے بھائی کے متعلق

یقین رکھتا ہوں کہ وہ سعید الفطرت ہے اور وہ بدلہ دینے کے لئے بھی تیار ہے اس لئے اس کو معاف کرتا ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول کی تفسیر عملی طور پر دیتا ہوں۔ دیکھو جس نے میرے بھائی کو مارا مَیں اس کے سامنے اپنا گال پیش کرتا ہوں، اگر چاہے تو اس پر بھی تھپڑ مار لے۔ اس پر انہوں نے ضارب کے قریب اپنا گال کیا تو اس نے اس پر تھپڑ مارنے کی بجائے بوسہ دے دیا۔ یہ ایک ایسا منظر تھا کہ تمام حاضرین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

(ماخوذ از الفضل یکم اکتوبر 1929ء صفحہ 1-2 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلداوّل صفحہ 240-242)

مولانا شمس صاحب پر قاتلانہ حملہ

حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے عیسائیت کے خلاف محاذ پر کامیاب تبلیغی جہاد کرنے کے علاوہ علماء ومشائخ کا بھی مقابلہ کیا۔ وہاں کے علماء کا طبقہ ملک میں احمدیت کے پاؤں جمتے دیکھ کر سخت برافروختہ ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے دلائل وبراہین کا بھی وہی جواب دیا جو ہمیشہ حق کے مخالفین دیا کرتے ہیں۔ یعنی دسمبر 1927ء میں آپ پر خنجر سے قاتلانہ حملہ کرایا گیا۔

حضرت مولانا شمس صاحب خود اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ:

"تفصیلِ حادثہ یہ ہے کہ پہلے تو مجھے مدت سے خطوط میں قتل کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ چنانچہ ٹریکٹ الجہاد الاِ سلامی (جس میں مَیں نے ثابت کیا تھا کہ اس وقت دین کے لئے قتال جائز نہیں بلکہ یہ زمانہ تبلیغ کا زمانہ ہے) کے بعد مشائخ کی طرف سے یہ خط آیا کہ چونکہ تم جہاد دینی اور دین کے لئے قتال کو حرام قرار دیتے ہو اس لئے ہم پر تمہارا خون گرانا واجب ہے۔ پھر دو ماہ سے جب مَیں نے ان کے چیلنج مباحثہ کا جواب دیتے ہوئے شرائط مناظرہ شائع کیں اور لکھا کہ مناظرہ تحریری ہونا چاہئے اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے موت کے سوا آسمان پر اٹھا لینے کے معنی ثابت کرنے پر تین ہزار قرش انعام مقرر کر دیا، اور علاوہ ازیں پانچ چھ اشخاص بھی سلسلہ میں داخل ہو گئے تو پھر انہوں نے منبروں پر مساجد میں لوگوں کو اکسانا شروع کیا اور کہا کہ تم اس ہندی سے ملو نہ اس کی کتابیں پڑھو۔ اور مزید برآں انہوں نے مخفی کمیٹیاں بھی کیں جن میں قتل وغیرہ کے مشورے کرتے رہے۔...... جب سے یہاں جنگ شروع ہوئی ہے

ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔اس لئے ان کو دیکھتے ہوئے مَیں مستبعد نہیں سمجھتا تھا کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہو مگر صدق اور حق کی قوت تھی جو میرے دل کو کبھی خوفزدہ نہ ہونے دیتی تھی اور جب کبھی ایسا خیال آتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ شعر زبان پر آجاتا تھا:

وَلَسْتُ أَخَافُ مِنْ مَوتِی وَقَتْلِی
إِذَا مَا کَانَ مَوْتِی فِی الْجِهَادِ

(یعنی مَیں اپنے قتل اور موت سے ہرگز نہیں ڈرتا اگر وہ مجھے خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے آئے۔ناقل)

دوسرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں ایک عبارت ہے جو ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔مجھے خوب یاد ہے جب مَیں نے اسے پہلی بار پڑھا تو اس نے میرے جسم میں ایک بجلی کی سی تاثیر کی تھی۔اس وقت میں سخت رویا تھا۔اور اسی وقت خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے خدا ہمیں بھی سید عبد اللطیف صاحب شہید سا صدق واستقامت عطا فرما۔اس عبارت کے الفاظ تقریباً یہ ہیں:

اے عبد اللطیف تیرے پر خدا تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں کہ تو نے میری زندگی میں صدق وصفا واستقامت کا نمونہ دکھایا۔جو میرے بعد آئیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیسا نمونہ دکھائیں گے۔

اس طرح میرے ایک معزز دوست نے قادیان سے لکھا کہ اگر دمشق کی بجائے جدہ میں آپ جا کر تبلیغ کریں تو وہاں سے سب ممالک میں تبلیغ کر سکیں گے۔تو مَیں نے انہیں یہی جواب دیا تھا کہ مَیں تو حکم کا بندہ ہوں جیسا حضرت صاحب ارشاد فرمائیں گے بجالاؤں گا۔لیکن اگر مجھ پر چھوڑا جائے تو مَیں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ یا تو تبلیغ کرتے کرتے یہاں فوت ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ مجھے ایک مستقل مخلص جماعت عطا فرمائے۔

22/دسمبر 1927ء کو مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے گھر سے نکلا تا کوئی کھانے کی چیز خریدوں۔چونکہ دن جمعرات تھا اور اس دن رات کو سب احمدی میرے مکان پر جمع ہوتے ہیں۔بازار دور ہونے کی وجہ سے وہاں جانا نہ چاہا۔میرے مکان کی گلی سے باہر نکلتے ہی ایک دکان ہے وہاں سے چنے خرید کر واپس اپنے گھر چلا۔مکان سے چھ سات قدم کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا موڑ ہے جہاں مغرب ہوتے ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔جب وہاں پہنچا تو مَیں نے

یہ محسوس کیا کہ مجھے کوئی پیچھے سے پکڑنا چاہتا ہے۔جب مَیں نے اس سے بھاگنے کی کوشش کی تو اس نے زور سے خنجر میری کمر میں مارا۔ اس ضرب کومَیں نے محسوس کیا۔میرے ہمسایہ کا دروازہ کھلا تھا اس میں جلدی سے داخل ہوگیا اور انہیں کہا: دیکھو مجھے کسی نے خنجر سے مارا ہے۔آخروہ اترے اس وقت خون زور سے بہ رہا تھا۔مَیں اپنے مکان کے دروازے میں بے ہوش ہوکرگر پڑا۔ پولیس پہنچ گئی اور آدھ گھنٹہ تقریبًا اپنے کاغذات وغیرہ پُر کرکے مجھے ہسپتال میں لائے''۔

(الفضل 7رفروری1928ءصفحہ 7-8 بحوالہ خالداحمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلداوّل صفحہ 183 تا186)

شدید سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے شمس صاحب نے ایک موٹا کوٹ پہن ہوا تھا جس کی وجہ سے خنجر کا زخم گہرا تو رہا لیکن دل تک نہ پہنچ سکا۔آپ زمین پر گر گئے، ہمسایوں نے آکرآپ کوہسپتال منتقل کیا۔ جب مکرم منیرالحصنی صاحب کواس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ فوراً ہسپتال پہنچے اور بمشکل اجازت لے کر جب اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں مولانا شمس صاحب زیرعلاج تھےتو آپ کومولانا شمس صاحب نے فرمایا: میرے کمرے میں جاؤ، اس میں فلاں جگہ پرسونے کی اشرفیاں پڑی ہوئی ہیں وہ لے جاؤ اورحضرت خلیفۃ المسیح الثانی کوقادیان میں دعا کے لئے تار بھیج دو۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اورمکرم مصطفیٰ نویلاتی صاحب کے والد صاحب کی طرف سے امام مہدی علیہ السلام کوبطور ہدیہ دی گئی ان اشرفیوں سے حضورؓ کی خدمت میں دعا کی تار ارسال کی۔اوراللہ تعالیٰ نے مولانا شمس صاحب کومعجزانہ طور پرشفا عطا فرمائی۔

(مقالات وردود اُحمدیہ ازنذیرمرادنی صفحہ 25-26۔مکرم طٰہٰ قزق صاحب آف اردن کی بلادشام میں احمدیت کے بارہ میں غیرمطبوعہ یادداشتیں)

......اورخطرہ ٹل گیا

خاکسارعرض کرتا ہے کہ دمشق میں بغرض تعلیم قیام کے دوران خاکسار نے یہ واقعہ مکرم ابوالفرَج الحصنی صاحب (جومکرم منیرالحصنی صاحب کے بھتیجے ہیں) سے تفصیلاً سنا تھا۔آخری حصہ کے بارہ میں انہوں نے بتایا کہ مکرم منیرالحصنی صاحب کا بیان ہے کہ:

جس ڈاکٹر نے مکرم شمس صاحب کا علاج کیا وہ عیسائی تھا۔اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں کی وجہ سے یہ عیسائی ڈاکٹر خاص طور پر مکرم شمس صاحب کی حالت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ ابتدا میں حالت بہت خطرناک تھی اور ڈاکٹر نے ایک رات کہا کہ اگر آج کی رات خیر و عافیت سے گزر گئی تو پھر خطرہ ٹل جائے گا۔منیر الحصنی صاحب کہتے ہیں کہ اگلے دن جب مَیں ہسپتال گیا تو اس عیسائی ڈاکٹر نے حیرت زدہ ہوکر کہا کہ آج کی رات معجزہ ہوا ہے۔ کیونکہ شمس صاحب کی حالت یکدم بہت بہتری کی طرف مائل ہوگئی ہے اور اب ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

جب ہم سلسلہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان معجزات کے پیچھے خلیفۂ وقت اور افراد جماعت کی عاجزانہ اور متضرعانہ دعاؤں کا آسمانی حربہ کارفرما ملتا ہے۔آیئے دیکھیں ان دنوں میں قادیان میں کیا ہوا۔

22/دسمبر 1927 کو مولانا شمس صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا اور 24/دسمبر کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں دو تار موصول ہوئے۔ ایک دمشق سے مولانا جلال الدین صاحب شمس پر قاتلانہ حملہ میں زخمی ہونے کے بارہ میں تھا جبکہ دوسرا سماٹرا کے مبلغ مولوی رحمت علی صاحب کی طرف سے تھا جس میں انہوں نے مخالفین جماعت کے ساتھ مباحثہ میں کامیاب ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی تھی۔حضورؓ کے ارشاد کے ماتحت اس تار کا اعلان اسی وقت بورڈ پر لگا دیا گیا جس میں مولانا جلال الدین شمس صاحب کی صحت کے لئے دعا کی تحریک کی گئی تھی۔ پھر حضورؓ نے اعلان کرا دیا کہ احباب بارہ بجے مسجد اقصیٰ میں جمع ہوں جہاں مل کر دعا کی جائے گی۔دسمبر کے ایام ہونے کی وجہ سے ایک خاصی تعداد جلسہ میں شمولیت کی غرض سے آنے والے احمدی احباب کی بھی تھی جو سب مسجد میں جمع ہو گئے۔ حضورؓ نے تشریف لا کر مختصر سی تقریر فرمائی۔جس میں فرمایا:

’’آج دو تاریں دو مختلف علاقوں کے مبلغوں کی طرف سے آئی ہیں۔ چونکہ یہ ایک رنگ میں قومی اہمیت رکھتی ہیں اس لئے مَیں نے دوستوں کو اس جگہ جمع کیا ہے تا کہ انہیں سنائی جائیں اور احباب مل کر دعا کریں۔‘‘

اس کے بعد حضورؓ نے دمشق کے بعض حالات بیان فرمائے۔اس کے بعد فرمایا:

’’غرض مولوی جلال الدین صاحب کی پچھلی رپورٹوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ مولویوں کی

طرف سے ان پر قاتلانہ حملہ کی تجویز ہو رہی ہے۔......ان دونوں باتوں کے لئے احباب دعا کریں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ مولوی جلال الدین صاحب کو شفا دے اور آئندہ محفوظ رکھے۔ دوسرے مولوی رحمت علی صاحب سے جو مباحثہ ہونے والا ہے اس میں خدا غلبہ عطا کرے۔''

اس کے بعد حضور مسجد کی محراب میں قبلہ رُو ہو کر بیٹھ گئے اور تمام مجمع قبلہ رُو ہو گیا اور دعا کی گئی جو پندرہ منٹ تک جاری رہی۔

(ماخوذ از الفضل 3 رجنوری 1928ء صفحہ 5-6 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اوّل صفحہ 177-178)

چنانچہ مولانا شمس صاحب کی یہ معجزانہ شفاء حضرت امام جماعت احمدیہ اور افراد جماعت کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔

عربی اخبارات میں اس واقعہ کا ذکر

مولانا شمس صاحب پر قاتلانہ حملہ کی خبریں عربی اخبارات میں شائع ہوئیں اور انہوں نے اس واقعہ کی مذمت کی اور آرٹیکل چھاپے۔ چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۞......اخبار الف باء نے حادثہ کے دوسرے دن ''المبشر الإسلامی'' کے عنوان کے تحت لکھا:

پولیس کی طرف سے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ السید جلال الدین شمس ابن امام الدین احمدی جبکہ مغرب کے بعد اپنے گھر جا رہے تھے تو بعض اشخاص نے انہیں خنجر سے خطرناک طور پر زخمی کر دیا۔ دو شخصوں کو اس جرم میں پکڑا گیا ہے اور تحقیق کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشخاص بعض علماء کی طرف سے اس کام کے لئے بھیجے گئے تھے۔

۞......اس خبر کو بیروت کے اخبارات البلاغ اور المشرق نے بھی نقل کیا ہے۔

۞......اخبار الصفاء کے دمشقی مراسل نے یہ لکھا ہے کہ:

یہی بات ارجح معلوم ہوتی ہے کہ وہ مشائخ کی طرف سے خصوصاً شیخ ہاشم الخطیب کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

۞......اخبار الرأی العام نے لکھا:

ہم اپنی رائے اس بارہ میں محفوظ رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت تک جو کچھ معلوم ہوا

اورلوگوں کی زبانوں پر جاری ہے وہ یہی ہے کہ یہ اشخاص شیخ هاشم الخطیب اور شیخ علی الدقر کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔اگر یہ بات صحیح ہوتو انہیں سخت سزا دینی چاہئے۔

......اخبار المقتبس نے مندرجہ ذیل چار عنوان دیئے:

حریة الفکر و العقیدة (آزادئ فکر وعقیدہ)

......تعالیَ اللّٰه عما یعملون (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو کسب وہ کرتے ہیں)

......الإسلام دین تسامح و هدایة (اسلام رواداری اور رشد وہدایت کا مذہب ہے)

......الاعتداء السافل علی المبشر الأحمدی (احمدی مبلغ پر بزدلانہ حملہ)

ان عنوانات کے ماتحت لکھا ہے:

گزشتہ ہفتہ کی خبروں میں سے ایک خبر یہ تھی کہ چند اشخاص نے شیخ جلال الدین شمس المبشر الأحمدی الهندی کو جبکہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تھے چھری سے چند زخم لگائے اور اسے حیات اور موت کے درمیان زخمی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

......پھر لکھا ہے:

اسلام جہلاء کے ایسے برے افعال سے پاک ہے۔ وہ ایک سیدھا راستہ ہے جو بھلائی کا حکم دیتا اور بھلائی سے منع کرتا اور کسی نفس کا بدون حق کے قتل حرام قرار دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس جرم کے ارتکاب کا باعث ایک پر جوش مباحثہ تھا جو استاد مبشر اور بعض جہلاء مسلمین کے درمیان ہوا۔ اس وقت بعض نے ان کو دفتر میں ہی مارنے کا ارادہ کیا۔لیکن ان کے اور ان کے بد ارادہ کے پورا ہونے کے درمیان مسلمانوں کا ایک سنجیدہ گروہ حائل ہوگیا۔اور مجمع کسی ناخوشگوار واقعہ کے بغیر ہی منتشر ہوگیا۔لیکن ان کے کینہ اور غصہ سے بھرے ہوئے دل استاد مبشر پر غیظ وغضب سے بھر گئے اور گردشوں کا انتظار کرنے لگے۔ رستوں کے موڑوں پر اس کو اچانک قتل کرنے کے قصد سے چھپ کر گھاتیں لگانے لگے۔اس کی نسبت جھوٹی افواہیں اڑانے لگے۔اسے برطانوی استعمار کی تائید کی تہمتیں لگانے لگے۔اور یہ کہنے لگے کہ مذہب احمدی کا بانی یہ کہتا ہے کہ اسلام کی نجات اسی میں ہے کہ وہ دولت برطانیہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔

وقوع جرم اور حدوث خیانت سے پہلے یہ حالت تھی اور لوگوں کا یہی خیال ہے کہ اسی سبب سے مجرموں نے اس بدجرم کا ارتکاب کیا ہے۔

پھر لکھا ہے:

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ علماء اور شیوخ اس جرم کو نہایت برا خیال کرتے ہیں۔ یہ فعل جہلاء کا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اسلام ان کے اس فعل سے بلند اور پاک ہیں۔

(ماخوذ از الفضل 14/فروری 1928ء صفحہ 6 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلداوّل صفحہ 189 تا 192)

مولانا شمس صاحب کو دمشق چھوڑنے کا حکم

مولانا شمس صاحب کچھ عرصہ زیر علاج رہ کر مؤرخہ 8/جنوری 1928ء کو ہسپتال سے ڈسچارج ہو گئے، لیکن اس کے بعد علماء کی شورش کی وجہ سے شام کی فرانسیسی حکومت نے آپ کو دمشق میں مزید ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے آپ نے منیر الحصنی صاحب کو دمشق میں اپنا قائمقام امیر مقرر کر دیا اور 17/مارچ 1928 کو دمشق سے نکل کر فلسطین میں آ گئے، اور حیفا میں اپنا مرکز قائم کر لیا۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 525۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ 378-379)

حضرت مولانا شمس صاحب حیفا میں

مکرم طٰہ قزق صاحب مرحوم سابق صدر جماعت اردن لکھتے ہیں:

مولانا جلال الدین صاحب شمس جب حیفا تشریف لائے اور شارع الناصرہ پر ریلوے سٹیشن کے قریب کرائے کے گھر میں رہنے لگے۔ میرے والد میرے چچا اور ایک دوست مکرم رشدی بسطی صاحب بھی ان دنوں ریل کے محکمے میں کام کرتے تھے۔ انہی دنوں اخباروں نے لکھنا شروع کیا کہ حیفا میں ایک مبلغ آئے ہیں اور ایسے عقائد کی طرف بلاتے ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے۔

رشدی بسطی صاحب مولانا جلال الدین صاحب شمس سے ملنے گئے اور متعدد ملاقاتوں کے بعد بیعت کر لی۔

اس کے بعد میرے والد صاحب بھی ان سے ملنے گئے اور جب واپس آئے اور سوئے تو

خواب میں ان کو آواز سنائی دی کہ: جلدی کرو، احمدی تو اب مدینہ منورہ کے بھی متولی بن گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اگلے دن ہی گئے اور بیعت کر لی۔

میرے والد صاحب دیسی جڑی بوٹیوں سے علاج ومعالجہ کیا کرتے تھے اور اس میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا خصوصًا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب بڑی کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور اکثر حضور علیہ السلام کے عربی قصائد کے اشعار گنگناتے رہتے تھے۔

میرے والد صاحب کے بعد میرے چچا نے بیعت کی۔ وہ میرے والد صاحب کے ساتھ ہی ایک گھر میں رہتے تھے اور ایک بزرگ انسان تھے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے گھر جلال الدین نامی شخص آیا ہے اور انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ چنانچہ جب میرے والد صاحب نے مولانا جلال الدین صاحب کو بیعت کے بعد اپنے گھر مدعو کیا تو میرے چچا نے بھی بیعت کر لی۔ ان کے بعد اہل کبابیر میں سے کافی احباب نے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ اس سے قبل وہ شاذلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

میرے والد صاحب الحاج محمد القزق صاحب کے دو چچیرے بھائی تھے ان میں سے ایک نہایت مخالف بن گیا چنانچہ وہ بعض بدبختوں کو بھیج کر میرے والد صاحب پر گندے ٹماٹر اور مالٹے پھینکوایا کرتا تھا۔ جبکہ دوسرا آبادی سے دور پہاڑی علاقے میں رہتا تھا اور نہایت بہادر اور اثر ورسوخ والا آدمی تھا۔ ان دنوں وہاں پر ایک مولوی نے جوش میں آ کر یہ اعلان کیا کہ احمدی کافر ہیں اور ان کا قتل جائز ہے۔ جب اس شخص نے مولوی کی یہ بات سنی تو فورًا کہا: احمدیوں کی طرف بڑھنے والا ہاتھ ان تک پہنچنے سے قبل کاٹ دیا جائے گا۔ مَیں احمدی نہیں ہوں لیکن ابھی جا کر اپنے احمدی ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور جس میں ہمت ہے وہ میرے سامنے آ کے دکھائے۔ چنانچہ یہ اسی وقت ہمارے گھر آئے اور ہمیں ساری کہانی سنائی۔ یہ مولوی بعد میں انگریزوں کے خلاف بغاوت میں شریک ہوا اور اسی میں مارا گیا۔

مولانا جلال الدین صاحب شمس کا حیفا میں پہلا مناظرہ شیخ کامل القصاب کے ساتھ ہوا جس میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ یہ شیخ شام سے بھاگ کر آیا تھا اور فرانسیسی قابضوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا۔ اس وقت فرانسیسیوں اور انگریزوں کے درمیان تعلقات تناؤ کا شکار تھے۔ اور فرانسیسیوں کے شام پر قبضہ کی وجہ سے کئی جنگجو بھاگ کر فلسطین

آ گئے تھے۔ انہوں نے فلسطین میں ایک مدرسہ کھولا تھا جس پر اسلامی طرزِ عمل کی چھاپ تھی۔مَیں بھی اسی مدرسہ میں پڑھتا تھا۔اس میں نظم ونسق بہت اعلیٰ درجہ کا تھا اورسختی بہت ہوا کرتی تھی۔سکول ٹائم کے بعد بھی طلباء کے کئی دستے بازاروں میں راؤنڈ پر رہتے تھے اور اگر کسی طالبعلم کوخلاف ادب اورخلاف اخلاق حرکت کرتے ہوئے دیکھتے تو اگلے دن سکول میں اس کوسب کے سامنے بلایا جاتا تھا اور بعض اوقات ڈنڈے مارے جاتے تھے۔مدرسہ سے چھٹی کے بعدلڑکے قطار میں نکلتے تھے اور جس کا گھر آ جاتا تھا وہ قطار سے نکل کر گھر میں داخل ہو جاتا تھا۔

ایک دن ہم قطار میں جا رہے تھے کہ سامنے سے مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ آ گئے۔میرے ساتھ کےلڑکے نے انکو دیکھ کر گالی دی۔مَیں خاموش رہا۔جب میرا گھر آیا تو مَیں گھر میں داخل ہوتے وقت اس لڑکے کو بھی گھسیٹ کر اندر لے آیا اور اسے کہا کہ مَیں تمہیں جان سے ماردوں گا۔وہ مجھ سے معافیاں مانگنے لگ گیا۔چنانچہ مَیں نے اسے ایک ہلکا سا طمانچہ مار کر چھوڑ دیا۔اس لڑکے نے میری شکایت شیخ کامل القصاب کے بیٹے سے کی جو کہ نہایت کرخت اور بہت سخت آدمی تھا۔اس نے مجھے بلایا اور جب مَیں پہنچا تو ناشتہ کر رہا تھا۔ناشتے سے فارغ ہوکراس نے مجھ سے پوچھا کہ اس لڑکے کو کیوں مارا تھا؟مَیں نے کہا کہ اس نے میرے والد صاحب کے دوست کو گالی دی تھی۔اس نے پوچھا کہ کون ہے تمہارے والد کا دوست؟ مَیں نے کہا کہ احمدی مبلغ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ۔اس پر اس نے میری توقع کے بالکل برعکس صرف اتنا کہا کہ ایسا دوبارہ نہیں کرنا اور جانے دیا۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کی دو باتیں خاص طور پرمشہورتھیں۔ایک یہ کہ انہیں جب بھی کسی قرآنی آیت کا حوالہ مطلوب ہوتا تھا تو وہ اکثر اسی جگہ پرمل جاتا تھا جہاں سے وہ قرآن کریم کھولتے تھے یا اس کے ایک دوصفحات اِدھر یا اُدھر۔دوسری بات یہ کہ وہ غیر معمولی حاضر جواب تھے۔بسا اوقات لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں پوچھے جانے والے سوال کا پہلے علم تھا اس لئے تو اتنا مناسب اورجلدی جواب دے دیا ہے۔

ایک دفعہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ ہمارے گھر تشریف لائے۔ان کے ہاتھ میں چند خطوط اور اخبار تھا۔مَیں نے انہیں ایک کمرے میں بٹھا دیا۔انہوں نے خط پڑھا اور وہیں تخت پرہی لیٹ گئے اور اخبار منہ پر رکھ لیا۔میں سمجھا کہ شاید آرام فرمارہے ہیں۔اس

لئے مَیں کمرے سے نکل گیا۔ جب کچھ دیر کے بعد میرے والد صاحب اور چچا جان تشریف لائے اور کمرے میں گئے تو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مولانا جلال الدین صاحب شمس رو رہے ہیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ اس خط میں ان کے بھائی کی وفات کی خبر تھی۔

حضرت مولانا شمس صاحب کے حیفا میں مناظرے

حیفا میں مولانا شمس صاحب کے شیخ کامل القصاب کے ساتھ مناظرے کا تو ذکر ہو چکا ہے یہ مباحثہ دو دن جاری رہا اور جب شیخ مذکور نے اپنی شکست محسوس کی تو عوام کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ ان مخدوش حالات کے باوجود آپ برابر تبلیغی کوششوں میں مصروف رہے۔ چنانچہ اپریل 1928ء سے فروری 1929ء تک آپ کے آٹھ پرائیویٹ مناظرے علماء سے، دو بہائیوں اور سات عیسائیوں سے ہوئے۔ عیسائیوں کے ساتھ جو مناظرے ہوئے ان کا اثر مسلمانوں پر بہت اچھا ہوا۔ اور مشائخ کے ساتھ جو مناظرے ہوئے ان میں سے پہلے مناظرہ میں مدمقابل عالم نے اپنی شکست محسوس کر لی۔ اس لئے دوسرے مناظرہ میں شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کی جس کا نتیجہ فوری طور پر یہ ہوا کہ جو صاحب محرک مناظرہ تھے وہ احمدی ہو گئے۔ ان کی بیعت پر مشائخ اور بھی زیادہ مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور تمام مساجد میں جمعہ کے دن جبکہ دیہات سے بھی سینکڑوں لوگ حیفا میں آئے ہوئے تھے سلسلہ احمدیہ اور آپ کے خلاف تقریریں کیں۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ سلسلہ سے ناواقف لوگ واقف ہو گئے۔ اور جو واقف تھے وہ قریب تر ہو کر سلسلہ کے حالات کا مزید مطالعہ کرنے لگے۔

فلسطین میں شمس صاحب کی مخالفت

وسط 1929ء میں غیر احمدی علماء نے جماعت احمدیہ کی بڑھتی ہوئی ترقی دیکھ کر مخالفت تیز کر دی۔ چنانچہ انہوں نے فلسطین کی المجلس الإسلامی الأعلیٰ سے ایک مبلغ شمس صاحب کے مقابلہ کے لئے بلوایا جس نے جمعية الشبان المسلمين اور دوسرے مقامی علماء کے ساتھ مل کر احمدیوں پر جبر وتشدد کرنا شروع کیا۔ اس شور وشر کے تھوڑے عرصہ کے بعد یہودیوں اور مسلمانوں میں جھگڑا شروع ہو گیا اور ایک دوسرے کے خلاف مظاہرات کرنے لگے اور قتل کی وارداتیں شروع ہو گئیں۔ اور معلوم ہو گیا کہ فسادی عنصر آپ کے مکان پر حملہ

کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپ کو فساد کے اندیشہ سے مجبوراً دوسرے مکان میں منتقل ہونا پڑا۔

فلسطین میں تبلیغ میں مشکلات

فلسطین میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی مخالفت کی وجہ سے تبلیغ کی راہ میں حائل ہونے والی مشکلات کے علاوہ اس زمانہ میں وہاں کے عرب اخلاقی اور دینی اعتبار سے زبوں حالی کا شکار تھے اور ایسے حالات میں تبلیغ کے کام میں کامیابی کا حصول بہت مشکل امر تھا۔ اس حالت کا نقشہ اس زمانے کی ایک رپورٹ میں بڑے سادہ انداز میں کھینچا گیا ہے جسے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

''فلسطین میں اکثر آبادی مسلمانوں کی ہے اور ان کے دو طبقے ہیں، قدامت پسند اور تعلیم یافتہ۔ اوّل الذکر فریق مشائخ کے زیر اثر ہے اور پرانے خیالات کی کورانہ تقلید کر رہا ہے۔ اور مؤخر الذکر گروہ دہریت، الحاد اور مغرب پرستی میں غرق ہونے کے علاوہ علم دین سے ہی بیزار ہے۔ مزید برآں یہ ہے کہ ہر دو فریق عربی النسل ہونے کے باعث باوجود اپنی جہالت کے عجم سے گونہ نفرت رکھتے ہیں۔ گویا عربیت جاتی رہی ہے۔ نہ دین ہے نہ اخلاق ہیں۔ نہ زبان صحیح ہے مگر غرور، نخوت، اور تکبر بے انداز۔

عیسائی آبادی کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر ہیں۔ مگر دہریت اور اسلام دشمنی میں اوّل نمبر پر۔ اور طرفہ یہ کہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے دوست ہیں۔ یہودی بالکل جمود کی حالت میں ہیں۔ نوجوانوں میں حرکت ہے مگر دہریت اور شیوعیت کی طرف۔''

(رپورٹ سالانہ 32-1931ء صفحہ 8 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اول صفحہ 210-211)

ان حالات میں سعید روحیں جب حضرت مولوی صاحب کی طرف مائل ہونا شروع ہوئیں اور پاک طینت وجود احمدیت کو بنظر استحسان دیکھنے لگے تو مُلّاؤں نے مخالفت شروع کر دی۔ اور مختلف مناظرات میں اپنی شکست کو محسوس کر کے لوگوں کو مولوی صاحب کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا، اور سلسلہ احمدیہ کی طرف بے سروپا باتیں منسوب کر کے لوگوں کو اس سے بدظن کرنا شروع کر دیا۔ اس بارہ میں حضرت مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مشائخ کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے لوگ اس درجہ مشتعل ہو چکے تھے کہ دو تین ماہ

تک مجھے شہر میں اکیلے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اور ان لوگوں نے فتویٰ دے دیا کہ اس ہندی سے ملنا، بات کرنا، اس کی کتابیں پڑھنا حرام ہے اور اس کا قتل جائز ہے۔ جس ہوٹل میں مَیں رہتا تھا اس کے سامنے پہرہ لگا دیا گیا تا کوئی میرے پاس نہ آئے۔ جو آنے کی کوشش کرتا اسے بزور روک دیا جاتا۔ لیکن باوجود ان روکوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا تھا۔ ان کے سینوں کو کھول کر میرے پاس لے آتا تھا۔

(رپورٹ مجلس مشاورت 1929ء صفحہ 176 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلد اوّل صفحہ 212-213)

ان ناخوشگوار حالات اور مشکلات میں حیفا کے مکینوں میں سے صرف ایک محترم دوست محمد نوام ابوفوزی تھے جو اس مخالفت کے تند سیلاب میں بلا ناغہ مولوی صاحب کے پاس آتے رہے اور تمام مخالفتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ محترم خلیل محمد نوام ابوفوزی صاحب دمشق کے پہلے احمدی مصطفیٰ نویلاتی صاحب کے غیر احمدی دوست تھے جو فلسطین میں رہتے تھے۔ جب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس فلسطین تشریف لائے تو اس سے قبل ہی مصطفیٰ نویلاتی صاحب نے ابوفوزی صاحب کو خط لکھ دیا تھا اور مولانا شمس صاحب کے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ چنانچہ فلسطین پہنچنے پر یہ دوست مولانا شمس صاحب کو باصرار اپنے گھر لے گئے اور اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا۔ چند دن کے بعد یہ دوست سلسلہ میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد دو اور اشخاص جو ان کے دوستوں میں سے تھے، بھی احمدیت میں داخل ہو گئے۔

(ماخوذ از مرجع سابق)

یمن کے ایک ابتدائی احمدی الحاج محمد بن محمد المغربی سے ملاقات

آپ کا اصل نام الحاج محمد بن محمد منصور ریاقات المغربی تھا۔ آپ مراکش (جسے عربی میں المغرب کہتے ہیں اور اسی کی نسبت سے آپ المغربی کہلائے) میں ''مکناس'' نامی ایک جگہ کے رہائشی تھے۔

مکرم مولانا چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ ان کے بارہ میں لکھتے ہیں:

آپ نے حج کے لئے جانے والے قافلہ کے ہمراہ بیت اللہ الحرام کا قصد کیا اور تمام سفر کبھی اونٹ پر سواری کرتے ہوئے اور کبھی پیدل طے کیا۔ آپ نے کل 17 مرتبہ حج کیا۔ مکہ

مکرمہ میں آپ دن کا کچھ وقت کام کرتے تھے تا کہ کھانے کیلئے کچھ خرید سکیں جبکہ باقی تمام وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں گزارتے تھے۔ مکہ سے آپ یمن چلے گئے جہاں آپ ''سیدی محمد بن ادریس'' کی شاگردی اختیار کی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے تھے۔ سید محمد بن ادریس کی وفات کے بعد آپ نے وطن واپس جانا چاہا لیکن حالات کی خرابی کے باعث حیفا آ گئے جہاں طیرہ نامی ایک علاقے میں ایک مسجد جامع الجرینۃ میں قیام فرمایا اور بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم کا کام شروع کر دیا۔

3/جون 1928ء کو مولانا شمس صاحب بعض دوستوں کے ہمراہ سیر کرتے ہوئے (کبابیر کے نیچے واقعہ) وادی السیاح میں پہنچے جہاں ان کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جس کا نام الحاج محمد المغربی الطرابلسی تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ بزرگ 23 سال سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں۔

حضرت مولانا شمس صاحب ان کے بارہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا:

''مَیں یمن میں امام محمد بن ادریس امامِ یمن کے پاس تھا جو کابل سے امام محمد بن ادریس کے پاس چند کتابیں اس مدعی کی پہنچیں۔ آپ نے دو کتابیں پڑھ کے علماء کے سپرد کر دیں اور کہا کہ یہ کام آپ کا ہے اس کے بارہ میں رائے ظاہر کریں، اور آپ نے خود اس کے متعلق کچھ نہ کہا۔ پھر علماء میں اس کے متعلق اختلاف ہوا۔ بعض کہیں کہ جو کچھ اس نے لکھا سچ ہے۔ بعض کہیں کہ ایسی باتیں کہنے والا کافر ہے۔ مگر مَیں استخارہ کر کے اور بعض خوابیں دیکھ کر آپ پر ایمان لے آیا۔ چنانچہ مَیں اس وقت سے آپ کو امام الوقت مسیح موعود مانتا ہوں۔...... مَیں نے پوچھا کون سی کتابیں وہاں پہنچی تھیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے اس وقت چند عبارات حفظ کی تھیں۔ جب انہوں نے عبارات سنائیں تو وہ الِاسْتِفْتَاء کی تھیں۔ پھر انہوں نے قصیدہ اعجازیہ کے شعر سنائے......۔ 13/جولائی کو وہ میرے مکان پر جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لائے تو نماز ادا کرنے کے بعد کہنے لگے: اگرچہ مَیں پہلے سے ایمان لایا ہوا ہوں مگر پھر آپ کے ہاتھ پر تجدید عہد کرتا ہوں۔ تب وہ اور دو شخص اور ان کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہوئے۔''

1930ء میں جبکہ کبابیر میں الحاج صالح عبد القادر عودہ نے اپنے خاندان سمیت احمدیت قبول کر لی تو الحاج المغربی بھی کبابیر میں آ گئے اور کبابیر کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اور مدرسہ کبابیر قائم ہونے تک باقاعدہ یہ خدمت بجا لاتے رہے۔

جب خدا تعالیٰ کے فضل سے کبابیر میں احمدی پریس کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت بجلی کی سہولت تو میسر نہ تھی تمام کام ہاتھ سے ہی سرانجام دیئے جاتے تھے۔اس سلسلہ میں مکرم الحاج المغربی صاحب نے اپنی خدمات پیش کیں اور 1935 سے لیکر 1953 تک مسلسل 18 سال تک یہ کام کرتے رہے۔

آپ صوم وصلاۃ کے پابند تھے روزانہ دو بجے رات کو جاگ جاتے تھے اور تہجد ادا کیا کرتے تھے۔اور باوجود مالی حالات کی خرابی کے مکمل پابندی کے ساتھ چندہ ادا کرتے تھے۔18 دسمبر 1960ء کی رات آپ نے تہجد کی نماز ادا کی اور نماز فجر کا انتظار فرما رہے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔یوں آپ پر بوقت وفات بھی اس مؤمن کی مثال صادق آئی کہ جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔

(مآخذ تاریخ احمدیت ج4 ص526، مجلۃ البشری جنوری، فروری 1937ء ص52 تا 53، الفضل ۱۳، اگست 1928ء ص7 بحوالہ خالد احمدیت جلد اول ص204 تا 205، تابعین اصحاب احمد جلد اول صفحہ 80 تا 93)

شیخ سلیم بن محمد الربانی، پاک تبدیلی کا شاندار نمونہ

آپ ایک ایسے گاؤں کے باشندہ تھے جو ایام جاہلیت کا نمونہ تھا اور تمام فلسطین میں بلحاظ چوری ڈکیتی اور آپس میں لڑائیوں جھگڑوں کے لئے بدنام تھا۔احمدیت قبول کرنے کے بعد جب بستی کے لوگوں نے شیخ ممدوح کی سخت مخالفت کی تو انہوں نے نہایت صبر و استقلال سے ان کی مخالفت کا مقابلہ کیا اور دیوانہ وار تبلیغ میں مصروف رہے۔اعلانیہ طور پر مساجد میں جا جا کر علیحدہ نمازیں پڑھتے رہے۔کوئی اعتراض کرتا تو نہایت نرمی سے کہتے کہ مسیح موعودؑ دوسرے لوگوں کی اقتداء کرنے کے لئے نہیں آئے بلکہ وہ اس لئے آئے ہیں تا دنیا کے لوگ ان کی اقتداء کریں۔ان کے وہاں کئی مباحثے ہوئے ایک مباحثہ میں تقریباً تین سو کی حاضری تھی اور بالمقابل ازہر کا تعلیم یافتہ شیخ تھا۔دوران مناظرہ ایک شخص نے آپ کی گردن پر چپت لگائی۔ان کے رشتہ داروں نے فوراً اس مارنے والے سے بدلہ لینا چاہا لیکن آپ نے روک دیا اور کہا کہ مجھ سے زیادہ کون شقی تھا؟ مَیں چاہوں تو اس سے خود بدلہ لے سکتا ہوں۔مگر اس وقت صرف یہی کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے۔

(ماخوذ از رپورٹ مجلس مشاورت 1929ء صفحہ 179 بحوالہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے حالات زندگی جلداوّل صفحہ 238-239)

شیخ سلیم الربانی صاحب نے مچھلیوں کا شکار سیکھنا شروع کیا۔اس دوران انہوں نے وہاں کے مچھیروں کو بھی تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ ابھی ان کو اس کام میں ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ ایک روز چند شکاریوں نے جنہیں وہ تبلیغ کیا کرتے تھے ان سے کہا: اگر تم واقعی حق پر ہو تو فلاں شکاری سے مقابلہ کے لئے نکلو پھر جس کے جال میں پہلے مچھلی آئے گی وہ حق پر ہوگا۔ وہ شکاری دس جالوں سے شکار کرتا تھا اور نہایت ماہر مچھیرا مانا جاتا تھا۔شیخ صاحب نے کہا کہ مَیں اس مقابلہ کو اس شرط کے ساتھ قبول کرتا ہوں کہ پہلے سمندر کے کنارے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ حق ظاہر کر دے پھر جال پھینکیں گے۔انہوں نے یہ شرط مان لی۔ کیونکہ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ تو ابھی سیکھتا ہے کیا مقابلہ کر سکے گا۔ چنانچہ دو رکعت نماز کے بعد دونوں نے متعدد بار جال پھینکے۔آخر پہلے مچھلی شیخ سلیم صاحب کے جال میں آئی۔انہوں نے فوراً خدا تعالیٰ کے آگے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس موقعہ پر دو مچھیروں نے تصدیق کی اور جماعت میں شامل ہو گئے اور یہ بات پورے گاؤں میں مشہور ہوگئی۔

(ماخوذ از الفضل 26 / مارچ 1929ء صفحہ 2 بحوالہ خالد احمدیت جلد اوّل صفحہ 251)

فلسطین کے کچھ ایمان افروز واقعات

میری بیعت لیجئے

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس لکھتے ہیں:

''عید الفطر پر ایک دمشقی عالم شیخ ابراہیم طیب المغربی شاذلی طریقہ (صوفیوں کا ایک فرقہ) کے اپنے شاذلی دوستوں کو ملنے کے لئے حیفا تشریف لائے۔ عید کے تیسرے روز ایک مشہور شاذلی شاعر نے مجھے اپنے مکان پر دعوت دی اور شیخ ابراہیم طیب بھی مدعو تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ حیات اور آپ کے دعاوی کے متعلق تقریباً پانچ گھنٹہ تک گفتگو ہوئی۔ اختتامِ مجلس پر انہوں نے کہا کہ یہ اجتماع ہمارے لئے لیلۃ القدر کی طرح ہے۔ اس کے دو دن بعد شیخ ابراہیم طیب میری ملاقات کے لئے آئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ سننے کا شوق ظاہر کیا۔ مَیں نے خطبہ الہامیہ کے تقریباً ساٹھ صفحے سنائے۔ پھر انہوں نے جماعت میں داخلہ کی شرائط دریافت کیں۔ پھر کہا کہ ہاتھ بڑھایئے اور میری بیعت لیجئے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر انہوں نے بیعت کی۔ ان کا شاذلیوں پر اچھا اثر ہے۔

(الفضل 17 رمئی 1929ء صفحہ 7۔ بحوالہ خالد احمدیت جلداوّل صفحہ 254)

احمدیت۔ مسیحیت کے لئے کاری ضرب

حیفا میں عید کے دوسرے روز چند غیر احمدی ایک مسیحی کو میرے پاس لے آئے اس نے انہیں ایک کتاب مطالعہ کے لئے دی تھی...... جب ایک ہفتہ بعد ان سے دریافت کرنے کے لئے آیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ چلو احمدی شیخ کے پاس چلتے ہیں۔ وہ اسے لے آئے۔ ظہر سے عصر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر اس مسیحی نے میری تمام باتوں کو

مان لیا اور قسم کھا کر کہا کہ یہاں کے مشائخ قطعاً ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ غیر احمدیوں نے بھی احمدیوں سے کہا کہ درحقیقت احمدیت مسیحیت کے لئے ایک کاری ضرب ہے۔

(الفضل 7؍مئی 1931ء صفحہ 2۔ بحوالہ خالد احمدیت جلد اوّل صفحہ 255)

احمدیوں کی تفسیر بہت پسند ہے

ایک دوست لکھتے ہیں:

قدس میں جب ہم احمد زکی پاشا سے ملنے کے لئے گئے تو وہاں مختلف ممالک کے نمائندے موجود تھے۔ احمد زکی پاشا نے ہمارا تعارف ہر ایک وفد کے نمائندوں سے کرایا۔ اور شرق الاردن کے مفتی صاحب کو مخاطب کر کے کہا: احمدیوں کی تفسیر بہت پسند ہے کیونکہ یہ جو تفسیر کرتے ہیں اس میں خرافات اور خلاف عقل باتیں نہیں ہوتیں۔ اور میرا تو جی چاہتا ہے ان تفسیروں کو ضائع کر دیا جائے جن میں دوراز قیاس اور خلاف عقل باتیں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ یوسف کی تفسیر پر ذکر چھیڑ دیا۔ جس پر مفتی صاحب اور دوسرے علماء بول اٹھے کہ فلاں مفسر نے یوں لکھا ہے۔ اس وقت احمد زکی پاشا نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ اس کے متعلق بیان فرمائیں۔ مولوی صاحب نے نہایت فصاحت کے ساتھ تقریر کی۔ مفتی صاحب یا کسی اور کو جرأت نہ ہوئی کہ کسی قسم کا اعتراض کریں۔ کیونکہ مولوی صاحب کی تقریر نہایت مدلل تھی۔

(الفضل 11؍دسمبر 1930ء صفحہ 2)

مولانا جلال الدین شمس صاحب کی مصر میں مساعی

فلسطین میں رہائش کے دوران آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے اپنے دائرہ تبلیغ میں مصر کو بھی شامل کر لیا اور اپنے وقت کو تقسیم کر کے دونوں ملکوں میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔آپ دو دفعہ چھ چھ ماہ کے لئے مصر تشریف لے گئے۔ پہلی دفعہ دسمبر 1929ء میں اور دوسری دفعہ اگست 1930ء میں۔

مناظرہ بر وفات مسیح

مولانا جلال الدین صاحب شمس 7/دسمبر 1929ء کو حیفا سے مصر کو روانہ ہوئے۔ان کے ہمراہ مکرم منیر الحصنی صاحب بھی تھے۔ یہاں پر آکر بعض امراء سے ملاقاتوں اور وفات مسیح پر جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ ایک شیخ سے مناظرہ ہوا جس میں شیخ موصوف کو شدید ہزیمت اٹھانی پڑی۔ بعض حاضرین نے تو شیخ صاحب کو منہ پر کہہ دیا کہ آپ نہ تو اپنی کسی دلیل کو ثابت کر سکے اور نہ ہی وفات مسیح پر پیش کردہ دلائل کو ردّ کر سکے۔ پہلے تو یہ شیخ کہتا تھا کہ مَیں ہر روز آپ سے گفتگو کے لئے وقت نکال سکتا ہوں۔لیکن اب اس ہزیمت کے بعد اس نے گفتگو کرنے کا نام تک نہ لیا۔

مصر میں عیسائیت کی یلغار کا ایک جائزہ

ازاں بعد مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مکرم منیر الحصنی صاحب ان دونوں بزرگوں نے وہاں کے عیسائی مشنوں کے بارہ میں معلومات حاصل کیں جس کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ اس وقت وہاں پانچ چھ عیسائی مشن کام کر رہے تھے۔جن کی نہایت عالیشان عمارتیں تھیں

جن میں سکول بھی تھے۔ مسلمانوں کی اولاد کو مسیحی مدارس کے قوانین کے مطابق گرجاؤں میں نماز کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ اور ہزاروں پونڈز ہر ماہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے خرچ کئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں تقریبا چار یا پانچ رسالے نکالے جاتے تھے۔ عیسائیت کی اس پُر زور رَو کے بالمقابل مسلمانوں کی کوشش صفر تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عام مسلمانوں کی حیثیت ایک خاموش تماشائی سے زیادہ نہ تھی۔ اور جہاں تک علماء کا تعلق ہے تو ازہر کے بعض تعلیم یافتہ شیخ عیسائی ہو چکے تھے اور اعلانیہ عیسائیت کا پرچار کرنے لگے تھے۔ دیہات میں عیسائی بنانے کی تحریک زوروں پر تھی۔

ان حالات کے پیش نظر ان دونوں مجاہدوں نے مسیحیوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی اور ان کے مشنوں اور گرجوں میں جا کر مناظرے کئے۔

(ماخوذ از الفضل 7رفروری 1930ء صفحہ 2، رپورٹ مجلس مشاورت 1930ء صفحہ 159-60۔ بحوالہ خالد احمدیت جلد اوّل صفحہ 223۔224، 228، سلسلہ احمدیہ صفحہ 379۔ مجلۃ البشریٰ مارچ 1936ء صفحہ 13)

کاش تم مسیحی مشنری ہوتے

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس اور منیر الحصنی صاحب کی مصر میں تبلیغی مساعی کے بارہ میں مکرم محمود احمد عرفانی صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں جس قدر مسیحی جماعتیں ہیں ان کے کیمپ پر جا کر منیر اور شمس نے ہجوم کیا۔ اور ان کی زبانیں جو اس سے پیشتر اسلام کے خلاف چلتی تھی بند کر دیں۔ مسیحی مناد جو روزانہ یہاں کے علماء کو تنگ کرتے تھے، احمدی مبلغین کے دلائل سن کر دنگ رہ گئے اور بول اٹھے کہ ہم احمدیوں سے بحث نہیں کرتے۔ ان مباحثات کا یہ اثر ہوا کہ نوجوانوں کی ایک جماعت مولوی جلال الدین صاحب کی طرف مائل ہوگئی اور اسلام کی تعلیم سننے لگی۔ ان میں سے ایک مسیحی ہو چکا تھا اس نے مسیحیت کے طوق کو اپنے گلے سے اتارا اور اسلام قبول کر کے احمدیت میں داخل ہوگیا۔ دو اور نوجوان اس کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اس طرح ان مباحثات کے نتیجے میں تین نوجوان ہمیں ملے۔ باقی نوجوانوں پر بھی گہرا اثر ہے اور وہ احمدیت کے اثر کو قبول کرنے لگ گئے ہیں۔

عیسائی حلقوں میں بہت شور پڑ گیا اور ان کو سخت پریشانی ہوئی۔ احمدی مبلغ کے دلائل کی

طاقت دیکھ کر ایک دن ایک عیسائی پطرس نامی نے کہا: کاش تم مسیحی مشنری ہوتے۔عیسائیت کے لئے تمہارا وجود خسارہ ہے۔احمدی مبلغ نے کنیسہ امریکان میں شیخ کامل منصور سے، ڈاکٹر فلپس امریکان سے اور کوبری سیمون پر انجمن تبشیر مسیحی کے انچارج سے، جمعیۃ شرف میں پادری پطرس اور وہاں کے سیکرٹری سے اور ایک انجمن إنجيل للجميع میں مباحثات کئے اور خدا تعالیٰ نے کامیابی دی۔

اب جب عیسائیوں نے مباحثات سے انکار کر دیا ہے احمدی مشنری نے دوسرا حملہ ایک ٹریکٹ کے ذریعہ سے ان پر کیا ہے جو دو ہزار شائع کیا گیا ہے۔اس ٹریکٹ کا نام تحقیق الادیان ہے۔ (الفضل 11/مارچ 1930ء صفحہ 2-3۔بحوالہ خالد احمدیت جلداوّل صفحہ 226-227)

آخرین کے ابن عباس

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے مصر پہنچنے پر مشورہ سے طے پایا کہ وہاں ایک پبلک لیکچر ہو۔لیکچر کے لئے عصمت انبیاء کا موضوع تجویز ہوا۔مکارم اخلاق سوسائٹی کے تحت ہونے والے اس لیکچر کا اعلان کر دیا گیا اور لوگوں کو شمولیت کی دعوت دی گئی۔

اس موضوع پر مولانا شمس صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی روشنی میں اس خوبی سے لیکچر دیا کہ اپنے اور بیگانے سب متاثر ہوئے۔ جماعت کے سیکرٹری عبدالحمید آفندی نے قادیان آکر بیان کیا کہ لیکچر سننے کے بعد ہم سب احمدیوں نے خوشی سے محترم شمس صاحب کو کندھوں پر بٹھا لیا اور دور تک اٹھا کر لے گئے۔

جلسہ کے اختتام پر ایک بڑے ادیب نے سب دوستوں کو ٹھہرا لیا اور آدھ گھنٹہ کے قریب مولانا شمس صاحب کی مدح اور تعریف کرتا رہا۔اس نے بیان کیا کہ ایسا لیکچر آج تک ہم نے کبھی نہیں سنا تھا۔ایک فقرہ جو آپ کی تعریف میں کہا گیا وہ یہ تھا۔

وَاللّٰهِ إِنَّهٗ لَابْنُ عَبَّاسٍ فِيْنَا، یعنی واللہ یہ شخص ہم میں حضرت ابن عباس کے مقام پر ہے۔

(الفضل 20/اکتوبر 1966ء صفحہ 3 بحوالہ خالد احمدیت جلداول صفحہ 228-229)

ایک پادری سے مناظرہ اور مصر کا پہلا احمدی

مکرم منیر الحصنی صاحب اس مناظرہ کی روداد تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

مَیں موسمی تعطیلات گزارنے کے لئے دمشق سے کچھ فاصلہ پر بلودان نامی ایک پہاڑی گاؤں میں گیا۔وہاں کے پادری ملحم الذهبيه نامی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں قیام کے دوران اس پادری سے کئی مباحثات ہوئے جن کے نتیجہ میں آخر کار اسے راہ فرار اختیار کرنا پڑی اوراس نے یہ کہہ کر مجھ سے اپنا پیچھا چھڑایا کہ گومَیں آپ کے دلائل وبراہین کا جواب نہیں دے سکتا لیکن مصر میں ایک بڑے پادری صاحب ہیں وہ آپ کے تمام اعتراضات کا جواب دیں گے۔

مَیں نے مولانا شمس صاحب کو جوان دنوں مصر میں تھے لکھا کہ وہ اس پادری سے مل کر تبادلہ خیالات فرمائیں لیکن مصر کے تمام پادریوں نے الوہیت مسیحؑ وغیرہ میں سے کسی موضوع پر بھی شمس صاحب سے مناظرہ نہ کیااور کوئی بھی مقابلہ پر نہ آیا۔شمس صاحب نے بڑی تحدی سے ایک رسالہ البرهان الصريح في إبطال ألوهية المسيح لکھ کرتمام پادریوں کوچیلنج کیا کہ اس کا ردلکھیں۔مگرکسی کواس کا جواب دینے اور چیلنج قبول کرنے کی ہمت نہ ہوئی...... کچھ عرصہ بعد بحیثیت مبلغ آپ دوبارہ مصرتشریف لے گئے۔ مجھے بھی آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔مصر پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ بعض امریکی مشن بعض خاص دنوں میں علی الاعلان مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں اورمصر کے علماء باوجود کثرت کے کوئی بھی ان کی تردید کے لئے نہیں آتا۔اوروہ لگاتاراسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلمان نوجوانوں میں زہر پھیلا رہے ہیں۔اس پر خاکساراور شمس صاحب ایک مشن ہاؤس میں گئے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک مسیحی عرب شیخ کامل منصور نامی صداقت اناجیل پر لیکچر دے رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ دیکھواناجیل کی اشاعت کسی جنگ وجدال کی مرہون منت نہیں بلکہ وہ اپنی روحانی قوت سے اکناف عالم میں پھلیں۔لیکچر کے اختتام پرمَیں نے اس سے کہا: صداقت اناجیل پر شمس صاحب سے پبلک مناظرہ کرلوتا لوگوں کومعلوم ہو جائے کہ واقعۃً موجودہ اناجیل الہامی اورخدا کی طرف سے ہیں۔اس پراس نے فوراً میری دعوت قبول کر لی۔اورخیال کیا کہ خوب شکار ہاتھ آیا ہے۔اس نے ہماری دعوت پر بہت خوشی کا اظہار کیا کیونکہ اسے خیال تھا کہ اس کے دلائل لاجواب ہیں۔لیکن مناظرہ شروع ہونے پر جب اسے اپنے دلائل کا بودا پن معلوم ہوا اورلوگوں پراس کے خلاف برا اثر پڑنے لگا تو اس نے ہم سے درخواست کی کہ بقیہ بحث کسی آئندہ روز پرملتوی کر دی جائے۔لیکن جب دوسری مرتبہ مناظرہ شروع ہواتو پہلی دفعہ سے بھی

زیادہ اس کی سبکی ہوئی اور دلائل و براہین اسلامی نے اس کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور اسے ایسا مبہوت کیا کہ اس نے دوبارہ درخواست کی کہ بقیہ مناظرہ آئندہ پر ملتوی کیا جائے۔ ہم نے یہ درخواست منظور کر لی۔ لیکن تیسری مرتبہ جب ہم آئے تو بجائے مناظرہ کرنے کے اس نے کہا کہ شمس صاحب احمدی مناظر ہیں اور مسلمان احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے اس لئے مَیں احمدی مناظر سے بحث کرنے کے لئے تیار نہیں۔

مولانا جلال الدین شمس صاحب نے فرمایا: تم عیسائیت کے وکیل ہو اور میں اسلام کی طرف سے مدافعت کرتا ہوں۔ جب میں نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ تمہیں باقی عیسائی فرقے عیسائی قرار دیتے ہیں یا نہیں، تو پھر تمہیں کہاں سے یہ حق پہنچتا ہے کہ مجھ پر یہ اعتراض کرو۔ اس کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں کہ تم مناظرہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے اور اسلامی دلائل سے عاجز آ کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہو۔ لیکن اس طرح غیرت دلانے کے باوجود بھی اسے مناظرہ جاری رکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسلمان حاضرین نے پرجوش تالیوں سے عیسائی پادری کی شکست اور اسلامی مبلغ کی فتح کا اعلان کیا۔ اور کئی منٹ تک اپنی تالیوں سے میدان مناظرہ کو گرمائے رکھا۔

اس کے بعد شمس صاحب نے اس موضوع پر ایک پمفلٹ بنام ''تحقیق الادیان'' رمضان 1348ھ بمطابق فروری 1930ء میں شائع کیا گیا۔ مباحثہ کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے مصری نوجوان جو عیسائیت کے اوہام کے شکار ہو رہے تھے پھر سے اسلام پر پختہ ہو گئے۔ انہی نوجوانوں میں عبد الحمید خورشید آفندی بھی تھے جو مصر کے پہلے احمدی بنے جو اس مباحثہ میں آپ کے دلائل و براہین سے اتنے متاثر ہوئے کہ احمدی ہو کر عیسائیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ ازاں بعد احمد حلمی صاحب احمدی ہوئے۔

(مآخذ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری 1947ء مکرم طٰہٰ قزق صاحب کی یادیں، کبابیر، بلادی از عبد اللہ اسعد صاحب، تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 527)

مجھے کچھ نہیں آتا

مصر میں قیام کے دوران کی مساعی کے بارہ میں حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب فرماتے ہیں:

اخبار الأہرام میں ہم نے اعلان پڑھا کہ باب الحدید...... کے پاس دارالتبشیر میں لیکچر ہو گا۔ ہم سننے کے لئے گئے۔ اختتام لیکچر پر کسی کو سوالات کی اجازت نہ دی گئی۔ مگر انچارج پادری نے ہم سے کہا کہ آپ اگر کوئی سوال دریافت کرنا چاہیں تو دو دن کے بعد انجیل کا درس ہو گا آپ تشریف لائیں اور جو سوال کرنا چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مَیں اور برادرم منیر الحصنی اور شیخ محمود احمد صاحب وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئے۔ اس سے چند ہی باتیں ہوئی تھیں کہ وہ کہہ اٹھا: مَیں آپ کو جواب نہیں دے سکتا۔ آپ کتاب مقدس کا مطالعہ کریں۔ ہم نے کہا: آپ ہمیں سمجھائیں۔ کتاب مقدس پر ہی تو اعتراض ہے۔ وہ اتنا گھبرا گیا کہ اس نے صاف طور پر کہہ دیا: افرضوا أنني حمار، آپ فرض کرلیں کہ میں گدھا ہوں اور مجھے کچھ نہیں آتا۔

(ماخوذ از الفضل یکم اپریل 1930ء)

قوت دلائل وسحر کلام

مصر میں حضرت مولوی صاحب کو اپنے چند احمدی ساتھیوں کے ساتھ بذریعہ ٹرین کسی دوسرے مقام پر جانا تھا۔ گاڑی چلنے میں ابھی آدھ گھنٹے کی دیر تھی کہ ایک ازہری مولوی سٹیشن پر آئے۔ مکرم محمود آفندی خورشید نے انہیں شمس صاحب سے انٹروڈیوس کرایا اور ساتھ ہی اختلافی مسائل کا بھی ذکر کر دیا۔ اس پر سلسلہ گفتگو چل پڑا اور مولوی صاحب تعلیم یافتہ مسافروں کے انبوہ میں گھر گئے۔ آپ نے نہایت فصیح و بلیغ عربی میں تقریر کی۔ ازہر کے شیخ کو آپ کے دلائل کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ یہ سلسلہ اتنا لمبا ہو کہ سامعین نے ایک مولوی صاحب کو ایک ٹرین مِس کرنے پر مجبور کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے مولوی صاحب کا پتہ نوٹ کیا۔ اور دوبارہ ملاقات کا وعدہ کیا۔

ہم آپ سے یہیں جہاد کریں گے

قاہرہ سے واپسی پر عیسائیوں کے ایک تبشیری ہال میں پادری مریان پطرس کا ایک لیکچر تھا اس دن ہم سب وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔ پادری صاحب ہال میں ٹہل رہے تھے۔ مولوی صاحب کو داخل ہوتے دیکھ کر کہنے لگے: آپ ابھی تک یہیں ہیں؟ آپ کیوں ہمیں تنگ کر رہے ہیں اور ہمیں کام نہیں کرنے دیتے۔ بہتر ہے کہ آپ ہندوستان چلے جائیں اور اپنے ملک

کی خدمت کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم یہاں نہ آئیں۔ ہم آپ سے یہیں جہاد کریں گے۔ اس جواب پر پادری صاحب خاموش ہو گئے اور جب لیکچر کے لئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے اپنا موضوع چھوڑ کر انجیل کی تقریر شروع کر دی اور کسی کو گفتگو کا موقع نہ دیا۔ (الفضل 2/دسمبر 1930ء صفحہ 7-8)

سوڈان میں تبلیغ

حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کے قیام مصر کے دوران ہی سوڈان کے ایک تعلیم یافتہ دوست جو تبدیلی آب وہوا کے لئے مصر آئے ہوئے تھے احمدیت میں داخل ہو گئے۔ یوں سوڈان میں بھی احمدیت کا پودا لگ گیا۔ وطن واپس جاتے ہوئے وہ سلسلہ کا کچھ لٹریچر ساتھ لے گئے۔ پھر انہوں نے مولانا جلال الدین صاحب کو اطلاع دی کہ تعلیم یافتہ طبقہ احمدیت کو دل میں قبول کر رہا ہے لیکن مشائخ سے مرعوب ہیں۔

(ماخوذ از رپورٹ سالانہ 31-1930ء صفحہ 5-6)

مصر کے ایک عربی مجلّہ میں حضرت مولانا شمس صاحب کا ذکر

مصر الحدیثة المصورة نے 'رسول أحمد المسیح' کے عنوان سے ایک مصری صحافی کا مولانا شمس صاحب کے متعلق اپنی 19/فروری 1930ء کی اشاعت میں ایک مضمون شائع کیا۔ جس کا اردو ترجمہ الفضل سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اخلاقی لیکچر سننے کے لئے مَیں ایک ادبی مجلس میں حاضر ہوا جس میں مختلف بلاد کے ہر قسم کے لوگ شریک تھے۔ جلسہ کے بعد جب حاضرین مجلس نے ایک دوسرے سے تعارف کیا تو امریکن لیڈی نے قریب ہو کر سلام کرتے ہوئے ایک رجل ہندی پنجابی کی طرف مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے سلام کا جواب تو نہایت اچھے الفاظ میں دیا لیکن اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس لیڈی کے ساتھ مصافحہ کرنے سے قطعاً انکار کیا۔ ہماری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب ہم نے ایک مشرقی کو دیکھا کہ وہ ایک امریکن خاتون سے مصافحہ کرنے سے انکار کرتا ہے کیونکہ ہم نے یہ واقعہ مصر جیسے متمدن ملک میں اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ زیادہ حیرانی اس بات سے ہوئی کہ یہ پنجابی نوجوان نہ تو متعصب ہے، نہ علوم مروجہ سے نا آشنا۔ بلکہ ایک

مہذب، کریم الاخلاق، شریف مزاج، نیک طبیعت، خندہ رو، اور متواضع انسان ہے۔ پھر کیوں اس نے امریکن خاتون سے مصافحہ کرنے سے انکار کیا؟ جب ہم نے بصورت استفہام یہ سوال اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: میرے مذہب میں جائز نہیں کہ مَیں کسی عورت سے مصافحہ کروں۔ اس کے جواب نے ہمیں اور زیادہ تعجب میں ڈالا۔

ہم نے اس سے دریافت کیا کہ: آپ کا کیا مذہب ہے؟ اس نے کہا: مَیں احمدی ہوں۔

ہم نے پوچھا: کیا آپ مسلمان نہیں؟

اس نے کہا: ہاں الحمدللہ۔ (یعنی ہاں الحمدللہ مَیں مسلمان ہوں)

ہم نے کہا کہ مسلمان تو عورتوں سے مصافحہ کرتے اوران کا احترام کرتے ہیں۔

اس نے جواب دیا: مَیں بھی ان کا احترام کرتا ہوں لیکن ان سے مصافحہ کرنا میرے مذہب میں جائز نہیں۔

ہم نے پھر کہا: آپ کس مذہب کے آدمی ہیں؟

اس نے کہا: مَیں احمدی ہوں۔

مَیں نے اس کے جواب سے یقین کر لیا کہ وہ سر آغا خان کا مرید اسماعیلی فرقہ سے ہے۔ اس لئے مَیں نے پوچھا کہ آپ اسماعیلی ہیں؟

اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ہرگز نہیں۔ مَیں تو مسلمان ہوں۔

مَیں نے کہا پھر کیوں کہتے ہیں: مَیں احمدی ہوں۔

اس نے کہا: مَیں فرقہ احمدیہ سے ہوں۔

ہم نے کہا: فرقہ احمدیہ کیا ہے؟

اس نے کہا: احمد المسیح کے تابعین۔

ہمیں اس لفظ (احمد المسیح) نے زیادہ حیرانی میں ڈالا۔ اور ہم اسے سن کر بہت ہنسے کہ ایک شخص احمدؐ اور مسیح دونوں لفظوں کا مصداق کس طرح ہوسکتا ہے۔ ہم نے پوچھا: کیا احمد المسیح کوئی تاریخی انسان ہے؟

اس نے کہا: ہاں وہ تاریخی انسان ہے۔

ہم نے کہا: وہ کہاں پیدا ہوا اور کب؟

اس نے کہا: وہ پنجاب میں 1836ء میں پیدا ہوا۔

ہم نے کہا: کیا وہ خدا ہے۔
اس نے کہا: ہرگز نہیں۔ وہ صرف ایک انسان ہے۔
ہم نے کہا: پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ وہ المسیح ہے؟
اس نے کہا: وہ المسیح المنتظر ہے۔اور وہ وہی ہے جسے لوگ مہدیٔ موعود کہتے ہیں۔اور جو آخر زمانہ میں ظاہر ہو کر دین کی اصلاح کرے گا۔عدل پھیلائے گا اور لوگوں کو ان کے صحیح راستے پر واپس لائے گا۔

یہ عجیب وغریب خبر سن کر مَیں حیران ہوا اور مَیں نے آگاہی حاصل کرنے کے لئے مزید رغبت کا اظہار کیا۔اور اس کے لئے ہم نے ایک دوسرے سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا۔

دوسرے دن جب ہم ایک ہوٹل میں جمع ہوئے تو وہ پنجابی نوجوان مرزا احمد المسیح کی ولادت کے متعلق حیران کن باتیں کرنے لگا کہ کس طرح اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کس طرح لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔اور کس طرح اس نے فرقہ احمدیہ کی تنظیم کی۔اس نوجوان نے مجھے سلسلہ احمدیہ کی کتب دکھائیں اور اس کے بعض اصول بیان کئے۔

شام کے وقت معبد الأزبکیہ میں ہم حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہی پنجابی عیسائیت کے ردّ میں لیکچر دے رہا ہے۔اور ایک جوش مارنے والے سیلاب کی طرح کتب مقدسہ (عہد جدید وعتیق) کی آیات بغیر کسی رکاوٹ اور زبان کی لکنت کے پڑھ رہا ہے۔اور انہیں ایک دوسری سے ربط دے کر اپنی تائید میں پیش کر رہا ہے۔اس نے بہت طویل لیکچر دیا اور بعض آیات قرآن مجید اپنی تائید میں لا کر ان کی ایسی اعلیٰ تفسیر کی جو مَیں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے نہیں سنی۔گو وہ تمام باتیں جو اس نے بیان کیں میرے لئے عجائبات سے تھیں مگر ان سب سے عجیب بات یہ تھی جو اس نے بیان کی کہ اگر انہیں (احمدیوں کو) کوئی لیکچر دینے کے لئے مدعو کرے تو وہ اس کے لئے اُجرت نہیں مانگتے۔وہ باوجود مخالف اسباب کے وحدت اسلامیہ کی محافظت کرتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے۔ وہ عورتوں کو باہر مجالس میں نہیں جانے دیتے۔ وہ نبوت (غیر تشریعی) کو ہمیشہ جاری مانتے ہیں اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی تبلیغ ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔

مَیں نے پوچھا: کس قسم کے ممالک میں آپ تبلیغ کرتے ہیں؟
اس نے کہا: تمام دنیا کے ممالک میں۔

مَیں نے کہا: کیا آپ کے مبلغ اور مشنری لندن میں ہیں؟

اس نے کہا: سب سے پہلے وہاں ضرورت تھی......۔

مَیں نے کہا: کیا اس تبلیغ کا کچھ فائدہ بھی ہوا؟

اس نے کہا: کیوں فائدہ نہ ہوتا۔ سب سے پہلی مسجد انگلستان کے دارالحکومت میں ہم نے ہی تعمیر کرائی ہے۔

میں نے کہا: کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے وہاں مسجد بنائی یا مسلمان؟

اس نے کہا: ہم ہی وہ مسلمان ہیں۔

پھر اس نے اس مسجد کے متعلق سارا واقعہ سنایا کہ وہ مسجد اس چندہ سے بنائی گئی ہے جو احمدی خواتین نے جمع کیا تھا۔ اور جب المعبد الأحمدی مسجد بن کر تیار ہوگئی تو اس کے افتتاح کے لئے ایک شاندار اجتماع منعقد کیا گیا اور بادشاہ حجاز ابن سعود کے شہزادہ کو افتتاحی رسم ادا کرنے کے لئے مدعو کیا گیا۔ تو اس کا باپ اس بات سے بہت خوش ہوا۔ لیکن ہمارے مخالف لوگوں نے شہزادہ کو اس بات سے روکا اور کہا کہ وہ افتتاحی رسم ادا نہ کریں کیونکہ وہ ایک امرِ منکر ہے۔ شہزادہ نے اپنے باپ کو لکھا کہ وہ اسے اس بات سے روک دے۔ کیونکہ یہ معبد مسلمانوں کا نہیں بلکہ ایک عام عبادتگاہ ہے جس میں غیر مسلم جمع ہوا کریں گے۔ اس پر ہم نے شہزداہ کو بتایا کہ یہ اس کا خیال غلط ہے۔ یہ معبد تو اہل نجد کے طریق پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اور ہر اس شخص کے لئے کھلا ہے جو ایک اللہ کی عبادت کرے۔ اس کلمہ نے شاہ حجاز کی طبیعت کو نرم کر دیا۔ اور اس نے اپنے بیٹے کو اس مسجد کا افتتاح کرنے سے جو ایک اللہ کی عبادت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے روکنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اس نے لکھا: وہ جب چاہے وہاں جا کر خطبہ پڑھے۔ لیکن شہزادہ کو جرأت نہ ہوئی اور علماء سے ڈر گیا۔

پھر مَیں نے اس سے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے بتایا: اس کا نام جلال الدین شمس ہے۔ اور اس کی عمر 29 سال ہے۔ اس نے احمدیت اپنے والد سے ورثہ میں پائی ہے۔ اور وہ پیدائشی احمدی ہے۔ اس نے کہا جب 25 سال کی عمر میں وہ مبلغ ہو کر شام میں آیا تو وہاں کے علماء اور امراء اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے کوشش کی کہ اسے شام سے جلاوطن کیا جائے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور وہ وہاں دو سال رہا۔ اور 50 کے قریب احمدی بنائے جو تمام کے تمام احمد المسیح کی نبوت پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔

پھراس نے کہا وہ حیفا میں آیا اور ایک سال سے زیادہ وہاں ٹھہرا۔اور وہاں بھی 50 کے قریب احمدی ہوئے اور اب مصر میں وہ اسی غرض سے آیا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں یقین ہے کہ تمام لوگ احمدی ہو جائیں گے۔

اس نے کہا: ضرور، ہماری تبلیغ اور دعوت روئے زمین پر پھیل جائے گی۔

میں نے کہا: اس بات کے لئے تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟

اس نے جھٹ ایک الہام جو پیشگوئی پر مشتمل ہے جو مرزا احمد المسیح پر نازل کیا گیا ہے سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ عنقریب وہ تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچائے گا۔

مَیں نے کہا: کیا تم اس پیشگوئی پر کامل یقین رکھتے ہو؟

اس نے کہا: بے شک۔احمد المسیح کی کوئی ایسی پیشگوئی نہیں جو پوری نہ ہو۔ کیونکہ جو کچھ اس نے کہا اور جس کا دعویٰ کیا ہے ہم اس پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی عنقریب پوری ہوگی اور تمام لوگ اپنے رب اور اس دین حق کو پہچان لیں گے جسے حضرت عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔اور جس کی احمد المسیح نے اشاعت کی۔

اس مذہب (فرقہ احمدیہ) نے آج کل تمام دنیا سے مذہبی جنگ چھیڑ رکھی ہے اور یہ لوگ انگلستان فرانس، امریکا، ایشیا اور افریقہ کے بہت سارے ممالک میں پائے جاتے ہیں۔یہ لوگ مسلمانوں اور عیسائیوں کو اپنا مذہب قبول کراتے رہتے ہیں۔ان کی ایک منظّم اور ترقی کرنے والی جماعت ہے اور یہ جماعت امید رکھتی ہے کہ وہ لوگوں میں سے تعلیم یافتہ طبقوں اور اکثر متمدن ممالک کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔

(الفضل 4/اپریل 1930ء صفحہ 9-10 بحوالہ خالد احمدیت جلد اوّل صفحہ 215 تا 221)

بلاد عربیہ میں مدرسہ احمدیہ کا قیام

حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے 1930ء میں حیفا میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک مکتب جاری کیا۔جس کی ابتداء میں الشیخ المغربی صاحب (جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے) نے لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن کریم پڑھانا شروع کیا۔جس کا باقاعدہ افتتاح مولانا ابو العطاء صاحب نے یکم جنوری 1934ء کو کیا۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 501)

بلاد عربیہ میں جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد

3/اپریل 1931ء میں مولانا شمس صاحب نے کبابیر میں ''جامع سیدنا محمودؓ'' کی بنیاد رکھی جو بلاد عربیہ میں پہلی احمدیہ مسجد ہے۔ مسجد کی چھت ڈالنا باقی رہ گئی تھی کہ آپ واپسی کے لئے مصر روانہ ہو گئے۔ اس مسجد کی تعمیر میں کبابیر کے سب احمدی مردوں عورتوں اور بچوں نے حصہ لیا۔

اس کے بارہ میں حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں:

مَیں نے......4/شوال کو ایک مسجد بنانے کے لئے تحریک کی جسے دوستوں نے قبولیت بخشا۔ اسی وقت مشترکہ زمین میں سے مسجد کے لئے قطعہ تجویز کیا گیا۔ مسجد کی عمارت کے لئے تین ہزار پتھروں کا اندازہ لگایا گیا جو اسی وقت دوستوں نے حصہ رسدی سے پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بہت سے پتھر تیار ہو چکے ہیں۔ معمار بھی انہی میں سے ہیں جو مفت تعمیر کا کام کریں گے۔ سیمنٹ اور لوہے اور دروازوں وغیرہ کے لئے ستّر پونڈز کا تخمینہ لگایا گیا جس کے لئے مَیں نے شام وحمص وغیرہ میں بعض دوستوں کو بذریعہ خطوط چندہ کے لئے تحریک کی......چنانچہ انہوں نے نہایت اخلاص وقربانی کا نمونہ دکھایا اور باوجود غریب ہونے کے اپنی استطاعت سے بڑھ کر چندہ دیا۔ بلاد عربیہ میں احمدی جماعت کی یہ پہلی مسجد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے باعث نشرِ ہدایت بنائے۔ اور جیسا کہ یہ مسجد بلند جگہ پہاڑی پر ہوگی ویسے ہی اسے احمدیت کی اشاعت کے لئے ایک مضبوط چٹان کی طرح قرار دے۔ یہ مسجد 36 فٹ لمبی اور 30 فٹ چوڑی ہوگی۔ اور اس کے آگے صحن ہوگا۔ ایک برساتی کنواں بھی تیار کیا جائے گا۔ نیز احمدی مہمانوں کے لئے اس کے قریب ایک کمرہ بنانے کی بھی تجویز ہے۔ جس کمرہ میں پہلے نمازیں پڑھتے ہیں اس میں احمدی بچے تعلیم پائیں گے۔ (الفضل 23/اپریل 1931ء صفحہ 2)

کبابیر میں ایک معمر شخص الحاج عبد القادر نہایت مخلص احمدی ہیں باوجودیکہ ان کی عمر 100 برس کے قریب ہے وہ تمام نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں......۔ چند روز ہوئے مستری نے انہیں بقیہ قیمت 20 پونڈ دے دی تو وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم تو اب دنیا میں ایک دو روز کے مہمان ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ یہ روپیہ مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دیا جائے۔ اور ہو سکے تو برساتی کنواں مسجد کے ساتھ تیار کیا جائے گا وہ میرے خرچ سے ہو۔ اس

کے لئے 13 پونڈز کا اندازہ لگایا گیا۔انہوں نے 13 پونڈز نقد دے دیئے۔ان کی بیوی جو ایک صالح عورت اور مخلص احمدی ہیں ان سے کہنے لگیں: میرا بھی ایک حصہ ہونا چاہئے۔آخر یہ قرار پایا کہ 3 پونڈز ان کی طرف سے ہوں اور 10 پونڈز الحاج عبد القادر کی طرف سے۔

(الفضل 30/جولائی 1931ء صفحہ 2)

جماعت احمدیہ کبابیر

محترم نواز خان صاحب جو اس عرصہ میں قاہرہ میں مقیم تھے انہوں نے اپنے ایک نوٹ میں جماعت کبابیر کے بارہ میں لکھا:

مولوی صاحب مجھے جماعتِ کبابیر سے ملانے کے لئے لے گئے۔جب ہم گاؤں کے قریب پہنچے تو بعض لڑکوں نے مولوی صاحب کو پہچان لیا اور دوڑ کر گاؤں کے لوگوں کو خبر کر دی، جس سے احمدی احباب ہمارے استقبال کے لئے گاؤں سے باہر آ گئے۔یہ لوگ اس قدر جوش مسرت سے ملتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مدت سے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے مل رہے ہیں۔ان میں سے بعض سو سو سال کے بوڑھے بھی تھے۔انہیں مَیں نے دیکھا جب وہ معانقہ کرتے تھے تو فرط محبت سے زار زار روتے تھے۔ان کے اس عاشقانہ جوش و اخلاص نے ہمیں بھی رُلا دیا۔فی الحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ایک زبردست معجزہ تھا کہ اس قدر دور کے ملک میں پہاڑ کی چوٹی پر بسنے والی قوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاتی ہے اور اخلاص و محبت میں اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ دیارِ محبوب کے رہنے والے ایک احمدی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی ہے۔......اس وقت کا یہ نظارہ اس قدر دلکش تھا جو مجھے ساری عمر نہیں بھولے گا۔اس گاؤں کے احمدیوں کی مجموعی تعداد سو سے زائد ہے جن میں بعض عالم اور بعض شاعر بھی ہیں...... ہر وقت ہمارے پاس احباب بیٹھے رہتے ہیں۔نماز کے وقت بہت سے احباب اپنا کام چھوڑ کر آ جاتے اور چھوٹی سی مسجد بھر جاتی تھی۔

(الفضل 11/دسمبر 1930ء صفحہ 6)

حضرت شمس صاحب کی بلاد عربیہ سے کامیاب واپسی

13/اگست 1931ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے مولانا ابو العطاء صاحب

قادیان سے روانہ ہو کر 4/ستمبر 1931ء کو حیفا پہنچے۔ مولانا شمس صاحب نے آپ کو مشن کا چارج دیا اور 30/ستمبر 1931ء کو صبح آٹھ بجے مولوی صاحب حیفا سے مصر کے لئے روانہ ہوئے اور 20 دسمبر 1931ء کو قادیان مراجعت پذیر ہوئے۔ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بنفس نفیس اپنے خادم کی عزت افزائی کے لئے ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ یوں ایک بہت مختصر لیکن تاریخ احمدیت کا ایک نہایت بھرپور اور ناقابل فراموش باب ختم ہوا۔

آپ کے زمانہ قیام میں حیفا اور طیرہ میں دو مستقل جماعتیں قائم ہوئیں اور بلاد عربیہ کے اہم مقامات مثلاً بغداد، موصل، بیروت، حمص، حماہ، لاذقیہ اور عمان وغیرہ میں تبلیغی خطوط کے ذریعہ پیغام احمدیت پہنچا۔

شام وفلسطین میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں:۔

أعجب الأعاجيب فی نفی الأناجيل لموت المسيح على الصليب۔ البرهان الصريح فی إبطال ألوهية المسيح۔ الهدية السنيّة لفئة المبشرة المسيحية۔ حكمة الصيام۔ ميزان الأقوال۔ توضيح المرام فی الرد على علماء حمص و طرابلس الشام۔ دليل المسلمين فی الرد على فتاوی المفتين۔

(مجلة البشریٰ مارچ 1936ء صفحہ 13، تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 526-527)

مولانا جلال الدین صاحب شمس اس وقت کبابیر سے گئے جب کہ آپ نے شام فلسطین اور مصر میں جماعت قائم کر لی تھی۔ اور متعدد قیمتی کتب تصنیف فرمائیں۔

پھر دوسری دفعہ آپ حیفا اس وقت تشریف لائے جب آپ برطانیہ سے کامیابی کے ساتھ اپنا کام مکمل کر کے واپس قادیان جارہے تھے تو راستہ میں دمشق اور فلسطین سے ہو کر گئے۔ اس وقت آپ دمشق سے منیر الحصنی صاحب کو بھی ساتھ لے آئے تھے اور پھر ان کو قادیان بھی ساتھ ہی لے کر گئے۔ آپ نے حیفا میں وہ مسجد دیکھی جس کا سنگ بنیاد آپ نے خود رکھا تھا اور آپ کے اعزاز میں کئی پارٹیاں ہوئیں اور نظم ونثر میں آپ کی تعریف میں بہت کچھ کہا گیا۔

حضرت مولانا شمس صاحب کی مساعی ایک جائزہ

حضرت مولانا شمس صاحب لکھتے ہیں:

''حتی المقدور جماعت کو احمدیت کے رنگ میں رنگین کرنے کے لئے پوری کوشش کی جاتی ہے اور خصوصیات جماعت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔''

مولانا جلال الدین شمس صاحب کے بلاد عربیہ میں قیام اور آپ کے عظیم الشان کاموں کے تذکرہ پر اطلاع پانے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا صاحب نے کئی اصولوں کو سامنے رکھ کر کام کیا۔ چند ایک خلاصۃً یہاں ذکر کئے جاتے ہیں جو کہ مبلغین کرام کے لئے مشعل راہ ہیں۔

1۔ مخلص اور با اثر لیکن نیک وصالح افراد کو چن کر تبلیغ کرنا اور بالآخر خداداد علم، اعلیٰ خلاق اور بہترین نمونہ سے انہیں گرویدہ کر لینا۔

2۔ ہر جگہ جماعت قادیان کا رنگ پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ کیونکہ جماعت کا وہی اصل مزاج ہے جس کو ہر جگہ رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں درس وتدریس کا سلسلہ، جماعتی انتظامی ڈھانچہ کا فوری قیام وغیرہ شامل ہیں۔

3۔ شروع سے ہی جماعت کے افراد میں چندہ دینے کی عادت پیدا کر دینا۔

4۔ مسجد بنانے کی کوشش۔ انہوں نے بلاد عربیہ میں جو مسجد بنائی وہ آج تک بلاد عربیہ میں اکیلی مسجد ہے۔

5۔ قادیان کی طرح ہر جگہ مدرسہ احمدیہ کی طرز پر مدرسہ کا اجراء کرنا جس میں دینی تعلیم دی جائے۔

6۔ اپنی مساعی کی باقاعدہ رپورٹ نہ صرف خلیفۂ وقت کی خدمت میں لکھتے رہنا بلکہ اس کو جماعت کے جرائد ومجلّات میں چھپواتے بھی رہنا تا کہ تاریخ میں محفوظ ہو جائے اور آئندہ نسلیں استفادہ کر سکیں۔

7۔ علاقے کی بڑی معروف اور معزز شخصیات تک رسائی اور ان کو تبلیغ کرنا اور انہیں تقاریب میں بلا کر جماعت کی تعلیم سے آگاہ کرنا۔

8۔ اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ کہ ہر احمدی کا مرکز کے ساتھ رابطہ اور مضبوط رشتہ بنا دینا تا کہ ہر فرد جماعت عالمی مرکزیت کا حصہ بن سکے۔

شاہزادہ فیصل کو مسجد فضل لندن کے افتتاح کی دعوت

چند صفحات قبل مولانا شمس صاحب کے مصری جریدہ میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں مسجد فضل لندن کی افتتاحی تقریب میں شاہزادہ فیصل کی شرکت کے بارہ میں کچھ وضاحت آئی تھی۔ قارئین کرام کو اشتیاق ہوگا کہ اس پورے قصہ کی تفاصیل سے آگاہی حاصل کریں۔ گو کہ اس کے بعض حصے 1939ء کے ہیں لیکن چونکہ تمام واقعات کا مسجد فضل لندن اور مولانا شمس صاحب سے براہ راست تعلق ہے اس لئے ہم قارئین کرام کے لئے انہیں یہیں پر ہی یکجائی صورت میں درج کر دیتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 1924ء میں اپنے سفر ولایت کے دوران مسجد فضل لندن کی بنیاد رکھی مگر چونکہ اس وقت بعض ضروری سامان مہیا نہیں ہو سکے تھے اس لئے مسجد کی بقیہ تعمیر کچھ عرصہ تک ملتوی رہی۔ بالآخر 1925ء میں اس کا کام شروع کیا گیا اور 1926ء میں یہ خدا کا گھر اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس وقت حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے لندن کے دارالتبلیغ کے انچارج تھے۔ درد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت کے ماتحت عراق کے بادشاہ فیصل سے درخواست کی کہ وہ اپنے لڑکے زید کو اجازت دیں کہ وہ ہماری مسجد کا افتتاح کریں اور جب اس کے جلد بعد شاہِ عراق خود یورپ گئے تو ان سے تحریک کی گئی کہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ خود مسجد کے افتتاح کے لئے تشریف لائیں۔ مگر انہوں نے اس درخواست کو ٹال دیا۔ اس کے بعد سلطان ابن سعود بادشاہِ حجاز کی خدمت میں تار دی گئی کہ وہ اپنے کسی صاحبزادہ کو اس کام کے لئے مقرر فرمائیں اور انہوں نے

تار کے ذریعہ اس درخواست کو منظور کیا اور اپنے ایک فرزند شاہزادہ فیصل کو اس غرض کے لئے ولایت روانہ کر دیا۔ جب شاہزادہ موصوف لندن پہنچے تو درد صاحب کے انتظام کے ماتحت ان کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ اور اخباروں میں دھوم مچ گئی کہ وہ مسجد فضل لندن کے افتتاح کے لئے تشریف لائے ہیں۔ مگر اس کے بعد ایسے پُر اسرار حالات پیدا ہونے لگے کہ شاہزادہ فیصل برملا انکار کرنے کے بغیر پیچھے ہٹنا شروع ہوگئے اور گو آخر وقت تک انہوں نے انکار نہیں کیا مگر عملاً تشریف بھی نہیں لائے۔ ان کے تامّل کو دیکھ کر درد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بذریعہ تار اجازت لے لی کہ اگر شہزداہ فیصل نہ آئیں تو خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب مسجد کا افتتاح کر دیں۔ چنانچہ جب فیصل صاحب نہ پہنچے تو درد صاحب نے مسجد کا افتتاح خان بہادر سر عبد القادر صاحب کے ذریعہ کروا لیا جو ان دنوں لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے ولایت آئے ہوئے تھے۔ مگر شاہزادہ فیصل کی آمد آمد کا ولایت کے اخباروں میں اس قدر کثرت کے ساتھ چرچا ہو چکا تھا کہ لوگوں نے ان کے نہ آنے کو بہت اچنبھا سمجھا اور واقف کار لوگ تاڑ گئے کہ اس عملی انکار کے پیچھے اصل راز کیا مخفی ہے۔

وہ راز یہ تھا کہ بعض مسلم اور غیر مسلم حلقوں نے اس بات کو دیکھ کر کہ جماعت احمدیہ زیادہ اہمیت اختیار کر رہی ہے سلطان ابن سعود کو بھکا دیا تھا کہ ان کے صاحبزادہ صاحب مسجد احمدیہ کی افتتاحی رسم سے مجتنب رہیں۔ اور ان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا کر دیا گیا تھا کہ چونکہ مسلمان علماء کا ایک معتد بہ حصہ جماعت احمدیہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے اس لئے مسجد احمدیہ کے افتتاح میں شاہزادہ فیصل کی شرکت سے اسلامی ممالک میں سلطان کے متعلق بُرا اثر پیدا ہوگا۔ بہر حال خواہ اصل وجہ کچھ بھی ہو شاہزادہ فیصل کی شرکت سے جو فائدہ جماعت احمدیہ کو حاصل ہوسکتا تھا وہ پھر بھی ہو گیا۔ اور وہ یہ کہ ولایت کے اخباروں میں نہایت کثرت کے ساتھ مسجد احمدیہ اور جماعت احمدیہ کی شہرت ہوگئی۔ بلکہ ابتدائی اقرار اور بعد کے انکار نے اس شہرت کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ مگر خود شاہزادہ موصوف کی یہ بدقسمتی ضرور ہے کہ انہوں نے ایک اہم دینی خدمت سے جس کی یاد دنیا میں قیامت تک رہنے والی تھی اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

(ماخوذ از سلسلہ احمدیہ صفحہ 380-382)

افتتاح مسجد کی اہمیت

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مسجد فضل کے افتتاح اور شاہزادہ فیصل کے اس میں شرکت نہ کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''افتتاح مسجد کا واقعہ اپنے اندر اس قدر اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اب دنیا کی کوئی تاریخ اس کو نہیں مٹا سکتی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ یہ مسجد ہمیشہ قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کے لئے اور اس کی شہرت کے لئے ایسے سامان کر دیئے کہ جن سے اس کی اہمیت اس قدر بڑھ رہی ہے کہ حیرانی ہی ہوتی ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اسے میرے ولایت جانے تک روکے رکھا۔ میرے وہاں جانے سے سلسلہ کی یکدم حیرت انگیز شہرت ہوگئی۔ کیونکہ ولایت کے لئے یہ عجیب بات تھی کہ ایک نبی کا خلیفہ وہاں پہنچتا ہے۔ اس لئے ہر اخبار میں ہمارا تذکرہ متواتر ہوتا رہا اور کثرت کے ساتھ فوٹو چھپتے رہے حتی کہ ایک جرمن اخبار کے پورے صفحہ میں میرا فوٹو شائع ہوا۔ اسی طرح امریکہ میں بھی ہمارے متعلق خبریں شائع ہوئیں۔ چونکہ میرے وہاں جانے پر میرے ہاتھ سے مسجد کی بنیاد رکھی گئی تھی اس لئے پہلے بنیاد کے موقع پر بڑے بڑے وزیر و لارڈ آئے۔ ان وجوہات کے باعث اب لوگوں کو یہ انتظار لگی ہوئی تھی کہ کب یہ مسجد مکمل ہو تو ہم دیکھیں۔ اور جب مکمل ہونے لگی تو شہرت کے اور کئی ایک قدرتی سامان پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ مثلاً ایک یہ بات شہرت کا باعث بن گئی کہ یہ تحریک کی گئی کہ ابن سعود کے لڑکے کو بلایا جائے۔ چنانچہ ابن سعود نے بھی اس تحریک کو پسند کیا اور اپنے لڑکے امیر فیصل کو جو مکہ کا گورنر ہے کو بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اب امیر فیصل کے خاص افتتاح مسجد کے لئے آنے کی خبر سے اور بھی شہرت ہونے لگی۔ جب امیر فیصل ولایت پہنچا تو بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان سے مولویوں نے تاریں دیں کہ یہ کیا کام کرنے لگے ہو؟ ہماری کیوں ناک کاٹنے لگے ہو؟ تمہاری اس حرکت سے ہماری ناکیں کٹ جائیں گی۔ اسی طرح مصر سے بھی ہمارے خلاف آوازیں اٹھیں۔ یہ تاریں دی گئیں اور اسے روک دیا گیا۔ اب اس کے روکنے پر سارے برطانیہ میں اور بھی شور پڑ گیا کہ روکنے کی کیا وجہ ہوئی۔ یہ کیا بات ہے کہ امیر فیصل مکہ سے چل کر جس کام کے لئے ولایت پہنچتا ہے اس کام سے اسے روکا جاتا ہے؟ کوئی خاص راز ہوگا؟..... مضمون پر مضمون نکلنے لگے کہ اس

میں راز کیا ہے۔ ان مضامین کا ہیڈنگ ہی یہ ہوتا تھا کہ ’’ راز کیا ہے‘‘۔ جب کئی روز تک بڑے زور سے آرٹیکل پر آرٹیکل نکلے کہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے امیر فیصل یہاں پہنچ کر افتتاح مسجد سے رک گیا ہے تو وہاں لوگوں میں اور بھی ہیجان پیدا ہوا کہ چلو اس مسجد کو تو چل کر دیکھیں کہ جس کے افتتاح کے لئے امیر فیصل مکہ سے یہاں پہنچا اور یہاں آ کر اس کے افتتاح سے رک گیا۔ دراصل یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اس منشاء کے ماتحت ہوا کہ ہمارے سلسلہ کی شہرت بھی ہو جائے اور پھر احسان بھی کسی کا نہ ہو۔‘‘

(انوار العلوم جلد 9 ص 415 تا 416)

نیز فرمایا:

’’آج مسجد لندن کے متعلق ایک اور شہادت ملی ہے کہ ولایت کے ایک بڑے آدمی نے لکھا ہے کہ ابن سعود نے ایک نادر موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ اس کے لئے موقع تھا کہ وہ یہ دکھاتا کہ اس کا تعلق اس جماعت سے ہے جو اسلام کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتی ہے۔‘‘

(انوار العلوم جلد 9 ص 444)

شاہزادہ فیصل کی مسجد فضل لندن میں آمد

ماہ فروری 1939ء میں برطانوی حکومت نے قضیہ فلسطین کے کسی مناسب حل کی تلاش کے لئے لندن میں عرب ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کی جس میں فلسطین، عراق، یمن، سعودی عرب، مصر، شام، اردن وغیرہ کے نمائندوں نے شرکت کی۔ جماعت احمدیہ یہودیوں کے مقابل پر ہمیشہ عربوں کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس (جو ان دنوں میں مبلغ سلسلہ احمدیہ انگلستان کے طور پر فرائض سرانجام دے رہے تھے) نے اس موقعہ پر مسجد فضل لندن میں عرب ممالک کے تمام نمائندوں کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں ولی عہد امیر فیصل، حکومت سعودی عرب کے نمائندہ الشیخ ابراہیم سلیمان رئیس النیابۃ العامۃ اور الشیخ الحافظ وھبہ سفیر سعودی اور فلسطین کے نمائندگان عون بک الہادی، القاضی علی العمری، اور القاضی محمد الشامی وغیرہ مندوبین کے علاوہ مختلف ممالک کے سفراء، لندن شہر کے اکابر، ممبران پالیمنٹ اور کئی ایک جرنیل اور دوصد کے قریب دیگر بڑے اہل منصب انگریز شامل ہوئے۔

اس دعوت کے حالات کا بیان مکرم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری ''مؤلف روح پرور یادیں'' کی زبانی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''خاکسار اس زمانہ میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ساتھ بطور نائب امام مسجد متعین تھا۔ اس تقریب کے موقعہ پر محترم کرنل عطاء اللہ صاحب مرحوم آف لاہور، محترم میر عبد السلام صاحب مرحوم آف سیالکوٹ اور خاکسار احمدیہ دارالتبلیغ سے باہر گیٹ پر معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے مامور تھے۔

شاہ فیصل اور ان کے ساتھیوں کی آمد پر مولانا شمس صاحب خود بھی ان کے خیر مقدم کے لئے آ گئے۔ اور دیگر مہمانوں کے تشریف لے آنے تک انہیں کچھ دیر کے لئے احمدیہ دارالتبلیغ کے ڈرائنگ روم میں ہی بٹھایا گیا۔ چونکہ مولانا شمس صاحب اور خاکسار کے علاوہ ان کے ساتھ عربی میں گفتگو کرنے والا اس وقت وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا اسلئے دوران کانفرنس خاکسار ان کے ساتھ رہا اور حضرت مولانا صاحب دیگر امور میں مصروف رہے...... کانفرنس کے افتتاح سے پہلے حضرت شمس صاحب نے انہیں مسجد دیکھنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مع تمام مہمانان شاہ فیصل نے مسجد فضل دیکھی اور اندر محراب کے قریب چند منٹ کھڑے رہ کر حضرت شمس صاحب سے مسجد کے حالات سنتے رہے اور کہنے لگے۔ مَیں تو سمجھ رہا تھا کہ چھوٹی سی مسجد ہوگی۔ یہ تو خاصی بڑی مسجد ہے۔ غالباً آپ نے بعد میں اس کی توسیع کی ہے۔

مولانا شمس صاحب نے بتایا کہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابتدا ہی سے بڑی بنائی گئی ہے۔ دیگر نمائندگان اور مہمان بھی مسجد اور دارالتبلیغ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس موقع پر حضرت مولانا شمس صاحب نے شاہ فیصل کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے مطلع کرتے ہوئے حضورؑ کی کتاب منن الرحمٰن اور التبلیغ اور بعض دیگر عربی کتب خوبصورت جلدوں میں بطور ہدیہ پیش کیں اور فرمایا: بارك اللّٰه فی مساعیکم ۔

کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر دو انگریز نومسلموں مسٹر بلال نٹل اور عبد الرحمٰن ہارڈی نے تلاوت کی جس کے بعد حضرت مولانا صاحب نے عربی میں خیر مقدم ایڈریس پیش کیا۔

ایڈریس کے آغاز میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا عرب مندوبین کے نام مندرجہ ذیل پیغام پڑھ کر سنایا گیا:

میری طرف سے ہز رائل ہائینیس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے دیگر نمائندگان کو خوش

آمدید کہیں اور یقین دلائیں کہ جماعت احمدیہ پوری طرح ان کے ساتھ ہے اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا کرے اور تمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے اور ان کو عالم اسلامی کی لیڈر شپ عطا کرے، وہ لیڈر شپ جوان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔''

اس کے علاوہ حضرت مولانا شمس صاحب نے جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے برطانوی مدبرین کو کھلے الفاظ میں بتایا کہ عربوں کے مطالبات پورے کئے جائیں۔ نیز آپ نے عربوں کی کامیابی اور امت مسلمہ کی بہتری اور بہبودی کے لئے مزید دعائیں کیں اور عربوں کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

اس کے بعد سعودی عرب کے حافظ وھبہ نے شاہ فیصل کی طرف سے جوابی تقریر کی جس میں شکریہ کے علاوہ پورے عالم اسلامی کی یگانگت اور اتحاد پر زور دیا۔ رخصت ہونے سے پہلے شاہ فیصل اور دیگر عرب نمائندگان سے تمام انگریز نومسلموں کا تعارف کرایا گیا اور ایک نومسلم مسٹر عبد الرحمٰن ہارڈی کی ساڑھے تین سالہ بچی نے انہیں کلمہ شریف لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اپنے مخصوص اور معصومانہ لہجہ میں کئی بار سنایا اور بعض مہمانوں سے انعام حاصل کیا۔

شاہ فیصل نے روانگی سے قبل احمدیہ دار التبلیغ کی وزیٹنگ بک پر جواب تک لندن مشن میں موجود ہے اپنے قلم سے ذیل کے الفاظ لکھے:

لإثبات عنديتي وشكري لحضرة الإمام وإعجابي بذكائه۔

اپنے مؤقف کے اثبات کے لئے اور محترم امام صاحب کے شکریہ نیز امام صاحب کی فہم وذکاء پر خوشی کے اظہار کے لئے۔''

(روح پرور یادیں صفحہ 188 تا 191۔ لاہور 1980ء، مجلة البشریٰ شمارہ صفر 1385ھ صفحہ 27 تا 34)

1944ء میں شاہ فیصل اور شاہ خالد برطانیہ تشریف لائے اور ایک ہوٹل میں ریسیپشن دی جس میں مولوی صاحب بھی شریک ہوئے اور یوں ان سے ایک دفعہ پھر ملاقات ہوئی۔

(ملخص از الفضل 4 /فروری 1944ء)

مکرم منیر الحصنی صاحب اور مولانا جلال الدین شمس صاحب

دمشق اور حمص کے بعض افراد جماعت کی مکرم منیر الحصنی صاحب اور
مولانا جلال الدین شمس صاحب کے ساتھ ایک یادگار تصویر

مولانا عبدالرحیم درد صاحب شہزادہ فیصل اور انکے وفد کا پیڈنگٹن ریلوے سٹیشن (لندن)
پر 1924 میں استقبال کرتے ہوئے

مولانا جلال الدین شمس صاحب 1939 میں شہزادہ فیصل کو مسجد فضل لندن خوش آمدید کہتے ہوئے

شہزادہ فیصل

مسجد فضل لندن میں

انگریزی اخبار کا تراشہ
جس میں 1924 میں شہزادہ فیصل کی
مسجد فضل کے افتتاح کے لئے
آمد کی خبر نشر ہوئی۔

London's First Moslem Mosque

THE VICEROY OF MECCA COMES TO TOWN

PRINCE FAISAL, WHO IS NOW IN LONDON

THE FIRST MOSLEM MOSQUE IN LONDON

اخبار ''الطائف المصورة'' کا تراشہ جس میں ذکر ہے کہ مسجد فضل لندن
کا افتتاح ہندوستان کے ایک وزیر شیخ عبدالقادر صاحب نے کیا۔

مقاماتِ مقدسہ پر گولہ باری اور جماعت احمدیہ کا کلمۂ حق

ہندوستان میں یہ دلخراش خبر پہنچی کہ محمد بن عبد الوہاب کے معتقدین کی گولہ باری سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے گنبد کو نقصان پہنچا جس سے گنبد میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ مسلم کونسل کے صدر اعلیٰ کی طرف سے تار آیا کہ صحیح خبر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر گولہ باری نہیں کی گئی البتہ اس کے گنبد پر گولیاں لگی ہیں۔

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 4 ستمبر 1925ء کو رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''یہ تو مانا نہیں جا سکتا کہ نجدیوں نے جان بوجھ کر روضہ مبارک، مسجد نبوی اور دیگر مقامات مقدسہ پر گولے مارے ہوں گے، کیونکہ آخر وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، اور آپ کی عزت وتوقیر کا بھی دم بھرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے جو کچھ ہوا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ...... گو انہوں نے دیدہ دانستہ مقامات مقدسہ کو نقصان نہ پہنچایا ہو مگر ان کی بے احتیاطی سے نقصان ضرور پہنچا...... گو مَیں سمجھتا ہوں کہ قُبّے بنانے ناجائز ہیں مگر ہر جگہ نہیں بلکہ ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ اگر ان سے مراد قبر کی حفاظت نہیں تو ناجائز ہیں...... مگر خواہ کچھ ہی ہو ان کا یہ کام نہیں کہ ان کو توڑیں۔ اس معاملہ میں ہم نجدیوں کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ قُبّے بلا ضرورت بنانے ناجائز ہیں اور شرک میں داخل ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں ہم ان کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے کہ ان کو توڑنا اور گرانا بھی درست ہے...... ہماری ان باتوں کو دیکھ کر

نجدیوں کے حامی کہیں گے یہ بھی شریف علی کے آدمی ہیں۔لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر کے متعلق آواز اٹھاتے ہوئے شریف کا آدمی چھوڑ کر شیطان کا آدمی بھی کہہ دیں تو کوئی حرج نہیں۔ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سب سے محبت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی اگر کوئی محبت رکھتے ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔اور آپ کو جو کچھ حاصل ہوا اس غلامی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ بے شک ہم قُبّوں کی یہ حالت دیکھ کر خاموش رہتے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عزت کی خاطر ہم آواز بلند کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں...... ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں جس سے ہم نجدیوں کے ہاتھ روک سکیں۔ ہاں ہمارے پاس سہام اللیل ہیں۔ پس مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس اور مسجد نبوی کے دوسرے مقامات کو اس ہتھیار سے بچائیں۔ ہماری جماعت کے لوگ راتوں کو اٹھیں اور اس بادشاہوں کے بادشاہ کے آگے سر کو خاک پر رکھیں جو ہر قسم کی طاقتیں رکھتا ہے، اور عرض کریں کہ وہ ان مقامات کو اپنے فضل کے ساتھ بچائے۔عمارتیں گرتی ہیں اور ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، لیکن ان عمارتوں کے ساتھ اسلام کی روایات وابستہ ہیں۔ پس ہمیں دن کو بھی رات کو بھی، سوتے بھی اور جاگتے بھی دعائیں کرنی چاہئیں کہ خدا تعالیٰ اپنی طاقتوں سے اور اپنی صفات کے ذریعہ سے ان کو محفوظ رکھے اور ہر قسم کے نقصان سے بچائے۔"

(خطبات محمود جلد 9 صفحہ 246 تا 258۔تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 545 تا 546)

معاملات حجاز میں جماعت احمدیہ کا موقف

مقامات مقدسہ کی بے حرمتی پر احتجاج کے کچھ عرصہ بعد ایک احمدی دوست نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں لکھا کہ بعض اہل حدیث اصحاب نے شکایت کی کہ توحید کے مسئلہ میں ہمارے عقائد ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔مگر ابن سعود کے معاملہ میں تم لوگ ہماری مخالفت اور حنفیوں کی تائید کرتے ہو۔ نیز دھمکی دی کہ آپ لوگ اپنا رویہ نہیں بدلیں گے تو خلافت کمیٹیاں جو اس وقت تک حضورؓ کے لیکچروں کی مؤید ہو رہی ہیں تائید کرنا چھوڑ دیں گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس پر 27/نومبر 1925ء کو ایک مفصل خطبہ دیا جس میں معاملہ حجاز کی نسبت جماعت احمدیہ کے مؤقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

’’میرے نزدیک کسی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ وہ مذہبی معاملات میں زبردستی کرے یا زبردستی کسی قوم کے قابل احترام مقامات کو گرائے یا ان پر قبضہ کرے۔ پس ہر ایک اسلامی حکومت کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے علاقہ کے مسلمانوں کی عبادت گاہوں یا قابل احترام مقامات کو گرا کر ملک میں فتنہ پیدا کرے۔ لیکن ہاں میرے نزدیک دو مقام ایسے ہیں جن میں اگر کوئی مشرکانہ فعل ہوتا ہے تو اسلامی حکومت کے لئے جائز ہے کہ جبراً اس میں دست اندازی کرے اور ان مقامات کو اپنی حفاظت ونگرانی میں رکھے۔ ان مقامات مقدسہ میں سے ایک تو خانہ کعبہ ہے اور دوسرا مسجد نبوی......۔

ایک اسلامی حکومت کا حق ہے کہ ان پر اپنا قبضہ رکھے......اور اس قبضہ کی غرض صرف حفاظت ہونی چاہئے نہ کہ ان کے استعمال میں کسی قسم کی مشکل پیدا کرنا۔ پس ان دونوں مقامات پر اسلامی حکومت کا قبضہ رہنا چاہئے جو یہ دیکھتی رہے کہ ان کی حفاظت کما حقہ ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور ان میں کوئی فعل شریعت کے خلاف تو نہیں کیا جاتا۔ اگر کیا جاتا ہو تو اسے جبراً روک دے۔ مثلاً اگر خانہ کعبہ میں بت پرستی ہو یا قبریں پوجی جاتی ہوں اور اسی طرح مسجد نبوی میں کوئی مشرکانہ فعل ہوتا ہو، تو مَیں کہوں گا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس حکومت کا کہ جس کے قبضہ میں یہ دونوں مقام ہوں حق ہے کہ وہ لوگوں کو وہاں ایسا کرنے سے جبراً روک دے۔‘‘

اس اصولی بات کے بعد حضورؓ نے روضہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ:

’’پس مَیں پھر کہتا ہوں کہ کسی اعزاز کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گنبد نہیں بنایا گیا بلکہ اس کی حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور اس غرض کے لئے بنایا گیا کہ تا آپ کی قبر چھپی رہے۔ کسی اعزاز کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر گنبد کی محتاج نہیں۔ اعزاز اگر ہوسکتا ہے تو وہ بجائے خود ہے اور بیرونی کوشش سے نہیں ہوسکتا۔ پس اس کے لئے کسی گنبد کی یا کسی اور شئے کی ضرورت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب زندہ تھے اس وقت صحابہ آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ ؐ کی وفات کے بعد دشمنوں سے بچانے کے لئے آپ ؐ کے جسم مبارک کی حفاظت مسلمان نہ کریں...... یہاں تو ایک گنبد کے لئے شور برپا ہے مگر مَیں کہتا ہوں حفاظت کے لئے اگر ایک سے زائد گنبد بھی بنانے پڑیں تو بنانے چاہئیں۔ آج کل ہوائی جہازوں اور توپ کے گولوں اور دیگر اسی قسم کی ایجادوں سے پل بھر میں ایک عالم کو تباہ کردیا جاسکتا ہے۔ اس لئے آپ ؐ کی قبر کی حفاظت کا

سوال اور بھی اہم ہو گیا ہے۔''

خطبہ کے آخر میں حضورؓ نے اہلحدیث کو قیام توحید و استیصال شرک کے تعلق میں پورے پورے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ:

''میں کہتا ہوں کہ شرک کو مٹاؤ۔ لیکن شرک کو مٹاتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اور شعائر اللہ کو نہ گراؤ۔ اور ان مقامات کو ملیا میٹ نہ کرو جن کو دیکھ کر ایک شخص کے دل میں توحید کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ قوم جو اہلحدیث کہلاتی ہے اور جس کا بڑا دعویٰ شرک کی بیخ کنی ہے وہ بالضرور شرک کے مٹانے میں کوشش کرے، ہم اس کوشش میں اس کے ساتھ ہیں۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے یہ نہ کرے کہ شعائر اللہ پر ہی کلہاڑا رکھ دے، یا ان مقامات کی بنیادوں میں ہی پانی پھیر دے جن سے روایات اسلامی وابستہ ہیں۔''

(خطبات محمود جلد 9 صفحہ 352 تا 371، تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 546 تا 548)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ صاحب کا حج

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی رضی اللہ عنہ نے 1927ء میں لندن سے واپسی پر حج کی سعادت پائی اور یہ سال سلطان ابن سعود کی حکومت کا پہلا سال بھی تھا۔ حج کی سعادت کے بعد آپ نے نہایت دلچسپ داستانِ حج تحریر فرمائی جو ''کتاب الحج'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ حضرت شیخ صاحب موصوفؓ کا اندازِ تحریر سحر انگیز اور دل موہ لینے والا ہے۔ اور جب ان کی تحریر عشق ومحبت کے عطر سے ممسوح ہو اور پھر وہ عشق ومحبت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی ہو تو اس تحریر کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ لہٰذا قارئین کرام کے ذوقِ طبع کے لئے اس کتاب سے چند اقتباسات یہاں نقل کئے جاتے ہیں جو عربوں میں تبلیغ احمدیت کا حصہ ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے مکان اور قبر کی بابت مشورہ

آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان اور آپ کی قبر کی شکستگی اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ کے منہ سے بے اختیار نکلا:

''اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل اور کرم ہوں تجھ پر اے ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اس مکان کے سامنے کھڑے ہوئے میرے دماغ اور قلب میں ارتعاش تھا۔ میرے دل میں ایک تلاطم پیدا ہوا۔ مَیں نے کہا کہ کاش میں سلطان ابن سعود کی جگہ ہوتا تو اس مکان اور مزار پر ایک شاندار کتبہ نصب کرتا جس پر دنیا کی اس عظیم الشان خاتون ام المؤمنین کے کارناموں کا ایک مرقع ہوتا اور انکی قربانیوں کی تفصیل، تا کہ آنے والی نسلیں صرف احادیث اور تاریخ ہی سے اس کا علم نہ حاصل کرتیں بلکہ ہر آنے

جانے والا پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کرتا۔

کچھ شک نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پرستی سے اپنی امت کو ڈرایا تھا اور آخری وقت میں بھی آپ کو یہ خیال تھا۔لیکن محض اس خوف سے ان مقدس ہستیوں کے نشاناتِ گورتک مٹا دینا میرے نقطۂ نظر سے نہایت ہی زبوں امر ہے۔مَیں نے محسوس کیا کہ ان مزاروں پر انسان کے قلب میں ایک نور سکینت نازل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کا ان مقامات سے ایک تعلق ہوتا ہے اور انسان جب ان کے کارناموں پر (جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہوں نے سرانجام دیئے) غور کرتا ہے تو انسانی قوت عمل میں ایک تحریک ہوتی ہے اور وہ تحریک نیکی اور سعادت کی تحریک ہوتی ہے۔یہی ثبوت ہے اس امر کا کہ ان مقامات سے ملائکہ کا تعلق ہوتا ہے۔اب بھی ضرورت ہے کہ ان تمام قبور پر کتبے لگا دیئے جاویں۔ میں نہیں کہتا کہ ان پر قُبّے بنا دیئے جائیں یا عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوں۔اس خصوص میں میرا اپنا نقطۂ نظر دوسرا ہے۔اور مَیں مناسب احاطوں اور سامان حفاظت کو ضروری سمجھتا ہوں۔لیکن اگر حکومت سعودی کا مذہبی تخیل اور ہو تو کم ازکم ان قبور کے نشان قائم کر کے ان پر کتبے لگوا دینے چاہئیں۔

مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی جائے پیدائش سرور دو عالم) پر

مَیں ایک روز اس مقام پر گیا جس کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس جگہ کو بھی اس وقت (1927ء) میں ویران کر دیا گیا تھا پہلے جو عمارت تھی وہ گرا دی گئی تھی۔ مَیں نے دیکھا کہ وہاں اونٹوں اور گدھوں کا اڈا ہے۔اور اس مقام کی صفائی کا بھی چنداں خیال نہیں۔ایک درخت تھا جو بہت ہی قریب زمانہ کا تھا۔مگر مَیں نے دیکھا کہ بعض لوگ اس درخت کے ساتھ لپٹتے اور اظہار محبت اس تصور کے ساتھ کرتے کہ یہ اس مقام پر ہے جس کو ہمارے آقا اور محسن کی ولادت کا شرف حاصل ہے۔مَیں نے حسرت کے ساتھ اس نظارہ کو دیکھا اور مَیں نے عزم کر لیا کہ سعودی حکومت سے اس کے متعلق گفتگو کروں گا۔

امیر فیصل سے ملاقات

دوسرے دن مَیں اس وقت کے وزیر خارجہ ڈاکٹر عبد اللہ واملوقی (جن سے لندن میں میری ملاقات ہوئی تھی) ملنے کے لئے گیا اور اس روحانی اذیت کا تذکرہ کیا۔انہوں نے مجھ

سے کہا کہ آپ امیر فیصل گورنر مکہ سے (جو سلطان ابن سعود کا صاحبزادہ ہے) مل کر گفتگو کریں۔

امیر فیصل سے بھی مجھے لندن میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، اور وہاں ہی ان کا دفتر تھا چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ملاقات کا انتظام کر دیا۔ اور اس میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ مجھے یہ بات حکومت سعودی کی بہت پسند آئی کہ وہاں ارکان دولت نہایت بے تکلفی اور سادگی سے ملتے ہیں۔

امیر فیصل نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ اور انہوں نے قہوہ پیش کیا۔ رسمی گفتگو کے بعد اصل موضوع پر سلسلہ کلام شروع ہوا۔ ......مَیں نے ان کو جذباتی رنگ میں اپیل کی اور کہا کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت رکھتے ہیں اس محبت کا تقاضا ہے کہ جن مقامات کو حضورؐ کے نام سے نسبت ہے ان کی خرابی وہ برداشت نہیں کر سکتے۔

امیر فیصل نے مجھ سے یہ کہا کہ ان مقامات کو اس لئے پیوندِ زمین کر دیا گیا ہے کہ لوگ یہاں مشرکانہ حرکتیں کرتے تھے۔ مَیں نے کہا ان کا انسداد ان مقامات کے بقاء کے ساتھ دوسرے رنگ میں بھی ہو سکتا تھا۔ آخر آپ کے ہاں دوسرے اعمالِ غیر مشروع یا معصیت کے لئے سزائیں مقرر ہیں۔ میرے سلسلۂ دلائل میں انہیں قوت معلوم ہوئی تو بالآخر انہوں نے کہا کہ دراصل یہ امرِ مشتبہ ہے کہ یہ مقام فی الواقعہ مولد النبیؐ ہے بھی یا نہیں۔

اس پر مَیں نے کہا کہ: اس مقام کو زمانۂ دراز سے مولد النبیؐ قرار دیا گیا، اور صدیوں پیشتر سے لوگ اسے مولد النبیؐ کہتے ہیں تو پھر یہ مشکوک کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ اگر یہ فرض کر لیا جاوے کہ مشکوک ہے تو آپ کا پہلا فرض یہ تھا کہ ایک کمیٹی تاریخ دان علماء کی مقرر کرتے اور وہ اصل مقام کی تحقیقات کرتی اور اسے محفوظ قرار دیتی۔ آج تو لوگ معمولی آثار قدیمہ کی تحقیقات میں بڑا وقت اور روپیہ صرف کرتے ہیں، اس مقام کے ساتھ تو ساری دنیا کے مسلمانوں کی عقیدت وابستہ ہے، گرانے میں جلدی کی گئی۔

امیر فیصل نے کہا: اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔

مَیں نے کہا: یہ عذر صحیح نہیں ہے۔ اس کا چارہ کار یہ تھا کہ حکومت اس مقام پر ایک شاندار عمارت تعمیر کرتی۔ اور روئے زمین کے مسلمان اس میں حصہ لیتے اور اس میں سیرۃ النبیؐ کا ایک دفتر قائم کیا جاتا۔ دنیا کے تمام زبانوں میں سیرۃ النبیؐ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی

متعدد جلدیں رکھی جاتیں۔اور یہ مقام دار الحدیث ہوتا جہاں ہر وقت حدیث کا درس جاری رہتا۔اس طرح پر جن بدعات یا مشرکانہ حرکات کا آپ کو خطرہ تھا وہ بھی باقی نہ رہتا۔ ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاتا اور لوگ حدیث سنا کرتے یا سیرت کی کتابیں پڑھتے ۔میری اس تجویز پر ان کے چہرہ پر مسرت کی ایک لہر آئی اور انہوں نے اسے بہت پسند کیا۔ اور کہا کہ مَیں حضرت امام سے ذکر کروں گا۔(یہ لوگ ابن سعود کا جب ذکر کرتے ہیں تو حضرت امام سے کرتے ہیں۔)اس پر یہ انٹرویو ختم ہو گیا......۔

سلطان ابن سعود کو احمدیت کی تبلیغ

جلالۃ الملک سلطان ابن سعود سے مجھے تین مرتبہ ملنے کا موقع ملا۔ دو مرتبہ تو میرے ساتھ حضرت الحاج نیّر صاحب مبلغ اسلام (لندن وافریقہ تھے) اور تیسری مرتبہ مجھے تنہا ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور یہ ملاقات بہت اہم تھی۔ مکہ معظّمہ میں سلطان ابن سعود کے داخلہ کا پہلا سال تھا اور اہل حدیث کے بہت سے لوگ وہاں گئے ہوئے تھے۔ ان میں مولوی محمد اسماعیل سورتی صاحب تھے۔مَیں ان سے قیام بمبئی کے ایام میں واقف اور بے تکلف تھا اور وہ مذہبًا اہل حدیث تھے ......مولوی اسماعیل صاحب کو مولوی اسماعیل غزنوی (جو سلطان کے خاص مقربین سے ہیں......) سے نہیں معلوم کیوں کچھ رنجش تھی وہ ان کے اقتدار اور قرب کو دیکھ نہ سکتے تھے۔غزنوی صاحب کے ننھیال سے خاکسار عرفانی کو ارادت وعقیدت تھی اس لئے وہ مجھ سے بھی محبت رکھتے تھے۔سورتی صاحب کو یہ اچھا موقع ملا کہ میرے متعلق انہوں نے غزنوی صاحب کو الزام کے لئے ایک حیلہ پیدا کیا اور شکایت کی کہ غزنوی صاحب ان کو سلطان کے پاس لے گئے اور ان کی وجہ سے یہاں ایک فتنہ پیدا ہو جائے گا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔

سلطان میرے عقائد سے واقف تھے اور انہوں نے شیخ الاسلام عبد اللہ بن بلہید سے استصواب کیا تھا کہ کیا مَیں ان سے ملوں؟ یہ لوگ تو مبلغ ہوتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے (خدا ان پر رحم کرے) نہایت صحیح مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے سلطان کو ضرور ملاقات کرنی چاہئے، اور جو کچھ وہ کہیں سننا چاہئے۔ چنانچہ ہم کو موقع ملا اور ہم نے واضح الفاظ میں اپنے عقائد کو پیش کر دیا تھا۔

سلطان ابن سعود سے ایک اور ملاقات اور اتمام حجت

مَیں نے سلطان سے ملاقات کا انتظام کیا۔مَیں حاضر ہوا تو مندرجہ ذیل گفتگو سلطان سے ہوئی۔

عرفانی: جلالۃ الملک، آپ جانتے ہیں حرمین شریفین کی خدمت کا شرف آپ کو کیوں ملا؟

سلطان: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

عرفانی: بے شک یہ فضل تو ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔

سلطان: میں کچھ نہیں جانتا۔آپ کیا سمجھتے ہیں؟

عرفانی: شریف عون کے زمانہ میں آپ کے جدّ حج کے لئے آئے تھے مگر شریف عون نے اختلاف عقیدہ کی وجہ سے ان کو روک دیا تھا۔اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اس لئے شریف کے خاندان سے یہ شرف نکل گیا۔اور آپ آل سعود کو دیا گیا۔

سلطان: مرحبا۔

عرفانی: مَیں نے یہ واقعہ آپ کو اس لئے یاد دلایا ہے کہ مکہ معظّمہ روئے زمین کے مسلمانوں کا مرکز ہے۔یہاں مختلف عقائد کے لوگ آئیں گے۔اور آپ کے ساتھ بھی بعض کا اختلاف ہوگا۔اگر محض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے آپ کسی سے تعرض کریں گے تو یاد رکھیئے کہ خدا تعالیٰ آپ سے یہ خدمت چھین لے گا اور اس کو دے گا جو اختلاف عقائد کی وجہ سے کسی سے تعرض نہ کرے گا۔

میرے بیان کا ترجمہ توفیق شریف صاحب جو ان دنوں وزیر معارف تھے کرتے تھے۔اور کچھ نہ کچھ مَیں خود بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بولتا تھا۔

سلطان یہ سن کر استغفار کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ:مَیں انشاء اللہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔اور ساتھ ہی کہا کہ آپ خود موجود ہیں آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔آپ کی شکایت ہوئی اس پر بھی ہم نے توجہ نہیں کی۔اس پر مَیں نے کہا کہ اسی بات نے مجھے تحریک کی کہ میں یہ حق آپ کو پہنچادوں۔الحمدللہ مَیں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

(از کتاب الحج تالیف مولانا یعقوب علی عرفانیؓ صفحہ 255 تا 278)

شام کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ

جنگ عظیم اول کے بعد شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ شامیوں نے یہ قبضہ ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ 1925ء کے آخر میں لبنان کی ایک جنگ جو مسلمان پہاڑی قوم نے تحریک آزادی کا علم بلند کر دیا۔ شام کی فرانسیسی حکومت نے 57 گھنٹے تک اور بعض خبروں کے مطابق اس سے بھی زیادہ عرصہ تک دمشق پر گولہ باری کی جس سے یہ بارونق شہر تباہ و ویران ہو گیا اور ایسی تباہی آئی کہ تین ہزار سال سے ایسی تباہی اس شہر میں نہیں آئی تھی۔ ایسی تباہی کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام ''بلائے دمشق'' میں بھی دی گئی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 13/نومبر 1925ء کو دمشق کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام اور اس عملی ظہور کی دردناک تفصیلات سنانے کے بعد اہل شام کی تحریک آزادی کی تائید کرتے ہوئے فرمایا:

''مَیں اس اظہار سے بھی نہیں رک سکتا کہ دمشق میں ان لوگوں پر جو پہلے ہی بے کس اور بے بس تھے یہ بھاری ظلم کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی بے بسی اور بے بسی کا یہ حال ہے کہ باوجود اپنے ملک کے آپ مالک ہونے کے دوسروں کے محتاج بلکہ دستِ نگر ہے۔ میرے نزدیک شامیوں کا حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کریں۔ ملک ان کا ہے حکمران بھی وہی ہونے چاہئیں۔ ان پر کسی اور کی حکومت نہیں ہونی چاہئے۔......کیا ان کی یہی حالت ہونی چاہئے کہ انہیں بالکل غلام بلکہ غلاموں سے بھی بدتر بنانے کی کوشش کی جائے۔......پس نہ انگریزوں کا اور نہ کسی اور سلطنت کا حق ہے کہ وہ شامیوں کے ملک پر حکومت کریں، اور نہ ہی فرانسیسیوں کا حق ہے کہ وہ ملک پر جبرًا قبضہ رکھیں۔ شامیوں نے اتحادیوں کی مدد کی اور انہیں فتح دلائی جس کا بدلہ یہ ملا کہ فرانسیسیوں نے ان کے ملک کو تباہ اور ان کے گھروں کو ویران کر دیا۔ اس سے زیادہ غداری کیا

ہو سکتی ہے کہ جس نے ان کو فتح دلائی اسے ہی غلامی کا حلقہ پہنایا جاتا ہے...... بجائے حسن سلوک کے ان پر ظلم کیا گیا۔ان کی جانیں تباہ کی گئیں، ان کا ملک ویران کیا گیا۔ان کے مال برباد کئے گئے۔ پس وہ مظلوم ہیں۔مَیں ان مظلوموں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں۔مَیں ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جنہوں نے قوم کی حریت اور آزادی کے لئے کوشش کی اور اس کے لئے مارے گئے۔ پھر مَیں ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جو زندہ ہیں،اوراسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ تباہی سے بچیں اور کامیاب ہوں۔‘‘

الحمدللہ کہ حضورؓ کی یہ دعا جناب الٰہی میں قبول ہوئی اور بالآخر فرانسیسی تسلط ختم ہوا اور ایک طویل جدوجہد کے بعد 16 ستمبر 1941ء کو شام میں مسلمانوں کی آزاد حکومت قائم ہوئی۔

(خطبات محمود جلد 9 صفحہ 324 تا 339۔تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 548-549)

حضرت مسیح ناصریؑ کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا

قادیان میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے زیر انتظام 29 جنوری 1926ء کو ایک منفرد جلسہ ہوا جس میں دنیا کی چوبیس زبانوں میں صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر تقریریں ہوئیں۔ اس میں عربی زبان میں تقریر حضرت شیخ محمود احمد عرفانی صاحبؓ نے کی۔ان تمام تقاریر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تقریر فرمائی کہ حضرت مسیح ناصریؑ کے متعلق آتا ہے کہ ان کے حواریوں کے متعلق پیشگوئی تھی کہ وہ غیر زبانوں میں تقریریں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے یہودیوں کے مختلف قبیلوں کی زبانوں میں ان کو تبلیغ کی۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اس میں غیر زبانیں بولنے والے پیدا ہوگئے۔ بے شک اب عیسائیت میں مختلف ممالک کے لوگ داخل ہیں مگر حضرت مسیح کے زمانہ میں اور پھر ان کے بعد تین سو سال تک تین چار ممالک میں ہی عیسائیت پھیلی تھی۔پس یہ سب تقریریں اپنی ذات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی مستقل دلیل ہیں۔

(ملخص از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 553-554)

عراق و مصر میں تبلیغ اور شیخ محمود احمد عرفانی صاحب کی بعض یادیں

مکرم شیخ محمود احمد عرفانی صاحب نے اپنے ایک مضمون بعنوان "عالم اسلامی میں میرے آقا کے تذکرے" میں اپنی بعض یادداشتیں درج کی ہیں اس کا ایک حصہ ہم ذیل میں انہی کے قلم سے نقل کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ادنیٰ خادم شاہی دربار میں

دسمبر 1929ء میں مَیں بغداد میں تھا۔اس وقت عراق کے تخت پر عالم اسلام کا مشہور مدبر اور بہادر بادشاہ فیصل حکمران تھا۔فیصل کی زندگی اور اس کی تاریخ انقلابات کے صفحات سے پُر ہے۔وہ پتلا دُبلا نحیف الجثہ انسان تھا۔مگر اس کی نظر دور بین تھی۔اور اس کا فکر نکتہ رس تھا۔اس نے نہ صرف اپنی ذات میں انقلاب پیدا کیا۔بلکہ عالم اسلامی میں وہ انقلاب پیدا کیا جس کی یاد اب تاریخ سے مٹ نہیں سکتی وہ ایسا انسان تھا جس نے آن واحد میں شام کی سلطنت کھو کر عراق کی سلطنت حاصل کر لی اور اپنے تدبر سے ایک مردہ قوم کو زندہ قوموں کی صف میں لا کھڑا کر دا۔

جنوری کا مہینہ تھا بغداد میں سخت سردی پڑ رہی تھی ہاتھ ٹھٹھر رہے تھے اور بارشیں بھی ہو رہی تھیں۔بادشاہ نے مجھے باریابی کا موقع دیا۔بادشاہ کا دیوان قصر سے دور تھا۔اس دن سردی اور بارش اتنی تیز تھی کہ مَیں یقین کرتا تھا کہ آج بادشاہ اپنے ایوان میں نہیں آئیں گے 9 بجے میں دیوان پہنچا۔معلوم کرنے سے معلوم ہوا کہ شاہ آٹھ بجے سے بھی پہلے آ گئے تھے۔مجھے

حیرت ہوئی۔نَو بج کر چند منٹ پر مجھے طلب کر لیا گیا۔شاہ کا کمرہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔جو ایرانی قالینوں سے مفروش تھا......شاہ دروازہ کے قریب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چہل رہے تھے۔ جونہی میرا سامنا ہوا بادشاہ کھڑے ہو گئے۔مَیں نے سلام کیا۔شاہ نے ہاتھ بڑھایا۔مَیں نے مصافحہ کیا اور اس کے بعد مجھے ساتھ لے کر ہال کے صدر میں گئے اور مجھے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اور بیٹھ گئے۔مَیں نے شاہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

''مَیں مذہباً احمدی جماعت کا فرد ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام قادیانی اس زمانے میں مسیح موعود اور مہدی تھے۔ہماری جماعت اس وقت دس لاکھ سے کچھ اوپر ہے۔ہمارے افراد تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں۔اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزندِ اکبر حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ ثانی ہیں۔ان کے زمانہ میں ہماری جماعت کو بڑی ترقی ہوئی۔انہوں نے یورپ اور امریکہ کے سوا مشرق کے مختلف ملکوں میں سلسلہ کے مشن کھولے اور آپ نے جماعت کو پورے طور پر منظّم کیا۔حجاز کا انقلاب جب ہوا ہندوستان میں ایک زلزلہ رونما ہوا۔سب مسلمان مخالفت کر رہے تھے۔اس وقت صرف حضرت خلیفۃ المسیح نے آواز اٹھائی کہ جیسے دیگر اقوام کو آزادی کا حق ہے ایسے ہی عربوں کو بھی حق ہے۔ عرب وہ ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو تمدن اور علوم سکھلائے اور اسلام جیسا پاکیزہ مذہب بھی ہم کو ایک عرب ہی کے طفیل ملا۔..........''

یہ سن کر بادشاہ مجھ سے یوں مخاطب ہوئے:۔

''مجھے احمدی جماعت کا اچھی طرح علم ہے۔مَیں مرزا احمد قادیانی کو دنیا کا بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں۔مَیں ان کی جماعت کے کام سے جو یورپ امریکہ میں ہو رہا ہے واقف ہوں۔اور میرے دل میں اس جماعت اور اس کے بانی کا بڑا احترام ہے اور عربی قضیہ میں جو امام جماعت احمدیہ قادیان نے کہا اس کے لئے مَیں اپنے اندر جذبۂ امتنان پاتا ہوں''۔

دجلہ کے کنارے

شیخ محمود احمد عرفانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

دجلہ کا کنارہ تھا۔شاہ علی بن حسین جو حجاز کے بادشاہ تھے اپنے محل کے شہ نشین پر جو بالکل دجلہ کے پانی پر واقع تھا آرام کرسی پر تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور دجلہ میں کشتیوں کی سیر دیکھ رہے

تھے۔صبح کا وقت تھا۔سورج کی کرنیں دجلہ کے پانی میں پڑ کر عجیب سیمابی منظر پیدا کر رہی تھیں۔ ہوا میں ایسی خنکی تھی جو تازگی لئے ہوئے تھی۔ دجلہ کے کنارے اس وقت خاص رونق تھی۔ملک علی اس پر لطف منظر کی سیر کر رہے تھے کہ خاکسار کو باریابی کا موقعہ ملا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آیا۔ بادشاہ بغور سنتے رہے اور پھر کہا:۔

''مَیں نے مرزا قادیانی کا ذکر پہلے بھی سنا ہے۔مَیں ان کو اسلام کا بڑا خدمت گزار جانتا ہوں۔میرے خیال میں دعوے میں ان کو غلطی لگی ہے''۔

(الحکم قادیان کا خاص نمبر۔مؤرخہ 28-21 مئی 34ءجلد 37 نمبر 18,19 صفحہ 4)

قاہرہ سے اخبار''اسلامی دنیا'' کا اجراء

1930 میں جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے قاہرہ میں آنریری مبلغ کے فرائض انجام دینے کے علاوہ اسلامی دنیا کے نام سے ایک اخبار جاری کیا مسلمانوں کا باہمی تعارف اورانہیں ان کے مصائب ملّی سے آگاہ کر کے اتحاد کی دعوت اس اخبار کی پالیسی تھی۔اس کے دوایڈیشن نکلتے تھے ایک اردو میں دوسرا عربی میں۔ یہ اخبار مصور تھا اور اردو دنیا میں اسلامی دنیا کی خبریں نہایت شرح وبسط سے شائع ہوتی تھیں۔افسوس ہے کہ بعض ناگزیر مجبوریوں نے یہ اخبار زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہنے دیا۔اوراس کی اشاعت بند ہوگئی اور جناب عرفانی صاحب قاہرہ سے قادیان آ گئے۔ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 242)

احمدیہ مشن ایک سیّاح کی نظر میں

مرزا اسلم بیگ صاحب سیاح بلاد اسلامیہ حیدر آباد دکن اس زمانہ میں سیاحت کر رہے تھے۔ مرزا صاحب کو مصر اور دوسرے احمدی مشنوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

دوسری مرتبہ 1930ء میں قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ عرفانی صاحب موجود تھے۔اوران کا مشن نہایت کامیابی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا......اور مجھے مشن کی کارگزاری پر، مشن کے رسوخ پر، مبلغ کے خلوص پر غور کرنے کا بہت زیادہ موقع ملا۔ میں ان تاثرات کو لئے ہوئے فلسطین، شام، استنبول، اور برلن وغیرہ گیا جہاں مجھے جماعت احمدیہ کی

تنظیم اور کوششوں کا ثبوت ملتا گیا۔ مجھے حقیقتاً نہایت صدق دل سے اس کا اعتراف ہے کہ مَیں نے ہر جگہ جماعت احمدیہ کے مبلغوں کی کوششوں کے نقوش دیکھے، ہر جگہ اسلامی روایات کے ساتھ تنظیم دیکھی، ہر جگہ اس جماعت میں خلوص اور نیک نیتی پائی۔ جماعت احمدیہ میں سب سے بڑی خوبی اتحادِ عمل اور امام جماعت احمدیہ کے احکام کی پابندی ہے۔ اس کے اراکین کہیں اور کسی حال میں شعار اسلام اور احکام اسلام کو نظر انداز نہیں کرتے۔ اور نہ اپنی اصل غرض سے اور فرض سے انجان ہوتے ہیں۔ تقریروں، تحریروں یا ملاقاتوں میں ان کا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ اور وہ اشارۃً کنایۃً اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ محنت برداشت کرتے ہیں۔ غیر مانوس اور غیر مشرب لوگوں میں رسوخ پیدا کر کے اپنے فرائض کی تکمیل کرتے ہیں۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 242)

ایک مصری عرب کے قبول احمدیت کی دلچسپ داستان

غالباً اسی عرصہ کی بات ہے کہ ایک دوست مکرم حاجی عبد الکریم صاحب فوجی ملازمت کے سلسلہ میں مصر گئے۔ وہاں انہوں نے تبلیغ کا کام بھی جاری رکھا اور ایک دوست علی حسن صاحب احمدی ہو گئے۔ ان کو لے کر حاجی صاحب مختلف مصری عرب احباب کے پاس جاتے اور تبلیغ کرتے تھے۔ ان میں سے ایک دوست محکمہ تار میں کلرک تھے۔ کئی روز ان سے تبادلہ ہوتا رہا، وہ تمام مسائل میں ان کے ساتھ متفق ہو گئے مگر امتی نبی ماننے پر تیار نہ تھے۔ انہوں نے اس کو الخطبة الإلهامية دیا اور پھر کئی دن اس کے پاس نہ گئے۔ ایک دن اس مصری دوست کا خط آیا جس میں اس نے حاجی صاحب کو کھانے پر بلایا تھا۔ وہاں پہنچنے پر اس نے کہا آپ میری بیعت کا خط لکھ دیں۔ حاجی صاحب نے پوچھا کہ کیا ختم نبوت کا مسئلہ حل ہو گیا ہے؟ اس پر اس دوست نے کہا کہ مَیں نے الأزھر یونیورسٹی کے ایک بڑے عالم کو رات کے کھانے پر بلایا تھا اور اسے بتایا کہ اس طرح مجھے بعض ہندوستانیوں نے تبلیغ کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور آنے والا عیسیٰ امت محمدیہ کا ہی ایک فرد ہے جو مسیح و مہدی ہو کر آئے گا۔ چنانچہ اس کے دعویدار حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ مجھے ان لوگوں کے تمام دلائل سے اتفاق ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب امتی نبی ہیں اور یہ وہ بات ہے جس کو مَیں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ چونکہ آپ عالم دین ہیں آپ مجھے بتائیں کہ کیا میرا

موقف درست ہے یا نہیں؟

اس ازہری عالم نے جواب دیا:

مَیں نے مرزا صاحب کا لٹریچر پڑھا ہے اور بعض احمدیوں سے بھی ملا ہوں اور تبادلہ خیالات کیا ہے۔جس قسم کی نبوت کا مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ہے اگر اس قسم کے ہزار بھی نبی آجائیں تو ختم نبوت نہیں ٹوٹتی۔

اس پر مَیں نے کہا کہ دیکھو اب میں احمدیہ جماعت میں داخل ہو جاؤں گا اور قیامت والے دن تم اس کے ذمہ وار ہوگے۔ازہری عالم کہنے لگے کہ میرا یہ جواب صرف یہاں ہی ہے۔لیکن اگر پبلک میں سوال کروگے تو مَیں یہی کہوں گا کہ امتی نبی بھی نہیں آ سکتا۔ہاں اگر آپ جماعت احمدیہ میں شامل ہونا چاہیں تو بے شک میری ذمہ داری پر داخل ہو جائیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے لئے بعض روکیں ہیں جن میں سے سب سے بڑی یہ ہے کہ اگر میں احمدی ہو جاؤں تو مجھے ملازمت سے نکال دیا جائے گا۔

یہ مصری دوست کہتے ہیں کہ جب میں نے ازہری عالم سے یہ بات سنی تو فورا جماعت میں داخل ہونے کا مصمم ارداہ کر لیا،اور خطبہ الہامیہ پڑھنا شروع کر دیا اور ختم کر کے سویا۔رات کو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدنا احمد المسیح علیہ السلام ایک کثیر جماعت کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔مَیں نے دریافت کیا کہ حضور یہ کون لوگ ہیں اور انہیں آپ کہاں لے کے جا رہے ہیں۔آپ نے فرمایا: یہ اولیاء اللہ ہیں جو امت محمدیہ میں مجھ سے پہلے ہوئے ہیں اور مَیں ان کو دربار رسول میں زیارت کے لئے لے کے جا رہا ہوں۔میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر میری جماعت میں سے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں مگر وہی جو امتی نبی ہو جیسے میں ہوں۔

جب میں بیدار ہوا تو میرے لئے مسئلہ ختم نبوت حل ہو چکا تھا اور میں بہت خوش تھا۔

حاجی عبد الکریم صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے ان کا یہ واقعہ اور بیعت فارم پر کروا کے قادیان روانہ کر دیا۔

(ماخوذ از برہان صداقت از مولانا عبد الرحمٰن مبشر صاحب صفحہ 9 تا 11)

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی بلاد عربیہ میں آمد

(ذیل میں مذکوراس دور کے بیشتر واقعات وتاریخی حالات حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی سوانح حیات ''حیات خالد'' سے ماخوذ ہیں)

حضرت مولانا ابو العطاء جالندھری صاحب13/ اگست 1931ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور 4 ستمبر 1931ء کو حیفا (فلسطین) پہنچے۔ آپ کی عمر اس وقت 27 سال تھی۔

ایک کامیاب مبلغ اور ہمہ جہتی مفکر کے طور پر آپ نے اس سفر کی تیاری میں سب سے پہلے سفر کے اہداف ومقاصد متعین فرمائے جو یہ تھے:

(1) تبلیغ احمدیت واسلام۔ (2) عربی زبان کا سیکھنا۔ (3) نفس کی اصلاح اور مقام ولایت۔ (4) ملکی وتاریخی حالات کا مطالعہ۔ (5) حج کرنا۔ (6) حفظ قرآن پاک۔

اسی طرح اس زمانے میں ایک روایت یہ بھی تھی کہ جو مبلغ بیرون ممالک میں تبلیغ کی غرض سے بھیجے جاتے تھے ان کی اپنی خواہش وکوشش بھی ہوتی تھی اور سلسلہ کی طرف سے ہدایت بھی کہ وہ پرانے بزرگوں سے مل کر رہنمائی، مشورے، اور دعائیں حاصل کریں۔ چنانچہ مولانا ابو العطاء صاحب نے بھی اپنے بعض بزرگوں سے ہدایات لیں۔ ان میں سے حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے عربی زبان میں نصائح لکھ کر دیں، جن میں سے ایک نصیحت یہاں فائدہ عام کے لئے لکھی جاتی ہے فرمایا:

اس بات سے بچتے رہنا کہ تیرا نفس تجھے کہے کہ تو نے خوب کام کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور اسے بھی جو تم عمل کرتے ہو۔ پس یقیناً جانو کہ یہ بات تمہارے

اعمال کی کھیتی کے لئے بگولا اور آگ ہے۔

قادیان سے حیفا تک

حضرت مولانا ابو العطاء صاحب اپنے ایک مضمون میں اپنے سفر کے بعض حالات کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے ایک حصہ کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

جہاز بصرہ جارہا تھا۔قریبا چھ روز مختلف بندرگاہوں پر ٹھہرتا ہوا یہ جہاز بصرہ کی بندرگاہ پر پہنچا۔وہاں بھی احمدی دوست موجود تھے وہاں سے بغداد کے لئے روانگی ہوئی جہاں محترم الحاج عبداللطیف صاحب مرحوم مشہور احمدی تاجر کے ہاں چندروز قیام رہا احباب جماعت اور دوسرے دوستوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔بغداد سے بذریعہ موٹر کار دمشق کے لئے روانہ ہوا۔وہاں سے احباب کی ملاقات کے بعد بیروت پہنچا۔وہاں سے حیفا پہنچا۔......آخر دس دن کے اس سفر کا خاتمہ بہت ہی خوش گوار صورت میں ہوا اور مَیں احمدیہ دارالتبلیغ بلاد عربیہ میں بخیریت پہنچ گیا۔حضرت مولانا شمس صاحب کے ذریعہ کام کی نوعیت اور تفصیلات کا تعارف ہوا۔ ......آخر اگست 1931ء کو دارالتبلیغ کا چارج لیا۔اس پر محترم مولانا شمس صاحب مرحوم مصر سے ہوتے ہوئے قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔اس وقت بھی جذبات کا ایک خاص تلاطم تھا۔فلسطین کے احمدی احباب نے بے مثال محبت سے تعاون فرمایا۔

امید افزا حالات

مختلف مقامات پر حضرت مولانا کے قیام فلسطین ومصر وغیرہ کی کچھ شائع شدہ رپورٹیں ذیل میں پیش ہیں جو از یکم اپریل 1932 تا 31 مارچ 1933 کی ہیں۔

سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 32-1933 صفحہ 151 تا 155 پر ذیل کی رپورٹ درج ہے:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس سال بلاد عربیہ میں سلسلہ کے لئے نہایت امید افزا حالات پیدا ہوئے ہیں اور تبلیغ کے بہت سے نئے دروازے کھل گئے ہیں۔ اخبارات کی مخالفت یا تعریف سے ظاہر ہے کہ سلسلہ کی اہمیت کو محسوس کیا جارہا ہے۔ہر طبقہ کے لوگوں میں

سلسلہ احمدیہ کی خدمات کا اعتراف ہونا شروع ہو گیا ہے۔شیخ العروبہ احمد زکی باشا نے مولوی اللہ دتہ صاحب (ابوالعطاء) سے کہا کہ درحقیقت عیسائیت کی بڑھتی ہوئی رَو کا مقابلہ صرف آپ کی جماعت ہی کر سکتی ہے۔

ایک غیر احمدی دوست نے کہا کہ آپ لوگوں کی بہترین تنظیم اور غیر معمولی جدو جہد کے پیش نظر میرا تو یہ خیال ہے کہ عنقریب دنیا کی حکومت احمدیوں کے قبضہ میں ہوگی۔

حالات کے امید افزا ہونے کا اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علماء اور مشائخ کے طبقہ میں غیر معمولی ہیجان پایا جاتا ہے۔مخالفانہ مضامین کے علاوہ قتل کے فتوے اور احمدیوں کو دکھ دینے کے منصوبے کئے جارہے ہیں۔حکومتوں کو انکے خلاف بھڑکایا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے اور اس سے واضح ہے کہ دشمن احمدیت کی طاقت سے خوف کھا رہا ہے۔

نومبائعین

اس سال 33 اشخاص داخل سلسلہ ہوئے ہیں (گزشتہ سال تعداد نو مبایعین 25 تھی) ان نو مبایعین میں سے ایک بزرگ عالم ہیں جو اپنے سلسلہ میں پیشوا مانے جاتے تھے۔ایک اخبار نویس ہیں۔ایک دوست متعدد رسالوں کے مصنف ہیں۔ایک کالج کے طالبعلم ہیں۔ بعض تاجر اور بعض زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔دو مدرس اور ایک سرکاری ملازم ہیں۔

نئی جماعتیں

1۔موضع ام الفحم میں نئی جماعت قائم ہوئی ہے۔اس جماعت میں ایک اچھے مالدار دوست بھی شامل ہیں۔

2۔اسی طرح موضع عارہ میں بھی نئی جماعت قائم ہوئی ہے اس جگہ کے مشہور عالم الشیخ محمد اللبدی داخل سلسلہ ہوئے ہیں۔

انفرادی تبلیغ

اندازہ کیا گیا ہے کہ افراد جماعت اور دارالتبلیغ کے ذریعہ دوران سال ڈیڑھ ہزار اشخاص کو فرداً فرداً تبلیغ کی گئی ہے۔بعض معززین کے گھروں پر جا کر تبلیغ کی گئی۔ جناب علی

فاضل باشا مصری نے جو سوڈان میں فوج کے افسر اعلیٰ رہ چکے ہیں اور علم دوست شخص ہیں ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد کہا کہ مولوی صاحب نے مجھ کو نصف احمدی تو بنا لیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ امسال سلسلہ احمدیہ کے بدترین دشمنوں کو بھی ان کے گھروں پر جا کر پیغام حق پہنچایا گیا۔ جن میں سے شیخ رشید رضا ایڈیٹر المنار اور محبّ الدین الخطیب ایڈیٹر الفتح خاص طور پر قابل ذکر ہیں......۔ مصری پارلیمنٹ کے ایک ممبر کو تبلیغ کرنے کا بہترین موقع ملا اور وہ بہت اچھا اثر لے کر گئے۔

مناظرات

دوران سال تقریباً 18 باقاعدہ مناظرات ہوئے ہیں۔ 12 مسلمان علماء سے اور 6 پادریوں سے۔ علماء کے ساتھ وفات مسیح، نسخ فی القرآن، ختم نبوت اور صداقت مسیح موعود علیہ السلام پر گفتگو ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر موقع پر کامیابی حاصل ہوئی۔ علمائے ازہر کے ایک گروہ سے ختم نبوت پر مباحثہ ہوا۔ ایک کے بعد دوسرا مناظر بدلا گیا مگر آخر انہیں اپنی عاجزی کا قولاً وفعلاً اعتراف کرنا پڑا اور غیر احمدی سامعین پر بھی بہت اچھا اثر ہوا۔ پادریوں سے فادر انستاس الکرملی سے حیفا میں خاص طور پر قابل ذکر گفتگو ہوئی اور قاہرہ میں امریکن مشن کے انچارج اور ڈاکٹر زویمر کے قائمقام ڈاکٹر فلپس (Philips) سے کفارہ کے موضوع پر چار ہفتے مناظرات ہوئے۔ ہر مناظرہ میں بفضل تعالیٰ خاص کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر آخری مناظرہ بعنوان 'کیا یسوع مسیح صلیب پر نہیں مرا' نہایت شاندار رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مختصر وقت میں غیر معمولی تاثیر عطا فرمائی اس روز 70 اشخاص موجود تھے جن میں وکیل، علماء اور نوتعلیم یافتہ اور کالجوں کے طلباء بھی تھے۔ عیسائیوں کی طرف سے پادری کامل منصور، پادری فلپس اور پادری ایلڈر باری باری پیش ہوئے اور ہر ایک عاجز آ کر خاموش ہو جاتا رہا۔ دو گھنٹہ تک باقاعدہ مناظرہ ہوا اور دوست ودشمن نے محسوس کر لیا کہ فی الواقع حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسر صلیب کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے وہ بالکل اچھوتا اور بے حد کامیاب ہے۔ اخیر پر ایک معزز غیر احمدی نے جو شیخ الازہر کا رشتہ دار ہے شاندار الفاظ میں احمدی مناظر کا شکریہ ادا کیا اور ایک ازہری طالبعلم نے کہا: بخدا اگر سارے علمائے ازہر مل کر بھی ایسا مناظرہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ پادری کامل منصور نے جاتے وقت کہا کہ فی الواقع آپ نے عیسائیت کا ہم سے بھی

بڑھ کر مطالعہ کیا ہے۔

اس مباحثہ کی پوری روداد فلسطین کے عربی رسالہ البشارۃ الاسلامیۃ الاحمدیۃ میں مولانا ابو العطاء جالندھری صاحب نے شائع کی۔

عیسائی مشنری کرملی سے گفتگو

فلسطین کے ایک مشہور عیسائی مشنری کرملی جو لغت عرب کے بڑے ماہر سمجھے جاتے اور علاّمہ کہلاتے ہیں ان کی حیفا میں مبلغ احمدیت حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری سے چند نوجوانوں کی موجودگی میں ملاقات ہوئی۔ مولانا موصوف نے بعض مذہبی ولغوی امور پر ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ چونکہ یہ گفتگو بہت دلچسپ ہونے کے علاوہ یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ احمدی مبلغ کے دلائل قویہ کے سامنے ایک مشہور عربی دان عیسائی مشنری کے لئے بالکل دم بخود ہو جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لئے اس کے کچھ حصے ہدیہء قارئین کئے جاتے ہیں۔

مسیحی: حضرت مسیح کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

احمدی: یہی کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح ایک معصوم نبی تھے۔ خدا یا ابن اللہ نہیں تھے۔ ان کے ذریعہ خدا نے یہود کو ہمارے سید ومولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی ایک عظیم الشان بشارت دی تھی۔ پھر وہ دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو گئے۔ انکا مقام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک شاگرد کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ لَو کان موسیٰ وعیسیٰ حیَّینِ لَمَا وَسَعَھُما إلا اتبَاعِی۔ اور اس زمانہ میں بھی خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بانی جماعت احمدیہ کو حضرت مسیح علیہ السلام سے تمام شان میں افضل پیدا کر کے بتا دیا کہ واقعی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

مسیحی: مسیح کی موت کا اعتقاد رکھنے میں تو آپ نے ہماری موافقت ظاہر کی۔

احمدی: حاشا و کلا، ہمارے اور آپ کے عقیدہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ آپ مانتے ہیں کہ 33 سال کی عمر میں حضرت مسیح صلیب پر مر گئے مگر ہم اس کی بڑے زور سے تردید کرتے ہیں اور اس کے برخلاف یہ مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام 120 سال عمر پا کر فوت ہوئے۔

مسیحی: پھر تو آپ اس عقیدہ میں یہود نصاریٰ اور مسلمان تینوں قوموں کے مخالف ٹھہرے، اور یہ ایک شدید اختلاف ہے۔

احمدی: ہمارا اختلاف حق پر مبنی ہے۔ لیکن کیا ہم سے پہلے ان تینوں اقوام کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق واحد ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات پیدائش سے لے کر یوم وصال تک گھوارہ اختلافات بنی ہوئی ہے۔ یہود، مسلمانوں اور عیسائیوں میں سے ہر ایک کی الگ رائے اور الگ عقیدہ ہے۔ پس ان اختلافات کے ہوتے ہوئے اگر ہم نئی تحقیق پیش کریں تو یہ عجیب بات نہیں۔ عقلمند اختلاف کے لفظ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس کی اصلیت پر غور کرتا ہے۔ اور اگر اس کے دلائل اس کو قوی معلوم ہوں تو قبول کر لیتا ہے۔

مسیحی: یہ آپ نے بالکل صحیح اور درست فرمایا۔ لیکن آپ تو اب آئے اور مسیحی اور یہود قدیم سے مسیح کی صلیبی موت کے قائل ہیں۔

احمدی: تقدم زمانی کسی قوم کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ ورنہ کیا آپ ولادت مسیح کے متعلق یہود کے اس قول کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ ولد الزنا تھے۔ کیونکہ عیسائیت کا اس وقت وجود بھی نہیں تھا اور یہود موجود تھے۔

مسیحی: نہیں ہرگز نہیں۔ وہ تو بالکل جھوٹ بکتے ہیں۔

احمدی: پس معلوم ہوا کہ تقدم زمانی انسان کو حقائق تک نہیں پہنچا سکتا۔ خصوصا جبکہ یہود اور نصاریٰ میں سے حضرت مسیح کی صلیبی موت کا عینی شاہد کوئی بھی موجود نہیں۔ اور ہمارے پاس توریت، انجیل، قرآن کریم اور تواریخ سے متعدد دلائل اور براہین موجود ہیں جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں فوت ہوئے۔

مسیحی: انجیل سے آپ کے پاس کونسی دلیل ہے؟

احمدی: دلائل تو بے شمار ہیں۔ لیکن مَیں اس وقت صرف دو پیش کرتا ہوں۔

1۔ مسیح نے کہا: اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یونس تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین دن رات زمین کے اندر رہے گا۔ (متی 12:39)

یہ مشابہت صرف اسی صورت میں متحقق ہوسکتی ہے۔ جب کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ زندہ قبر میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔

2۔عبرانیوں میں آتا ہے کہ یسوع مسیح نے موت سے رہائی کے لئے دعا مانگی اور خدا نے ان کے تقویٰ کے باعث سنی۔(5:7)

پس اگر صلیب پر مر جاتے تو یہ دعا رائیگاں جاتی۔

مسیحی: مشابہت صرف دنوں اور راتوں کی جہت سے ہے نہ کہ موت اور حیات کے لحاظ سے۔

احمدی: تین دن رات تو ہو ہی نہیں سکتے۔کیونکہ جمعہ کی شام کو قبر میں ڈالے گئے اور اتوار کے دن طلوع آفتاب سے پہلے دیکھا گیا تو وہاں نہیں تھے۔

مسیحی: یہ درست ہے۔لیکن ہم یہود کے طریق شمار کے مطابق جمعہ کی شام کو ایک کامل دن شمار کرتے ہیں۔

احمدی: اگر ہم جمعہ کو ایک دن بھی شمار کر لیں تو جمعہ اور ہفتہ دو دن ہوئے، تیسرا دن کہاں ہے۔پھر راتیں بھی تین نہیں بنتی۔کیونکہ آپ صرف دو راتیں جمعہ اور ہفتہ کی قبر میں رہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر مشنری صاحب کچھ ملول سے ہو گئے اور کہنے لگے: میں آپ کو مطمئن نہیں کر سکتا۔مَیں نے (ابوالعطاء صاحب) گفتگو کا رخ بدل کر کہا:

احمدی: حضرت مسیح ابن مریم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

مسیحی: ہم ان کی الوہیت کے قائل ہیں۔

احمدی: مَیں چاہتا ہوں کہ آپ ان کی الوہیت کی کوئی واضح دلیل بیان فرمائیں۔

مسیحی: مُردوں میں سے جی اٹھنا ان کی الوہیت پر ایک زبردست دلیل ہے۔

احمدی: لیکن ان کا پہلے مُردوں میں داخل ہونا ان کی عدم الوہیت پر زیادہ واضح دلیل ہے۔

امریکن مشن قاہرہ کے انچارج سے مناظرے

مصر میں جہاں علماء نے پادریوں کے اعتراضات سے تنگ آ کر حکومت سے درخواست کی تھی کہ پادریوں کو ملک سے نکال دیا جائے وہاں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری خدا تعالیٰ کے فضل سے جس کامیابی کے ساتھ تن تنہا پادریوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دے رہے تھے اس کا کسی قدر پتہ حضرت مولانا کے ذیل کے مضمون سے لگ سکتا ہے۔ڈاکٹر فلپس انچارج امریکن مشن سے دوسرا مناظرہ الوہیت مسیح پر ہوا۔جس میں متعدد دلائل سے اس باطل عقیدہ کا رد کیا گیا۔متعدد غیر احمدی بھی حاضر تھے۔دو تعلیم یافتہ غیر احمدیوں نے اخیر پر ہمیں

مبارک باد دی۔اور پادری صاحب نے ہمارے چلے آنے کے بعد ایک شخص سے کہا کہ درحقیقت قَدْ فَشِلْتُ الْیَومَ آج میں ہار گیا۔

تیسرا مناظرہ حسب خواہش پادری مذکور دوبارہ معصومیت انبیاء و مسیح از روئے بائبل پر ہوا۔اس دن مجمع میں بیس کے قریب غیر احمدی تھے۔دو گھنٹے تک مناظرہ ہوا۔آخر پادری مذکور کو ایک تحریر دینی پڑی کہ فلاں فلاں نبی کا کوئی گناہ از روئے بائبل ثابت نہیں۔ یہ مناظرہ بھی کامیابی سے ختم ہوا۔

چوتھا مناظرہ اس موضوع پر ہوا کہ کیا یسوع مسیح صلیب پر فوت ہوئے؟ یہ مناظرہ احمدیہ دارالتبلیغ کے وسیع کمرہ میں ہوا جس میں 70 سے زائد اشخاص موجود تھے۔از ہر کے تعلیم یافتہ وکیل تاجر اور سرکاری ملازم بھی شریک ہوئے۔ڈاکٹر فلپس اس دن اپنے ہمراہ دو اور پادریوں کو مدد کے لئے لائے تھے۔حسب قرارداد پہلے مَیں نے نصف گھنٹہ از روئے بائبل ثابت کیا کہ یسوع مسیح صلیب پر ہرگز فوت نہیں ہوئے۔اور انجیل نویسوں کے بیانات میں بکثرت اختلافات ہیں۔اس کے جواب کے لئے پادری کامل منصور کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ مسلمان تو کہتے ہیں مسیح صلیب پر لٹکائے ہی نہیں گئے۔لیکن احمدی ان کے خلاف یہ مانتے ہیں کہ مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا مگر مرا نہیں۔اور پھر کہا: دراصل میں اس مضمون کے لئے تیار ہو کر نہیں آیا۔غرض بغیر اس کے کہ ایک دلیل کو بھی چھوتا لوگوں کو ابھارنا چاہا۔اور وقت ختم ہونے سے پہلے ہی بیٹھ گیا۔مَیں نے جوابًا کہا: غالبًا پادری صاحب مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ان کی نافہمی ہے۔کیا یہ لوگ احمدیوں کا عقیدہ نہیں جانتے؟ تمہیں اس سے کیا کہ ہمارا اور مسلمانوں کا اختلاف ہے؟ تم مسیح کی صلیبی موت کا ثبوت دو۔ کیونکہ بحث از روئے بائبل ہے اس لئے مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا اس میں کیا دخل ہے۔میری تقریر کے بعد پادری کامل منصور صاحب تو مبہوت ہو گئے۔پھر پادری فلپس کھڑے ہوئے مگر بجز پولوس کے بعض اقوال پڑھنے کے کچھ نہ کر سکے۔آخر پر پادری ایلڈر اٹھے اور غضبناک ہو کر کہنے لگے کہ ہم سینکڑوں سالوں سے مانتے چلے آئے ہیں کہ یسوع صلیب پر مر گیا اب یہ نیا مذہب پیدا ہو گیا ہے۔ نہایت محبت سے جواب دیا گیا کہ ناراضگی سے تو کچھ بنتا نہیں۔اور عقیدہ خواہ کروڑوں سال سے ہو جب غلط ثابت ہو جائے تو اس کا چھوڑنا ضروری ہے۔غرض یہ مناظرہ بھی نہایت کامیاب ہوا۔اللہ تعالیٰ نے خاص نصرت فرمائی۔اختتام پر ایک شدید مخالف نے شکریہ ادا کیا۔

ایک ازہری نے کہا کہ بخدا اگر تمام علماء ازہر مل کر بھی ایسا مناظرہ کرنا چاہیں تو نہ کرسکیں۔ پادری کامل منصور نے مجھ سے جاتے وقت کہا کہ آپ نے تو مسیحیت کا ہم سے بھی زیادہ مطالعہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مناظرہ کا چرچا عام ہوا اور دور دور تک اس کا ذکر پہنچا۔ الحمدللہ۔

مسجد سیدنا محمود کبابیر

حضرت مولانا نے اپنی ایک رپورٹ مطبوعہ الفضل میں تحریر فرمایا:

فلسطین میں جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد

ارض مقدسہ میں کوہ کرمل کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ الیاس نبی علیہ السلام کا مقام اسی پہاڑ پر ہے۔ خضر کے نام پر بھی ایک مقام اس جگہ موجود ہے۔ غرض یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کا کسی نہ کسی رنگ میں اس پہاڑ سے خاص تعلق ہے۔ اس پہاڑ پر کبابیر کی بستی آباد ہے۔ اس بستی کے باشندوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ بلاد عربیہ میں سب سے پہلے بحیثیت مجموعی قریبا سارا گاؤں احمدیت میں داخل ہوا ہے۔ یہ جگہ ایک خوشنما محل وقوع اور سرسبز جگہ پر واقع ہے۔

مسجد بنانے کا عزم

کوہ کرمل پر عیسائیوں کے گرجے ہیں۔ یہودیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی کوئی مسجد نہ تھی۔ آج سے تین برس پیشتر جماعت احمدیہ کبابیر اور حیفا نے ایک نہایت موزوں محل پر مسجد بنانے کا عزم کیا۔ اس ملک کے اخراجات کے پیش نظر اس جگہ مسجد بنانا قریباً طاقت سے بڑھ کر بوجھ تھا کیونکہ ان علاقوں میں جماعتیں ابھی ابتدائی حالت میں ہیں۔ اور مالی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے محض اپنے فضل سے غریب جماعت کو عظیم الشان مسجد قائم کرنے کی توفیق بخشی۔

مسجد کا افتتاح

مؤرخہ 3/ اپریل 1931ء بروز جمعہ جناب مولوی جلال الدین صاحب شمس مولوی

فاضل احمدی مبلغ نے تمام احباب جماعت کی موجودگی میں اس مسجد کا بنیادی پتھر رکھا اور اخلاص بھرے دلوں کے ساتھ احباب مسجد بنانے میں مصروف ہوگئے۔ ماہ ستمبر 1931ء میں خاکسار یہاں آیا اور مولوی صاحب موصوف ہندوستان تشریف لے گئے۔ مسجد کی تکمیل کا کام آہستہ آہستہ جاری رہا۔حتیٰ کہ دسمبر 1933ء میں مسجد بالکل مکمل ہوگئی اور 3/دسمبر 1933ء کو اس عاجز نے مسجد کا باقاعدہ افتتاح کیا۔اور تمام دوستوں سمیت دعائیں کی گئیں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کو ہمیشہ آباد رکھے اور عبادت وذکر الٰہی کرنے والے انسان تا قیامت اس جگہ موجود رہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ آمین۔

اس کی تکمیل کی تاریخ کا کتبہ یوں ہے:

لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

جامع سیدنا محمود

شعبان 1352ھ

ابوالعطا الجالندھری

یہ کتبہ بڑے شمالی دروازے کے اوپر لگایا گیا ہے۔

اس کے افتتاح کی تقریب کا ذکر حضرت مولانا نے یوں فرمایا:

اس مبارک مسجد کا افتتاحی جلسہ 3/ دسمبر 1933ء مطابق 10 شعبان 1352ھ کو ہوا۔جس میں 16 احمدیوں نے لیکچر دیئے جس میں سے الشیخ علی القزق، الشیخ احمدی المصری، الشیخ سلیم الربانی، الشیخ عبدالرحمٰن البرجاوی، الشیخ صالح العودی، الشیخ احمد الکبابیری، اور السید خضر آفندی القزق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اخیر پر خاکسار نے ایک مفصل لیکچر دیا جس میں مسجد کی اغراض اور جماعت احمدیہ کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور بعد ازاں ایک لمبی دعا کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ فالحمد لِلّٰہ أولاً وآخرًا۔

(الفضل مؤرخہ 8/ مارچ 1934ء صفحہ 5)

جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا اعتراف

حضرت مولانا کے قیام بلاد عربیہ کے دوران ایک قابلِ ذکر واقعہ عالم عرب کی ایک ممتاز دانشور ماہر تعلیم اور مشہور زمانہ الازہر یونیورسٹی کے سابق سربراہ الشیخ مصطفیٰ المراغی کا بیان ہے

جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی عالمگیر خدماتِ اسلام کا اعتراف کیا ہے۔ان کا یہ بیان یافا (فلسطین) کے اخبار الجامعۃ الاِ سلامیۃ نے اپنی اشاعت 14 ؍نومبر 1933ء میں شائع کیا۔

علامہ مراغی نے عالم اسلام کے دینی تربیت کا محتاج ہونے ،تبلیغ اسلام کی ضرورت اور زمانے کے تقاضوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا:

ہندوستانی مسلمانوں کی جماعت احمدیہ کے افراد نے ہندوستان اور انگلینڈ میں تبلیغ اسلام شروع کر رکھی ہے اور انہیں اس میں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔جیسا کہ وہ افراد بھی کامیاب ہوئے ہیں جو کہ امریکہ میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔اس مضمون کے آخر میں حضرت مولانا کا نام درج ہے۔ (الفضل 11؍مارچ 1934ء صفحہ 7)

بلاد عربیہ میں احمدی پریس کا قیام اور ماہوار عربی رسالہ کا اجراء

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی الفضل میں مطبوعہ ایک رپورٹ۔

احباب جماعت یہ پڑھ کر خوش ہوں گے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جماعتہائے بلاد عربیہ کو جبل کرمل پر احمدیہ پریس قائم کرنے کی توفیق ملی ہے۔مسجد سیدنا محمود اور مدرسہ احمدیہ کے افتتاح کے بعد احمدیہ لائبریری اور بکڈپو کا قیام نیز مرکز تبلیغ کا بننا مسرت انگیز امور ہیں۔ لیکن احمدیہ پریس کا قیام بھی از بس ضروری تھا۔ہماری جماعت کی تعداد ابھی تھوڑی ہے،لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخالفین پر ایک رعب ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ مصر فلسطین شام اور عراق کے اخبارات ہماری مخالفت کرنا اور احمدیت سے لوگوں کو نفرت دلانا اپنا اہم ترین کارنامہ شمار کرتے ہیں۔ان اخبارات کے اعتراضات کے جوابات ، نیز سلسلہ تبلیغ کو باقاعدہ اور محکم کرنے کے لئے احمدیہ پریس کا ہونا بہت ضروری امر تھا۔پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی عربی کتب کی اشاعت تبلیغ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتی ہے۔اکثر اصحاب ہم سے حضور کی کتب کا مطالبہ کرتے ہیں۔لیکن جب دیکھتے ہیں کہ لیتھو پریس پر ہندی حروف میں وہ کتب طبع شدہ ہیں تو عادتاً ایسی کتابوں کا مطالعہ عام طور پر ان ملکوں کے باشندوں بالخصوص نئے فیشن کے تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے مشکل ہوتا ہے۔پس یہ ایک نہایت اہم اور قومی ضرورت ہے کہ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب عمدہ طور پر طباعت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ان دو ضرورتوں کے پیش نظر عربی

مطبع کا قائم کرنا ہمارا فرض تھا۔ ایک ضرورت تو ساری جماعت احمدیہ سے متعلق ہے اور دوسری ضرورت ایک معنی سے مقامی ضرورت ہے۔ سو الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرض کو ادا کرنے کی ایک حد تک توفیق بخشی ہے۔ اواخر اگست 1934ء میں مَیں نے احباب کو پریس خریدنے کے لئے چندہ جمع کرنے کی تحریک کی۔ اس وقت تک جب کہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں 50 پونڈز سے کچھ زائد چندہ جمع ہو چکا ہے۔ چندہ دہندگان کی فہرست عنقریب شائع کر دی جائے گی۔ ایک سیکنڈ ہینڈ مشین قاہرہ سے خرید لی گئی ہے۔ حروف بالکل نئے خریدے گئے ہیں۔ سب سامان اس جگہ پہنچ چکا ہے۔ پریس قائم کرنے کے لئے زمین جماعت احمدیہ کبابیر نے پیش کی ہے۔ جس پر فی الحال گزارہ کے موافق مکان بنانا شروع کر دیا ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان سطور کے شائع ہونے تک پریس کام کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ حکومت فلسطین کی طرف سے پریس قائم کرنے کی اجازت مل چکی ہے۔ پریس کی مشین، حروف اور دیگر اشیاء پر اس وقت تک 70 پونڈز خرچ ہو چکے ہیں۔ مکان کے بنانے اور پریس کے درست کرنے کے اخراجات کا اندازہ 25،30 پونڈز ہے، گویا کل لاگت 100 پونڈز ہو گی۔ اس جگہ کے احباب کے وعدوں کو ملا کر کل رقم چندہ 70 پونڈز ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ باقی رقم کے لئے اگر بعض دوسرے احباب اس کار خیر میں شرکت فرمائیں تو ان کے لئے دائمی اجر کا موجب ہوگا۔ میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ اسی ضمن میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خاکسار نے فلسطین گورنمنٹ سے باقاعدہ رسالہ جاری کرنے کے لئے اجازت حاصل کر لی ہے۔ اور جماعتہائے بلاد عربیہ کے مشورہ کے مطابق اب یہ رسالہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو ماہوار شائع ہوا کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور پہلا نمبر اس پروگرام کے مطابق یکم شوال 1353ھ یعنی اوائل جنوری 1935ء میں شائع ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

رسالہ کا سالانہ چندہ فلسطین میں چار شلنگ اور دیگر ممالک کے لئے پانچ شلنگ ہوگا۔ ہندوستان میں صرف تین روپیہ سالانہ چندہ ہوگا۔ لمبے نام البشارة الإسلامية الأحمدية کی بجائے اب آئندہ سے رسالہ کا نام البشریٰ ہوگا۔

(الفضل 13 نومبر 1934ء صفحہ 8)

رسالہ البشریٰ کے بارہ میں حضرت مولانا ''حیاة ابی العطاء'' کے تحت الفرقان میں بھی درج فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

1931ء میں جب خاکسار بلاد عربیہ کے لئے بطور مبلغ روانہ ہوا تو دل میں ایک عزم یہ بھی تھا کہ وہاں سے باقاعدہ عربی رسالہ جاری کیا جائے۔ اس وقت تک حضرت مولانا شمس صاحب مرحوم وہاں پر ہنگامی حالات کے مطابق مختلف مفید کتب اور ٹریکٹ شائع فرماتے رہے تھے۔ مَیں نے چارج لینے کے بعد ان سے اس عزم کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اخراجات کے لحاظ سے مشکل ہوگا۔ جب مولانا کی روانگی کے بعد مَیں نے احباب جماعت سے مشورہ کیا تو وہ سب اس پر تیار تھے۔ اور مالی بوجھ اٹھانے کے لئے آمادہ۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے پہلے سہ ماہی رسالہ البشارۃ الإسلامیۃ الأحمدیہ جاری کیا جو تھوڑے ہی عرصہ بعد البشریٰ کے نام سے ماہوار مجلّہ کی صورت میں شائع ہونے لگا۔ الحمد للہ۔ یہ البشریٰ آج تک جاری ہے۔ ہم یہ رسالہ بعض یہودی اور عیسائی پریس میں طبع کراتے تھے۔ کیونکہ وہاں پر اس وقت مسلمانوں کا پریس نہ تھا۔ دل میں بار بار خیال آیا کہ ہمارا اپنا پریس ہونا چاہئے۔ اخویم محترم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم سے مشورہ کے بعد قاہرہ سے ایک سیکنڈ ہینڈ پریس خریدنے کی تجویز ہوئی۔ اب اس کے لئے رقم کا سوال درپیش تھا۔ غالباً 1934ء میں جبکہ مَیں مصر میں تھا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب مرحوم پہلی مرتبہ بسلسلہ حصول تعلیم ولایت جارہے تھے۔ وہ چند گھنٹوں کے لئے قاہرہ میں بھی تشریف لائے تھے۔ مجھے خیال پیدا ہوا کہ اس موقعہ پر احمدیہ پریس کے لئے تحریک کا آغاز کر دینا چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے ان دونوں سے اس تجویز کا ذکر کیا۔ انہوں نے غالباً دو دو پونڈز اس فنڈ میں دیئے۔ مَیں نے اس کا ذکر کرتے ہوئے احباب جماعت میں تحریک کی۔ چنانچہ ابتدائی فوری ضرورت کے مطابق چندہ اسی موقعہ پر جمع ہوگیا۔

ایک لطیفہ

اخویم استاذ منیر آفندی الحصنی پہلے سے احمدی تھے۔ ان کے بڑے بھائی السید محی الدین الحصنی المرحوم جو قاہرہ کے بڑے تاجر تھے میرے وقت میں سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور بہت زندہ دل تھے۔ وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ میں نے چندہ کی تحریک کی اور احباب نے چندے لکھوائے اور ادا کرنے شروع کئے تو انہوں نے بھی خاصی رقم چندہ کی دی مگر ظرافت طبع کے طور پر کہنے لگے۔ يا أستاذ إنك أبو العطاء ولكنّك دائمًا تحرضنا على

التبرعات فلم لا تسمى اسمك أبا الأخذ؟ کہ اے استاذ، آپ کا نام ابو العطاء (عطا کرنے والا) ہے مگر آپ ہمیشہ چندوں کی تحریک کرتے رہتے ہیں۔ آپ اپنا نام ابوالأ خذ (یعنی لینے والا) کیوں نہیں رکھتے لیتے؟ مَیں نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تحریک کرنا بھی ایک عطا ہے اس لئے میرا نام ابو العطاء ہی رہنے دیں۔ مجلس میں اس سے خوش طبعی کی لہر پیدا ہوگئی۔ مرحوم محی الدین الحصنی بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ رحمہ اللہ۔

(الفرقان ربوہ، جون 1971ء صفحہ 25 تا26)

الحركة الأحمدية في البلاد العربية

10 ؍ستمبر 1934ء کو حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے ایک مضمون تحریر فرمایا جس کا عنوان ادارہ الفضل نے ’’حفاظت واشاعت اسلام کے متعلق ایک احمدی مبلغ کی کامیاب جدوجہد‘‘ قائم کر کے درج ذیل کامیاب مساعی کا ذکر کیا:

ایک انگریز خاتون کا قبول اسلام

ہمارے نئے احمدی بھائی السید احمد آفندی ذہنی کی بیوی ایک انگریز لیڈی ہیں وہ متعصب مسیحی خاتون تھیں۔ انجیل خوب جانتی ہیں۔ میں جب قاہرہ آیا تو انکو تبلیغ اسلام کی گئی۔ چونکہ وہ عربی اچھی طرح نہیں جانتی اس لئے میرے بیان کو انگریزی میں بیان کرنے کے لئے السید ذہنی آفندی ترجمان ہوتے۔ متعدد مرتبہ گفتگو ہوئی، ہر سوال کا کافی ووافی جواب دیا گیا۔ تین چار مرتبہ باقاعدہ طور پر اسلام اور عیسائیت کے موازنہ پر لمبی بحث ہوتی رہی۔ انداز بحث آزادانہ اور علمی ہوتا تھا۔ آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے 18 ؍اگست کو اس نے میرے ذریعہ قبول اسلام کر لیا۔ اور اس کی درخواست بیعت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور ارسال کر دی گئی۔

ایک یہودی سے گفتگو

ایک یہودی مکان پر آئے انہوں نے میرا عبرانی اشتہار پڑھا تھا۔ قریبا دو گھنٹہ تک ان

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات کی پیشگوئیوں پر گفتگو ہوئی۔ بعض غیر احمدی اصحاب بھی اس موقعہ پر حاضر تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب پر اچھا اثر ہوا۔

عیسائیوں کا مباحثہ سے فرار

مصر کے سب سے بڑے دشمن اسلام پادری سرجیوس کے گرجا میں گیا۔ وہ وعدہ کے باوجود مجھے سوالات تک کرنے کی اجازت نہ دے سکے۔ جب میں نے دیکھا کہ زبانی گفتگو کی کوئی صورت نہیں ہے تو میں نے کھلی چٹھی برائے تحریری مناظرہ شائع کر دی۔ یہ ٹریکٹ بکثرت شائع کیا گیا۔ خاص طور پر پادری صاحب مذکور کے گرجا کے پاس زیادہ تقسیم کیا گیا۔ قاہرہ کے روزانہ اخبار الکشکول نامی نے بھی ہماری اس کھلی چٹھی کو شائع کیا۔ اس پر پادری سرجیوس نے اپنے ہفتہ واری رسالہ المنارۃ المصریۃ میں طویل مضمون لکھا جس میں گالیوں کے علاوہ سیاسی مسائل کا جھگڑا، مسلمانوں کی اکثریت اور عیسائیوں کی اقلیت کا رونا رونا شروع کردیا۔ آخر ہماری کھلی چٹھی کے ایک حصہ کو نقل کر کے مناظرہ سے صاف انکار کردیا۔ جس سے عیسائیوں کے سمجھ دار طبقہ میں حیرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کئی مسیحی دوستوں نے پادری صاحب کے رویہ پر نفرت کا اظہار کیا۔ اور انہیں مناظرہ پر تیار کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ میں نے پادری صاحب کے اس مضمون کا جواب روزنامہ الکشکول کی اشاعت 2رستمبر میں مفصل شائع کیا ہے۔ نہایت نرم لہجہ میں دوبارہ فیصلہ کن تحریری مناظرہ کے لئے بلایا ہے۔ میرے مضمون کو ایڈیٹر صاحب الکشکول نے بہت پسند کیا۔ امید نہیں کہ پادری صاحب مذکور مناظرہ کے لئے تیار ہوں۔ بہرحال جماعت احمدیہ مصر نے فیصلہ کیا کہ پادری صاحبان کو گھر تک پہنچانے کے لئے پورے طور پر ان پر اتمام حجت کی جائے۔ اگر پادری سرجیوس نہیں تو کوئی اور ہی اس میدان میں نکلے۔

علمی مکالمہ

ڈاکٹر زکی مبارک مصر کے مشہور ترین ادباء میں سے ہیں۔ میں نے ان سے ملاقات کے لئے وقت مقرر کیا۔ مقررہ وقت پر ان کے پاس ایک بڑا ازہری عالم بھی موجود تھا۔ میرے ساتھ برادرم منیر افندی الحصنی بھی تھے۔ ڈاکٹر موصوف خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ قریبا ایک

گھنٹہ تک قرآن مجید کے بعض لغوی معضلات کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ مستشرقین اور اسلامی نقطہ نگاہ سے عربی زبان کے اشتقاقات اور دوسری زبانوں سے نسبت پر علمی محادثہ جاری رہا۔ ڈاکٹر صاحب اور انکے ازہری ساتھی نے ہماری گفتگو کو بہت پسند کیا اور بعض باتوں کو بالکل اچھوتا قرار دے کر تسلیم کیا اور بعض نظریوں کی تحقیقات کا وعدہ کیا۔

(الفضل قادیان 9/ اکتوبر 1934ء صفحہ 6-7)

معجزانہ حفاظت کا واقعہ

حضرت مولانا کے قیام فلسطین کے دوران ایک بار آپ پر مخالفین نے بندوق سے فائرنگ کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔

حیفا کے بعض شریروں نے یہ منصوبہ بنایا اور ایک رات مسلح ہو کر گھات لگا کر بیٹھے کہ جب حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کبابیر سے واپس تشریف لائیں تو انہیں قتل کر دیں۔ لیکن خدائے قادر کی قدرت سے اس وقت انکی بندوقیں نہ چل سکیں اور وہ آپ پر ایک گولی بھی چلانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس بات کا اعتراف اس سازش میں شریک ایک شخص نے بعد میں اہل کبابیر کے سامنے کیا۔ دوسری طرف حضرت مولانا صاحب نے خود بھی اس گھات کی جگہ سے گزرتے ہوئے ایسا خوف محسوس کیا تھا جس کا ذکر انہوں نے وہاں پہنچتے ہی احباب جماعت کے سامنے کیا تھا۔

(الکبابیر۔۔بلدی ازعبداللہ اسعد)

ایک اہم تبصرہ

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مولانا موصوف کی مساعی کے بارہ میں جلسہ سالانہ 1933ء کے موقعہ پر اپنی تقریر میں فرمایا:

مولوی اللہ دتا صاحب (ابو العطاء صاحب) شام اور مصر میں اچھا کام کر رہے ہیں......حیفا میں ایک بڑی جماعت قائم ہے جس کے افراد مولوی جلال الدین صاحب شمس کے وقت کے ہیں مگر مولوی اللہ دتا صاحب کام کو خوب پھیلا رہے ہیں۔

(الفضل 7/ جنوری 1934ء، تاریخ احمدیت جلد 7)

بعض تاثرات اور دلچسپ واقعات

مولانا محمد حمید کوثر صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

جب مولانا ابو العطاء صاحب حیفا پہنچے تو مولانا جلال الدین شمس صاحب کے ساتھ حیفا کے علاقہ (برج) شارع سنتو پر واقع ایک کرایہ کے مکان میں رہا کرتے تھے۔مکرم عبد المالک محمد عودہ ساکن کبابیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں انکی ملاقات کے لئے گیا۔مولانا شمس صاحب نے کھانا تیار کیا اور ہم سب نے تناول کیا۔تھوڑی دیر کے بعد جب مولانا ابو العطاء صاحب ہاتھ دھونے کے لئے غسل خانے میں گئے تو ہم میں سے کسی نے مولانا شمس صاحب سے کہا کہ نئے مبلغ تو کمزور سے معلوم ہوتے ہیں۔اس پر مولانا شمس صاحب نے فرمایا کہ ابھی آپ ان کی خداداد صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں۔وہ بہت بڑے عالم دین اور کامیاب مناظر ہیں اور آپ کو مستقبل قریب میں معلوم ہوجائے گا کہ وہ کتنے بڑے عالم دین ہیں۔ سامعین اس جواب پر خاموش ہو گئے اور مستقبل نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ جو کچھ حضرت مولانا شمس صاحب نے فرمایا تھا وہ بالکل درست تھا۔

مکرم عبد المالک محمد عودہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مولانا ابو العطاء صاحب جب شروع میں فلسطین تشریف لائے تو اپنا زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتے تھے۔صرف دروس اور بحث مباحثہ کے وقت ہی احباب کے ساتھ بیٹھتے تھے۔آپ کا طریق یہ تھا کہ حسب ضرورت چند کتابیں لے کر باہر کھیتوں یا پہاڑیوں کی طرف چلے جاتے تھے جہاں اکثر وقت دعاؤں اور مطالعہ میں گزارتے۔عربی اخبارات کا روزانہ باقاعدگی سے مطالعہ فرماتے تھے۔

روز روز نہیں بلکہ کبھی کبھی

مکرم حامد صالح عودہ ساکن کبابیر بیان کرتے ہیں کہ مولانا ابو العطاء صاحب جب کبابیر میں سکونت پذیر ہوئے تو ہم مولانا کے کمرہ میں جمع ہو جاتے اور مولانا ہمیں دودھ والی انڈین چائے بنا کر پلایا کرتے تھے۔ہم مولانا کو کہتے کہ یہ چائے بہت مزیدار ہے۔ہم روزانہ یہاں آپ کے پاس چائے پینے کے لئے آیا کریں گے۔اس پر مولانا بڑی بے تکلفی کے انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر روز نہیں بلکہ کبھی کبھی۔

زبردست قوت بیان

عبد المالک محمد عودہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مکرم منیر الحصنی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ابو العطاء صاحب کو زبردست قوت بیان عطا فرمائی ہے اور مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک کمرہ خالی ہو اور مولانا ابو العطاء صاحب یہ ثابت کرنا چاہیں کہ یہ کمرہ سونے چاندی سے بھرا ہوا ہے تو شاید بڑی ہی آسانی اور ٹھوس دلائل سے ثابت کر دیں گے کہ ہاں یہ کمرہ سونے چاندی سے بھرا ہوا ہے۔

کیا عجمی مسلمانوں کی نماز اللہ کے نزدیک مقبول نہیں؟

مکرم عبد المالک محمد عودہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ تین علماء مولانا ابو العطاء صاحب کے پاس آئے، ایک کا نام شیخ حسن، دوسرے کا شیخ توفیق اور تیسرے کا نام یاد نہیں رہا۔ انہوں نے مغرب کی نماز مولانا کی اقتداء میں پڑھی۔ اس کے بعد مسئلہ ختم نبوت پر بحث ہوتی رہی یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا تو ان تینوں علماء نے مولانا ابو العطاء صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کیا۔ بعد از نماز مولانا صاحب کے دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ جو شخص سورہ فاتحہ صحیح عربی تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھتا ہم ایسے عجمی کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے۔ مولانا نے فرمایا کہ عجمی مسلمانوں کی تعداد تو عرب مسلمانوں سے زیادہ ہے اور انکا تلفظ بھی عربی نہیں۔ کیا انکی نماز اللہ کے نزدیک مقبول نہیں؟ اگر آپ کو اپنی زبان دانی پر اتنا ہی فخر ہے تو آئیں اور میرے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مقابلہ کر لیں۔ انہوں نے مولانا صاحب کے اس چیلنج کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ اسکے لئے تو ہم تیار نہیں ہیں۔

آپ کی اور ہماری ملاقات نہیں ہو سکے گی

مکرم عبد المالک صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ (حمادی) خاندان کے چند نوجوان مولانا ابو العطاء صاحب کے پاس آئے اور ختم نبوت کے موضوع پر بحث ہوئی۔ بحث کے آخر پر نوجوان کہنے لگے ہم دوبارہ آئیں گے اور اس موضوع پر پھر بات ہوگی۔ چنانچہ تین

ماہ بعد یہ لوگ دوبارہ آئے اور اس موضوع پر بات ہوئی۔ بحث کے اختتام پر مولانا نے ان سے پوچھا کہ اب کب ہماری آپ سے ملاقات ہوگی۔انہوں نے جواباً کہا کہ: قیامت کے دن۔مولانا نے فرمایا کہ وہاں ہماری آپ سے ملاقات نہیں ہوسکے گی۔اگر آپ بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو ملاقات کی توقع کی جاسکتی ہے۔لیکن اگر آپ نے ان کا انکار کردیا اور ہمیں کافر کہنے والوں کی صف میں شامل ہوگئے تو پھر آپ کی اور ہماری ملاقات نہیں ہو سکے گی۔کیونکہ ایسی صورتحال میں تو وہاں آپ قرآن مجید کے مندرجہ ذیل الفاظ کہہ رہے ہوں گے: وَقَالُوا مَالَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الأَشْرَار۔ اَتَّخَذْنَاهُم سِخْرِيًّا أم زَاغَتْ عَنْهُمُ الأَبْصَارُ۔(سورہ ص63-64)

یعنی اور اس وقت دوزخی کہیں گے کہ ہمیں کیا ہوا کہ آج ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم برا قرار دیا کرتے تھے۔کیا ہم انکو (یونہی اپنے دلی خیال کی وجہ سے) حقیر سمجھتے تھے یا اس وقت ہماری آنکھیں کج ہوگئی تھیں۔

مولانا نے فرمایا کہ آپ حضرت امام مہدیؑ کے دعویٰ پر غور کریں اور ان پر ایمان لائیں کیونکہ اسی میں آپ کے لئے خیر ہے۔

شکست کی وجہ علمِ لاہوت سے ناواقفیت

مسلمانوں کے ایک عالم شیخ محمد قدسی عیسائی ہوکر شیخ برنابہ بن گئے اور عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ایک دفعہ جماعت احمدیہ حیفا کے چند افراد نے ان سے ملاقات کر کے انہیں احمدی مبلغ مولانا ابوالعطاء صاحب کے ساتھ مناظرہ پر راضی کرلیا۔مناظرہ کی تاریخ مقرر ہوئی اور جب مناظرہ شروع ہونے لگا تو مولانا صاحب نے قبلہ رو ہوکر دعا کی۔ احباب جماعت نے مولانا سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا کی؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یارب اس مناظرہ کا نیک اثر سامعین پر قائم ہو۔اس عیسائی کی لفاظی اور ملمع سازی سے عوام الناس متاثر نہ ہوں بلکہ جو حقیقت اور حق میں بیان کروں اس سے یہ متاثر ہوں۔الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔مولانا نے ٹھوس دلائل سے مسیحیت کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ثابت کر دی۔جب عیسائی صاحبان نے اپنے پادری کی شکست کو محسوس کیا تو انہوں نے مولانا کو کہا کہ شیخ برنابہ عیسائیت میں نیا نیا داخل ہوا ہے۔ وہ علم لاہوت نہیں جانتا۔ہم ایک دوسرے عیسائی

پادری سے بات کریں گے کہ وہ آپ سے مناظرہ کرے۔ کیونکہ وہ علمِ لاہوت کا عالم ہے۔مگر کوئی دوسرا پادری مولانا سے مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوا۔

مولانا موصوف نے ایک مقالہ بعنوان عشرون دليلا على بطلان لاهوت المسيح پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا اور اسے خوب تقسیم کیا گیا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد ایک عیسائی خاتون دمشق سے حیفا آئیں اور مولانا سے ان دلائل کے متعلق مزید بحث کرنا چاہی۔ مولانا نے انکو اپنے پیش کردہ دلائل کی حقانیت سمجھائی۔ نیز کہا کہ یسوع مسیح پر ایمان لانا کسی طرح بھی نجات کا موجب نہیں ہوسکتا۔ جب اس نے مولانا کے ٹھوس دلائل کو سنا اور انکا کوئی جواب نہ دے سکی تو کہنے لگی کہ مَیں تو علمِ لاہوت سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ مَیں کسی بڑے پادری سے بات کروں گی کہ وہ آپ سے بات کریں۔ اس طرح وہ چلی گئیں اور بعد میں اسکی طرف سے کسی طرح کی کوئی اطلاع مناظرہ کے لئے نہ ملی۔

مولانا ابوالعطاء صاحب کی جرأت اور حکمت عملی

مکرم عبد المالک محمد عودہ صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ ایک پولیس افسر جس کا نام محمد یا فیصل تھا اور حیفا کے حسینی خاندان سے اس کا تعلق تھا، رات کو تقریبا گیارہ بجے احمدیہ مسجد کبابیر چند سپاہیوں کے ساتھ آیا۔ اور مولانا موصوف کے کمرے کا دروازہ دھکا دے کر کھول دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ اس پر مولانا نے اسے فوراً کمرہ سے باہر جانے کے لئے کہا۔ اس نے انکار کیا۔ مولانا نے اسے زبردستی کمرہ سے باہر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کمرہ سے باہر تشریف لائے اور پوچھا کیا بات ہے؟ پولیس افسر نے کہا کہ آپ میرے ساتھ تھانہ چلیں۔ مولانا نے فرمایا: مَیں پولیس چوکی جانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اگر مَیں تھانہ گیا اور وہاں افسران بالا کے سامنے حقیقت بیان کی تو آپ کو نوکری اور وردی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ مولانا نے مزید فرمایا کہ پولیس کا کام امن کی حفاظت کرنا ہوتا ہے، اگر پولیس ہی عوام الناس کے امن کو خراب کرنے کا باعث بن جائے تو چور اور سپاہی میں کیا فرق رہا۔ اور خاص طور پر ایک پولیس افسر رات کے اندھیرے میں کسی کا دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہو جائے تو اسے منصب پر رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مولانا نے اسے سمجھایا کہ اگر آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا تو آپ کو پہلے دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے تھا۔ اگر مَیں نہ کھولتا تو آپ کا

حق تھا کہ دروازہ توڑ دیتے۔ مگر رات کے اندھیرے میں بغیر کسی اطلاع کے اچانک دروازہ توڑ کر کسی کے گھر داخل ہونا بدترین جرم ہے۔ سپاہیوں نے اپنے افسر کی غلطی کو محسوس کیا اور بتایا کہ پولیس افسر نے شراب پی ہوئی ہے نشے کی حالت میں اس نے ایسا کیا ہے۔ ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں۔ مولانا معاملہ کو طول دینا نہ چاہتے تھے اس لئے بات کو وہاں ہی ختم کر دیا۔

حسن تدبیر

حضرت مولانا ابوالعطاء بیان فرماتے ہیں کہ:

جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارہ میں ایک دفعہ ایک ٹریکٹ شائع کیا گیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ مخالف مسلمان حکومت کے ذریعہ اس کی ضبطی کی کوشش کریں گے۔ اس کا حل آپ نے یہ نکالا کہ اس کے شائع ہوتے ہی جلد از جلد اسے ڈاک کے ذریعہ بھجوا کر اس کی اشاعت ہر طرف کر دی۔ آپ کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ حکومت کی مشینری حرکت میں لائی گئی اور ایک سرکاری افسر آیا۔ اس کے استفسار پر اسے بتایا گیا کہ سارے ٹریکٹ تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ جو چند باقی تھے وہ اس افسر نے اپنے قبضہ میں کر لئے، اور بس۔ آپ کی دانشمندی اور پرحکمت کارروائی سے صرف شدہ روپیہ اور محنت ضائع ہونے سے بچ گئی۔

قبرِ مسیحؑ قبرِ نوحؑ کے پاس ہے؟!

حضرت مولانا صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

جب مَیں فلسطین میں تھا (1931ء۔ 1936ء) ایک دن ایک عالم الشیخ عبداللطیف العبوشی اپنے چند شاگردوں کو لے کر میرے پاس دارالتبلیغ (حیفا) میں تشریف لائے اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے جونہی دروازہ کھولا تو اپنے تلامذہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ مَیں ان کو لایا ہوں تا ان کے سامنے آپ کو لاجواب کر دوں۔ مَیں نے کہا جناب پہلے اندر تشریف لائیے، قہوہ نوش فرمایئے پھر ہم آپ کے سوالات پر بھی غور کریں گے۔ چنانچہ وہ اندر آ گئے۔ مَیں نے فوراً سٹوو پر قہوہ تیار کر کے ان سب کے سامنے رکھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر ان سے کہا کہ اب آپ فرمائیں کیا سوال ہے۔ شیخ عبداللطیف صاحب نے فرمایا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ آپ بتائیں کہ حضرت عیسیٰ کی قبر کہاں

ہے؟مَیں نے کہا کہ ہمارا اعتقاد از روئے قرآن مجید یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی انبیاء کی طرح وفات پا گئے ہیں مگر ہمیں ان کی قبر سے کیا سروکار؟ وہ قبر کہیں بھی ہو ہم نے کوئی اس قبر کی پرستش کرنی ہے۔قابل غور صرف یہ بات ہے کہ آیا قرآن مجید حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا اعلان کرتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر قبر کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ میرے اس جواب پر شیخ مذکور نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا مَیں نے تم کو نہ کہا تھا کہ آج اس قادیانی سے وہ سوال کروں گا جس کا اس کو جواب نہ آئے۔ پھر ان سے پوچھنے لگا کہ کیا تم لوگوں نے الخلیل (حضرت ابراہیم کے نام پر فلسطین کا ایک شہر ہے جہاں پر حضرت ابراہیمؑ کے نام پر فلسطین کا ایک شہر ہے جہاں پر حضرت ابراہیمؑ اور بعض انبیاء کی قبریں ہیں، یہودی اس شہر کو حبرون کہتے ہیں) دیکھا ہے؟اور کیا اس جگہ نبیوں کی قبریں بھی دیکھی ہیں؟ طلباء نے کہا جی ہاں دیکھا ہے وہاں پر انبیاء کی قبریں بھی دیکھی ہیں۔اس پر الشیخ العبوشی نے دریافت کیا کہ کیا ان قبروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر بھی ہے؟ طلبہ نے نفی میں جواب دیا۔ استاد نے فرمایا کہ بس معلوم ہو گیا کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر وہاں موجود نہیں اس لئے وہ آسمانوں پر زندہ ہیں۔ پھر استاد صاحب فاتحانہ انداز میں مجھ سے کہنے لگے کہ آج تو آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی نشاندہی کرنی پڑے گی ورنہ انہیں زندہ ماننا پڑے گا۔مَیں آپ کو لاجواب کر کے جاؤں گا۔

مَیں نے مزید نرم لہجہ میں شیخ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت اس سوال کو چھوڑ دیئے یہ عقیدہ وفات مسیح سے براہ راست متعلق نہیں ،ہمیں ان کی قبر سے کیا واسطہ۔ہم کوئی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ ان کی قبر تلاش کر کے اس کی پرستش شروع کر دیں؟ میری اس مناظرانہ حکمت عملی کو نہ سمجھتے ہوئے شیخ مذکور اور زیادہ اصرار کرنے لگے۔گویا ان کا سوال وہ پتھر ہے جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔اس دوران گاہے گاہے آپ اپنے طلباء سے دادخواہ بھی ہوتے تھے۔مَیں نے کہا: دیکھئے جناب قبر کا اتا پتا بتانے سے یہ معاملہ ختم نہ ہو گا۔ آپ پھر دوسرے لامتناہی سوالات کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔مثلاً یہ کہ وہ کس بیماری سے فوت ہوئے تھے؟ کس وقت فوت ہوئے تھے؟ کس تاریخ کو اور کس موسم میں فوت ہوئے تھے؟ان کا علاج کون کرتا تھا ؟ان کو کیا کیا دوا دی گئی تھی؟...... وغیرہ۔ بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لیں کہ قرآن مجید ان کو وفات یافتہ قرار دیتا ہے یا نہیں؟ اگر قرآن مجید سے ان کی وفات ثابت

ہو جائے تو ہمیں عقیدہ کی جزوی باتوں میں پڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ تاریخی تحقیقات کا مسئلہ الگ ہے۔ میری اس تشریح کو انہوں نے پھر جواب سے گریز قرار دے کر طلبہ کو اپنی نمایاں فتح کی طرف توجہ دلائی اور مجھے کہنے لگے کہ آج تو ہم آپ کو ادھر ادھر جانے نہ دیں گے......مَیں نے دیکھا کہ سادہ فطرت نوجوان طلبہ کے چہروں سے بھی کچھ حیرت کا اظہار ہونے لگا ہے تب مَیں نے پہلو بدلتے ہوئے شیخ صاحب سے کہا کہ گویا آپ حضرت مسیحؑ کی قبر کی نشاندہی کے بغیر کسی اور بات پر راضی نہ ہوں گے؟ انہوں نے سر ہلاتے ہوئے اس کی تصدیق کی۔ میں نے کہا کہ لیجئے پھر میں آپ کو حضرت مسیحؑ کی قبر کا پتہ بھی بتائے دیتا ہوں۔اس پر استاد بھی چونکا اور طلبہ بھی ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔مَیں نے پوری ثقاہت سے آہستہ سے یہ فقرہ کہا: إِنَّ قَبْرَ عِيْسٰى فى جنب قبر نوح عليهما السلام کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر حضرت نوحؑ کی قبر کے پہلو میں ہے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ استاد پر سکتہ طاری ہوگیا۔ اور طلبہ بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ تھوڑے سے وقفہ کے بعد الشیخ العبوشی فرمانے لگے: فأين قبر نوح؟ لا ندرى قبره۔ کہ نوحؑ کی قبر کہاں ہے ہمیں تو اس کا پتہ نہیں۔مَیں نے بطور لطیفہ کہا: جناب، حضرت نوحؑ کی قبر حضرت عیسیٰؑ کی قبر کے بائیں جانب ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی اس کے دائیں طرف۔ آپ حضرت نوحؑ کی قبر بتا دیں میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر دکھا دوں گا۔مَیں نے استاد کی حیرانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبہ کو مخاطب کر کر کے کہا کہ کیا تم نے الخلیل میں حضرت نوحؑ کی قبر دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں......مَیں نے کہا: کیا پھر وہ آسمانوں پر زندہ ہیں؟ کہنے لگے کہ حضرت نوح زندہ تو نہیں ہیں۔مَیں نے کہا کہ پھر قبر کے معلوم نہ ہونے کو آسمانوں پر زندہ ہونے کی دلیل کیونکر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟...... کہنے لگے کہ......آپ ہمیں بتائیں کہ تاریخی طور پر آپ کیا مانتے ہیں؟ اب فضا صاف تھی اور ذہن اطمینان سے غور کرنے کے لئے تیار تھے۔......مَیں نے اس بارے میں انہیں پوری تفصیل بتائی جسے وہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے رہے۔ (الفرقان نومبر 1985ء صفحہ 4، 5، 8)

کشمیر دُور ہے یا آسمان؟

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ نابلس شہر کے چند سکول ماسٹر ملنے کیلئے میرے پاس کبابیر میں تشریف لائے۔ ......اس وقت چند احمدی احباب بھی موجود تھے جن میں الشیخ علی القزق بھی

تھے۔نابلسی اساتذہ میں سے ایک نے کہا کہ کیا آپ حضرت مسیحؑ کو وفات یافتہ مانتے ہیں؟ مَیں نے کہا کہ ہاں قرآن مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے۔اس پر انہوں نے سادا طریق پر پوچھا کہ پھران کی قبر کہاں ہے؟ مَیں نے جواب دیا کہ ان کی قبر کشمیر ہندوستان میں ہے۔اس نے جھٹ سوال کر دیا کہ حضرت مسیح تو فلسطین میں تھے پھر کشمیر میں اتنی دور وہ کس طرح چلے گئے؟اس سوال کا مَیں ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ الشیخ علی القرزق نے جھٹ پٹ کہہ دیا کہ: يا أستاذ، هل كانت بلاد الكشامرة أبعد من السماء؟ اے استاد، کیا کشمیر کا ملک آسمان سے بھی دور ہے؟اس کا جواب سننا تھا کہ تمام اساتذہ عش عش کر اٹھے اور کہنے لگے کہ بہت عمدہ جواب ہے۔

تثلیث اور توحید کے حامی

قیام مصر کے زمانہ میں ایک دفعہ عیسائی مبلغین سے حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت کے بارہ میں مناظرہ مقرر ہو گیا۔فریق مخالف میں دو امریکن پادری اور ایک مصری پادری تھے۔اس مباحثہ میں الازہر کے بعض مشائخ اور دوسرے تعلیم یافتہ لوگ بھی سامعین میں شامل تھے۔خوب دھوم دھام سے مباحثہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا۔ایک عجیب اتفاق اس موقعہ پر یہ ہوا کہ عیسائی صاحبان کی طرف سے پہلے مصری پادری صاحب نے جواب دیئے۔امریکن انچارج پادری نے اس کی کمزوری کو محسوس کر کے دوسرے موقعہ پر خود کھڑا ہونا ضروری سمجھا اور جواب دینے کی کوشش کی۔دو مرتبہ کے بعد وہ خود بخود بیٹھ گیا اور تیسرے پادری کو کھڑا کر دیا۔اس بے چارے نے بھی ہاتھ پاؤں مارے مگر ان سب سے بات نہ بن سکی۔معاملہ یہ پیش تھا کہ خود انجیل سے ہی ایسے دو مومن گواہ پیش کر دیئے جائیں جو یہ گواہی دیں کہ ہم نے بچشم خود حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر جان دیتے ہوئے دیکھا ہے۔اس مطالبہ کو ان پادری صاحبان میں سے کوئی پورا نہ کر سکا۔اس پر ایک صاحب نے کہا کہ کیا بات ہے کہ ادھر تین پادری باری باری بولتے ہیں اور ادھر آپ اکیلے ہی ان سب کو جواب دیتے ہیں۔مَیں نے بطور لطیفہ کہا کہ مَیں توحید کا حامی ہوں اس لئے اکیلا ہوں اور وہ تثلیث کے قائل ہیں اس لئے تین ہیں۔اس پر پادری صاحبان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

(ملخص از ماہنامہ الفرقان دسمبر 1985ء صفحہ 7-8)

قاہرہ کا ایک واقعہ

شیخ محمود احمد عرفانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

عبد الحمید خورشید مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ہاتھ پر احمدی ہوا تھا اسے تبلیغ کا بے حد شوق تھا اور اس جوش کی وجہ سے وہ اپنے حلقہ احباب میں سخت معتوب ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اس کے دشمن ہو گئے تھے اور اس کو نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا ابو العطاء کے زمانہ قیام میں وہ جب کہ ایک نمبر ''البشریٰ'' کا تقسیم کر رہا تھا تو اس کے خلاف بیحد جوش پھیل گیا۔ البشریٰ کا یہ نمبر علمائے ازھر کے جواب میں شائع کیا گیا تھا۔ علمائے ازھر نے اپنے رسالہ ''انوار الاسلام'' میں ایک لمبا چوڑا مضمون احمدیت کے خلاف شائع کیا تھا۔ اس مضمون کو مصر میں ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی میں بڑی اہمیت دی گئی۔ فلسطین، شام، عراق، عدن، کویت، سنگاپور اور مراکش کے اخباروں میں مَیں نے خود اسے چھپا دیکھا تھا۔ البشریٰ میں مولانا ابو العطاء نے اس رسالہ کا جواب لکھا۔ اس جواب کی اشاعت نہایت ضروری تھی اور ضرورت تھی کہ علماء کے گڑھ یعنی ازھر اور اس کے گرد و پیش میں اسے بکثرت تقسیم کیا جائے۔ تمام احمدیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ عبد الحمید آفندی خورشید نے اسے شارع ازھر میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ ایک قہوہ خانہ میں ازھری طالبعلم جمع تھے انہوں نے عبد الحمید کو گھیر لیا۔ پہلے تو اس سے بحث مباحثہ کرتے رہے، پھر لڑائی کی صورت بنا لی اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اسے مار ڈالیں۔ مگر گشت پر گزرنے والے سپاہی نے اس کی جان بچائی۔ عبد الحمید جب ان بھیڑیوں میں سے نکل کر چل پڑا تو بعض شریر بھی اس کے پیچھے چل پڑے مگر عبد الحمید ایک گلی میں گھس گیا اور گھوم کر اپنے ایک واقف کار کے مکان میں داخل ہو گیا۔ جہاں ساری رات اس کے نکلنے کا انتظار کیا گیا اور فجر کی نماز کے وقت وہ دشمن اس جگہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

مدرسۃ احمدیہ جدید خطوط پر

شیخ محمود احمد عرفانی صاحب فرماتے ہیں:

ایک مفید اور عظیم الشان کام کی داغ بیل مولانا ابو العطاء کے ہاتھوں ڈالی گئی اور وہ

مدرسہ احمدیہ کا قیام تھا۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے زمانہ میں وہاں ایک پرانی طرز کا مدرسہ تھا جس میں شیخ عبد القادر صاحب مغربی بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے لیکن بڑھنے والی قوم کا قدم آگے ہی آگے پڑتا ہے۔ ہمارے بچے اگر غیروں کے مدرسوں میں جائیں تو یہ اندیشہ شدید تھا کہ مخالف اساتذہ ان کو اپنے خیالات سے مسموم نہ کریں۔ اس لئے یہ شدید ضرورت تھی کہ وہاں جدید نظام پر ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے۔ اس کے لئے سخت مشکلات تھیں۔ کبابیر میں کوئی مدرس نہیں مل سکتا تھا۔ غیر احمدی مدرس کو اپنے مدرسہ میں رکھنے سے ہماری غرض مفقود ہو جاتی تھی۔ اس لئے بہت سی پریشانیوں میں سے گزرنا پڑا۔ آخر تجویز ہوئی کہ مصر سے ایک نوجوان احمدی فلسطین بھیج دیا جائے۔ کچھ وہ اور کچھ شیخ عبد القادر مغربی اور کچھ مشنری خود پڑھائے اور اس طرح مل ملا کر مدرسہ کو چلایا جائے۔ اس غرض کے لئے محمد سعید بخت ولی نامی نوجوان کو منتخب کیا گیا۔ محمد سعید ازہر میں ایک طالبعلم تھا۔ اس کا والد افغانی رواق کا شیخ تھا۔

محمد سعید احمدی ہو کر سلسلہ میں داخل ہوا۔ علماء ازہر نے تحقیقات کر کے اس کو ازہر سے خارج کر دیا۔ وظیفہ بند کر دیا۔ مگر وہ اس تکلیف میں بھی ثابت قدم رہا۔ اس لئے تجویز ہوئی کہ اسے مدرسہ کے لئے فلسطین بھیج دیا جائے۔ مگر حکومت فلسطین نے اسے فلسطین میں جانے کی اجازت نہ دی۔ ایک لمبی جدو جہد کے بعد مولانا اس کے فلسطین لے جانے میں کامیاب ہو گئے اور مدرسہ کی شکل کو تبدیل کر کے جدید نظام مدارس کی طرز پر مدرسہ کا افتتاح کر دیا۔

ایک لطیف اور تاریخی بات

حیفا، ناصرہ کے قریب ہی ہے۔ ناصرہ سے حیفا کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔ ناصرہ میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے جس کی وجہ سے وہ ناصری کہلائے۔ ناصرہ کے رہنے والے مسیحؑ نے بیت المقدس آکر مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ کا مطالبہ کیا۔ زمینوں کے اور پہاڑوں کے دامن میں رہنے والے ماہی گیروں نے اس آواز پر لبیک کہی۔

انیس سو سال کے بعد جبل کرمل پر پھر ایک دفعہ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ کی آواز گونجی۔ جس کا جواب کبابیر اور اس کے گرد و نواح کے عرب سنگ تراشوں اور مزدوروں نے نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ کے پُر کیف وپُر وجد نغمہ میں دیا۔ یہاں اور وہاں فرق اس قدر تھا کہ وہاں مسیح خود

بول رہا تھا اور یہاں مسیح کا ایک خادم آواز دے رہا تھا۔

عبرانی کی تعلیم

فلسطین میں یہودی اور عیسائی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ سو مولانا نے انہیں تبلیغ کے نقطہء خیال سے یہ ضروری خیال کیا کہ اس زبان کی تکمیل و تحصیل کی جائے جو مسیح کی اپنی زبان تھی تا کہ پرانے نوشتوں کو ان کی اصلی زبان میں پڑھا جاسکے اور یہودی قوم کو ان کی زبان میں پیغام دعوت دیا جاسکے۔ الغرض اس کے لئے بعض یہودی معلموں کو تنخواہ دے کر مولانا نے عبرانی زبان سیکھی اور اس پر کافی عبور حاصل کیا۔

عظیم الشان کام

فلسطین کی جماعت کی مرکز سے ہمیشہ وابستگی کے لئے ہمارے مبلغ نے ایک شاندار کام یہ کیا کہ ایک بہت بڑا قطعہ زمین وہاں کی جماعت سے لے کر صدر انجمن احمدیہ کے نام وقف کرادیا۔ آج اس کام کی قیمت ممکن ہے کہ اتنی نہ سمجھی جائے لیکن وقت آئے گا کہ یہ عظیم الشان کام اپنی اہمیت کو خود ظاہر کردے گا۔ اس کام کی وجہ سے وہاں کی جماعتوں کو مرکز سلسلہ کے ساتھ شدید وابستگی رہے گی۔

جماعت کو رجسٹرڈ کرانے کی مساعی

ہمارے مبلغ نے اس عرصہ میں یہ بھی سعی کی کہ ہماری جماعت احمدیہ فلسطین کو سرکاری کاغذات میں رجسٹرڈ کرا کر ایک مسلمہ حیثیت دے لیں۔ اس کام میں بہت سی مشکلات تھیں مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ان کے شامل حال رہا ہے اور جماعت کو سرکاری حلقوں میں ایک مسلمہ جماعت تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اس طرح سے ایک نہایت ہی ٹھوس کام کو گزشتہ ساڑھے چار سال کے عرصہ میں سرانجام دیا گیا۔ جماعت کا بیج فلسطین، شام، عراق، شرق اردن، مصر، اور سوڈان تک پھیل گیا ہے اور پھیل رہا ہے۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے پودے بڑھ رہے ہیں اور ترقی حاصل کررہے ہیں۔ وقت آنے پر وہ بہت بڑے تن آور درخت بن جائیں گے۔

(ملخص از الحکم 14 اور 28 / مارچ و 7 / اپریل 1936ء محمود احمد عرفانی صاحب کا مضمون)

مولانا ابوالعطاء صاحب کی حیفا سے واپسی

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب خدمت سلسلہ سے بھرپور ساڑھے چار سال گزارنے کے بعد 10/فروری 1936ء کو حیفا سے واپس قادیان جانے کے لئے روانہ ہوئے اور 23/فروری 1936ء کو خیریت سے قادیان دارالامان پہنچ گئے جہاں آپ کا والہانہ استقبال کیا گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ازراہ شفقت بنفس نفیس ریلوے سٹیشن پر تشریف لائے اور شرف مصافحہ ومعانقہ کے بعد اپنی موٹر کار میں بٹھا کر شہر میں لے آئے۔

(ماخوذ از الحکم قادیان 28/فروری و 7/مارچ 1936)

''البُشریٰ''، کبابیر، فلسطین

البشریٰ کا اجراء حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کا ایک عظیم کارنامہ ہے، جس کی طرف مولانا ابو العطاء صاحب کی مساعی کے تذکرہ میں اشارہ ہو چکا ہے۔ ذیل میں اس کے بارہ میں مفصل معلومات درج کی جاتی ہیں۔

کبابیر، فلسطین سے شائع ہونے والے اس عربی مجلّہ کے بانی، دیار عربیہ میں خدمات بجا لانے والے دوسرے مبلغ، خالد احمدیت، حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مرحوم تھے۔ اس رسالہ کو آپ نے شوال 1350 ھجری بمطابق مارچ 1932ء میں جاری فرمایا۔ شروع میں اس کا نام ''البشارة الإسلامية الأحمدية'' تھا مگر جنوری 1935ء میں یہ ''البشریٰ'' کے نام سے شائع ہونے لگا۔

عام طور پر یہ رسالہ عربی زبان میں ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی انگریزی زبان میں بھی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ رسالہ زیادہ تر ان ممالک میں جاتا رہا ہے جہاں عربی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ تاہم اب عمومی طور پر مقامی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور بعض ہمسایہ ممالک میں بھی ارسال کیا جاتا ہے۔

دیار عربیہ میں جماعت کا یہ ترجمان مجلّہ خدا کے فضل سے قریباً 80 سال سے خدمت اسلام کی توفیق پا رہا ہے۔ چنانچہ کبھی تو یہ یہود کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر چلائے گئے زہرناک تیروں کے سامنے سینہ سپر رہا۔ کبھی بڑے بڑے پادریوں کے ساتھ ہونے والے تحریری مناظرات کے لئے میدانِ کارزار بنا رہا۔ کبھی بہائیوں کی خلافِ اسلام سازشوں کو بے نقاب کرتا رہا۔ اور کبھی حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے دفاع میں غیر احمدی علماء کے ساتھ نبرد آزما رہا۔ اسلام کی وہ اصل اور حسین شکل جو مسیح محمدی نے اس دور میں دوبارہ پیش

کی ہے اسے اس مجلّہ نے عربوں کے سامنے کچھ ایسے دلربا انداز میں پیش کیا کہ وہ انگشت بدنداں رہ گئے اور کئی صلحاء العرب وابدال الشام آپؑ اور آپ کے آقاؐ پر درود وسلام بھیجنے لگے۔

مدیرانِ ''اَلْبُشْریٰ''

جن احباب کو اب تک ''البشری'' کی ادارت کی سعادت ملی ہے ان کے اسماء گرامی مع عرصۂ ادارت درج ذیل ہیں۔

- ......حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مرحوم (1932ء-1937)
(اس دوران حضرت منیر الحصنی الشامی صاحب مرحوم آپ کی معاونت فرماتے رہے)
- ......مولانا محمد سلیم صاحب مرحوم (1937-1938ء)
- ......مولانا چوہدری محمد شریف صاحب مرحوم (1938ء۔1955ء)
- ......مولانا جلال الدین صاحب قمر (1956ء۔1965ء)
- ......مولانا فضل الٰہی صاحب بشیر (1966ء۔1967ء)
- ......مولانا بشیر الدین عبیداللہ صاحب مرحوم (1968ء۔1971ء)
- ......مولانا محمد منور صاحب مرحوم (1972ء۔1973ء)
- ......مولانا جلال الدین صاحب قمر (1973ء۔1977ء)
- ......مولانا فضل الٰہی صاحب بشیر (1977ء۔1981ء)
- ......مکرم فلاح الدین عودہ صاحب (1981ء۔1991ء)
- ......مولانا محمد حمید کوثر صاحب (1991ء۔1998ء)
- ......مکرم عکرمہ نجمی صاحب (1998ء)
- ......مکرم موسیٰ اسعد عودہ صاحب (1999ء۔2000ء)
- ......مکرم فلاح الدین عودہ صاحب (2000ء۔2001ء)
- ......مکرم ڈاکٹر ایمن فضل عودہ صاحب (2002ء تا 2004)
- ......مکرم شمس الدین مالا باری صاحب (2005ء)
- ......مکرم عکرمہ نجمی صاحب (2006ء)
- ......مکرم فضل یونس عودہ صاحب (2007ء تا حال)

اثر ونفوذ

ذیل میں بعض غیر از جماعت عرب شخصیات کی چند شہادتیں درج کی جاتی ہیں جن سے بخوبی پتہ لگتا ہے کہ یہ رسالہ عالم عرب میں کس قدر مقبول تھا اور اس نے خدا کے فضل سے کس قدر شاندار خدمت اسلام کی ہے۔

شرعی عدالت کے وکیل کا تبصرہ

یافا، فلسطین کے اخبار ''الصراط المستقیم'' کے مالک اور ایڈیٹر شیخ عبد اللہ افندی القلقیلی نے رسالہ البشری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

البشری کا دوسرا شمارہ ایک نئی رائے لئے ہوئے سامنے آیا ہے کہ حقیقی عہد نامہ جدید تو قرآن کریم ہے نہ کہ انجیل جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ یوحنا نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئی کی تھی.........قوم نصاری کے ردّ میں جناب جالندھری صاحب نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ توریت، انجیل اور دیگر صحف انبیاء کا بڑا گہرا علم رکھتے ہیں کیونکہ موصوف اپنے ہر دعوے کو اہل کتاب کی کتب سے ثابت کر کے دکھاتے ہیں۔ آپ کے دلائل نہایت پختہ اور واضح ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ موصوف کو خود خدا تعالیٰ نے عیسائی پادریوں کے مقابلے اور ان کے جھوٹ کا پول کھولنے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اگر آپ کو کچھ عرصہ مہلت ملی تو آپ لازمًا ان لوگوں کو شکست سے دوچار کر دیں گے اور لازمًا نصاری میں سے بہتوں کو اسلام کی طرف ہدایت دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

(اخبار الصراط المستقیم 26/ ربیع الأول 1354ھ شمارہ 847۔ بحوالہ "البشری" فلسطین جون 1935 جلد اول شمارہ 6)

روح القدس سے تائید یافتہ

شرق اردن سے جماعت اخوان المسلمین کے ایک ممبر نے ایڈیٹر البشری کے نام اپنے 18 دسمبر 1936 کے خط میں لکھا:

آپ کا موقر رسالہ اتفاقاً میرے ہاتھ لگا اور مَیں نے فوراً ہی اس کے سارے مضامین پڑھ

ڈالے۔اس میں شائع ہونے والی یہ تحقیقات آپ کی وسیع معلومات، پختہ ایمان اور مضبوط عقیدہ پر گواہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مجلّہ کے شائع کرنے کے پیچھے، خدا تعالیٰ سے گہرا اخلاص، نیک نیتی اور سچائی سے گہرا پیار کارفرما ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ قلم جو اس مجلّہ کو تحریر کرتا ہے اور اس جماعت کے منکرین کے جواب دیتا ہے وہ روح القدس سے تائید یافتہ ہے۔

(''البشریٰ''، فلسطین دسمبر 1936ء جلد دوم شمارہ 12)

کامیاب دفاع رسولؐ پر مبارکباد

1970ء میں ایک یہودی اخبار میں ہمارے سید و مولیٰ، سید المرسلین، خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک مضمون نشر ہوا۔ ''البشریٰ'' نے فوراً اس کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ غیر از جماعت احباب نے بھی دلی مبارکباد دی۔ اس ضمن میں موصول ہونے والے پیغامات میں سے دو درج ذیل کئے جاتے ہیں:

پیغام نمبر 1: یہ خط عکا شہر کی مجلس اوقاف اسلامیہ کے سیکرٹری مکرم محمد حبیشی صاحب کی طرف سے تھا۔ انہوں نے لکھا کہ ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور آپ کی پرزور تائید کرتے ہیں کہ آپ لوگ آگے بڑھے اور رسولِ انسانیت اور امن وسلامتی کے پیکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا جھنڈا اتھام لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہدایت اور دین حق لے کر آئے تھے تا کہ اسے سب ادیان پر غالب کر دیں خواہ کافر اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ ہم آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہیں کہ 24/اپریل 1970ء کو اخبار ''یدیعوت احرونوت'' میں حضرت خاتم النبیین والمرسلین کے خلاف چھپنے والے افتراء کا آپ نے خوب ردّ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار رہو۔ آمین۔

پیغام نمبر 2: دوسرا خط کابل سے مکرم محمد علی ریان صاحب کا تھا۔ انہوں نے تحریر فرمایا: میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اخبار ''یدیعوت احرونوت'' میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چھپنے والے مقالہ پر خوب احتجاج کیا اور نہایت کامیاب دفاع کیا۔ اس مقالے کے خلاف یہی ایک احتجاجی جواب ہے جو میری نظر سے گزرا ہے حالانکہ ان ممالک میں بے شمار اسلامی تنظیمات ہیں۔

(''البشریٰ''، فلسطین جلد 30 شمارہ 6-7)

رسالہ ''البشریٰ''

چین میں تعلیم حاصل کرنے والے مبلغِ سلسلہ مکرم محمود احمد انیس صاحب لکھتے ہیں کہ:

چین کے جنوب کے ایک صوبہ Yun Nan کے شہروں اور دیہاتوں میں کثیر تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ لوگ بہت اچھے اور مہمان نواز ہیں۔اسی صوبہ کی ایک جگہ کا نام Wei Shan ہے۔ یہ ایک قصبہ سا ہے جہاں کے لوگوں کا مذہب سے کافی لگاؤ ہے۔اس میں مسلمانوں کی 35 کے قریب مساجد اور مردوں اور عورتوں کے بہت سے دینی مدارس ہیں۔غالبًا دسمبر 1997ء کی بات ہے،ایک دن صبح کے وقت Wei Shan کے ایک دینی مدرسہ کے پاس سے گزر رہا تھا اور اتفاق سے اس وقت میرے ہاتھ میں چینی زبان میں مطبوعہ کچھ کتابیں بھی تھیں۔ میں اس مدرسہ میں چلا گیا جہاں اسکے پرنسپل اور کچھ اور اساتذہ سے مختلف موضوعات پر بات ہوتی رہی۔اس دوران ایک بزرگ عمر کے عالمِ دین بھی آ گئے جن کی عمر اس وقت اسّی سال کے لگ بھگ ہوگی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ اس علاقہ کے مفتی ہیں۔سلام دُعا کے بعد وہ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے چینی ترجمہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ میں اسکے مترجم کو جانتا ہوں، یہ کتاب تو جماعت احمدیہ کی ہے۔ پھر خود ہی کہنے لگے کہ اس جماعت کے ایک رسالہ ''البُشریٰ'' کی بہت سی کاپیاں ہمارے گھر میں تھیں۔ پھر اس رسالہ کے متعلق کچھ تعریفی بات بھی کی۔میں نے پوچھا کہ وہ رسالے آپ نے کہاں سے لیے اور کہاں ہیں؟ تو وہ کہنے لگے میرے والد ہندوستان جاتے تھے اور وہاں سے لائے تھے لیکن بعد میں ملکی حالات کے پیشِ نظر ہماری بہت سی کتب کے ساتھ ان رسالوں کو بھی جلا دیا گیا۔ مجھے ان کی یہ بات سن کر ایک خوشگوار حیرت ہوئی کہ کیسے خدا تعالیٰ نے جماعت کے پیغام کو چین کے ایک انتہائی دور دراز علاقے میں ایک لمبا عرصہ پہلے پہنچانے کے سامان فرمائے جس کی گواہی آج مجھے بھی مل گئی۔

''اَلْبُشْریٰ''، جامعہ احمدیہ ربوہ

شاید یہاں پر یہ بتانا مفید ہو کہ البشریٰ ہی کے نام سے پاکستان سے بھی عربی زبان میں ایک رسالہ نکلتا رہا ہے۔ یہ سہ ماہی رسالہ 1958ء سے شروع ہو کر 1973 تک جاری رہا۔اس کا پہلا شمارہ جولائی 1958ء میں نکلا۔اس کے بھی بانی اور سب سے پہلے رئیس التحریر حضرت

مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مرحوم تھے۔

مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے جنوری 1935ء میں حیفا (فلسطین) سے ماہنامہ ''البشریٰ'' جاری فرمایا تھا۔ آپ نے اکتوبر 1957ء سے ربوہ میں بھی اسی نام سے ایک عربی رسالہ کا آغاز فرمایا اور پرنسپل جامعہ احمدیہ جناب سید داؤد احمد صاحب کو پیشکش کی کہ اگر البشریٰ پسند ہو تو جامعہ احمدیہ اسے بخوبی اپنا سکتا ہے۔ آخر جامعہ ہمارا جامعہ ہے اور ہم جامعہ کے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت اقدس میں جب یہ تجویز پیش ہوئی تو حضور نے اس امر کی بخوشی اجازت مرحمت فرما دی اور یہ رسالہ وسط جنوری 1959ء سے پرنسپل صاحب جامعہ احمدیہ کی نگرانی میں آ گیا اور ملک مبارک احمد صاحب استاذ الجامعہ اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ مئی 1959ء میں اس کا پہلا شمارہ نئے انتظام کے تحت منصّۂ شہود پر آیا جو ظاہری اور باطنی خوبیوں کا مرقع تھا۔ اس کے معیاری اور بلند پایہ مضامین اور نفیس طباعت اور بہترین دبیزی کاغذ کو دیکھ کر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے غایت درجہ خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

رسالہ ''البُشریٰ'' مرکز احمدیت کا واحد عربی رسالہ تھا۔ اور اس نے سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ کی خصوصی سرپرستی اور ملک مبارک احمد صاحب کی مثالی ادارت میں شاندار اور ناقابل فراموش علمی خدمت سرانجام دی اور حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعودؓ کی متعدد مقدس تحریرات کو نہایت فصیح و بلیغ اور بامحاورہ عربی میں منتقل کر کے انہیں عرب ممالک کے بلند پایہ علمی حلقوں تک پہنچایا۔ چنانچہ ''البشریٰ'' میں ''کشتی نوح'' اور ''الوصیت'' کے اقتباسات کے علاوہ ''سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب'' کا مکمل عربی ترجمہ اشاعت پذیر ہوا اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ کی تصنیف تفسیر کبیر اور دعوتُ الامیر کے بعض حصوں کا نیز دعوت اتحاد اور رحمۃ للعالمین کا مکمل عربی ترجمہ اس میں چھپا۔ علاوہ ازیں مندرجہ اہل قلم بزرگوں اور نوجوانوں کے بلند پایہ مضامین بھی اس میں اشاعت پذیر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری، شیخ نور احمد صاحب منیر، شیخ عبد القادر صاحب محقق عیسائیت، مولوی بشارت احمد صاحب بشیر، سید عبد الحی شاہ صاحب، شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سوئٹزرلینڈ، صوفی محمد اسحاق صاحب سابق مبلغ لائبیریا۔ قاضی محمد اسلم صاحب صدر شعبہ نفسیات کراچی یونیورسٹی۔ مولوی جمیل الرحمٰن صاحب،

مولوی محمد یعقوب صاحب امجد۔

بیرونی ممالک کے احمدیوں میں سے خالد وتلف (جرمنی) عبدالسلام میڈیسن (ڈنمارک) الأستاذ رشدی باکیر البسطی (سابق صدر جماعت حیفا) اور السید عبد الحمید خورشید (مصر) کی نگارشات بھی رسالہ کی زینت بنیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 736-737)

مارچ 1959ء کے شمارہ سے اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ یہ رسالہ جامعہ احمدیہ ربوہ کے زیر انتظام شائع ہونا شروع ہوا اور مکرم ومحترم ملک مبارک احمد صاحب مرحوم استاذ الجامعہ اس کے رئیس التحریر مقرر ہوئے۔

1973ء میں حضرت سید میر داؤد احمد صاحب کی وفات کے ساتھ ہی علم و تحقیق کا یہ عظیم عربی مجلّہ بھی اخبارات ورسائل کے افق سے غائب ہوگیا۔

(ماخوذ از مضمون مکرم عبدالمؤمن طاہر صاحب مطبوعہ اخبار بدر قادیان 25/دسمبر 2002ء)

مولانا ابوالعطاء صاحب اور مکرم منیر الحصنی صاحب

افرادِ جماعتِ کبابیر کی مولانا جلال الدین شمس صاحب اور مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب
کے ساتھ 1931 میں لی گئی ایک تصویر

مدرسہ احمدیہ کبابیر کے طلباء اور احباب جماعت کبابیر کی مکرم مولانا ابو العطاء صاحب ،
مکرم منیر الحصنی صاحب، اور مکرم مولانا محمد سلیم صاحب کے ساتھ 1936 کی ایک تصویر

عربی پریس میں جماعت احمدیہ کی خدمات کی بازگشت

حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کی بلادِ عربیہ میں تبلیغی مساعی کے آخر پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ کے عربی اخبارات میں جماعت کی تبلیغ اسلام کی کوششوں کا جماعت احمدیہ کی حیرت انگیز کامیابی اور قابل تقلید اسلامی خدمات کا جو کھلا کھلا اقرار کیا گیا اس کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

......چنانچہ قاہرہ کے اخبار (الفتح) 20/جمادی الآخر 1351ھ مطابق 22/اکتوبر 1932ء نے جماعت احمدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”نظرت فإذا حركتهم امر مدهش۔ فإنهم رفعوا أصواتهم وأجروا أقلامهم باللغات المختلفة وأيدوا دعوتهم ببذل المال فى المشرقين والمغربين فى مختلف الأقطار والشعوب ونظموا جمعياتهم وصدقوا الحملة حتى استفحل امرهم وصارت لهم مراكز دعاية فى آسيا وأوروبا وأمريكا وأفريقيا تساوى علمًا وعملاً جمعيات النصارى۔ وأما فى التأثير والنجاح فلا مناسبة بينهم وبين النصارى فالقاديانيون أعظم نجاحا لما معهم من حقائق الإسلام وحكمه۔“

مَیں نے دیکھا ہے کہ قادیانی تحریک ایسی حیرت انگیز چیز ہے۔قادیانیوں نے تقریری اور تحریری طور پر مختلف زبانوں میں اپنی آواز بلند کی ہے نئی اور پرانی دنیا کے مشرق و مغرب میں

مختلف ملکوں اور قوموں میں بذلِ مال کے ذریعہ اپنی تبلیغ کوتقویت پہنچائی ہے۔ انجمنیں اور جمعیتیں مرتب کر کے زبردست حملہ کیا ہے یہاں تک کہ ان کا معاملہ عظیم الشان ہو گیا۔ اور ایشیا، یورپ، امریکا اور افریقہ میں ان کے تبلیغی مرکز قائم ہوگئے جو ہر طرح سے علمی اور عملی طور پر عیسائیوں کے مشنوں کے ہم پلہ لیکن تاثیر وکامیابی کی رو سے ان میں اور مسیحیوں میں کچھ نسبت نہیں، کیونکہ قادیانی اسلامی حقائق اور حکمتوں کی وجہ سے عیسائیوں سے بدرجہا زیادہ کامیاب ہیں۔

۞......پھر لکھا:

”ولا ینقضی عجبی من هؤلاء الرجال الذین بلغوا فی علو الهمم والعلوم الکونیة مبلغا مالم تبلغه حتی الآن أیة فرقة إسلامیة۔ کیف انخدعوا بما اخترعه غلام أحمد القادیانی من الحیل والمخارق۔“

یعنی میرے تعجب کی کوئی انتہاء نہیں رہتی جبکہ میں ان لوگوں (جماعت احمدیہ کے افراد) کو جو علو ہمت اور علوم جدید میں اس درجہ ترقی کر گئے ہیں کہ آج تک کوئی اسلامی فرقہ وہاں تک نہیں پہنچا دیکھتا ہوں، کہ یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایجاد کردہ حیلہ وفریب سے کس طرح دھوکہ کھا گئے ہیں۔

۞...... لکھا ہے:

”والذی یری أعمالهم المدهشة ویقدر الأمور حق قدرها لا یملك نفسه من الدهشة والإعجاب بجهاد هذه الفرقة القلیلة التی عملت ما لم تستطعه مئات الملالین من المسلمین۔وقد جعلوا جهادهم هذا ونجاحهم أکبر معجزة تدل علی صدق ما یزعمون۔“

جو شخص معاملہ فہم ہو اور ان لوگوں کے حیرت انگیز کاناموں کو دیکھے وہ یقیناً اس چھوٹی سی جماعت کے جہاد کو دیکھ کر حیران اور انگشت بدنداں رہ جائے گا۔ اس جماعت نے وہ کام کیا ہے جس کو کروڑوں مسلمان نہ کر سکے۔ ان لوگوں نے اپنے جہاد اور کامیابی کو اپنے دعویٰ کی صداقت پر سب سے بڑا معجزہ قرار دیا ہے۔

......آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ احمدیت کے بیرونی مشنوں اور ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اُردو کے ذکر کے بعد لکھا:

”أفلا يجب على المسلمين والحال هذه أن يزيلوا عن أذهان أهل أوروبا وأمريكا تلك العقائد الفاسدة التى يعتقدونها فى دينهم ونبيهم۔ هذا فرض على أمراء المسلمين وعلمائهم وأغنيائهم وفقرائهم أيضا۔ فمن ذا الذى يقوم اليوم بتبديد تلك الأوهام؟ لا أحد إلا القاديانيون وحدهم ، هم الذين يبذلون فى ذلك الأموال والأنفس۔ولو قام المصلحون يصيحون حتى تبح أصواتهم ويكتبون حتى تنكسر أقلامهم ما جمعوا من الأموال والرجال فى جميع الأقطار الإسلامية عشر ما تبذلها هذه الشرذمة القليلة۔“

کیا ان حالات میں مسلمانوں پر واجب نہیں کہ اہل یورپ و امریکہ کے ذہنوں سے وہ فاسد خیالات دور کریں جو وہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رکھتے ہیں۔ یقیناً واجب ہے اور یہ مسلمانوں کے سلاطین، علماء، اغنیاء، اور فقراء کا فرض ہے۔مگر کون ہے جو ان اوہام کو دور کرنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہو؟ ہرگز کوئی نہیں۔صرف اکیلے احمدی ہیں جو اپنے اموال اور جانوں کو اس راہ میں خرچ کر رہے ہیں۔ہاں اگر مسلمانوں کے زعماء اور مصلحین کھڑے بھی ہوں اور چلاتے چلاتے ان کی آواز بیٹھ جائے اور لکھتے لکھتے انکے قلم ٹوٹ جائیں تب بھی وہ تمام اسلامی دنیا سے مال اور مردانہ وار کارناموں کے لحاظ سے اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتے جس قدر یہ چھوٹی سی جماعت خرچ کر رہی ہے۔

(اخبار الفتح 20 جمادی الآخر 1351ھ مطابق 22 اکتوبر 1932ء، الفضل 25 دسمبر 1932 صفحہ 5-6، بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 4 تا 6)

......اسی طرح جامعہ ازہر کے ماہوار رسالہ ”نور الإسلام“ نے بھی انہی دنوں لکھا کہ:

”للقاديانية حركة نشيطة فى الدعوة إلى نحلتهم ولما كانوا يقيمون هذه النحلة على شيء من تعاليم الإسلام أمكنهم أن يدعوا أنهم دعا ة الإسلام--- بعثوا بدعاتهم إلى سورية وفلسطين ومصر وجدة والعراق وغيرها من الإسلامية--- كثيرا

ما وردتنا رسائل من البلاد العربية وغيرها كأمريكا يسأل محرروها عن أهل هذه النحلة ومبلغ صلتها بالإسلام۔“

قادیانی لوگ اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے میں مستعدی اور نشاط سے کام کر رہے ہیں۔اور چونکہ وہ اپنے دین کی بنیاد بعض اسلامی تعلیمات پر رکھتے ہیں اس لئے ان کو موقعہ مل گیا کہ اسلام کے مبلغ ہونے کا دعویٰ کریں۔انہوں نے اپنے مبلغ شام ،فلسطین،مصر، جدہ، عراق اور دوسرے بلاد اسلامیہ کی طرف بھیجے ہیں۔کئی مرتبہ ہمارے پاس بلاد عربیہ اور امریکہ سے خطوط آتے ہیں جن کے لکھنے والوں نے دریافت کیا ہے کہ اس جماعت اور دین کی حقیقت کیا ہے۔اوران کا اسلام سے کس قدر تعلق ہے۔

(نورالإسلام رجب 1351ھ جلد 2 نمبر 7۔اکتوبر،نومبر 1932ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 6-7)

عراق میں شیخ احمد فرقانی کی شہادت

جنوری 1935ء کے وسط میں عراق کے ایک نہایت مخلص احمدی حضرت شیخ احمد فرقانی کا سانحہ شہادت پیش آیا جس کی اطلاع ایک احمدی عرب نوجوان الحاج عبداللہ صاحب (جو کہ لمبا عرصہ قادیان میں علم دین سیکھنے کے بعد ان دنوں اپنے وطن میں مصروف تبلیغ تھے) کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچی۔ چنانچہ انہوں نے 16/ جنوری 1935ء کو عریضہ لکھا کہ آج بغداد سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ شیخ احمد فرقانی جو عرصہ دس سال سے احمدیت کی وجہ سے مخالفین کے ظلم وستم برداشت کرتے آ رہے تھے اور جن کا عراقیوں نے بائیکاٹ کر رکھا تھا، شہید کر دیئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ بغداد سے قریباً دوسو میل کے فاصلہ پر ''لواء کرکوک'' گاؤں میں بودو باش رکھتے تھے۔ جب مَیں بغداد میں تھا تو وہ کئی ہفتے میرے پاس آ کر رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیحد محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ حضور کے فارسی وعربی اشعار سن کر وجد میں آ جاتے اور زار وقطار رونے لگتے تھے۔

(ملخص از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 156-157)

شیخ احمد فرقانی صاحب نے مصائب الأنبياء والأبرار علیٰ أيدي السفلة والأشرار کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جو چھپ نہ سکی۔ اس کتاب کا ایک قیمتی اقتباس مولانا ابو العطاء صاحب نے رسالہ البشریٰ میں شائع کر دیا تھا۔

(مجلۃ البشریٰ جولائی 1935ء صفحہ 26-27)

سعودی حکومت اور جماعت احمدیہ کا موقف

سلطان عبدالعزیز ابن سعود پر قاتلانہ حملہ

ہم سعودی حکومت اور سلطان ابن سعود کے خاندان کے ساتھ مبلغین کرام اور جماعت احمدیہ کے بعض دیگر افراد کے تعلقات اور تبلیغ احمدیت اور نصائح وغیرہ پر مبنی واقعات مفصل طور پر لکھ آئے ہیں۔تاریخی اعتبار سے بعض کا تذکرہ یہاں ہوگا۔لیکن ان واقعات پر اجمالی نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت سعودی حکومت کی سب سے زیادہ خیرخواہ جماعت احمدیہ تھی اور مختلف حساس امور کے بارہ میں جماعت احمدیہ کے امام کا بیان فرمودہ موقف سب سے باوقار اور جرأت مندانہ اور حق پر مبنی موقف تھا۔مولوی حضرات کے اکثر فرقے حاکم خاندان کی حکومت کے مخالف تھے اوراس کے خلاف پروپیگنڈے کر رہے تھے ایسے میں اگر حق کی آواز بلند ہوئی تو صرف قادیان سے ہوئی تھی۔اوراس وقت کے سلطان عبدالعزیز ابن سعود کو بھی ان نیک جذبات اور مخلصانہ نصائح کی قدر تھی لہذا انہوں نے بھی کئی مرتبہ مولویوں کی مخالفت کو بالائے طاق رکھ کر احمدیت کے حق میں فیصلے کئے۔لیکن افسوس کے ان کے جانشین اس روایت کو نبھانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اس مذکورہ حقیقت کی ایک جھلک یہاں بھی ملاحظہ ہو۔

15/ مارچ 1935ء کو جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود اوران کے ولی عہد پر طواف کعبہ کے دوران بعض یمنی عربوں نے قاتلانہ حملہ کر دیا جس پر شاہ کے حفاظتی دستہ نے حملہ آوروں کو گولیوں سے ہلاک کر دیا۔اس پر بعض مسلمان اخباروں نے حرم پاک میں عربوں کے قتل پر سخت احتجاج کیا اسے سرزمینِ حجاز میں یزیدیت سے تعبیر کیا۔

جماعت احمدیہ لندن کی طرف سے تار

سلطان ابن سعود پر قاتلانہ حملہ کو جماعت احمدیہ نے گری ہوئی حرکت اور بزدلانہ فعل قرار دیا۔ چنانچہ اخبار (الجامعة الإسلامية) نے اپنی 15/ذوالحجہ 1353ھ کی اشاعت میں لکھا کہ:

''کل لندن سے خبر آئی ہے کہ وہاں جماعت احمدیہ کی مسجد میں ایک بڑی تعداد میں مسلمانوں نے عید الاضحیٰ ادا کی جہاں پر انہوں نے جلالۃ الملک ابن سعود پر کعبہ شریف میں قاتلانہ حملہ کے خلاف سخت غم وغصہ کا اظہار کیا۔ اور امام مسجد لندن نے اس حملہ کو گری ہوئی حرکت اور بزدلانہ فعل اور خدا تعالیٰ کے کفر سے تعبیر کیا''۔

مسجد میں جمع ہونے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے جلالۃ الملک ابن سعود کو اس حملہ سے بچ جانے پر مبارکباد کا تار ارسال کیا۔ (بحوالہ مجلۃ البشریٰ مئی 1935ء صفحہ 37)

سعودی حکومت کے غیر مسلم کمپنی سے معاہدہ پر جماعتی موقف

سلطان ابن سعود کے محافظوں کی طرف سے حرم کعبہ میں قاتل حملہ آوروں کے قتل کی مخالفت پورے زوروں پر تھی کہ خبر آئی کہ جلالۃ الملک نے ایک غیر مسلم کمپنی کو پٹرول وغیرہ کا ٹھیکہ دینے کے لئے ایک معاہدہ طے کرلیا ہے۔

اگرچہ یہ اپنی نوعیت کا کوئی پہلا معاہدہ نہیں تھا مگر خصوصاً مجلس احرار نے سلطان المعظم اور ان کی حکومت کے خلاف مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لئے جلسے کئے اور اخباروں میں بدگوئی سے کام لیتے ہوئے سخت زہریلا پروپیگنڈہ کیا۔ اور بالآخر اسے ایک خالص مذہبی مسئلہ قرار دے کر مخالفت کا ایک وسیع محاذ کھول دیا۔ جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ احرار لیڈر شریف حسین والئ مکہ کی شکست کھا جانے کے بعد سعودی حکومت کے بھی مخالف تھے اور ابن سعود کو سرمایہ دارانہ ماحول کا پرورش یافتہ بتا کر بدنام کرتے رہتے تھے۔

ان کی بعض آراء کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

۞...... چوہدری افضل حق ''تحریک احرار صفحہ 22 تا 24'' میں لکھتے ہیں:

''ابن سعود کا سارے عرب میں طوطی بولنے لگا۔ خشک قسم کا وہابی تھا۔ مدینے میں قدم رکھا

تو بھونچال لے آیا۔قبّوں کو گرا کر ہموار کر دیا......ہم شریف حسین کے دین بدر ہونے پر خوش تھے کہ غدار اپنے انجام کو پہنچا مگر قبّے گرانے کے متعلق متذبذب تھے......یہ سب قبّے اور مقبرے سرمایہ داروں کی سنگ دلی کا نتیجہ ہیں......اگر نبی کریمؐ کی قبر اصل حال میں ہوتی تو اس زیارت سے سرمایہ داروں کے خلاف مسلمانوں کی نفرت قائم رہتی......اب جبکہ مسلمان عوام کی دل و دماغ کی ساخت سرمایہ داری مشین میں تیرہ سو سال ڈھل کر بدل گئی تو ابن سعود کا ظہور ہوا...... بیچارہ ابن سعود بھی سرمایہ دارانہ ماحول کا پروش یافتہ تھا اسے خود اسلام کا منشاء معلوم نہ تھا۔اس نے چند قبّے گرائے مگر خود شاہانہ بسر اوقات کرنے لگا''۔

مجلس احرار کے آرگن ''مجاہد'' نے اپنے افتتاحیہ میں لکھا کہ ''مجلس احرار اب تک جزیرۃ العرب کی حقیقی صورتحال سے واقف نہ تھی لیکن اب اسے یقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ شاہ ابن سعود انگریزوں کے زیر اثر ہیں اور یہ کہ عرب کے خارجی معاملات پر برطانیہ کا قبضہ ہے اور انگریز مدبر سلطان کو معاہدوں کے جال میں پھنسا کر داخلی مسائل پر قابض ہو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مخالف پروپیگنڈہ کا اصل سبب

سعودی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کا مقصد کیا تھا؟ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اخبار ''اہل حدیث'' میں لکھا:

''رنج اس لئے ہے کہ عرب کے پہاڑوں سے اگر یہ چیزیں مل گئیں تو حکومت نجدیہ کو بڑی قوت حاصل ہو گی جو ان برادران اسلام کو ناگوار ہے۔''

(اہلحدیث امرتسر 2/اگست 1935ء صفحہ 15)

امام جماعت احمدیہ کا بصیرت افروز بیان

مرکز اسلام کے سربراہ کی نسبت اشتعال انگیزیوں کا یہ افسوسناک طریق دیکھ کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو شدید صدمہ پہنچا اور حضور نے 30/اگست 1935ء کے خطبہ جمعہ میں سلطان ابن سعود کے معاہدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ہم ہمیشہ عرب کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ جب ترک عرب پر حاکم تھے تو اس وقت ہم نے ترکوں کا ساتھ دیا۔ جب شریف حسین حاکم ہوا تو لوگوں نے اس کی سخت مخالفت

کی مگر ہم نے کہا فتنہ فساد کو پھیلانا مناسب نہیں۔جس شخص کو خدا نے حاکم بنا دیا ہے اس کی حکومت کو تسلیم کر لینا چاہیئے تا کہ عرب میں نت نئے فسادات کا رونما ہونا بند ہو جائے۔اس کے بعد نجدیوں نے حکومت لے لی تو باوجود اس کے کہ لوگوں نے شور مچایا کہ انہوں نے قُبّے گرا دیئے اور شعائر کی ہتک کی ہے اور باوجود اس کے کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن اہلحدیث ہی ہیں ،ہم نے سلطان ابن سعود کی تائید کی ،صرف اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں روز روز کی لڑائیاں پسندیدہ نہیں۔حالانکہ وہاں ہمارے آدمیوں کو دکھ دیا گیا۔حج کے لئے احمدی گئے تو انہیں مارا پیٹا گیا۔مگر ہم نے اپنے حقوق کے لئے بھی اس لئے صدائے احتجاج کبھی بلند نہیں کی کہ ہم نہیں چاہتے ان علاقوں میں فساد ہو۔ مجھے یاد ہے مولانا محمد علی جوہر، جب مکہ مکرمہ کی مؤتمر سے واپس آئے تو وہ ابن سعود سے سخت نالاں تھے۔شملہ میں ایک دعوت کے موقعہ پر ہم سب اکٹھے ہوئے تو انہوں نے تین گھنٹے اس امر پر بحث جاری رکھی۔وہ بار بار میری طرف متوجہ ہوتے اور مَیں انہیں کہتا کہ مولانا آپ کتنے ہی ان کے ظلم بیان کریں جب ایک شخص کو خدا تعالیٰ نے حجاز کا بادشاہ بنا دیا ہے تو مَیں تو یہی کہوں گا کہ ہماری کوششیں اب اس امر پر صرف ہونی چاہئیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں فساد اور لڑائی نہ ہو۔اور جو شورش اس وقت جاری ہے وہ دب جائے اور امن قائم ہو جائے تا کہ ان مقدس مقامات کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔

ابھی ایک عہد نامہ ایک انگریز کمپنی اور ابن سعود کے درمیان ہوا ہے۔سلطان ابن سعود ایک سمجھ دار بادشاہ ہے مگر بوجہ اس کے کہ وہ یورپین طریق سے اتنی واقفیت نہیں رکھتے ، وہ یورپین اصطلاحات کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے ،ایک دفعہ پہلے جب وہ اٹلی سے معاہدہ کرنے لگے تو ایک شخص کو جو ان کے ملنے والوں میں سے تھے مَیں نے کہا کہ تم سے اگر ہو سکے تو میری طرف سے سلطان ابن سعود کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ معاہدہ کرتے وقت بہت احتیاط سے کام لیں۔ یورپین قوموں کی عادت ہے کہ وہ الفاظ نہایت نرم اختیار کرتی ہیں مگر ان کے مطالب نہایت سخت ہوتے ہیں۔اب وہ معاہدہ جو انگریزوں سے ہوا ، شائع ہوا ہے۔اور اس کے خلاف بعض ہندوستانی اخبارات مضامین لکھ رہے ہیں۔مَیں نے وہ معاہدہ پڑھا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس میں بعض غلطیاں ہو گئی ہیں۔اس معاہدہ کی شرائط کی رو سے بعض موقعہ پر بعض بیرونی حکومتیں یقیناً عرب میں دخل دے سکتی ہیں۔اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو پڑھ کر میرے دل کو سخت رنج پہنچا......۔انگریز ہوں یا کوئی اور حکومت ،عرب کے معاملہ میں ہم کسی کا لحاظ

نہیں کر سکتے۔اس معاہدہ میں ایسی احتیاطیں کی جا سکتی تھیں کہ جن کے بعد عرب کے لئے کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہتا۔مگر بوجہ اس کے کہ سلطان ابن سعود یورپین اصطلاحات اور بین الاقوامی معاملات سے پوری واقفیت نہیں رکھتے ،انہوں نے الفاظ میں احتیاط سے کام نہیں لیا اوراس میں انہوں نے عام مسلمانوں کا طریق اختیار کیا ہے۔مسلمان ہمیشہ دوسروں پر اعتبار کرنے کا عادی ہے حالانکہ معاہدات میں کبھی اعتبار سے کام نہیں لینا چاہئے۔بلکہ سوچ سمجھ کر اور کامل غور وفکر کے بعد الفاظ تجویز کرنے چاہئیں۔گومَیں سمجھتا ہوں یہ معاہدہ بعض انگریزی فرموں سے ہے حکومت سے نہیں۔اور ممکن ہے جس فرم نے یہ معاہدہ کیا ہے اس کے دل میں بھی دھوکہ بازی یا غداری کا کوئی خیال نہ ہومگر الفاظ ایسے ہیں کہ اگر اس فرم کی کسی وقت نیت بدل جائے تو سلطان ابن سعود کو مشکلات میں ڈال سکتی ہے۔مگر یہ سمجھنے کے باوجود ہم نے اس پر شور مچانا مناسب نہیں سمجھا۔کیونکہ ہم نے خیال کیا کہ اب سلطان کو بدنام کرنے سے کیا فائدہ۔اس سے سلطان ابن سعود کی طاقت کمزور ہوگی۔اور جب ان کی طاقت کمزور ہو گی تو عرب کی طاقت بھی کمزور ہوجائے گی۔اب ہمارا کام یہ ہے کہ دعاؤں کے ذریعہ سے سلطان کی مدد کریں اور اسلامی رائے کوایسا منظّم کریں کہ کوئی طاقت سلطان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔''

(خطبات محمود جلد 16 صفحہ 549 تا 551 ،خطبہ جمعہ فرمودہ 30/اگست 1935ء)

مقبولین الٰہی کی دل سے نکلی ہوئی دعائیں اور آہیں عرش کو ہلا دیتی ہیں اور خطرات کے منڈلاتے ہوئے سیاہ بادل چھٹ جاتے ہیں اور مطلع صاف ہو جاتا ہے۔یہی صورت یہاں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے سرزمین عرب کو نہ صرف اس معاہدہ کے بداثرات سے بچالیا بلکہ ملک عرب کی کانوں سے اس کثرت کے ساتھ معدنیات برآمد ہوئیں کہ ملک مالا مال ہوگیا۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 228 تا 234)

یہ عبدالعزیز کے باپ کا گھر نہیں

سلطان عبدالعزیز ابن سعود کے ذکر کے ذیل میں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک بار اخبار الفضل کے ایک سیاسی نامہ نگار نے جلالۃ الملک ابن سعود سے مکہ معظّمہ میں ملاقات

کی تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی نسبت فرمایا کہ تبلیغ اسلام میں مدد دینا ہمارا کام ہے۔

سلطان نے ''سورت'' کے ایک اہلحدیث کی شکایت پر (کہ احمدی ایک اور نبی کو ماننے والے ہیں) صاف جواب دیا کہ یہ شرک فی النبوۃ کرتے ہوں گے مگر یہاں تو شرک فی التوحید کرنے والے بھی آتے ہیں۔

پھر احمدیوں کو مکہ سے نکالنے کی تجویز پر کہا کہ: کیا یہ عبدالعزیز کے باپ کا گھر ہے جس سے مَیں نکال دوں؟ یہ خدا کا گھر ہے۔

(الفضل 24 /جولائی 1935ء صفحہ 5، بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 228)

حبشہ میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی تبلیغی خدمات

حبشہ کا ملک جسے انگریزی میں ایتھوپیا یا ابی سینیا کہتے ہیں براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ جس کی تقریباً نصف آبادی مسلم ہے اور قدیم سے عربوں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے عربی زبان وہاں پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ آج کل بھی سوڈان کی سرحدوں کے قریبی علاقے میں عربی زبان ہی بولی جاتی ہے اور پورے ملک میں کئی ایک عربی اخبارات ورسائل شائع ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حبشہ میں مضبوط عیسائی حکومت قائم تھی۔ جب کفار مکہ کی طرف سے مظالم کی انتہا ہوگئی تو آپؐ نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں جس کے بادشاہ کے متعلق آپؐ نے فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ عادل ومنصف ہے اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ حبشہ کی حکومت نے مسلمان مہاجرین کو پورا پورا امن دیا اور ان کی تبلیغ سے نہ صرف نجاشی مسلمان ہو گیا بلکہ عمائد مملکت بھی اسلام لے آئے۔ حکومت حبشہ کا یہ ایسا عظیم الشان احسان ہے کہ ملّت اسلامیہ اسے قیامت تک فراموش نہیں کرسکتی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اسی جذبہ تشکر سے لبریز ہو کر اگست 1935ء میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (ابن حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحبؓ سابق مہر سنگھ) کو حبشہ جانے اور اہل حبشہ کی خدمت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ وہ ایام تھے جب اٹلی اور حبشہ کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اہل حبشہ بری طرح پسپا ہو رہے تھے اور ان کو جنگی امداد کے علاوہ طبی امداد کی بھی بہت ضرورت تھی۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے خرچ پر ابی سینیا گئے۔ اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا

بہترین ثبوت دیا۔ ذیل میں محترم ڈاکٹر صاحب کی زبانی وہاں کے حالات وتبلیغی واقعات کی تفاصیل درج کی جاتی ہیں۔آپ تحریرفرماتے ہیں:

’’حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے خاکسار کوتحریک جدید کے ماتحت وقف کرنے پر علی گڑھ خط لکھا کہ ابی سینیا (حبشہ) میں جا کرطبی خدمات سرانجام دینے اور تبلیغ کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں۔اگست 1935ء میں خاکسار قادیان پہنچ کرحضور سے فیضیاب ملاقات ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی بیش قیمت نصیحت

حضور کے ضروری ارشاد گرامی یہ تھے۔ریڈکراس ہسپتالوں میں جو جنگ کے میدان میں ابی سینیا میں کام کر رہے ہیں اپنے آپ کو پیش کریں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام کی ہجرت بھی ایبے سینیا کے ملک میں ہوئی تھی۔اہل حبشہ کے آباؤاجداد کے اس نیک سلوک کی وجہ سے عالم اسلامی ان کا ممنون ہے اس کے عوض ہمیں اس مصیبت کے وقت ان کے بیمار اور زخمیوں کی مدد کرنی چاہیئے۔

مخدوش حالات اور خدمت کی توفیق

(1)۔خاکسار عدیس ابابا اپنے خرچ پر پہنچا۔ ......اٹلی کے فوجیوں کے ہوائی حملوں سے بے اندازہ نقصان جانی و مالی ہوا۔......گولہ باری کے ذریعہ بیدردی سے جانیں تلف کی گئیں۔ خاکسار عین میدان شمالی محاذ پر متعین تھا۔روزانہ کئی سوزخمیوں کی مرہم پٹی کرنا پڑتی تھی۔دیکھتے دیکھتے جانیں تلف ہوتی تھیں۔قیامت کا منظر سامنے تھا۔قرآن کریم کی پیشگوئیاں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں فوج میں بیان کر کے واضح کیا جاتا رہا کہ مسیح موعودؑ کا ظہور ہو چکا اور سچائی ثابت ہو چکی ہے۔لوگوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے......ہندوستان کی طرف سے خاکسار ہی ایک ڈاکٹر تھا جو ملک حبشہ میں جنگ کے دوران کام کے لئے بھیجا گیا۔

باثمر تبلیغی مہمات

ایبے سینیا کا بادشاہ ہیلی سلاسی یکم مئی 1936ء کوفرار ہوکر انگلستان چلا گیا۔اٹلی کے ملک

حبشہ پر قبضہ کرنے پر مزید چھ ماہ خاکسار وہاں مقیم رہ کر عدیس ابابا کی مساجد میں تبلیغ کرتا رہا۔ مساجد میں جمعہ کے روز خاکسار لیکچر کرتا اور پیغامِ احمدیت واسلام عربی زبان میں پہنچاتا۔ بسا اوقات خاکسار کو مساجد ہی سے بزور نکال باہر کیا جاتا رہا۔ ایک فاضل رکن جامعۃ الأزہر شیخ محمد بدیوی مصری جو حکومت کی طرف سے عدیس ابابا جامعہ میں مقرر تھا چند روز کے بحث مباحثہ کے بعد اور میرے کہنے پر استخارہ کرنے کے بعد حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ کی بیعت تحریری سے مشرف ہوا۔ اس نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و مسیح موعود علیہ السلام کو دو کرسیوں پر بیٹھے دیکھا اور رسول کریمؐ کو اپنی طرف مخاطب ہو کر سنا کہ مسیح موعودؑ کو قبول کرلو۔

اس دوران میں السید عبد الحمید ابراہیم مصری (جو جامعۃ الأزہر کے فارغ التحصیل ہیں) کے ساتھ مقابلہ ہوتا تو شیخ محمد بدیوی صاحب مجھے بلا لیا کرتے تھے۔ خطبہ الہامیہ میری طرف سے دیئے جانے پر انہوں نے بھی دعویٰ مسیح موعودؑ کو قبول کرلیا۔ 1936ء کے بعد 1937ء میں مصر جا کر بیعت کا خط مولوی محمد سلیم صاحب کو لکھ دیا اور داخل جماعت احمدیہ ہوگئے۔ نیز السید عبد الحمید بعد میں قادیان اور ربوہ آ کر حضرت صاحب کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔

(مکرم مولوی محمد سلیم صاحب اس وقت مولانا ابو العطاء صاحب کے بعد بلاد عربیہ میں بطور مبلغ کام کر رہے تھے۔)

(2) ستمبر 1936ء میں خاکسار ابی سینیا سے چلا گیا اور فلسطین اور مصر وشام کے ممالک میں تبلیغ اور سیاحت اور پریکٹس کے لئے چلا گیا۔ چند ماہ رہ کر پھر 1937ء میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کینیا جانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ وہاں جا کر میڈیکل سروس میں داخل ہو جاؤں۔ سو 1939 تک خاکسار وہاں رہا۔ 1940ء میں خاکسار کو حاجیوں کے جہاز ایس ایس رحمانی میں میڈیکل آفیسر مقرر کیا گیا۔ بمبئی، جدہ، کراچی وغیرہ کئی دفعہ آنا جانا پڑا۔ حج کرنے کا بھی موقعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عنایت کیا۔ عربی میں مہارت کافی ہوگئی۔ مکہ معظّمہ میں اور عرفات، منیٰ، مزدلفہ، مکہ معظّمہ، جدہ، غرضیکہ ہر جگہ عربوں اور دیگر علماء کو تبلیغ کرنے کا موقعہ بکثرت ملتا رہا اور علاج معالجہ کا موقعہ ملتا رہا۔ خاکسار کا طریق اکثر یہی رہا کہ قرآن کریم کی آیات ہر مسئلہ پر اور کتب عربی حضرت مسیح موعودؑ کی تشریحات اکثر بیان کرنے پر مداومت اختیار کرتا تھا جس کا بہت جلد اثر دیکھا جاتا رہا۔

(3) ڈلہوزی میں 42-1941ء سے 1943ء تک خاکسار پریکٹس کرتا رہا۔ جہاں حضور نے ایک روز سیر پر جاتے ہوئے فرمایا: ایبے سینیا کے بادشاہ کو لکھو کہ مَیں نے دوران جنگ ایبے سینیا میں کام کیا ہے اس لئے تم مجھے کوئی عہدہ دو تا کہ مَیں دوبارہ مریضوں کو ایبے سینیا کے ہسپتالوں میں مقرر ہونے پر خدمت کرسکوں۔ سو خاکسار حضور سے بشارات لے کر دوبارہ عدن اور حبشہ چلا گیا۔

(4) عدن میں 44-1943ء میں سرکاری ملازمت سول ہسپتال میں کرتا رہا۔ وہاں بھی مساجد میں جب عرب علماء کا درس ہوتا تھا خاکسار وہاں جا کر بیٹھ جاتا اور سوال وجواب کا سلسلہ جاری کر دیتا۔ کئی موقعہ پر کافر، ملعون، قادیانی، کذّاب کے خطاب سے یاد کیا جاتا۔ اور کئی دفعہ وہاں کی مساجد سے نکالا جاتا۔ ایک دن کثرت سے عربوں اور صومالیوں نے مسجد کو گھیرے میں لے لیا تا کہ خاکسار کو کالعدم کر دیا جائے۔ اسی اثناء میں سی آئی ڈی کا آدمی میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور انگریزی میں کہنے لگا کہ ہم کو حکم ہوا ہے کہ آپ کو اپنے گھر سلامتی کے ساتھ پہرے کے اندر پہنچا دیں کیونکہ پبلک مسجد کے اندر اور باہر ڈنڈے اور چاقو لے کر کھڑی ہے، ان کی نیت آج آپ کے متعلق خطرناک ہے......سو وہ مجھے پہرے کے اندر میرے گھر لے آئے۔

نو آبادیات محمیات عدن میں دورہ کرنے کے لئے مجھے بھیجا گیا جہاں بیماریاں اور موتیں بکثرت ہو رہی تھیں۔ وہاں جا کر گاؤں گاؤں میں ظہور مسیح موعودؑ پر عربی زبان میں تقریریں کرتا رہا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی خبر بکثرت مشہور ہوگئی۔ حسب معمول تصنیفات حضرت مسیح موعودؑ بکثرت تقسیم کرتا رہا جس پر مخالفت کا بازار گرم ہو گیا۔ جس پر علماء عدن نے ایک میمورنڈم لکھ کر گورنر عدن کو بھیجا کہ ڈاکٹر نذیر احمد کو میڈیکل سروس سے نکال دیا جائے، نوجوانوں پر قادیانیت کا اثر ہو رہا ہے۔ سلطان شبوطی میرا ڈسپنسر تھا وہ احمدیت کی طرف مائل ہو گیا۔ بعد میں مولوی غلام احمد مبشر کے آنے پر سلطان شبوطی اور عبداللہ محمد شبوطی دونوں احمدی ہو گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک......۔

عدن میں مجھے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا تو خواب دیکھا کہ مَیں حضرت صاحب کے ارشاد پر ایبے سینیا (جو قریب ہی ایک روز کے راستہ پر تھا) جا رہا ہوں۔ حضور نے میری خواب

پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں جلدی ایبے سینیا چلے جائیں۔ چنانچہ خاکسار 1944ء میں دوبارہ ایبے سینیا چلا گیا اور حضرت صاحب کی بات پوری ہوئی کہ خاکسار کو ایکٹنگ سول سرجن کے عہدہ پر کئی سال متعین کیا گیا۔ وہاں پہنچنے پر ہیلی سلاسی شاہِ حبشہ سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ اس کے محل میں اس کو کتب دے کر تبلیغ اسلام انگریزی زبان میں کی گئی۔ اور پرانا تعلق ہجرت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان یاد دلایا گیا۔

(5) 1944ء سے 1953ء تک 9 سال برابر سینکڑوں مباحثات کئے اور دس ہزار کے قریب اشتہار کتب رسائل، کتب مسیح موعودؑ عربی (مثلاً اعجاز المسیح، لجۃ النور، حمامۃ البشریٰ تحفہ بغداد، التبلیغ) دیباچہ قرآن انگریزی اور قرآن کریم کی تفسیر انگریزی بڑے سائز کی تقسیم کی گئی۔ اکثر مفت دی گئیں۔ سکولوں اور کالجوں میں جا کر تبلیغ کی گئی۔ اور سکوں کے لڑکوں نے میرے ہاں برابر ہسپتال میں آنا شروع کیا۔ چالیس آدمیوں نے جو مختلف گاؤں کے رہنے والے تھے ایک دن بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔

آپ کے پیچھے نماز جائز نہیں

بیعت کرنے والوں میں ''ہرر'' شہر کے تین دوست بھی تھے جو جنوری 1947ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے ان اصحاب کی بیعت کی مرکز میں اطلاع دیتے ہوئے یہ رپورٹ بھی بھجوائی کہ چند روز کا واقعہ ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا تین نو مبایعین غلطی سے غیر احمدی لوگوں کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے چلے گئے۔ مَیں نے انہیں پیغام بھیجا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ وہ سنتے ہی میرے پاس چلے آئے۔ اس سے ہمارے مخالفین میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ اور مجھ پر محکمہ قضا میں یہ مقدمہ دائر کیا گیا کہ مَیں نے ان کے دو ہرری مسلمان چرا لئے ہیں اور یہ کہ ان کی نماز کی ہتک کی ہے۔ آخر مجھے بلایا گیا اور لوگوں کے سامنے تحقیقات شروع ہوئی۔ جب ہمارے خلاف مبالغہ آمیز اور جھوٹی شہادتیں ہوئیں تو حاضرین میں سے ہی دو عرب بول اٹھے اور قاضی اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ عیسیٰ کو آسمان پر زندہ مانتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے۔ واقعی آپ لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اوائل 1952ء کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ سے قید خانہ میں دس آدمی بیعت

کر کے حلقہ بگوش احمدیت ہوئے جو بیعت کے دوسرے روز ہی رہا ہو گئے۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے عید الفطر کے موقعہ پر مسلمانان حبشہ کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ کی آمد اور حضور کے نشانات پر لیکچر دیا، نیز بتایا کہ اس علاقہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا نشان ظاہر کیا ہے۔ پانچ آدمیوں کو جن میں عرب اور حبشی مسلمان شامل ہیں خوابوں میں دکھایا کہ مسیح ومہدی ہندوستان کی زمین میں ظاہر ہو گیا ہے۔ان لوگوں کے نام جنہیں خوابیں آئی ہیں یہ ہیں:

(1) الشیخ عمر حسین سوڈانی حبشی عربی کے اچھے عالم ہیں۔(2) علی حکیم عبدہ نوجوان حبشی مسلمان نہایت مخلص عربی کے عالم اور تاجر ہیں۔ (3) السید حسین الحراضی عرب تاجر ہیں۔ (4) السعید اسماعیل موٹر ڈرائیور۔(5) سراج عبد اللہ۔

خوابیں مختلف اوقات میں مختلف رنگوں میں آئیں۔ مثلاً کثرت سے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ باغ اور وسیع زرخیز زمین ہے۔عیسائی اور مسلمان ہر دو کہہ رہے ہیں کہ الحمد للہ ہماری زندگی میں مسیح ومہدی ظاہر ہو گیا۔ایک نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت ہیلی سلاسی کا دربار ہے اور وسیع میدان میں کثرت سے لوگ جمع ہیں۔مَیں دو سفید گھوڑوں کی گاڑی پر سوار ہوں اور کہہ رہا ہوں:

ظَهَرَ الْمَهْدِی ، ظَهَرَ الْمَهْدِی، مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُر۔

حبشہ میں ’’ڈبرا برہان‘‘ کے شہر کے ایک لڑکے رضوان عبد اللہ احمدی کو مَیں نے واقف زندگی کے طور پر ربوہ تعلیم کے لئے ہوائی جہاز پر بھیجا جو ربوہ میں تعلیمی اور عربی دینی ماحول میں بہت مقبول ہو گئے۔لیکن بدقسمتی سے دو تین سال تعلیم جامعہ احمدیہ میں حاصل کرتے ہوئے دریائے چناب میں لڑکوں کے ساتھ وضو کرتے ہوئے پاؤں پھسل جانے سے غرقاب ہو کر شہید ہوئے۔مقبرہ بہشتی ربوہ میں ان کی قبر موجود ہے۔

ایک رمضان میں ’’ڈبرا برہان‘‘ شہر کی جامع مسجد میں جا کر میں نے تبلیغ شروع کر دی۔ سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ساری مسجد بھر گئی۔وہاں کے عربی ملّاں نے لوگوں کو اکسایا اور خاکسار پر حملہ کیا گیا اور یکدم دو گروہ بن گئے۔ایک گروہ میری تائید میں اور دوسرا میرے بالمقابل۔آخر مجھے مسجد میں سے نکلنا پڑا۔قتل قتل کے نعرے لگے۔ بازار تک مجھے دھکیلتے ہوئے لے گئے۔عربی میں آوازے کستے رہے کہ آج اس ہندی قادیانی کا خاتمہ اور خون بہا دیا

جائے گا۔ ساری رات میرے ایک دوست کے مکان میں مجھے پناہ لینے پر مجبور کیا گیا تھا، گھیرے میں رکھا گیا۔ دوسرے روز میں مصلحۃً لباس بدل کر واپس سٹیشن پر پہنچا اور ٹکٹ لے کر واپس اپنی ڈیوٹی پر ''ڈبرا برہان'' پہنچ گیا۔ مَیں اپنے گھر بتا کر گیا تھا کہ چند روز موجب ارشاد حضرت صاحب تبلیغ کے لئے بیرونی مقام پر جاتا ہوں جو مخالفت کا گڑھ ہے وہاں قتل بھی کر دیا کرتے ہیں۔ اگر مَیں وہاں خدانخواستہ قتل بھی ہوگیا تو تم کو اللہ تعالیٰ ہاجرہ جیسی عزت قرب الٰہی میں بخشے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ (ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ بھی اس وقت ان کے ساتھ اسی علاقے میں مقیم تھیں۔)

9 سال بعد حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کارڈ لکھا کہ صرف ایک ماہ کیلئے پاکستان چھٹی پر تم کو آنے کی اجازت ہے۔ سو فروری 1953ء میں خاکسار پہلی بار ربوہ آیا۔ حضور نے فرمایا واپس ایبے سینیا جاؤ۔ شاہ حبشہ کو ہمارا لٹریچر پہنچے گا، تم اسے پہنچانے کا بندوبست کرنا۔ جولائی میں وہاں کے پادریوں نے شکایات کیں کہ احمدیت کا نفوذ بڑھ رہا ہے، اس ڈاکٹر کو ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ سو مجھے حضرت امیر المؤمنین نے تار دی کہ نیروبی چلے جاؤ۔ خاکسار 1953ء میں نیروبی پہنچا اور 1960ء میں وہاں سے ولایت مزید تعلیم کے لئے چلا گیا جس کے حصول کے بعد کامیاب ہو کر جلسہ سالانہ قادیان و ربوہ 1962ء میں پہنچا۔

(ماخوذ از الفضل 9/اکتوبر 1935ء، 12/جنوری 1946ء، 6/مئی 1953ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 261 تا 267)

جہاز واپس آ گیا

ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب کی زبانی انکے عدن کے علاقے میں تبلیغ کے لئے جانے کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اس حوالے سے انکا ایک نہایت ہی مؤثر اور ایمان افروز واقعہ یہاں درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کی زبانی یہ واقعہ آپ کے بیٹے مکرم ڈاکٹر سردار حمید احمد صاحب آف انگلستان نے روایت کیا ہے۔ ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''مَیں حاجیوں کے ایک جہاز پر بطور ڈاکٹر ملازم تھا۔ واپسی سفر پر جب جہاز عدن پہنچا تو مَیں جہاز سے اتر کر تبلیغ کے شوق میں اِدھر اُدھر نکل گیا۔ اور پھر تبلیغ میں ایسا محو ہوا کہ جہاز کی

روانگی کے وقت کا خیال ہی نہ رہا۔ جب تبلیغ سے فارغ ہو کر واپس بندرگاہ پر آیا تو دیکھا کہ جہاز روانہ ہو چکا ہے۔ یہ دیکھ کر مَیں سخت گھبرا گیا۔ حالت یہ تھی کہ ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ دل میں سوچنے لگا کہ جہاز والے کیا کہیں گے اور پھر اگر کوئی مسافر بیمار ہو گیا یا مر گیا تو مجھ پر قانونی گرفت بھی ہو سکتی ہے''

فرماتے ہیں، اسی پریشانی کے عالم میں میری ساری رات دعاؤں میں گزری اور مَیں نے خدا کی غیرت کو ابھارنے کے لئے یوں دعا کی کہ

''خدایا! مَیں تیرا ہی کام کر رہا تھا، عربوں کو تیرے مسیح کی آمد کا پیغام پہنچا رہا تھا۔ یہ میرا کوئی ذاتی کام تو تھا نہیں۔ اب جہاز نکل گیا ہے۔ مَیں اَور کچھ نہیں جانتا۔ بس تُو ہی میرا جہاز واپس لا کر دے۔ یہ دعا کرتے کرتے مَیں سو گیا''

فرماتے ہیں، رات خواب میں دیکھا کہ جہاز واپس آ گیا ہے۔ اب جن عربوں کو مَیں شام تک تبلیغ کرتا رہا تھا، وہ پہلے ہی مجھ پر ہنس رہے اور میرا مذاق اڑا رہے تھے کہ اس کا جہاز نکل گیا ہے اور یہ مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ چنانچہ صبح جب مَیں نے ان لوگوں کو اپنی خواب سنائی اور بتایا کہ میرا جہاز واپس آ رہا ہے تو وہ اَور بھی ہنسے اور کہنے لگے، کیسا مجنون آدمی ہے۔ کیا بحری جہاز ایک بار چل چکنے کے بعد پھر کبھی واپس بھی آیا کرتے ہیں۔ مگر فرماتے ہیں:

''ابھی وہ لوگ میرا مذاق اڑا ہی رہے تھے کہ ایک آدمی بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا، جہاز بندرگاہ پر واپس پہنچ گیا ہے۔ مَیں خدا تعالیٰ کے اس احسان پر سجدات شکر بجا لایا اور فوراً جہاز کے اندر جا کر اپنا کام کرنے لگا۔ کسی کو معلوم ہی نہ ہوا کہ کیا ہوا ہے''

جہاز کی واپسی کا اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کا اپنے ایک عاجز بندے کی نصرت اور پردہ پوشی کرنا تھا مگر فرماتے ہیں کہ اس کا ظاہری سبب یہ بنا کہ وہ جنگ کا زمانہ تھا اور دشمن کی آبدوزوں کے حملے کا ہر وقت خطرہ تھا۔ ہمارے اس جہاز پر امن کا جھنڈا نصب نہیں تھا۔ چنانچہ یہ جھنڈا لینے کے لئے جہاز کو واپس بندرگاہ پر آنا پڑا اور یوں اللہ تعالیٰ نے مسیح محمدی کے ایک غلام کو ہر قسم کی ممکنہ پریشانی سے بچا کر اپنی ہستی اور اپنے قادر مطلق ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(''تبلیغی میدان میں تائید الٰہی کے ایمان افروز واقعات تالیف عطاء المجیب راشد صاحب''۔ صفحہ ۱۵۱ تا ۱۶۱)

❁❁❁❁❁

مکرم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی تقریباً 17 سال پر محیط عرب علاقوں میں خدمات کے مختصر بیان کے بعد ہم اس عرصہ میں عربوں میں دیگر مقامات پر رونما ہونے والے جماعت کی تبلیغ اور تعلقات کے واقعات کی طرف لوٹتے ہیں۔

ذیل میں دو ایسے ایمان افروز واقعات درج کئے جاتے ہیں جن کی تاریخ اور سال کی تعیین نہیں ہوسکی تاہم اندازہ ہے کہ قریباً اسی عرصہ میں رونما ہوئے ہوں گے جس کے حالات کا ہم تذکرہ کررہے ہیں۔

عرب صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا

محترم میاں محمد صدیق بانی صاحب وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے مسجد اقصیٰ ربوہ کی تعمیر کے جملہ اخراجات ادا کرنے کا وعدہ کیا جن کا تخمینہ اس وقت تین لاکھ لگایا گیا لیکن مسجد کی تعمیر تک یہ تخمینہ پندرہ لاکھ ہو چکا تھا تاہم آپ نے یہ خرچ پوری بشاشت قلبی کے ساتھ ادا کیا۔ آپ نے 19، 20 سال کی عمر میں بیعت کی تو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کے والدین آپ کو پہلے مولوی ابراہیم سیالکوٹی اور پھر مولوی ثناء اللہ امرتسری جیسے اشد مخالفین کے پاس بھی لے گئے مگر باوجود کم سنی کے آپ نے ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ تب آپ کی والدہ نے آپ کو چنیوٹ میں مقیم ایک عرب عالم دین کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا۔ اس کا حال میاں محمد صدیق صاحب خود بیان فرماتے ہیں:

’’ایک رات بعد نماز تراویح ان کے ہاں جانے کا پروگرام بنا اور میری رضاعی والدہ نے عرب صاحب کو اس سے اطلاع دی۔ والدہ صاحبہ کی خواہش کے مطابق میں وہاں گیا۔ والدہ صاحبہ اور تقریباً بیس قریبی مستورات ہمراہ تھیں۔ عرب صاحب کے مکان کے قریب پہنچنے پر یہ دیکھ کر میری حیرانی کی حد نہ رہی کہ ان کے مکان کے عین سامنے وسیع میدان میں دریاں بچھی ہوئی ہیں گیس کے لیمپ روشن ہیں۔ درمیان میں ایک میز اور دو کرسیاں رکھی ہوئی

ہیں۔ گویا عرب صاحب نے ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کر رکھا ہے۔ پہلے تو مَیں گھبرا سا گیا مگر پھر دل قوی کر کے آگے بڑھا۔ مستورات مکان کی چھت پر اور مَیں عرب صاحب کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ دریوں پر کوئی دوصد افراد براجمان تھے جن میں سے اکثر اسی محلّہ کے اور عرب صاحب کے عقیدتمند تھے۔‘‘

عرب صاحب نے جو اُردو روانی سے بول سکتے تھے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کیوں احمدی ہوئے ہیں؟ آپ نے کہا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آٹھویں پارے میں بنی آدم کو مطلع کیا گیا ہے کہ تمہارے اندر ضرور تم میں سے رسول آئیں گے جو میری آیات تمہارے پاس بیان کریں گے۔ جو شخص تقویٰ سے کام لیتا ہوا اپنی اصلاح کرے گا اسے کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔ اس حکم کی تعمیل میں مَیں نے اس زمانہ کے مامور کی بیعت کی ہے۔ عرب صاحب نے جواب میں کہا: ابتداء میں بنی آدم کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا تھا یہاں اسے بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہاں کئی بار لفظ ’’قُل‘‘ دہرایا گیا ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے اور بعد کے بنی آدم سے یہ بات کہہ دیں۔ عرب صاحب نے کہا کہ اس مقام پر ’’قُل‘‘ کا لفظ نہیں ہے۔ اس پر آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا اگر یہاں کوئی حافظ ہوں تو کھڑے ہو کر اس مقام کو تلاوت کریں۔ فی الفور دو تین حافظ کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کو جو حافظ ’’چھجا‘‘ کے نام سے معروف تھے موقعہ دیا گیا۔ ان آیات میں پانچ بار ’’قُل‘‘ کا لفظ آیا ہے انہوں نے آیات پڑھنی شروع کیں۔ سو جتنی بار ’’قُل‘‘ کا لفظ آیا آپ گنواتے چلے گئے۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ تو عرب پر گویا گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور ان کے معتقدین نے بہت شرمندگی محسوس کی۔ اس کے بعد اس مجمع کا کیا حشر ہوا یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’ایک کونے سے کسی شریر نے عرب صاحب پر آوازے کسے اور کہا کہ میرزائی لڑکے نے ہم سب کو شرمندہ کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس پر عرب صاحب تو اپنے گھر کے اندر چلے گئے اور ان کے مرید جوش میں آ گئے اور اس شریر اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ تو تکار اور دنگہ فساد ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر مَیں اپنے ساتھ کی مستورات سمیت وہاں سے چلا آیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مجھے کامیابی بھی حاصل ہوئی اور میں کسی نقصان سے بھی محفوظ رہا۔‘‘

(ملخص از تابعین اصحاب احمد جلد دہم صفحہ 38-39)

قادر خدا کی قدرتوں کے نظارے

الحاج عبدالکریم صاحب احمدی (اے۔کے۔احمدی) برٹش آرمی میں ملازم تھے اور اسی ملازمت کے سلسلہ میں ان کی تقرری مصر میں ہوئی۔ جہاں انہوں نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی مصری احمدیت میں داخل ہوگئے جن میں ایک مشہور مصری احمدی السید علی حسن صاحب بھی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنری برٹش گورنمنٹ کے بعض عناصر کی سرپرستی اور حمایت حاصل کر کے اسلام کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور کئی سادہ لوح مسلمانوں کو عیسائیت کی زد میں لانے میں کامیاب ہورہے تھے۔ پہلے مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ابو العطاء کی مساعی کے ضمن میں مصر میں کئی امریکن مشن کے پادریوں کے ساتھ مناظروں کا تذکرہ ہوا ہے جو لمبے عرصہ سے مصر میں مقیم ہونے کی وجہ سے روانی سے عربی زبان بولتے تھے اور عیسائیت کی تبلیغ کا کام زور شور سے چلا رہے تھے۔ ایسے ہی امریکن مشن کے ایک 75 سالہ بوڑھے پادری کی کوششوں کی وجہ سے پندرہ بیس قبطی مسلمان عیسائیت قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور بپتسمہ لینے ہی والے تھے کہ الحاج عبدالکریم صاحب احمدی کی اس پادری کے ساتھ مختلف امور پر گفتگو ہوگئی۔ اس گفتگو میں ان کی کامیابی کی وجہ سے یہ پندرہ بیس قبطی مصری مسلمان عیسائی ہونے سے بچ گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس غلام کی کوشش نے ان مسلمانوں کو واپس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ اپنی اس ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے اس عیسائی پادری نے اے کے احمدی صاحب کا پیچھا کیا اور جس سیکشن میں یہ بطور ہیڈ کلرک کام کرتے تھے اس کے افسر انچارج کپتان رائٹ سے مل کر اسے اکسایا اور اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ احمدی صاحب کو سزا دلوا کر ہندوستان بھجوا دے کیونکہ یہاں مصر میں وہ ان کی تبلیغ میں روک بن رہا ہے۔ اس کپتان نے پادری کی بات پر یوں عمل کیا کہ آپ فرماتے ہیں:

''کپتان رائٹ نے مجھے بلانے کے لئے گھنٹی بجائی، میرا کمرہ ان کے کمرے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ مَیں ابھی اپنے کاغذات تیار کر کے چپڑاسی کو دے ہی رہا تھا کہ کپتان نے گھنٹی بجا کر ایک دوسرے ہیڈ کلرک کو بلا لیا جس کا کمرہ اس کے کمرہ کے بالکل قریب تھا۔ چنانچہ مَیں راستے سے ہی واپس چلا گیا۔ اس پر کپتان موصوف نے میرے خلاف شکایت کر دی اور مجھے وارننگ دے دی گئی۔ اس طرح اوپر نیچے تین دفعہ شکایت کر کے کپتان نے مجھے تنبیہ دلوائی

اور پھر ایک دن سفارش کی کہ میرا کورٹ مارشل کیا جائے۔ جس پر مجھے نظر بند کر دیا گیا۔ جو چارج شیٹ مجھے دی گئی اس میں یہ درج تھا کہ مَیں نے کپتان رائٹ کی چار دفعہ حکم عدولی کی ہے اور یہ کہ مَیں فلاں تاریخ کو حاضر ہوکر اپنی صفائی پیش کروں......۔ جس روز فیصلہ ہونا تھا اس سے ایک دن قبل کپتان رائٹ نے دفتر میں اعلان کر دیا کہ کل مسٹر احمدی کو چھ ماہ کی سزا ہو جائے گی۔ بلکہ ایک مصری احمدی دوست السید علی حسن جب میس (Mess) میں کھانا کھانے گئے تو بعض مخالف ہیڈ کلرکوں نے انہیں یہاں تک طعنہ دیا کہ کل تمہارے مولوی کو آئی ایم ایس ایم India Meritorious service Medal تمغہ ملے گا۔ (یہ تمغہ حسن کارکردگی کی بناء پر ملتا تھا)۔ السید علی حسن اسی وقت اٹھ کر میرے پاس پہنچے اور بتانے لگے کہ مخالفین یوں طنز یں کر رہے ہیں۔ مَیں نے ان سے اسی وقت کہہ دیا کہ آپ میس میں جا کر اعلان کر دیں کہ میرا خدا قادر ہے کہ مجھے ان مخالف حالات کے باوجود آئی ایم ایس ایم کا تمغہ دلا دے۔‘‘

جب السید علی حسن نے وہاں جا کر یہ اعلان کیا تو مخالفین قہقہہ مار کر ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ تو جیل میں جا رہا ہے اور خوابیں تمغے کی دیکھ رہا ہے۔ احمدی صاحب فرماتے ہیں کہ:

’’وہ ساری رات مَیں نے جاگ کر دعاؤں اور نوافل میں گزاری۔ اگلے دن فوجی عدالت میں میری پیشی تھی۔ کپتان رائٹ بھی مدعی کی حیثیت سے کمرہ عدالت میں موجود تھا۔ جب عدالت کے جج نے مجھے بلا کر اپنی صفائی پیش کرنے کیلئے کہا تو مَیں نے وہ سارا قصہ جو اصل حقیقت تھا بیان کر دیا۔ جج نے گواہ پیش کرنے کے لئے کہا تو مَیں نے عرض کیا کہ افسر انچارج کے خلاف کون گواہی دے گا۔ اس پر جج کہنے لگا: تو پھر مَیں تجھے مجرم قرار دیتا ہوں۔ ابھی وہ اس سے آگے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جنرل شوٹ (جو ہماری کمپنی کے کمانڈر تھے) کا فون آ گیا۔ اس نے جج سے دریافت کیا کیا کوئی مقدمہ مسٹر احمدی کے خلاف چل رہا ہے؟ جج نے جواب دیا: ہاں حضور، اور مَیں ابھی اس کا فیصلہ سنانے والا ہوں۔ اس پر جنرل شوٹ نے کہا: تم فیصلہ مت سناؤ بلکہ مقدمہ کے جملہ کاغذات لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ یہ سن کر جج نے اسی وقت کاغذات لئے اور جنرل شوٹ کے پاس چلا گیا۔‘‘

ادھر خدا نے تو جج کو فیصلہ سنانے سے روک دیا مگر کپتان رائٹ اپنی ناپاک سازش کی کامیابی پر ابھی تک ایسا مطمئن تھا کہ احمدی صاحب کو کہنے لگا: مسٹر احمدی ہمارا اچھا وقت گزرا

ہے۔ افسوس ہے کہ اب تم جیل جا رہے ہو۔ اس کی یہ بات سن کر احمدی صاحب کے منہ سے آناً فاناً یہ الفاظ نکلے:

Mr. Wright, you are wrong! you are nothing but a dead worm on the face of the earth. I trust my God who is the living God. He shall elevate me and degrade you.

یعنی مسٹر رائٹ تم غلط سمجھے ہو۔ تمہاری حیثیت زمین کے اوپر ایک مرے ہوئے کیڑے سے زیادہ نہیں ہے۔ جہاں تک میرا سوال ہے تو میرا بھروسہ اپنے خدا پر ہے جو زندہ خدا ہے وہ مجھے ترقی بخشے گا اور تمہیں تنزّل کا نشانہ بنائے گا۔

''ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ جج کا غذات سمیت واپس پہنچ گیا اور ہمیں مخاطب ہو کر بولا تم دونوں کو جنرل صاحب بلا رہے ہیں۔ جب ہم جنرل شوٹ کے دفتر میں پہنچے تو پہلے انہوں نے مجھے بلایا، عزت سے کرسی پر بٹھایا اور کہنے لگے: کیا تم بریگیڈ یئر کڈ کو جانتے ہو؟ مَیں نے کہا جناب مَیں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بولے: ان کا تار آیا ہے وہ آپ کو اپنے بریگیڈ میں چیف کلرک کی آسامی پر رکھنے کے لئے طلب کر رہے ہیں۔ ایک سو روپیہ ماہوار بطور الاؤنس زیادہ ملے گا۔ کیا آپ جانے کیلئے تیار ہیں؟ مَیں نے جواب دیا: جی ہاں کیوں نہیں مَیں بالکل تیار ہوں۔''

اب سنئے کہ کپتان رائٹ کے ساتھ کیا ہوا۔

جنرل شوٹ ان سے اس طرح مخاطب ہوئے:

جنرل: تم کون ہو؟

رائٹ: رائٹ سر۔

جنرل: تم رائٹ (یعنی درست) نہیں ہو۔ تم نے پادریوں کے کہنے پر مسٹر احمدی کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کیا ہے اور جج سے کہا ہے کہ اسے چھ ماہ کی قید ضرور دے دو۔ کیا تم نے سٹاف کا امتحان پاس کیا ہے؟

رائٹ: جی ہاں۔

جنرل: مَیں تمہارے اس امتحان کو منسوخ کرتا ہوں اور تمہارا ماہوار الاؤنس بند کرتا ہوں اور تمہیں دفتر کی بجائے محاذ پر بھیجتا ہوں۔

''ادھر جب مَیں اپنی ترقی کا پروانہ لے کر اور کپتان رائٹ اپنی تنزلی کے آرڈر لے کر دونوں باہر نکلے تو دفتر کے ملازمین ہماری طرف دوڑے اور پوچھنے لگے کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ میرے بتانے پر کہ مَیں ہیڈ کلرک سے چیف کلرک بن گیا ہوں اور مجھے سوروپیہ الاؤنس بھی زیادہ ملے گا وہ بڑے حیران ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ میرا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیونکہ وہ تو میرے منہ سے چھ ماہ کی قید کی خبر سننے کے منتظر تھے۔ دوسری طرف کپتان رائٹ اور تو کچھ نہ کر سکا اس نے اپنا غصہ نکالنے اور مجھے نقصان پہنچانے کی نیت سے یہ کیا کہ جہاں مَیں جا رہا تھا وہاں کے بریگیڈ میجر کو لکھ دیا کہ مسٹر احمدی عیسائیت کا دشمن ہے اور میری تنزلی کا باعث ہوا ہے اسے ہرگز چیف کلرک کی آسامی پر نہ رکھا جائے...... بریگیڈیئر موصوف نے وہ خط پڑھتے ہی یہ کہہ کر پھاڑ دیا کہ مَیں مسٹر احمدی کو جانتا ہوں اور پھر مجھے چیف کلرکی کے عہدے کا چارج دے دیا۔ مَیں نے جب انہیں اپنے مقدمہ کا حال سنایا اور بتایا کہ کس طرح عین وقت پر ان کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مجھے نہ صرف ذلت سے بچا لیا بلکہ سروس میں بھی ترقی بخشی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ مَیں نے انہیں مزید کہا چونکہ آپ اس اعتبار سے خدا تعالیٰ کے اس نشان کا حصہ ہیں اس لئے مَیں تہجد کی نماز میں چالیس روز تک آپ کی ترقی کے لئے دعا کروں گا۔ ......خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میرے اس چالیس روزہ دعا کے اختتام پر ابھی پانچ دن اوپر ہوئے تھے کہ آرمی گزٹ میں یہ اعلان ہوا کہ بریگیڈیئر کُڈ کو D.S.O یعنی (Distinguished Order Service) کا اعزاز دیا گیا ہے۔ جب مَیں انہیں اس اعزاز پر مبارکباد دینے گیا تو وہ کہنے لگے: ''مسٹر احمدی یہ تمہاری چالیس روزہ دعا کا نتیجہ ہے''۔

دوسرا خدا تعالیٰ کا فضل بلکہ اس کا معجزانہ تصرف یہ ہوا کہ اس واقعہ پر چند روز ہی گزرے تھے کہ ایک اور گزٹ خود آپ کے متعلق شائع ہوا جو یہ تھا کہ: ''مسٹر احمدی کو کمانڈر انچیف کی طرف سے آئی ایم ایس ایم کا تمغہ عطا کیا گیا ہے۔''

آپ کو بعد میں پتہ چلا کہ بریگیڈیئر کُڈ نے اپنی طرف سے اور یقیناً خدائی تصرف کے ماتحت آپ کے بارہ میں حسن کارکردگی کی رپورٹ کرتے ہوئے اس تمغہ کے لئے سفارش کی تھی۔

الحاج احمدی صاحب کہتے ہیں کہ: ''تحدیث نعمت کے طور پر مخالفین کو خدا تعالیٰ کی قدرت اور غیرت کا تماشا دکھانے کے لئے مَیں تمغہ ملنے کے بعد چند روز کی رخصت لے کر اپنے پہلے دفتر میں گیا اور اپنے احمدی دوست السید علی حسن کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے ان مخالف کلرکوں

کے دفتروں میں گھوماتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔‘‘
(ملخص از برہان ہدایت تالیف مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر بحوالہ درویشان احمدیت
جلد 2 صفحہ 172 تا179)

اس واقعہ کو پڑھ کر دل خدا کی حمد کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح پاک کے منہ سے نکلے ہوئے مندرجہ ذیل کلمات آپؑ کے خادموں کے حق میں بھی حرف بحرف پورے فرمائے، آپؑ نے خدائی وعدوں کی بناء پر فرمایا تھا:

خدا رسوا کرے گا تم کو میں اعزاز پاؤں گا
سنو اے منکرو اب یہ کرامت آنے والی ہے

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں

مصر کے مجلّہ ’الاسلام‘ نے 3/جمادی الثانی 1354ھ کو زمانے کی بگڑی ہوئی حالت اور ان کے خیال میں مصلح کے ظاہر نہ ہونے پر بڑی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے جو لکھا وہ جماعتی تاریخ میں ریکارڈ کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ مجلّہ لکھتا ہے:

’’مسلمانوں نے قرآن کریم پر عمل چھوڑ دیا ہے، اور دین اسلام سے نہ صرف دور ہو گئے ہیں بلکہ اس سے قطع تعلقی کر بیٹھے ہیں، اور مفاسد کے اپنانے میں اہل نار کے پیچھے چل نکلے ہیں، اور مساجد اور عبادتگاہوں کو خیر باد کہہ دیا ہے۔‘‘

اس پر جماعت کے مجلّہ ’البُشریٰ‘ نے لکھا کہ:

پھر مصلح کہاں ہے؟ اور کہاں ہے وہ جس کی طرف وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (هود: 18) میں اشارہ کیا گیا ہے؟ اب جبکہ قرآنی پیشگوئی وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان: 31) پوری ہو چکی ہے تو ضروری ہے کہ وہ موعود فارسی شخص آئے تاکہ ایمان کو ثریا سے واپس لائے اور دین کو قائم کرے اور اسلام کو پھر سے زندہ کرے۔

(مجلّہ البشریٰ جمادی الاُولیٰ والثانیۃ 1354ھ صفحہ 17)

مجدد کی تلاش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ احسان ہے

کہ اس نے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کھڑا کیا جس نے دین اسلام کی تجدید کا کام کیا۔ اسی وعدہ کے موافق چودھویں صدی کے سر پر مجدد اعظم، امام مہدی اور مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ چنانچہ جنہوں نے آپ کو مان لیا ان کے نزدیک دین کی تجدید کا کام پوری آب وتاب سے شروع ہو گیا اور اس کے عالمی اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ لیکن جو اس سے محروم رہے انہیں ہر طرف ضلالت وگمراہی اور شر ہی نظر آیا۔ جس کا اظہار ہر علاقہ میں مسلمانوں نے کیا۔ مختلف عرب علماء نے بھی اس طرح کی بے چینی کا اظہار کیا گیا۔ حتی کہ اخبار ''الفتح'' نے اپنے شمارہ نمبر 263 میں لکھا:

''جس مشکل دور سے امت اسلامیہ آج گزر رہی ہے وہ اسلام کی تاریخ میں ابتداء سے لے کر آج تک بدترین دور ہے۔''

ایسے پر آشوب دور میں مجدد کی ضرورت وتلاش کے موضوع پر اس وقت کے مشہور عالم الشیخ مصطفیٰ الرفاعی اللِبان صاحب نے ایک مضمون لکھا جسے قاہرہ سے نشر ہونے والے ایک مجلّہ ''الاسلام'' نے شائع کیا جس کے بعض اہم حصوں کا ترجمہ تاریخی ریکارڈ اور قارئین کرام کی دلچسپی کیلئے پیش ہے تا کہ وہ جان سکیں کہ عرب علاقے میں بھی کسی مصلح اور مجدد کی ضرورت کو کس شدت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا تھا۔ الشیخ اللِبان صاحب کہتے ہیں:

''ہمیں آناً فاناً ایسی پرشور اور غضبناک آوازیں سنائی دیتی ہیں جیسے تلواروں کے آپس میں ٹکرانے کی یا گھوڑوں کی اپنی لگامیں چبانے کی یا جنوں کے شور مچانے کی آوازیں ہوں یا جیسے جہازوں کی گھن گرج کی آواز ہوتی ہے۔ ان آوازوں نے ''التجدید''، ''التجدید'' کی رٹ لگائی ہوئی ہے اور یہ کہ ہمیں قدیم اور پرانے کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ وہ اس زمانہ کے قابل نہیں رہا۔ لیکن اگر ہم ان آوازوں سے پوچھیں کہ اس مزعومہ ''تجدید'' سے آپ کی کیا مراد ہے تو بلا تردد کہتی ہیں کہ اس کا مطلب یورپ کی اندھی تقلید اور اس کے طور طریقوں کو اپنانا ہے۔

اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہ آوازیں ایسی قوم کے مونہوں سے نکل رہی ہیں جو دین اسلام کو ماننے والی ہے جو کہ دینِ تجدید ہے، جس پر عمل کر کے دنیا ترقی کر سکتی ہے اور بلند ترین انسانی اقدار حاصل کر سکتی ہے...... اہل کتاب نے جب دعوت اسلام سے یہ کہتے ہوئے اعراض کیا کہ ان کے پاس تورات اور انجیل موجود ہے جو ان کی غلطی پر انہیں تنبیہ کرنے کے

لئے کافی ہے، تو کیا اسلام نے اس بات پر ان کی توبیخ نہیں کی؟ کیونکہ دین میں تجدید انبیاء اور مرسلین کی بعثت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ پس ہر رسول اپنے سے پہلے رسولوں کا مجدد ہوتا ہے جو ایسی شریعت لے کے آتا ہے جو اس زمان ومکان کے ساتھ مکمل ہم آہنگی رکھتی ہے جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہوتا ہے۔ اسلام چونکہ دنیا کی ترقی اور دین کے اعلیٰ ترین مبادی لے کر آیا اور انسانیت کو اس کی مطلوبہ خوشی اور خوش بختی اور عُلو اور کمال عطا کیا اس لئے اسلام میں اس طرح کی دینی تجدید تو ختم ہوگئی۔ تاہم ایسی تجدید اسلام میں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی رہی ہے جو کہ درحقیقت قرآن کریم کی تعلیمات اور سنت نبوی کی طرف رجوع کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اسی تجدید کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے: ''إن اللّٰه يبعث علىٰ رأس كل مائة سنة من يجدد لهذه الأمة أمر دينها۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر کسی کو کھڑا کر دے گا جو اس امت کے دینی امور کی تجدید کا کام کرے گا۔...... چنانچہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے موافق ہر صدی کے سر پر مجدد ظاہر ہوتے آئے ہیں جن میں حضرت عمر بن عبد العزیز اور امام نوَوِی رحمہما اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

آج کے زمانے میں جبکہ صحیح اسلام کی زندگی پر جمود طاری ہے اور مادیت اور معصیت کے پیچھے دوڑ لگی ہوئی ہے ان حالات میں ہمیں خالص اسلامی تجدید کی ضرورت ہے نہ کہ اس جھوٹی تجدید کی جس کی طرف بعض ایسے مسلمان بلا رہے ہیں جن کی آنکھیں یورپی تہذیب اور اس کی جھوٹی چمک دمک سے چندھیا گئی ہیں اور جس سے ہمیں ایسے خطرناک نقصان کا اندیشہ ہے جس کے برے اثرات سے ہم ابھی سے نبرد آزما ہیں......۔

ہمیں تو ایک گروہ مجددین کی ضرورت ہے جو ہمارے دلوں اور عقلوں اور ہمارے نفوس میں اسلام کی مفید اور حقیقی روح پھونک دیں۔ کیونکہ اسلام ہی ہماری بیماریوں کا علاج اور ہمارے درد کی مداوا ہے۔

ہمیں ایسے گروہ مجددین کی ضرورت ہے جو ہمارے اخلاق کی تجدید کریں جو کہ اتنے بگڑ گئے ہیں کہ جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں رہا۔

ایسے گروہ مجددین کی ضرورت ہے جو ہماری ہمت اور شجاعت کی تجدید کریں......۔

ایسے گروہ مجددین جو ہماری پُرفخر وپُرعظمت اعمال سے معمور تاریخ کی تجدید کریں جس

کی ایک مکّار قوم کے ہاتھوں تحریف ہو چکی ہے۔

جو ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی تجدید کریں جس کو ہم چھوڑ بیٹھے ہیں اور اس کی جگہ ایسی روایات کو اپنا لیا ہے جن کا نتیجہ صرف اور صرف رنج والم ہے۔

جو ہمارے لئے جہاد فی سبیل اللہ کی تجدید کریں جسے ہم نے بھلا دیا ہے اور قوت وحزم واِقدام جیسے خلق کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

جو ہمارے لئے نیکی اور تقویٰ میں تعاون کے اصول کی تجدید کریں کیونکہ ہمارے آپس میں گناہ اور زیادتی کے معاملہ میں تعاون کی وجہ سے دشمن نے ہمیں گزند پہنچانے کے معاملہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرلیا ہے جس کے سبب سے ہم مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔

وہ ہمارے لئے اس خیر کی تجدید کریں جسے ہم نے اپنے دین کی تعالیم کو خیر باد کہنے کے نتیجہ میں کھو دیا ہے۔

جو ہمارے لئے آزادی، عزت، وقار، استغنا، اور امن وآشتی کے مفاہیم کی تجدید کریں۔

جو سلف صالحین کی عظمت رفتہ اور ہمارے آباؤاجداد کے غلبہ کی تجدید کا کام کریں۔

یہ ہے وہ تجدید جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اگر اس جیسی تجدید کوئی لے کر آئے تو ہم اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اسے کہیں گے کہ تم نے اعلیٰ درجہ کی نیکی اور عظیم کام کیا ہے......اے اللہ! اے حلیم وکریم خدا تو اپنے فضل سے ہمیں صحیح اسلامی تجدید سے متمتع فرما۔

(مجلّہ الإسلام شمارہ نمبر 42 بحوالہ البشریٰ جنوری 1935ء صفحہ 29 تا 33)

مضمون نگار کے بار بار ''گروہ مجددین'' کے الفاظ سے ایک منصف مسلمان کا ذہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف مبذول ہو جاتا ہے جس میں آپ نے فرمایا: لو كان الإيمان عند الثريا لناله رجال من هؤلاء۔ یعنی اگر ایمان ثریا ستارہ پر بھی پہنچ چکا ہوگا تو اہل فارس میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اسے وہاں سے اس زمین میں دوبارہ لے آئیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب الاستفتاء میں کیا خوب فرمایا تھا کہ:

”وإنه جاء في وقت الضرورة، وعند مصيبة صُبّت على الإسلام من أيدي الكفرة......واقتضى الزمان أن يجئ، ويبكّت الكفارَ

ویھدم ما عمروہ، فھو یدعو الزمان والزمان یدعوہ۔“

یعنی یہ مسیح موعود عین ضرورت کے وقت ظاہر ہوا ہے اور عین اس مصیبت کے وقت آیا ہے جو کافروں کے ہاتھوں اسلام پر توڑی گئی ہے...... چنانچہ زمانے نے تقاضا کیا کہ وہ مبعوث ظاہر ہو اور کافروں کا منہ بند کرے اور جو کچھ انہوں نے بنایا اور تعمیر کیا ہے اسے منہدم کر کے رکھ دے۔ پس وہ زمانے کو بلا رہا ہے اور زمانہ اس کو ندائیں دے رہا ہے۔

نیز اپنے اُردو کلام میں فرمایا کہ:

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

مولانا محمد سلیم صاحب کی حیفا آمد

مولانا ابو العطاء صاحب کی واپسی کے بعد الحاج مولانا محمد سلیم صاحب فلسطین میں بطور مبلغ تشریف لائے۔ آپ جنوری 1936ء سے مارچ 1938ء تک یہاں رہے۔

آپ کے چارج لینے کے چند ہفتے بعد فلسطین بھر میں عربوں اور یہودیوں کی باہمی کشمکش کی وجہ سے عام ہڑتال شروع ہوگئی جو چھ ماہ تک جاری رہی جس نے جلدی شورش کی شکل اختیار کر لی۔ تاہم آپ نے دار التبلیغ کے مرکز کبابیر میں درس و تدریس کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھا۔ اس دوران آپ تبلیغ کی غرض سے مصر بھی تشریف لے گئے اور مصر، فلسطین، شرق اردن میں مسلمان علماء اور عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے جن میں سچائی کو فتح نصیب ہوئی۔ 'البشریٰ' میں نشر ہونے والی بعض رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں آپ کی مساعی سے متعدد افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ نے مجلّہ البشریٰ کی ادارت، اس میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خطبات کے تراجم نشر کرنے کا بھی گرانقدر کام کیا۔ آپ نے اپنے زمانہ قیام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور کتاب 'الاستفتاء' شائع کی نیز رسالہ أسئلة وأجوبة (پہلا حصہ) بھی لکھا۔

نمائندہ سلطانِ مسقط قادیان میں

شاید تاریخی اہمیت کے اعتبار سے یہ ذکر کرنا ضروری ہو کہ بعض عرب حکومتوں کے نمائندے اور سفراء وغیرہ بھی اس زمانہ میں جماعت کے بارہ میں اپنی معلومات میں اضافہ کرنے اور جماعت کے دینی ماحول کا جائزہ لینے کے لئے قادیان آیا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مسٹر عبد المنعم نمائندہ سلطانِ مسقط 5/جنوری 1937ء کو قادیان تشریف لائے۔

(تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 437)

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا سفرِ مصر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 29/جون 1938ء کو اپنے لختِ جگر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو عربی اور زرعی تعلیم میں ترقی کے لئے مصر روانہ فرمایا۔اس سفر کی غرض وغایت کے بارہ میں حضورؓ فرماتے ہیں:

’’عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چونکہ انگریزی تعلیم میں لگ گئے اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ اب پھر عربی کا میلان تازہ ہو جائے۔میاں ناصر بھی جو اپنی عربی کی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے تھے واپس آ رہے ہیں اور وہ بھی عربی کے ساتھ دوبارہ مَس پیدا کرنے کے لئے مصر میں ٹھہریں گے اور میاں مبارک احمد صاحب بھی وہاں جا رہے ہیں۔دونوں بھائی وہاں آپس میں بھی عربی میں بات چیت کریں گے، وہاں کے علمی مذاق کے لوگوں سے بھی ملیں گے، لائبریریوں کو دیکھنے کا موقعہ بھی ان کو ملے گا۔اور اس طرح زبانِ عربی کے ساتھ مَس اور ذوق پھر تازہ ہو جائے گا۔اس کے علاوہ مصر میں کاٹن انڈسٹری کے ماہرین موجود ہیں اور وہاں کپاس خاص طور پر کاشت کی جاتی ہے۔مَیں چاہتا ہوں کہ یہ اس کا بھی مطالعہ کریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زرّیں نصائح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے صاحبزادہ صاحب کو اپنے قلم مبارک سے جو قیمتی نصائح لکھ کر دیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ یہ نصائح زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے والوں ،مبلغین کرام ،اور وقف نو کے بچوں کی تربیت کرنے والوں کے لئے نہایت مفید ہیں اور ایسے تربیتی ،تعلیمی ،اور تاریخی امور پر مشتمل ہیں کہ جن کو پڑھنے کے بعد ہی ان کی اہمیت

اور بیش قیمت ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لہذا عمومی فائدہ کے لئے یہ تمام نصائح یہاں پر درج کی جاتی ہیں۔ حضورؓ نے تحریر فرمایا:

''عزیزم مبارک احمد سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ خیریت سے لے جائے اور خیریت سے لائے اور اپنی رضامندی کی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ تمہارا سفر تو عربی اور زراعت کی تعلیم اور ترقی کے لئے ہے۔ لیکن چھوٹے سفر میں اس بڑے سفر کو نہیں بھولنا چاہئے جو ہر انسان کو درپیش ہے۔ جرنیل جرنیلوں کے، مدبّر مدبّروں کے، بادشاہ بادشاہوں کے حالات پڑھتے رہتے ہیں تا کہ اپنے پیشروؤں کے حالات سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر تم لوگ اہل بیت نبویؐ کے حالات کا مطالعہ رکھو تو بہت سی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاؤ۔ انسان کا بدلہ اس کی قربانیوں کے مطابق ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یہ نہ ہوگا کہ لوگ تو قیامت کے دن اپنے عمل لے کر آئیں اور تم وہ غنیمت کا مال جو تم نے دنیا کا حاصل کیا ہے۔ اے میرے صحابہ تم کو بھی اپنے اعمال ہی لا کر خدا کے سامنے پیش کرنے ہوں گے۔ اہل بیت نبوی کو جو عزت آج حاصل ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری کو سمجھ کر جو قربانیاں کی ہیں ان کی وجہ سے ہے۔

1۔ تم اب بالغ جوان مرد ہو۔ میرا یہ کہنا کہ نماز میں باقاعدگی چاہئے ایک فضول سی بات ہوگی۔ جو خدا تعالیٰ کی نہیں مانتا وہ بندہ کی کب سنتا ہے۔ پس اگر تم میں پہلے سے باقاعدگی ہے تو میری نصیحت صرف ایک زائد ثواب کا رنگ رکھے گی اور اگر نہیں تو وہ ایک صدا بصحرا ہے۔ مگر پھر بھی میں کہنے سے رک نہیں سکتا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ جو ایک وقت بھی نماز کو قضا کرتا ہے وہ دین کو کھو دیتا ہے۔ اور نماز پڑھنے کے یہ معنے ہیں کہ باجماعت ادا کی جائے۔ اچھی طرح وضو کر کے ادا کی جائے۔ ٹھہر کر، سوچ کر اور معنوں پر غور کرتے ہوئے ادا کی جائے۔ اور اس طرح ادا کی جائے کہ توجہ کلّی طور پر نماز میں ہو اور یوں معلوم ہو کہ بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

جہاں دو مسلمان بھی ہوں ان کا فرض ہے کہ باجماعت نماز ادا کریں بلکہ جمعہ بھی ادا کریں۔ اور نماز سے قبل اور بعد ذکر کرنا نماز کا حصہ ہے جو اس کا تارک ہو وہ نماز کو اچھی طرح پکڑ نہیں سکتا اور اس کا دل نماز میں نہیں لگ سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نمازوں کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سبحان اللہ اور الحمدللہ پڑھا جائے اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر۔ یہ سو دفعہ ہوا۔ اگر تم کو بعض دفعہ اپنے بڑے نماز کے بعد اٹھ کر جاتے نظر آئیں تو اس کے یہ معنی نہیں بلکہ وہ ضرورتاً اٹھتے ہیں اور ذکر دل میں کرتے جاتے ہیں اِلاّ ماشاء اللہ۔

تہجد غیر ضروری نماز نہیں۔ نہایت ضروری نماز ہے۔ جب میری صحت اچھی تھی اور جس عمر کے تم اب ہو اس سے کئی سال پہلے خدا تعالیٰ کے فضل سے گھنٹوں تہجد ادا کرتا تھا۔ تین تین چار چار گھنٹہ تک۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنّت کو اکثر مدنظر رکھتا تھا کہ آپؐ کے پاؤں کھڑے کھڑے سوج جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسجد میں انتظار کرتا رہا اور ذکر الٰہی میں وقت گزارتا ہے وہ ایسا ہے جیسے جہاد کی تیاری کرنے والا۔

2۔ اللہ تعالیٰ کسی کا رشتہ دار نہیں۔ وہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ اس کا تعلق ہر ایک سے اس احساس کے مطابق ہوتا ہے۔ جو اس کے بندے کو اس کے متعلق ہو۔ جو اس سے سچی محبت رکھتا ہے وہ اس کے لئے اپنے نشانات دکھاتا ہے اور اپنی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی قلعہ، کوئی فوج انسان کو ایسا محفوظ نہیں کر سکتا جس قدر کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی امداد۔ کوئی سامان ہر وقت میسر نہیں آ سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہر وقت میسر آتی ہے۔ پس اس کی جستجو انسان کو ہونی چاہئے۔ جسے وہ مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔ جسے وہ نہ ملی اسے کچھ بھی نہ ملا۔

3۔ زیادہ گفتگو دل پر زنگ لگا دیتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس میں بیٹھتے ستّر دفعہ استغفار پڑھتے۔ اسی وجہ سے کہ مجلس میں لغو باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ اور یہ آپ کا فعل امت کی ہدایت کے لئے تھا نہ کہ اپنی ضرورت کے لئے۔ جب آپ اس قدر احتیاط اس مجلس کے متعلق کرتے تھے جو اکثر ذکر الٰہی پر مشتمل ہوتی تھی تو اس مجلس کا کیا حال ہوگا جس میں اکثر فضول باتیں ہوتی ہوں۔ یہ امور عادت سے تعلق رکھتے ہیں۔

مَیں دیکھتا ہوں ہمارے بچے جب بیٹھتے ہیں لغو اور فضول باتیں کرتے ہیں۔ ہم لوگ اکثر سلسلہ کے مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے اس وجہ سے بغیر پڑھے ہمیں سب کچھ آتا تھا۔ انسان کی مجلس ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں شامل ہونے والا جب وہاں سے اٹھے تو اس کا علم پہلے سے زیادہ ہو، نہ یہ کہ جو علم وہ لے کر آیا ہوا سے بھی کھو کر چلا جائے۔

4۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ یا اسلام کی تبلیغ کرنا دوسروں کا ہی کام نہیں ہمارا بھی کام ہے اور دوسروں سے بڑھ کر کام ہے۔ پس سفر میں، حضر میں تبلیغ سے غافل نہ ہوں۔

رسول کریمؐ فداہ جسمی وروحی فرماتے ہیں: تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کو ہدایت کا ملنا اس سے بڑھ کر ہے کہ ایک وادی کے برابر تجھ کو مال مل جائے۔

5۔ بنیادی نیکیوں میں سے سچائی ہے۔ جس کو سچ کو مل گیا اسے سب کچھ مل گیا۔ جسے سچ نہ ملا اس کے ہاتھوں سے سب نیکیاں کھوئی جاتی ہیں۔ انسان کی عزت اس کے واقفوں میں اس کے سچ کی عادت کے برابر ہوتی ہے۔ ورنہ جو لوگ سامنے تعریف کرتے ہیں پسِ بشت گالیاں دیتے ہیں اور جس وقت وہ بات کر رہا ہوتا ہے لوگوں کے منہ اس کی تصدیق کر تے ہیں لیکن دل تکذیب کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ برا حال کس کا ہوگا کہ اس کا دشمن تو اس کی بات کو ردّ کرتا ہی ہے مگر اس کا دوست بھی اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس سے زیادہ قابلِ رحم حالت کس کی ہوگی۔ اس کے برخلاف سچے آدمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے دوست اس کی بات مانتے ہیں اور اس کے دشمن خواہ منہ سے تکذیب کریں لیکن ان کے دل تصدیق کر رہے ہوتے ہیں۔

6۔ انسانی شرافت کا معیار اس کے استغناء کا معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر:89) کبھی دوسرے کی دولت پر نگہ نہ رکھے اور کبھی کسی کا حسد نہ کرے۔ جو ایک دفعہ اپنے درجہ سے اوپر نگہ اٹھاتا ہے اس کا قدم کہیں نہیں ٹکتا۔ اگلے جہان میں تو اسے جہنم ملے گی ہی وہ اس جہان میں بھی جہنم میں رہتا ہے۔ یعنی حسد کی آگ میں جلتا ہے یا سوال کی غلاظت میں لوٹتا ہے۔ کیسا ذلیل وجود ہے کہ وہ اکیلا ہوتا ہے تو حسد اس کے دل کو جلاتا ہے اور لوگوں میں جاتا ہے تو سوال اس کا منہ کالا کرتا ہے۔ انسان اپنے نچلوں کو دیکھے کہ وہ کس طرح اس سے تھوڑا رکھ کر قناعت سے گزارہ کر رہے ہیں اور اس پر شکر کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے اور اس کی خواہش نہ کرے جو اسے نہیں ملا۔ اسکے شکر کرنے سے اس کا مال ضائع تو نہیں ہوتا۔ ہاں اسے دل کا سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور طمع کرنے سے دوسرے کا مال اسے نہیں مل جاتا صرف اس کا دل جلتا اور عذاب پاتا ہے۔ جس طرح بچہ بڑوں کی طرح چلے تو گرتا اور زخمی ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے سے زیادہ سامان رکھنے والوں کی نقل کرتا ہے وہ گرتا اور زخمی ہوتا ہے۔ اور چند دن کے جھوٹے دوستوں کی واہ واہ کے بعد ساری عمر کی ملامت اس کے حصہ میں آتی ہے۔ اور انسان کو ہمیشہ اپنے ذرائع سے کم خرچ کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے کیونکہ اس کے ذمہ دوسرے بنی

نوع انسان کی ہمدردی اور امداد بھی ہے۔ان کا حصہ خرچ کرنے کا اسے کوئی اختیار نہیں اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ کل کو اس کا حال کیا ہوگا؟

7۔ جفاکشی اور محنت ایسے جوہر ہیں کہ ان کے بغیر انسان کی اندرونی خوبیاں ظاہر نہیں ہوتیں۔اور جو شخص اس دنیا میں آئے اور اپنا خزانہ مدفون کا مدفون چھوڑ کر چلا جائے اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوگا؟

8۔ ہر شخص جو باہر جاتا ہے اس کے ملک اور اس کے مذہب کی عزت اس کے پاس امانت ہوتی ہے۔اگر وہ اچھی طرح معاملہ نہ کرے تو اس کی عزت نہیں بلکہ اس کے ملک اور مذہب کی عزت برباد ہوتی ہے۔لوگ اسے بھول جاتے ہیں لیکن عرصہ دراز تک وہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ ہم نے ہندوستانی دیکھے ہوئے ہیں وہ ایسے خراب ہوتے ہیں۔ہم نے احمدی دیکھے ہوئے ہیں۔وہ ایسے خراب ہوتے ہیں۔

9۔مسافر کو جھگڑے سے بہت بچنا چاہئے۔اس سے زیادہ حماقت کیا ہوگی کہ دوسرا شخص تو جھگڑا کر کے اپنے گھر چلا جاتا ہے اور یہ ہوٹلوں میں جھگڑے کے تصفیہ کا انتظار کرتا ہے۔مسافر تو اگر جیتا تب بھی ہارا اور اگر ہارا تب بھی ہارا۔

10۔غیر ملکوں کے احمدی ہزاروں بار دل میں خواہش کرتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی قادیان جانے کی توفیق ملے کہ وہاں کے بزرگوں کے تقویٰ اور اچھے نمونہ سے فائدہ اٹھائیں۔اور خصوصا اہل بیت کے ساتھ ان کی بہت سی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔وہ اپنے گھروں کو ایمان کے حصول کے لئے چھوڑنا چاہتے ہیں۔اور ہمارے پاس آنا چاہتے ہیں۔ سخت ظلم ہوگا اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کے ایمانوں کو ضائع کریں اور ان کی امیدوں کو سراب ثابت کریں۔ہمارا عمل ایسا ہونا چاہئے کہ وہ سمجھیں کہ ہماری امید سے بڑھ کے ہمیں ملا، نہ یہ کہ ہماری امید ضائع ہوگئی۔

11۔ ہر جماعت میں کچھ کمزور لوگ ہوتے ہیں۔وہ ایک دوسرے کی چغلیاں کرتے ہیں۔مومن کو چغلی سننے سے پرہیز چاہئے اور سن کر یقین کرنے سے تو کلّی اجتناب واجب ہے۔ جو دوسرے کی نسبت عیب بغیر ثبوت کے تسلیم کر لیتا ہے خدا تعالیٰ اس پر ایسے لوگ مسلط کرتا ہے جو اس کی خوبیوں کو بھی عیب بتاتے ہیں۔مگر چاہئے کہ چغلی کرنے والے کو بھی ڈانٹے نہیں بلکہ محبت سے نصیحت کرے کہ اگر آپ کا خیال غلط ہے تو بدظنی کے گناہ سے آپ کو بچنا

چاہئے۔اور اگر درست ہے تو اپنے دوست کے لئے دعا کریں تا اسے بھی فائدہ ہو اور آپ کو بھی اور عفو سے کام لو کہ خدا تمہارے گناہ بھی معاف کرے۔

12۔تم کو مصر، فلسطین اور شام کے احمدیوں سے ملنا ہوگا۔ان علاقوں میں احمدیت ابھی کمزور ہے۔کوشش کرو کہ جب تم ان ممالک کو چھوڑو تو احمدی بلحاظ تعداد کے زیادہ اور بلحاظ نظام کے پہلے سے بہتر ہوں۔اور تم لوگوں کا نام ہمیشہ دعا کے ساتھ لیں۔اور کہیں کہ ہم کمزور تھے اور کم تھے فلاں لوگ آئے اور ہم طاقتور بھی ہو گئے اور زیادہ بھی ہو گئے۔اور (اللہ) ان پر رحم کرے اور انہیں جزائے خیر دے۔مؤمن کی مخلصانہ دعا ہزاروں خزانوں سے قیمتی ہوتی ہے۔

13۔ جمعہ کی پابندی جماعت کے ساتھ خواہ کس قدر ہی تکلیف کیوں نہ ہو ادا کرنے کی اور دن میں کم سے کم ایک نماز اجتماعی جگہ پر پڑھنے کی ،اگر وہ دور ہو، ورنہ جس قدر توفیق مل سکے کوشش کرنی چاہئے اور جماعتوں میں جمعہ کی اور ہفتہ واری اجلاسوں اور نماز باجماعت کی خاص تلقین کرنی چاہئے۔

14۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اجتماع کے موقع پر دعا فرماتے تھے:

''اللهم رب السماوات السبع وما أظللن، ورب الأرضين السبع وما أقللن، ورب الشياطين وما أضللن، ورب الرياح وما ذرين، فإنا نسألك خير هذه القرية وخيرأهلها وخير ما فيها، ونعوذ بك من شر هذه القرية وشرأهلها وشر ما فيها۔ اللهم بارك لنا فيها وارزقنا جناها، وحبِّبنا إلىٰ أهلها وحبِّب صالحى أهلها إلينا۔''

یعنی اے ساتوں آسمانوں کے رب اور جن چیزوں پر آسمانوں نے سایہ کیا ہوا ہے،اور اسے ساتوں زمینوں کے ربّ اور جن کو انہوں نے اٹھایا ہوا ہے،اور اے شیطانوں کے ربّ اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں،اور ہواؤں کے ربّ اور جن چیزوں کو وہ کہیں سے کہیں اڑا کر لے جاتی ہیں،ہم تجھ سے اس بستی کی اچھی چیزوں اور اس کے بسنے والوں کے حسن سلوک اور جو چیز بھی اس میں ہے اس کے فوائد طلب کرتے ہیں۔اور اس بستی کی بدیوں اور اس کے رہنے والوں کی بدسلوکیوں اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کے نقصانات سے پناہ طلب کرتے ہیں۔اے اللہ ہمارے لئے اس بستی کی رہائش کو بابرکت کر دے اور اس کی خوشحالی سے ہمیں

حصہ دے اور اس کے باشندوں کے دل میں ہماری محبت پیدا کر اور ہمارے دل میں اس کے نیک بندوں کی محبت پیدا کر۔ آمین۔

یہ دعا نہایت جامع اور ضروری ہے۔ ریل میں داخل ہوتے وقت، کسی شہر میں داخل ہوتے وقت، جہاز میں بیٹھتے اور اس سے اترتے وقت خلوص دل سے یہ دعا کر لینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شرارت سے حفاظت کا موجب ہوتی ہے۔

15۔ مصر میں انگریزی اور فرانسیسی کا عام رواج ہے۔ مگر تم عربی سیکھنے جا رہے ہو۔ پورا عہد کرو کہ عرب سے سوائے عربی کے اور کچھ نہیں بولنا خواہ کچھ ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ ورنہ سفر بیکار جائیگا۔ ہاں وہاں کی خراب عربی سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر غیر تعلیمافتہ طبقہ سے زراعت کی اغراض یا اور کسی غرض سے گفتگو کی ضرورت ہو تو خود بولنے کی ضرورت نہیں، ساتھ ترجمان رکھ لیا۔ عربی پڑھ تو چکے ہی ہو۔ تھوڑی سی محنت سے زبان تازہ ہو جائے گی۔

16۔ اپنے ساتھ قرآن کریم، اس کے نوٹ، جو درس تم نے لکھے ہیں اور میری شائع شدہ تفسیر رکھ لو کام آئے گی۔ یہ علوم دنیا میں اور کہیں نہیں ملتے۔ بڑے سے بڑا عالم ان کی برتری کو تسلیم کرے گا اور انشاء اللہ احمدیت کے علوم کا مصدق ہوگا۔

17۔ ایک منجد، کتاب الصرف، اور کتاب النحو ساتھ رکھو اور جہاز میں مطالعہ کرتے جاؤ کیونکہ لمبے عرصہ تک مطالعہ نہ رکھنے کی وجہ سے زبان میں بہت نقص آ جاتا ہے۔

18۔ شریعت کا حکم ہے جہاں بھی ایک سے زیادہ آدمی رہیں اپنے میں سے ایک کو امیر مقرر کریں تا فتنہ کا سدّ باب ہو۔ أستودعُك اللّٰهَ و كان اللّٰهُ معك أينما كنتَ۔

والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد"۔

(از تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 484 تا 490)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی مصر میں آمد

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ان دنوں لندن سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آنے والے تھے۔حضرت خلیفہ ثانیؓ نے آپ کے بارہ میں بھی ارشاد فرمایا کہ میاں ناصر بھی جو اپنی عربی کی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے تھے واپس آرہے ہیں اور وہ بھی عربی کے ساتھ دوبارہ مَس پیدا کرنے کے لئے مصر میں ٹھہریں گے۔ چنانچہ آپ لندن سے 28 جولائی 1938ء کو قاہرہ تشریف لائے۔ جماعت احمدیہ مصر کی طرف سے آپ کا اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا قاہرہ اسٹیشن پر شاندار استقبال کیا گیا۔ بلکہ السید احمد علی اور السید محی الدین الحصنی اور بعض دوسرے مخلصین تو پورٹ سعید میں جہاز پر بھی تشریف لے گئے۔

ہندوستانی لیڈرز

معزز صاحبزادگان کرام نے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ مختلف درسگاہوں اور انسٹیٹیوٹس کے دورہ جات بھی کرنے شروع کئے۔اس سلسلہ میں قاہرہ مصر کے ایک اخبار ''الجہاد'' نے اپنے شمارہ 10/رجب 1357ھ بمطابق 5/ستمبر 1938ء کو ''ہندوستانی لیڈرز دینی انسٹیٹیوٹس کے صدر دفتر میں'' کے عنوان سے جو خبر شائع کی اس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ:

حضرت السید مرزا ناصر احمد اور السید مرزا مبارک احمد صاحب، جو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈروں میں سے ہیں، نے کل دینی انسٹیٹیوٹس کے صدر دفتر کا

دورہ کیا۔اس دورہ کے دوران انکے ساتھ مکرم منیر الحصنی صاحب بھی تھے، وہاں جامعہ ازہر کے علوم ریاضیات کے انچارج الاستاذ خالد بک حسنین نے ان سے ملاقات کی اور جامعہ الأزہر کی عالم اسلامی میں اہمیت پر روشنی ڈالی۔ بعد میں انہوں نے جامعہ الأزہر میں رائج تعلیمی نظام اوراسکے خدوخال کے بارہ میں بھی بتایا۔

(بحوالہ البشریٰ اگست ستمبر 1938ء صفحہ 60)

شیخ الازہر پر اتمام حجت

صاحبزادگان نے اقامت مصر کے دوران جماعت احمدیہ کی تربیت اور زیرتبلیغ دوستوں تک پیغام حق پہنچانے کے علاوہ بعض مشہور مصری علماء سے بھی ملاقاتیں کیں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے شیخ الازہر مصطفیٰ المراغی سے ملاقات کی اور ان کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت کا ذکر کر کے ایمان لانے کی ترغیب دی۔ اور حضورؑ کے صدق پر قرآن مجید سے واضح دلائل و براہین دیئے لیکن افسوس شیخ صاحب نے بجائے علمی رنگ میں جواب دینے کے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ آپ عجمی ہیں اور ہم صواحب لغۃ القرآن ہیں۔قرآن ہماری زبان میں اترا ہے اس لئے ہم اس کے معنے بہتر سمجھتے ہیں۔حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی ملاقات میں جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی مساعی اور ان کے شاندار نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:

’’آج اسلام اگر ترقی کرسکتا ہے تو اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے لانے کی کوشش کرے۔

اس کے بعد ان سے پوچھا کہ آپ نے غیر مسلموں میں تبلیغ کا کیا پروگرام بنایا ہے؟

وہ جواباً کہنے لگے کہ سید جمال الدین افغانی مرحوم سے کسی نے سوال کیا کہ تم چین وجاپان کے لوگوں کو جن کی تعداد دنیا کے اکثر حصوں سے زیادہ ہے، کیوں جا کر تبلیغ نہیں کرتے اور کیوں انہیں مسلمان نہیں بنا لیتے ؟ تو سید جمال الدین صاحب نے جواب دیا کہ مَیں ان میں جا کر انہیں کیا کہوں؟ کس چیز کی طمع دلاؤں جو ان کے پاس نہیں ہے؟اور اسلام قبول کرنے سے انہیں کیا مل جائے گا؟ اگر انہیں یہ کہوں کہ اسلام قبول کرو تم تعداد میں ترقی کرو گے یا سیاست میں ترقی کرو گے، یا تم ایک آزاد مستقل امت ہونے کا انعام پاؤ گے، یا تمہارا

علم زیادہ ہوگا اور عقل تیز ہوگی تو چونکہ یہ سب چیزیں ان کو اب بھی حاصل ہیں۔اس لئے وہ مجھے جواب دے سکتے ہیں کہ جن چیزوں کی خاطر تم ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہو وہ ہمارے پاس پہلے سے ہی موجود ہیں۔ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔لہذا اگر میں جاپان وچین میں جا کر تبلیغ کروں تو کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔بلکہ وہ بالعکس کہہ سکتے ہیں اگر اسلام امتوں کو آزاد کراتا ہے اور ترقی وعلم و برتری عطا کرتا ہے تو کیوں تم مسلمان اس طرح ذلیل حالت میں ہوتے۔

اس کے بعد کہنے لگے: یہی جواب ہمارا آج ہے۔اگر ہم یورپ میں جا کر تبلیغ کریں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ بحمد اللہ بغیر اسلام حاصل ہے ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے جواباً فرمایا: اسلام کا مقصد صرف یہ عارضی ترقی نہیں بلکہ اسلام تو ابدی زندگی پیش کرتا ہے جو دنیا میں بھی ابدی ہے اور عالم ثانی میں بھی ابدی۔جن ترقیات روحانی کو اسلام پیش کرتا ہے یہ دنیاوی معمولی ترقیات ان کے عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ پھر نہایت واضح صورت میں اسلامی انعامات بیان کرنے کے بعد فرمایا: اگر آپ کا یہ نظریہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسلامی تاریخ اس سے موافقت نہیں کرتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں بھی مثلاً روم اور عجم کی قومیں بہت ترقی یافتہ اور مستقل آزاد حکومتیں تھیں پھر ان کو کیوں صحابہ کرامؓ نے اسلام کا پیغام پہنچایا؟

اس ملاقات کا ذکر مصر کے تقریباً تمام بڑے بڑے روزناموں نے کیا۔

(الفضل 7/اکتوبر 1938ء ص5-6 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 493 تا495)

سچ کی جیت

حق بالآخر غالب آکر رہتا ہے اور باطل کے خواہ کتنے ہی کثیف بادل کیوں نہ ہوں سچائی کا سورج طلوع ہو کے ہی رہتا ہے۔یہی شیخ الازہر مصطفیٰ المراغی تھے جنہوں نے 1938ء میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو کہا تھا کہ:”آپ عجمی ہیں اور ہم صواحب لغۃ القرآن ہیں۔قرآن ہماری زبان میں اترا ہے اس لئے ہم اس کے معنے بہتر سمجھتے ہیں۔“

پھر یہی مصطفیٰ المراغی تھے، جو 1945ء تک شیخ الازہر رہے ،اور 1945ء میں ہی انہوں نے تیس جلدوں پر مشتمل ایک تفسیر ”تفسیر المراغی“ شائع کی۔جس میں انہیں وفات مسیح کا قائل ہونا پڑا اور لفظ توفّی کے وہ معنے کئے جو جماعت احمدیہ کرتی ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ اہل

زبان ہونے کے دعوے کے بعد انہوں نے اس بارہ میں کیا لکھا:
آیت کریمہ يٰعِيْسٰى اِنِّي مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران:56) کی تفسیر میں محض دوسطروں میں ان لوگوں کی رائے درج کی جو اس آیت میں تقدیم وتاخیر کے قائل ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا معنی اس کے الفاظ کی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ رفع پہلے ہے اور توفّی بعد میں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دوسری رائے یہ ہے:

”أن الآية علىٰ ظاهرها وأن التوفى هو الإماتة العادية، وأن الرفع بعده للروح، ولا غرابة فى خطاب الشخص وإرادة روحه، فالروح هى حقيقة الإنسان، والجسد كالثوب المستعار......۔والمعنىٰ إنى مميتك وجاعلك بعد الموت فى مكان رفيع عندى، كما قال فى إدريس عليه السلام ”ورفعناه مكانا عليا“۔

یعنی دوسری رائے یہ ہے کہ اس آیت کو اس کی موجودہ ظاہری ترتیب کے اعتبار سے ہی سمجھنا چاہئے لہذا اس میں وارد لفظ توفی کا مراد طبعی موت ہے اور طبعی موت کے بعد جو رفع ہوتا ہے وہ روح کا ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی اچنبھے والی بات نہیں ہے کہ کسی شخص کو مخاطب کر کے کچھ کہا جائے جبکہ مراد اس کی روح ہو، کیونکہ انسان کی اصل حقیقت تو اس کی روح ہی ہے جبکہ جسم کی حقیقت ایک مستعار لئے ہوئے کپڑے سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کا مطلب یوں ہوگا کہ: مَیں تجھے موت دوں گا اور موت کے بعد تجھے اپنے حضور ایک بلند مرتبت مقام پر فائز کروں گا۔ انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا: ”وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا“۔

”وحديث الرفع والنزول آخر الزمان حديث آحاد يتعلق بأمر اعتقادى ، والأمور الاعتقادية لا يؤخذ فيها إلا بالدليل القاطع من قرآن وحديث متواتر، ولا يوجد هنا واحد منهما۔ وأن المراد بنزوله وحكمه فى الأرض غلبة روحه وسرّ رسالته على الناس بالأخذ بمقاصد الشريعة دون الوقوف عند ظواهرها والتمسك بقشورها دون لبابها۔ ذاك أن المسيح عليه السلام

لم يأت لليهود بشريعة جديدة، ولكن جاء بما يزحزحهم عن الجمود علىٰ ظواهر ألفاظها۔ فكان لا بد لهم من إصلاح عيسوى يبين لهم أسرار الشريعة وروح الدين وكل ذلك فى القرآن الكريم الذى حجبوا عنه بالتقليد۔“

اور حدیث رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام درآخر زمان آحاد احادیث میں سے ہے لیکن اس کا تعلق ایک ایسے مسئلہ سے ہے جو اعتقادی مسئلہ ہے اور اعتقادی مسائل کی بناء صرف اور صرف قرآن کریم یا احادیث متواترہ کی قاطع دلیل پر ہوسکتی ہے جبکہ اس مسئلہ میں ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے۔ (یعنی عیسیٰ ؑ کے رفع یا نزول کے اعتقادی مسئلہ کی بناء نہ تو کسی قاطع قرآنی آیت پر ہے نہ ہی کسی متواتر حدیث پہ)۔اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور زمین میں حکومت کرنے سے مراد ان کا لوگوں پر روحانی غلبہ اور مقاصد شریعت کو اپنانا اور محض ظاہر اور چھلکے کو پکڑ کر بیٹھنے کی بجائے مغز کو سمجھنا ہے۔ کیونکہ مسیح علیہ السلام یہود کے پاس کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے بلکہ جو تعلیم لے کر آئے تھے وہ یہود کے ظاہری الفاظ پر تکیہ کرنے کے عقیدہ کو ہلا کر رکھ دینے والی تھی۔ چنانچہ ان کے لئے عیسوی اصلاح کا ماننا از بس ضروری ہوگیا تھا جو انہیں شریعت کے اسرار ودقائق پر اطلاع دینے والی اور دین کی روح کا فہم وادراک عطا کرنے والی تھی۔اور یہ سب کچھ قرآن کریم میں موجود ہے جس سے انہوں نے اپنے پرانے طریقہ کار پر چلتے ہوئے منہ موڑ رکھا ہے۔

”فزمان عيسىٰ هو الزمان الذى يأخذ الناس فيه بروح الدين والشريعة الإسلامية لإصلاح السرائر من غير تقيد بالرسوم والظواهر۔“

پس عیسیٰؑ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں لوگ رسوم اور ظاہر پر تکیہ کرنے کی بجائے اندرونی اصلاح کے لئے دین اور شریعت اسلامیہ کی روح کو سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

پھر دجال کے بارہ میں لکھتے ہیں:

”وأما الدجال فهو رمز الخرافات والدجل والقبائح التى تزول بتقرير الشريعة علىٰ وجهها والأخذ بأسرارها وحكمها۔ والقرآن أعظم هاد إلىٰ الحكم والأسرار وسنة الرسول ﷺ مبينة لذلك۔“

یعنی اور جہاں تک دجال کی حقیقت کا تعلق ہے تو وہ خرافات اور دجل اور قباحات کے مجموعہ کا

نام ہے جن کا تدارک درست صورت میں شریعت کو قائم کرنے اور اسکے اسرار واحکام پر عمل کرنے سے ممکن ہے۔ اور قرآن کریم ان حکمتوں اور اسرار کی طرف راہنمائی کرنے کیلئے سب سے عظیم راہنما ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ان امور کی وضاحت کرنے والی ہے۔

(تفسیر المراغی زیر سورۃ آل عمران آیت 55)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی آمد اور قاہرہ میں اقامت کے دوران مصری احمدیوں نے انتہائی اخلاص، محبت اور خوشی کا ایمان افروز مظاہرہ کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کے پوتوں کی بابرکت موجودگی سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔

صاحبزادگان قریباً تین ماہ تک مصر میں قیام فرما رہے اور جماعت قاہرہ کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی ذریت مقدسہ اور سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے جلیل القدر فرزندوں کو براہ راست قریب سے دیکھنے کی سعادت میسر آئی جس سے ان کے اندر نہایت اعلیٰ تبدیلی پیدا ہوئی اور سلسلہ سے اخلاص ومحبت میں اور بھی ترقی کر گئے۔

اگرچہ اہل فلسطین کی بھی دلی خواہش تھی کہ وہ ان بزرگ وجودوں کی زیارت کرسکیں مگر نامساعد حالات کے باعث وہ محروم رہے۔

(رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی 1938ء
لغایت 30؍اپریل 1939ء صفحہ 76 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 495)

ہندوستان واپسی

مصر میں تین ماہ تک مقیم رہنے اور بلاد اسلامیہ کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اور مرزا مبارک احمد صاحب 9؍نومبر 1938ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔

صاحبزادگانِ حضرت مصلح موعودؓ

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب اور حضرت مرزا مبارک احمد صاحب کے

1938 میں مصر میں قیام کے دوران لی گئی ایک تصویر

(از رسالہ البشریٰ جولائی اگست 1938)

مولانا ابوالعطاء صاجب
کے دائیں جانب
صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب
بائیں جانب مرزا سعید احمد
ابن مرزا عزیز احمد صاحب
انکے ساتھ
محیی الدین الحصنی صاحب
اور انکے ساتھ محیی الدین رضا
مدیر اخبار ''المقطم'' بیٹھے ہیں
جنہوں نے یہ تصویر
اپنے اخبار میں
22/ اکتوبر 1934
کو شائع کی۔

حضرت صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے 1934 میں اپنے سفرِ برطانیہ کے دوران مصر میں قیام فرمایا۔
اس موقعہ پر مکرم محیی الدین الحصنی صاحب کے گھر میں لی گی یہ یادگار تصویر

مولانا محمد شریف صاحب کی فلسطین میں آمد

مولانا محمد سلیم صاحب قریبا دوسال فلسطین میں رہے ان کے بعد مولانا محمد شریف صاحب حیفا تشریف لائے۔آپ 7رستمبر 1938ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور 24رستمبر 1938ء کو حیفا پہنچے۔آپ بلاد عربیہ میں قریباً 18 سال تک تبلیغ احمدیت میں مصروف رہنے کے بعد 15 ردسمبر 1955ء کو ربوہ میں واپس آ گئے۔

ہم ذیل میں آپ کے دور میں تبلیغ احمدیت کے تاریخی حالات اور ایمان افروز واقعات کے تذکرہ کریں گے۔مضمون کے تسلسل اور قارئین کرام کی دلچسپی کی خاطر اس عرصہ میں دیگر مقامات پر عربوں میں تبلیغ کے تاریخی حالات وواقعات کا بیان مولانا محمد شریف صاحب کے دور کے بعد کیا جائے گا۔

اس دور کے بیشتر تاریخی حالات و واقعات حضرت چوہدری محمد شریف صاحب کی سیرت وسوانح کے بارہ میں ایک غیر مطبوعہ تالیف سے ماخوذ ہیں جسے مکرم محمود منیر صاحب نے تیار کیا ہے۔

1938ـ39ء میں فلسطین کے حالات

جب چوہدری محمد شریف صاحب بلاد عربیہ اور فلسطین میں تبلیغِ اسلام کے لئے گئے۔تو وہاں پر جو تبلیغی اور دوسری مشکلات تھیں ان کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا۔

"فلسطین (جہاں ہمارے مشن کا مرکز ہے) کے حالات سے آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ آج کل یہ ملک کن کن مشکلات اور مصائب میں سے گزر رہا ہے۔ ہر روز بیسیوں آدمی قتل ہوتے ہیں اور سینکڑوں قید خانوں میں ٹھونسے جاتے ہیں۔اور روزانہ کم وبیش دوتین تختہ

دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ ہزاروں تک یتیموں کی تعداد پہنچ چکی ہے اور اقتصادی لحاظ سے نہ صرف اہل فلسطین ہی حیران ہیں بلکہ حکومت برطانیہ بھی تنگ آ چکی ہے۔ اس لئے آئے دن کوئی نہ کوئی کمیشن مقرر کرتی رہتی ہے تا کسی نہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کرے۔ چنانچہ گزشتہ ایام میں ایک خاص کانفرنس بھی لندن میں منعقد کر کے اس قضیہ کی اہمیت واضح کر چکی ہے اور جہاں اس نے اس قضیہ کو ختم کرنے کے لئے یہ کام کئے ہیں وہاں سارے فلسطین میں آمدورفت کا سلسلہ بھی بند کر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص قلیل وقت کے لئے بھی کسی گاؤں یا شہر میں جانا چاہے تو اب (کیونکہ اس سے قبل عربوں کی طرف سے ایسا کرنے کی اجازت نہ تھی اور اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا تھا تو عرب اسے گولی کا نشانہ بنا دیتے کہ یہ قوم کا دشمن ہے)۔ کمانڈر انچیف افواج برطانیہ متعینہ فلسطین سے سٹیفکیٹ حاصل کرنے پر جا سکتا ہے اور پھر اگر سٹیفکیٹ حاصل بھی کر لے تو ایک مسلم کے لئے سفر کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ عربوں کی کاریں اور بسیں بوجہ احکام امتناعی بند ہیں اور یہود کی لاریوں میں سفر کرنا اس کے لئے اتنا ہی ممنوع ہے جتنا کہ حکومت کے نزدیک عربوں کی لاریوں کا سفر۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں اس وقت تبلیغ کے راستے میں کس قدر مشکلات ہیں۔ (سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 39-1938ء)

صبر آزما حالات

آپ کا دور تبلیغ بڑے صبر آزما حالات میں گزرا۔ عربوں اور یہودیوں کی کشمکش پہلے سے زیادہ نازک حالت اختیار کر گئی۔ اسی دوران آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا جو ناکام ہو گیا۔ فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی خانہ جنگی جب انتہاء کو پہنچ گئی تو نومبر 1947 میں اقوام متحدہ کی طرف سے تقسیم فلسطین کے فیصلے کا اعلان ہوا اور پندرہ مئی 1948ء کو اسرائیل حکومت قائم ہو گئی اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ جہاں ہزاروں بے گناہ عرب مارے گئے اور لاکھوں بے خانماں ہوئے۔ حیفا اور کبابیر باقی ملک سے کٹ گیا اور متعدد احمدی جماعتیں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 405-404)

وسائل کی کمی

حالات کی خرابی کی وجہ سے تبلیغی سرگرمیاں مجلّہ البشریٰ اور دیگر لٹریچر کی اشاعت تک ہی

محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ احمدیہ مشن کے کاموں کو چلانے کے لئے آپ بڑی محنت شاقہ سے آپ کام کرتے رہے۔ وسائل کی کمی کے باعث بہت سے ایسے کام جن کے لئے علیحدہ ملازم رکھنے کی ضرورت تھی۔ چوہدری صاحب بذات خود انہیں انجام دیتے تھے۔ ایک طرف ماہوار رسالہ البشریٰ کی ادارت کا کام اور دوسری طرف دیگر کتب وٹریکٹس اور اشتہارات کی احمدیہ پریس کبابیر میں روز افزوں طباعت کا کام کرتے ہوئے بسا اوقات ایک بچی کو انہوں نے پہلو میں اٹھایا ہوتا اور ایک ہاتھ سے کاغذ وغیرہ پریس میں رکھتے۔ جبکہ ایک چمڑے کے پٹہ کے ذریعہ پریس کو چلانے میں اپنے پاؤں سے مدد لیتے اور بسا اوقات بعض بچوں کو بھی ساتھ پڑھا رہے ہوتے تھے اور پریس کے چلانے کے دوران تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر ان کو روزمرہ کا سبق بھی پڑھا رہے ہوتے تھے۔

قابل تحسین قربانی

پریس کا کام خاصا مشقت طلب تھا اور خاصا وقت اس پر ہی صرف ہوجاتا تھا اور آپ اسوقت بالکل اکیلے تھے۔آپ کے ساتھ کوئی مددگار نہیں تھا اور گذارہ الاؤنس جو آپ کو ملتا تھا وہ غالبا پانچ پاؤنڈ تھا۔

اس لئے آپ نے وہاں کے صدر جماعت جو بہت پرانے غالبًا پہلے احمدی تھے ان کا نام محمد صالح تھا۔ان کے بھائی احمد صالح کو اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے رکھ لیا اور اپنے گزارہ الاؤنس میں سے ڈیڑھ پاؤنڈ اسٹرلنگ ان کو ادا کیا کرتے تھے اور مرکز پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالا بلکہ اپنے الاؤنس سے ان کو بھی دیتے تھے اور خود بھی گذارہ کرتے تھے۔

احمدیہ پریس اور مجلۃ البشریٰ

اس وقت پہلا ہی پرانا اور مختصر سا پریس موجود تھا جو محترم حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری سابق مبلغ بلاد عربیہ نے کبابیر میں اپنے وقت میں (1932ء۔1936ء) میں قائم کیا تھا لیکن وہ بھی متروک الاستعمال اور مقفل ہو چکا تھا آپ نے نومبر 1938 ء میں درست کرا کے اسی سے مجلۃ البشریٰ شائع کرنا شروع کیا۔ جو آپ کے زمانہ قیام تک باقاعدگی سے آپ کی ادارت میں نکلتا رہا۔ (از تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 506)

آپ کے دور میں یہ رسالہ بلاد عربیہ فلسطین، شرق الاردن، سوریا، لبنان، عراق، حجاز، مصر، جزیرہ العرب خصوصاً اور دیگر ممالک مثلاً البانیہ، ارجنٹائن، شمالی امریکہ، اور مشرقی و مغربی افریقہ میں بھی جہاں جہاں عربی سمجھی جاتی تھی بھیجا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں کوشش کی گئی کہ کسی نہ کسی طرح ان ممالک کی مشہور لائبریریوں اور مشہور جرائد اور چیدہ چیدہ لوگوں تک بھی پہنچ جائے تاکہ کوئی سعید روح شاید اس طرح ہدایت پاجائے۔ (ماخوذ از سالانہ رپورٹ 1938-39ء)

چوہدری محمد شریف صاحب کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے رسالہ البشریٰ شائع کر کے تبلیغ احمدیت کو وسیع تر کر دیا خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کا نہایت اعلیٰ اثر قلوب پر پڑا۔ چنانچہ ہر ماہ ایسے خطوط کافی تعداد میں موصول ہوتے تھے جن میں اس نیک مساعی کا نہایت اعلیٰ الفاظ میں شکریہ ادا کیا جاتا تھا۔

ایک دوست کا عراق سے خط موصول ہوا جس میں انہوں نے رسالہ کی شاندار خدمت اسلام کو خراج تحسین پیش کیا اور ایک دینار محض اس کی امداد کے لئے ارسال کیا۔

(ماخوذ از سالانہ رپورٹ 1938-39ء صدر انجمن)

ایک معزز عرب السید عبدالرشید نے کویت سے مولانا چوہدری محمد شریف صاحب کے نام رسالہ البشریٰ پڑھنے کے بعد لکھا:۔

”......قرأناها بأجمعها وفهمنا ماحوته من حسن النظام ولذيذ الكلام والصّواب، فلقد فتحت بأنفسنا مجالا لتقويم الدين الاسلامى ولقد صدق ظنُّنا بكم وبحُسن أعمالكم وبمعجزاته (المسيح الموعود) عليه السلام ......انى سارسل الى خليفة الإسلام الثانى معاهدتى......، وأسأل الله التوفيق، فالحمد لله علىٰ ذلك۔“

(الفضل 17 رفروری 1944ء صفحہ 4)

ان کے خط کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالہ البشریٰ ہم نے سارے کا سارا پڑھ لیا ہے اور اس کے جملہ مواد یعنی عمدہ ترتیب اور دلچسپ مضامین اور حقیقت پر مبنی امور کو سمجھ لیا ہے۔ اس نے تو ہمارے لئے دین اسلام میں راہ پاجانے والی خرابیوں کو درست کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ آپ کے اور آپ کے نیک کاموں کے متعلق ہمارا حسن ظن درست ثابت ہوا ہے نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات پر بھی یقین قائم ہوگیا ہے۔ لہذا مَیں حضرت خلیفۃ

المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بیعت ارسال کر رہا ہوں۔

تعلیم و تربیت کی ایک جھلک

مولانا محمد شریف صاحب تعلیم و تربیت کے ذریعہ بھی کئی وجودوں کی اصلاح کا ذریعہ بنے۔ حیفا و کبابیر میں باقاعدہ ہفتہ واری اجلاس، کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تفسیر کبیر کے درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا خطبہ جو (The way to victory) کے نام سے موسوم ہوا۔ جس میں حضور نے اپنا رؤیا لیبیا اور مصر کے متعلق بیان فرمایا اور مقامات مقدسہ کے محفوظ و مامون رہنے کے متعلق دعائیں کرنے کا ارشاد فرمایا۔ وہ حیفا پہنچا تو انہی دنوں میں ترجمہ کر کے احباب کو سنایا گیا۔ ان دنوں محوری اسکندریہ کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ مگر حضور کی دعا کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ محوریوں کو پسپا ہو کر مصر سے نکلنا پڑا جس پر مخلصین سلسلہ کے ایمان میں بے انتہا ترقی اور اضافہ ہوا۔

(ماخوذ از الفضل 9/دسمبر 1942 صفحہ 6)

اشاعت لٹریچر

مولانا محمد شریف صاحب نے بہت سا لٹریچر اور کتابیں شائع کیں اور انہیں مختلف عرب ممالک میں ارسال کیا۔ اس کام سے احمدیت کی طرف بہت زیادہ رجوع پیدا ہوا۔ حضرت مولانا صاحب نے اپنے دور تبلیغ میں حضور علیہ السلام کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع کیں۔

عربی کتب مسیح موعود علیہ السلام میں سے ”تحفة بغداد، حمامة البشریٰ، نجم الهدیٰ، لجة النور، حقيقة المهدی، مكتوب أحمد الیٰ علماء الهند وغيرها من البلاد الإسلاميه (عربی حصہ انجام آتھم) الهدی و التبصرة لمن یریٰ“۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل کتب کے تراجم شائع کئے: تجلّیات الٰہیہ، لیکچر سیالکوٹ، الوصیت۔

علاوہ ازیں حضرت خلیفہ ثانیؓ کی مندرجہ ذیل کتب کے تراجم شائع کئے: تحفہ شہزادہ ویلز، نظام نو، اسلام اور دیگر مذاہب، (مؤخر الذکر دو کتابوں کے مترجم جماعت احمدیہ مصر کے پریذیڈنٹ الاستاذ محمد بسیونی ہیں)۔

مندرجہ ذیل تالیفات کر کے شائع کیں: 'التَّاوِیْلُ الصَحِیحُ لِنُزُوْلِ المَسِیحِ، أسُئِلَةٌ واَجُوبَةٌ، کَشفُ الغطاء عَنْ وَجْهِ شریعة البَهَاءِ، محمّدٌ رّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتمُ النّبیّین ومُفْتِی الدِّیار المصرِیَّة، نداءُ المُنَادِیْ (چار حصے) ان کے علاوہ بڑی تعداد میں عربی اور عبرانی تبلیغی ٹریکٹ شائع کئے۔ (الفضل 5راگست 1942ء، تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 506)

جماعت احمدیہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے

حیفا کی اسلامی لاء کورٹ نے احمدیوں کی نکاح خوانی سے انکار کر دیا تھا۔ انکا اصرار تھا کہ جماعت احمدیہ کوئی ایک مسلمان علماء اسلام سے خارج جماعت سمجھتے ہیں۔ مکرم چوہدری شریف صاحب نے یہ معاملہ بیت المقدس میں موجود مجلس الاسلامی الاعلیٰ تک پہنچایا۔ جس کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوا اور اس مجلس نے تمام عدالتوں کو ہدایت جاری کردی کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے۔ لہذا آئندہ سے اس فیصلہ کے مطابق عمل کیا جائے۔

(ملخص از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 531)

چوہدری محمد شریف صاحب اس واقعہ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہاں یہ قانون ہے کہ مسلمانوں کا نکاح عدالت شرعیہ کی اجازت کے بعد رجسٹرڈ نکاح خواں ہی پڑھ سکتا ہے۔ گذشتہ پندرہ سال سے احمدیوں کے نکاح بھی اسی طرح پڑھے جاتے تھے۔ اب کے دسمبر 1942ء میں دو احمدی افریقن کی طرف سے سرکاری شرعی فارم پُر کر کے عدالت شرعیہ حیفا میں اجازت عقد نکاح کے لئے پیش کیا گیا۔ مگر قاضی عدالت شرعیہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اور افریقن کو کہا کہ جب تک تم ''مسلمان'' نہ ہو تمہارا نکاح پڑھا نہیں جا سکتا اس پر خاکسار نے ڈسٹرک کمشنر حیفا سے ملاقات کی۔ مجلس الاسلامی الاعلیٰ سے بھی خط و کتابت کی۔ آخر آٹھ ماہ کی لمبی چوڑی خط و کتابت اور ڈسٹرکٹ کمشنر سے دو تین ملاقاتوں کے بعد اب مسلم سپریم کونسل نے قاضی شرعی حیفا کے حکم کو غلط قرار دے دیا گیا۔ اور یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ ہیں اس لئے حسبِ دستور سابق احمدیوں کے نکاح پڑھے جایا کریں۔ چنانچہ وہ نکاح جس کا انعقاد آٹھ ماہ سے رکا ہوا تھا۔ اب قاضی شرعی حیفا کے بھی حکم سے ہو چکا ہے اور یہ احمدیت کی دوسری فتح ہے''۔ والحمدللہ علی ذلک۔

(الفضل 26راکتوبر 1943ء صفحہ 4)

واقعی یہ چوہدری محمد شریف صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے جو آپ نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے ادا کیا اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر سے بہتر جزا دے۔ آمین۔ اور صرف یہی نہیں کہ مولانا صاحب نے ایک بہت بڑی مشکل کو حل کیا اور یہ اس عرصہ کے جملہ مبلغین کرام کی ایک بے مثال خوبی تھی کہ ان کے اعلیٰ سطح کے افسران اور ذمہ دار افراد کے ساتھ بہت اچھے تعلقات ہوتے تھے۔ بلکہ جب آپ کمشنر صاحب کے پاس گئے تو اس مشکل کو پیش کرنے کے علاوہ اسلامی لٹریچر بھی پیش کیا اور بعد ازاں کئی کتب بذریعہ ڈاک بھیجی گئیں۔

(ملخص از الفضل 13/مارچ 1943ء صفحہ 3)

دعوت مقابلہ اور مخالفین کا فرار

مولانا محمد شریف صاحب نے جنوری 1947ء میں پیٹری آرک آف انطا کیہ کو خصوصاً اور فلسطین و شام کے پٹری آرکوں اور بشپوں کو عموماً چیلنج دیا کہ وہ بیت المقدس میں اسلام اور عیسائیت کے اختلافی مسائل کی نسبت تقریری اور تحریری مناظرہ کر لیں۔ یہ چیلنج عراق، مصر، شام، لبنان وغیرہ کے اخبارات میں شائع ہوا۔ مگر انہیں میدان مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 507)

جماعت احمدیہ یہ چیلنج قبول کرتی ہے

مولانا محمد شریف صاحب اپنی ایک رپورٹ (بابت جنوری تا اپریل 1947ء) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''اس سال کے شروع ہونے پر اللہ تعالیٰ نے احمدیت کا نام تمام بلاد عربیہ میں مشہور کرنے اور اس کی اشاعت کے لئے اپنی طرف سے راستے کھولنے کا سامان فرمایا۔ جس کے لئے اس کی طرف سے ایک خاص تحریک پیدا ہوئی۔ جس سے عربی صحافت میں احمدیت کا چرچا لوگوں کے لئے جاذب نظر بنا رہا۔ یعنی عیسائیت کے رومن کیتھولک کے فرقہ مارونیہ (جس کی لبنان میں اکثریت ہے) کے پیٹری آرک (بشپ) مشرق وانطا کیہ نے ایک مجلس میں اعلان کر دیا کہ سب اہل مذاہب کا دعویٰ ہے۔ کہ انہی کا مذہب سچا ہے اگر وہ اس دعوے میں سچے ہیں تو میرے ساتھ مباحثہ ومناظرہ کریں تا حقیقت آشکارا ہو جائے کہ کیا ان کے مذاہب سچے

ہیں یا عیسائیت۔ یہ اعلان شام کے دو تین اخبارات میں شائع ہوا۔مگر کسی شامی یا لبنانی امام و عالم نے اس کا جواب نہ دیا۔اس پر جماعت احمدیہ کی طرف سے خاکسار نے ایک اشتہار شائع کیا۔جس میں پٹری آرک کی دعوت کی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے اس کے سامنے تین شرائط مناظرہ پیش کئے۔اور بیت المقدس میں مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔اس اشتہار کو تمام بلاد عربیہ میں کثرت سے تقسیم کیا گیا۔حکومتوں کے پریذیڈنٹوں اور وزراء سے لے کر عوام تک یہ اشتہار پہنچایا گیا۔اس اشتہار کے شائع ہونے پر تمام مسلم پبلک نے اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔اوراس کا نہایت اعلیٰ خیر مقدم کیا۔

بلاد عربیہ کے تمام مشہور و معروف اخبارات نے اس پر بہت اچھے رنگ میں ریویو لکھے۔ چنانچہ روزنامہ ”آخر دقیقة“، ”الأخبار“، ”العلم“، ”البلد“، ”المصری“، ”العرفان“ وغیرہ چھ جرائد نے اس پر نوٹ لکھے اور پٹری آرک کو مناظرہ میں نکلنے کی دعوت دی۔

عراق کے اخبار ”الشرق“ اور ”نصیر الحق“ نے اور مصر کے اخبار ”الإسلام“ نے اسے لفظ بلفظ شائع کیا اور ہر طرف سے جماعت احمدیہ کی دینی غیرت اور خدمات کے اعترافات شائع کئے۔اور متعدد مبارکباد دی اور دعاؤں پر مشتمل خطوط خاکسار کو موصول ہوئے اور احمدیت کا نام نہایت شاندار طور پر زبان زد خلائق ہو گیا۔ فالحمد لله علیٰ ذلك۔

(الفضل 8/جولائی 1947ء صفحہ 4)

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں رسالہ البشریٰ میں شائع شدہ متعدد عربی اخبارات کی خبروں میں سے دو کے مختصر لیکن مبنی برحق تبصرے یہاں نقل کر دیئے جائیں:

۞......شام کے اخبار ”آخر دقیقة“ نے اپنی 18/ربیع الاول 1366ھ کی اشاعت میں لکھا:

”تلقينا من حيفا من الأستاذ محمد شريف المبشر الإسلامی الأحمدی نشرة يشير فيها إلى ما نشرته جريدتَی ”المنار“ و ”آخر دقيقة“ من تصريحات غبطة البطريرك المارونی وتحديه الأئمة و العلماء لمناقشته فی الشؤون الدينية۔

ويقول الأستاذ محمد شريف أن الجماعة الأحمدية تقبل هذا التحدی ، وهی على استعداد لأن تناقش غبطته فی تعاليم

الديانتين۔

والمعروف عن الأحمديين أنهم يبشرون بالديانة الإسلامية في جميع أقطار العالم، وهم على استعداد دَوماً لمناقشة الأمور الدينية وإقناع المتشككين أو المتحاملين۔''

یعنی ہمیں احمدی مسلم مبلغ مولانا محمد شریف صاحب کی طرف سے حیفا سے ایک اشتہار موصول ہوا ہے جس میں مکرم مولانا موصوف اخبار ''المنار'' اور ''آخر دقيقة'' میں شائع ہونے والے مارونی پیٹری آرک کے دینی امور میں مناظرہ کے چیلنج کا ذکر کیا ہے۔

مکرم محمد شریف صاحب کہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ اس چیلنج کو قبول کرتی ہے۔اور جماعت دونوں مذاہب (اسلام اور عیسائیت) کی تعالیم کے مابین موازنہ کے موضوع پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہے۔

۞......آگے اخبار اپنی طرف سے لکھتا ہے کہ:

احمدیوں کے بارہ میں یہ بات مشہور ومعروف ہے کہ وہ پوری دنیا میں دین اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور دینی امور کے بارہ میں مباحثہ ومناظرہ کے لئے اور لوگوں کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے ازالہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

۞......شام کے ہی ایک جریدہ ''الأخبار'' نے ابتدائی تفصیل لکھنے کے بعد تحریر کیا:

''والذي نعرف أن الجماعة الأحمدية دافعت عن الديانية الإسلامية وبشرت لها في جميع أنحاء العالم۔''

(الأخبار 9؍فروری 1947ء)

یعنی جماعت احمدیہ کے بارہ میں جو بات ہم بخوبی جانتے ہیں یہ ہے کہ یہ دین اسلام کے دفاع اور پوری دنیا میں تبلیغ اسلام پر کمربستہ ہے۔

(ماخوذ از مجلّہ البشریٰ شمارہ ذوالقعدہ ذوالحجہ 1366ھ)

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

مولانا چوہدری محمد شریف صاحب فرماتے ہیں:

''مارونی پٹری آرک پر خدا تعالیٰ نے ایسا احمدیت کا رعب ڈالا کہ اسے سوائے بہانہ

سازی کے اور کوئی راہ اپنے بچاؤ کی نظر نہ آئی۔ چنانچہ اس نے ایک عیسائی اخبار کے ذریعہ اپنے متبعین کی دلی زبان سے یہ اعلان کروا دیا کہ اس چیلنج کے مخاطب دیگر مذاہب کے لوگ نہیں تھے بلکہ صرف عیسائیت کے فرقوں کے پیشوا ہی مراد تھے۔

مخالفت بھی صداقت کی ایک علامت ہوتی ہے۔ اس پیٹری آرک کے چیلنج کو ہمارا قبول کر لینا اور اسے بیت المقدس میں مناظرہ کے لئے بلانا ہمارے بعض مخالفوں کے لئے سوہانِ روح بن گیا۔ چنانچہ انہوں نے اخبار ''المنار'' کے ذریعہ جو شام کا ایک نوزائیدہ اخبار ہے ہمارے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے احمدیت کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ جس کا جواب ''جریدہ المنار والبطریرک المارونی'' کے نام سے برادرم السید رشدی آفندی البسطی پریذیڈنٹ جماعت حیفا کی طرف سے شائع ہوا۔ اور شام و فلسطین میں شائع کیا گیا۔ اور اشتہار کا بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے بہت اچھا اثر ہوا۔ اور مخالفوں کی یہ تدبیر کہ ہم کسی طرح اپنے مسلمان بھائیوں سے ہی الجھ کر رہ جائیں کارگر ثابت نہ ہوئی۔ فالحمد للہ۔

(الفضل 8رجولائی 1947ء صفحہ 4)

مولانا محمد شریف صاحب اس چیلنج کی تاثیر کی بابت ایک اور رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''خاکسار نے اوائل 1947ء میں مادر نائٹ پٹری آرک آف انطاکیہ کو خصوصاً اور یہاں کے پٹری آرکوں اور بشپوں کو عموماً چیلنج دیا کہ وہ اسلام اور مسیحیت میں مختلف فیہ مسائل پر بیت المقدس میں پندرہ روز میرے ساتھ تقریری اور تحری مناظرہ کریں۔ اور یہ چیلنج عراق، مصر، شام ولبنان وغیرہ کے عربی اخبارات میں شائع ہوا۔ اور تمام پادریوں اور بشپوں کو ارسال کیا گیا۔ مگر وہ سب ایسے خاموش ہوئے کہ گویا ان میں زندگی کی روح نہیں۔ وذلك من فضل اللّٰہ۔ ہماری ان حقیر کوششوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ ثمر مرتب فرمایا کہ عیسائیت کی تبلیغ کو یہاں سخت دھکا لگا اور عیسائیت کی منادی ان کے خداوند کی زمین میں بھی مسیح محمدی کی برکت سے ختم ہو گئی۔ اور اب یہاں غیر احمدی مسلمان علماء عیسائی پادریوں سے یہ مباحثہ کرنے لگے ہیں کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ اپنی طبعی موت سے واصل بحق ہوئے۔ چنانچہ فلسطین کے ایک نہایت مشہور و معروف عالم الشیخ عبداللہ نے ڈنمارک کے ایک پادری مقیم بیت المقدس سے اسی موضوع پر تحریری مناظرہ کیا اور اسے اپنے خرچ پر شائع کیا۔ جس میں انہوں نے ہمارے دلائل پیش کر کے عرب پادریوں کو لاجواب کیا''۔

(الفضل 25دسمبر 1949ء صفحہ 8)

بہائیوں پر کاری ضرب

''مولانا محمد شریف صاحب نے بہائیوں کے لیڈر شوقی آفندی پر بھی اتمام حجت کیا''۔

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 507)

اس حجت کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد شریف صاحب فرماتے ہیں:۔

''بہائیوں پر بھی ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ حجت پوری کی ہے۔ ردّ بہائیت میں مولوی جلال الدین صاحب شمس نے 1931ء میں رسالہ تنویر الالباب لکھ کر بہائیوں کی شریعت کو عریاں کیا۔ اور ساتھ ہی اس کے شروع میں زعیم بہائیت (شوقی آفندی۔حیفا) کو دعوت دی کہ ہمارے امام جماعت احمدیہ کے چیلنج کو قبول کریں اور کسی آسمانی نشان سے اپنے نوساختہ مذہب کی صداقت ثابت کریں۔ اگر اس سے عاجز ہوں تو اپنا صاف اقرار شائع کریں۔ اور پھر ہم سے اسلام کی صداقت پر آسمانی نشان دیکھ کر مسلمان ہو جائیں۔ اس پر وہ ایک سال تک ٹس سے مس نہ ہوئے ایک سال گذرنے پر اب پھر اس سال 1949ء کے شروع میں ان کو پھر چیلنج دے کر اور حیفا کے گلی کوچوں میں شائع کر کے ان پر اتمام حجت کر دی۔ آج اس دوسرے چیلنج پر بھی سات ماہ گذر گئے ہیں زعیم بہائیت خاموش ہیں۔ اور اب انشاء اللہ تا ابد خاموش رہیں گے۔ اور مسیح محمدی کا یہ فرمودہ ہمیشہ صحیح ثابت ہوگا۔

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے''

(الفضل 25/دسمبر 1949ء صفحہ 8)

زعیم بہائیت شوقی آفندی کے بھائی سے دلچسپ گفتگو

چوہدری محمد شریف صاحب نے بہائیوں کا تعاقب کیا اور یکے بعد دیگرے ان پر حجت تمام کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی شوقی آفندی کے بھائی سے گفتگو قابل ذکر ہے۔ آپ اس سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں:۔

''گذشتہ ماہ رمضان میں ہم نے ارادہ کیا کہ بہائیت کے مزعومہ شوقی صاحب آفندی سے ان کی تعداد دریافت کی جائے۔ اس لئے ہم تین اشخاص برادرم چوہدری محمد احسان الٰہی

صاحب جنجوعہ مجاہد سیرالیون (جو ان دنوں سیرالیون کو جاتے ہوئے ہمارے ہاں مقیم تھے) اور برادرم نذیر احمد صاحب قریشی حوالدار (نزیل مشرق اوسط) ساکن ٹھیکر یوالہ متصل قادیان اور خاکسار شوقی صاحب سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر گئے شوقی صاحب سے ملاقات تو نہ ہوسکی کیونکہ ان کے متعلق ہمیں ان کے گھر سے بتلایا گیا کہ وہ آج کل یہاں نہیں بلکہ لبنان گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کے بھائی ریاض صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ریاض صاحب پکے رنگ کے درمیانہ قد کے نوجوان ہیں بظاہر نظر ان کی عمر چوبیس پچیس سال معلوم ہوتی ہے۔ انگریزی لباس پہنے ہوئے تھے اور داڑھی مونچھیں صفا چٹ تھیں۔ ان سے ابتدائی رسمی گفتگو شروع ہوئی۔ اتنے میں ان کی طرف سے ہمارے لئے قہوہ ان کے گھر سے آ گیا۔ ہم نے معذرت کر دی اور کہہ دیا کہ رمضان کا مہینہ ہے اور ہم روزہ دار ہیں۔ بعدہٗ خاکسار نے ان سے عربی میں گفتگو شروع کی۔ انہوں نے عربی میں گفتگو کرنے کے متعلق معذرت کا اظہار کیا اور کہا کہ مَیں اپنا ماحول عربی نہ ہونے کی وجہ سے عربی میں اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس لئے انگریزی ہی میں بات کرسکوں گا۔ ہم نے کہا بہت اچھا۔ آخر گفتگو شروع ہوئی ہم نے ان سے کہا کہ ہمیں آپ کی شریعت کی کتاب ''اقدس'' کے ایک نسخہ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ مہربانی فرمائیں تو ایک نسخہ ہمیں دیدیں۔ جس قدر اس کی قیمت ہو ہم آپ کو ادا کر دیتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ابھی تک ہماری طرف سے اقدس طبع نہیں ہوئی اس لئے ہمارے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں۔

بعدہٗ مَیں نے دریافت کیا کہ آپ یہ بتلائیں کہ بہاء اللہ کے خاندان کے افراد کے علاوہ حیفا میں خصوصاً اور فلسطین میں عموماً کتنے بہائی ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ موجودہ لڑائی سے پہلے تقریباً تیس چالیس تھے۔

مَیں نے کہا اب موجودہ ایام میں کتنے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ بہاء اللہ کے خاندان کے علاوہ اس وقت یہاں کوئی بہائی نہیں۔

مَیں نے دریافت کیا کہ وہ بہائی جو لڑائی سے پہلے تیس چالیس تھے وہ کہاں گئے؟

انہوں نے جواب دیا وہ ایران کے رہنے والے تھے اور یہاں تجارت وغیرہ کرتے تھے۔ لڑائی شروع ہونے پر اپنے ملک ایران کو چلے گئے ....۔

پھر ہم نے دریافت کیا۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ کا فلسطین میں کوئی مدرسہ بھی ہے۔

وہ کہاں ہے؟

انہوں نے کہا کہ یہ آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔ ہمارا یہاں کوئی مدرسہ نہیں۔

ہم نے کہا کیا کوئی کالج بھی آپ کا یہاں ہے؟

انہوں نے کہا کہ نہیں کوئی کالج وغیرہ نہیں۔

اس کے بعد ہم نے ان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ ''منشیّۃ'' میں (جو عکاّ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اور یہاں بہاء اللہ کا بڑا بیٹا محمد علی رہتا تھا) وہاں کے سب لوگ بہائی ہیں۔

اُنہوں نے کہا نہیں وہ عربوں کا گاؤں ہے۔ وہاں کوئی بہائی نہیں ....۔

اس کے بعد ہم نے ان سے دریافت کیا کہ ہمیں بہائیت کے متعلق جو مستند کتابیں ہوں وہ بتلائیں۔ اس پر وہ ایک کتاب (Bahaullah & The New Era) (بہاء اللہ اور عصر جدید) اور ایک پمفلٹ (The Bahai Faith) لائے (جس پر پبلشر یا مرتب کا نام مذکور نہ تھا)۔ مَیں نے انہیں قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا کہ آپ زائر ہیں اس لئے آپ سے قیمت نہیں لیتے۔ ہم نے کہا بہت اچھا آپ کی مرضی۔

پھر ہم نے ان سے کہا کہ ہمیں ''عصر جدید'' عربی میں چاہئے انہوں نے کہا کہ افسوس وہ کتاب ہمارے پاس نہیں۔ اس کے بعد وہ ہمیں دکھلانے کے لئے ایک کتاب (The Bahai World) لائے جو امریکہ میں طبع شدہ تھی۔ اور کافی ضخیم تھی۔ ہم نے ان سے کہا کہ یہ کتاب ہمیں قیمتاً دیدیں۔ جس قدر اس کی قیمت ہو وہ ہم آپ کو ابھی دے دیتے ہیں انہوں نے کہا افسوس ہے کہ یہ کتاب شوقی صاحب کی لائبریری سے لایا ہوں۔ اور اس کی ایک ہی کاپی ہمارے پاس موجود ہے۔ آخر ہم ان سے مندرجہ بالا معلومات لے کر واپس آ گئے۔

مندرجہ بالا مکالمہ سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہے۔ کہ فلسطین میں بہاء اللہ کے خاندان کے علاوہ اور کوئی مقامی آدمی بہائیت کا متبع نہیں۔ صرف بہاء اللہ کا خاندان ہی بہائی ہے''۔

(الفضل 23/ مارچ 1945ء صفحہ 4)

شوقی آفندی کا تعاقب

مکرم رشید احمد چغتائی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ ہم زعیم بہائیت شوقی آفندی سے ملنے کے لئے اس کی قیام گاہ پر حیفا میں

گئے۔ محترم چوہدری صاحب کے ساتھ خاکسار اور مکرم غلام محمد صاحب کھوکھر بھی تھے۔ چوہدری صاحب نے اپناVisiting کارڈ اندر بھجوایا۔تھوڑی دیر کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ شوقی آفندی صاحب گھر میں موجودنہیں ہیں۔تب ہم نے خیال کیا کہ چلو یہاں آئے ہوئے ہیں ان کی رہائش گاہ کے نیچے موجود ان کی لائبریری دیکھتے چلیں۔ چنانچہ ہم نے لائبریری میں تھوڑا سا وقت گذارا جب باہر واپسی کے لئے نکلے تو ایک عجیب اور دلچسپ صورتحال سامنے آئی۔ ہوا یہ کہ ادھر سے ہم لائبریری سے نکل کر گیٹ کے قریب پہنچے اور ادھر اپنی رہائش گاہ سے شوقی آفندی صاحب باہر جانے کے لئے نکلے اور اس طرح ان کا اور ہمارا آمنا سامنا ہو گیا۔ شوقی آفندی صاحب نے دریافت کیا۔Are you Mohammad Sharif۔ چوہدری صاحب نے اس بات کا مثبت میں جواب دیا تو انہوں نے فوراً یہ کہہ کر (Sorry I have no time) کہتے ہوئے اپنی موٹر پر سوار ہوکر باہر چلے گئے۔اس مکالمہ کے دوران اس کا سیکرٹری بھی موجود تھا۔جس پر اس آمنے سامنے کے دوران گویا ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔ وہ ہمیں پہلے یہ پیغام دے چکا تھا کہ شوقی آفندی گھر میں موجودنہیں۔اور بعد میں ان کے گھر ہی سے برآمد ہونے پر جوخفت اسے ہماری موجودگی میں محسوس ہوئی اس کا تدارک اس رنگ میں شوقی صاحب کے چلے جانے کے بعد کیا کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو شوقی صاحب کا دیدار نصیب ہو گیا ہے ورنہ وہ بہت کم ملتے ہیں۔ یاد رہے کہ چوہدری صاحب کی تبلیغی جدوجہد بالخصوص ردِّ بہائیت کے ضمن میں آپ کے رسائل (جوشوقی آفندی زعیم بہائیت کو بھی احمدیہ مشن کبابیر سے طبع کرا کر بھیجے جاتے تھے) کی وجہ سے غائبانہ طور پر پہلے ہی متعارف تھے۔

مدرسہ احمدیہ کبابیر

مولانا چوہدری محمد شریف صاحب نے مدرسہ احمدیہ کبابیر میں بھی کام کیا اور کافی عرصہ تک اس درسگاہ میں پڑھاتے رہے۔ اور بہت مشکلات کا سامنا کیا لیکن اس کے باوجود بڑے احسن رنگ میں کام کرتے رہے۔ چنانچہ مدرسہ احمدیہ کبابیر کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

’’مدرسہ احمدیہ کبابیر میں اس وقت 42 لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پا رہے ہیں۔ مدرسہ کے دو

حصے ہیں۔لڑکوں کے لئے اورلڑکیوں کے لئے۔جن میں پرائمری تک تعلیم دی جاتی ہے۔اس سال سات طلباء فارغ کئے گئے۔ مدرسہ کی مالی حالت بالکل خراب ہے تعلیم پانے والے اکثر بچے احمدی ہی ہیں۔اور ملک میں عام بیکاری کی وجہ سے فیس قریباً کالعدوم ہے۔حکومت نے اس سال گرانٹ نہ دینے کے متعلق لکھا ہے کہ بوجہ خرابی مالی حالت گورنمنٹ اس سال معذوری کا اظہار کرتی ہے۔(اول سال رواں میں بھی صرف ساڑھے چار پونڈ گرانٹ بھیجی حالانکہ آٹھ کا وعدہ تھا)مدرسہ ہذا میں 1937ء میں تین استاد کام کرتے تھے۔گذشتہ سال مبلغ کے یہاں سے چلے جانے کی وجہ سے دورہ گئے۔ پھر وہ دونوں بھی بعض وجوہات کی بنا پر استعفیٰ دے کر (میرے آنے سے قبل) ہی چلے گئے اور مکرم منیر الحصنی صاحب ہی دو تین ماہ تک تعلیم دیتے رہے۔اب جنوری میں وہ بھی چلے گئے۔اس لئے اس وقت سے اب مجھے ہی روزانہ 7 گھنٹے متواتر وقت مدرسہ میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ پھر البشریٰ کی ایڈیٹری اور مینیجری اور کلرکی وغیرہ سب ہی کام آمدہ خطوط کے جوابات۔آنے والے احمدیوں اور غیر احمدیوں سے ملاقات اور پھر بیوی ساتھ ہونے کی وجہ سے گھر کا بھی انتظام کرنا وغیرہ اس قدر کام ہیں۔کہ اگر اللہ اپنے فضل سے ہی مدد فرماتا چلا جائے تو یہ کام ہو سکتے ہیں۔وھو نِعم المولیٰ و نعم النصیر۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن 39-1938ء)

نومبایعین کے بارہ میں بعض رپورٹس

مولانا چوہدری محمد شریف صاحب کی تبلیغ نے بہت پھل دیا اور کئی سعید روحیں جماعت احمدیہ میں داخل ہوئیں۔نمونہ کے طور پر نومبایعین کے تذکرہ پر مبنی چند رپورٹس پیش ہیں جن سے اس عرصہ میں بلاد عربیہ میں احمدیت کی روز افزوں ترقی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چوہدری محمد شریف صاحب بیعت کنندگان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

’’سال ہذا میں بفضلہٖ تعالیٰ 19 اشخاص بیعت کر کے داخلِ سلسلہ ہوئے۔اور یہ بلاد عربیہ کے مختلف اقطار مثلاً فلسطین،سوریا،،شام،عراق۔قاہرہ اورسوڈان کے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو استقامت عطا فرمائے۔زیادہ حصہ تاجروں کا ہے۔اور بعض تو قابل رشک مخلص ہیں چنانچہ ایک دوست محمد ندیم انصاری ہیں۔نوجوان، ادیب اور دین کے ساتھ گہری محبت رکھنے والے ہیں۔حال ہی میں جب تحریک جدید کے لئے تحریک کی گئی تو سب سے پہلے

انہوں نے ایک محبت بھرے عریضہ کے ساتھ حسب توفیق پیشگی رقم ارسال کر دی۔ فجزاھم اللّٰہ أحسن الجزاء۔ (سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 39-1938ء)

ایک اور رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے پھر وہ کوشش بھی ہم سے پوری طرح نہیں ہوسکتی۔ اس لئے محض اللہ تعالی کے فضل سے اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی دعاؤں اور توجہات سے اس سال تعداد نو مبایعین 26 ہے۔ یعنی گذشتہ سال کی نسبت 7 کی زیادتی ہے۔'' فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 39-1938ء)

ایک اور رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احباب کو بیعت کر کے داخلِ سلسلہ ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔'' (الفضل 9/دسمبر 1942 صفحہ 6)

ایک اور تبلیغی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''تین اصحاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ ان نئے احباب کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

(الفضل 17/فروری 1944 صفحہ 5)

صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ میں آپ نے لکھا:۔ ''31 عاقل بالغ افراد نے بیعت کی۔ اللّٰھم زد فزد۔ سال گذشتہ سے 12 کی زیادتی ہے''۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 42-1941ء)

ایک اور تبلیغی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''عرصہ زیر رپورٹ میں اللہ تعالیٰ نے دو نوجوان احباب (1) السید احمد عبدو الزوری عکا اور (2) السید وجیہ حسن فطایر نابلس کو بیعت کر کے داخلِ سلسلہ عالیہ احمدیہ ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے اور احمدیت کے نور سے منور کرے۔''

(الفضل 5/اگست 1942ء)

ایک اور تبلیغی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''اس عرصہ میں خدا کے فضل و رحم سے 24 احباب بیعت کر کے داخل سلسلہ عالیہ احمدیہ ہوئے فالحمد للّٰہ علی ذلک۔''

(الفضل 12 ؍جون 1946ء صفحہ 3)

ایک اور تبلیغی رپورٹ میں بیعت کنندگان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

''عرصہ زیر رپورٹ میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارہ اشخاص بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو استقامت عطا فرمائے اور احمدیت کی برکات سے متمتع فرمائے۔'' (الفضل 28 ؍اکتوبر 1949ء)

غریب الوطنی میں رفیقہ حیات کی وفات

جب مولانا محمد شریف صاحب تبلیغ اسلام کی خاطر بلادِ عربیہ میں تشریف لے گئے تو آپ کی اہلیہ محترمہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ کی اہلیہ جو کہ عظیم خاتون تھیں فلسطین میں انتقال کر گئیں جس سے آپ کو بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ لیکن آپ نے اس صدمہ کو تبلیغ کی راہ میں آڑ نہ بننے دیا۔ مولانا محمد شریف اپنی اہلیہ مرحومہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ وہ نہایت نیک اور صالح خاتون تھیں۔ ہمیشہ چوہدری صاحب کے دینی کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ اور کبھی بھی ان کے لئے تکلیف اور دکھ کا باعث نہیں بنیں۔ مولانا صاحب جب بھی اپنی اہلیہ کا ذکر کرتے تو ساتھ یہ کہتے کہ ''میری پیاری اہلیہ'' گویا آپ ایک عظیم خاتون تھیں۔ چنانچہ آپ ایک تبلیغی رپورٹ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''بالآخر یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ حکمت ایزدی کے ماتحت خاکسار کی اہلیہ جو حضرت اقدس کے ارشاد پر بلاد عربیہ میں خاکسار کے ہمراہ آئی تھی اور بہت اچھا نمونہ اور سابقہ بالخیرات تھی۔ ان ممالک میں تقریباً پونے پانچ سال خدمتِ سلسلہ کر کے اچانک دو تین روز بیمار رہ کر اور اپنے پیچھے تین خورد سال بچے چھوڑ کر بتاریخ 22 صفر 1363ھ موافق 27 تبلیغ 1332 ھش اپنے مولا حقیقی سے جا ملی۔

إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون واللّٰھم اغفرلھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا وأدخلھا فی جنة النعیم۔ (الفضل 26 ؍اکتوبر 1943ء صفحہ 4)

اخبار الفضل نے اہلیہ مولانا محمد شریف صاحب کا ذکر اس انداز میں کیا:۔

''احمدی خواتین کی قربانیوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ اور خاص کر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہدِ سعادت میں احمدی خواتین نے جو مثالیں قائم کی ہیں۔ وہ نہایت شاندار ہیں۔ مثلاً تثلیث کے مرکز لنڈن میں خدا تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر جس میں پانچوں وقت اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اور جسے تعمیر کرنے کی آج تک بڑے بڑے بادشاہوں کو توفیق نہ ملی۔ محض احمدی خواتین کے چندہ سے تعمیر ہوا اور یہ ایک علیحدہ چندہ تھا۔ جو مستقل چندوں کی ادائیگی کے علاوہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور احمدی خواتین نے پیش کیا۔ اور مطالبہ سے بڑھ کر پیش کیا۔

اس وقت.... جنگ سے پیدا شدہ موجودہ نہایت ہی خطرناک حالات میں احمدی خواتین دین کی خاطر جس ایثار اور قربانی کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ اس کی مثال صفحہ عالم پر نہیں مل سکتی۔ چند ہی روز ہوئے ''الفضل'' میں یہ نہایت ہی افسوسناک خبر شائع ہو چکی ہے کہ ہمارے فلسطین کے مجاہد مولوی محمد شریف صاحب کی اہلیہ صاحبہ حیفا میں اپنے عزیز و اقارب سے دور غریب الوطنی میں وفات پا گئی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''۔

(الفضل 21/مارچ 1943ء صفحہ 1)

اپنی اس مرحومہ بیوی کا ذکر کرتے ہوئے محترم چوہدری صاحب فرماتے ہیں:۔

''گذشتہ ہفتہ بتاریخ 22 صفر 1362 ھجری مطابق 27 تبلیغ 1322 ھجری شمسی خاکسار کی رفیقۂ حیات ام عبدالرشید سات سال کی رفاقت کے بعد دو تین روز بعارضہ بخار وضعف قلب بیمار رہ کر اس دار فانی سے انتقال کر کے اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحومہ آج سے ساڑھے چار سال قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت خاکسار کے ہمراہ بلاد عربیہ میں خدمت سلسلہ عالیہ کے لئے آئی تھی اور آخر یہاں ہی خدمت کرتے ہوئے فوت ہو کر ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کی مصداق ہوگئی اور بلدہ احمدیت کبابیر واقعہ بر جبل الکرمل حیفا کے مقبرہ میں سپرد خدا کر دی گئی اللھم اغفرلھا وأدخلھا فی جنت النعیم ....۔

مرحومہ کا تعلیم وتربیت کے کام میں قابل ستائش نمونہ

یہاں کی زبان عربی تھی اور مرحومہ اگرچہ مڈل پاس تھی اور قرآن مجید باترجمہ اور ایک حدیث اور عربی کی دوتین کتابیں پڑھی ہوئی تھی مگر وہ تعلیم یہاں نفی کے برابر تھی اس لئے یہاں آکر مرحومہ پہلے بالکل بے زبان ہوگئی۔آخر مرحومہ نے اللہ تعالیٰ سے رورو کر دعائیں مانگنا شروع کیں۔آخر چند ماہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مرحومہ کی زبان کھول دی اور عربی بولنے لگ گئی تب مرحومہ ڈیڑھ دوسال تک مدرسہ احمدیہ میں لڑکیوں کی تین جماعتوں کو تعلیم دیتی رہی۔اور مستورات میں بھی کشتی نوح کا درس دیتی رہی۔اور گھر میں تو ہرروز درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھتی تھی۔اور اب تو مرحومہ اس قدر عربی سیکھ چکی تھی کہ بلا تکلف سب باتیں اور وعظ ونصیحت وتبلیغ وغیرہ بلا کسی روک کے کرلیتی تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کرتی تھی اور کئی نیک ارادے رکھتی تھی۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی میں مرحومہ سے کبھی کوتاہی نہ ہوتی تھی۔جس قدر مہمان آئیں۔خواہ رات کو یادن کو سب کے لئے کھاناوغیرہ خود ہی تیار کرتی تھی۔زائرین دارالتبلیغ کے لئے ہروقت چائے قہوہ وغیرہ تیار کرکے فوراً بھیجتی تھی۔حتی کہ اپنی وفات سے ایک روز قبل جبکہ بیماری انتہائی زور پر تھی۔اور سانس رک رک کر آرہا تھا احمدی بہنوں سے جو خبر گیری کے لئے پاس موجود تھیں کہا کہ آج جمعہ کا دن ہے بہت سے احمدی بھائی حیفا سے جمعہ پڑھنے کے لئے آئیں گے اس لئے ابھی قہوہ تیار کردیں اور اس طرح ان سے قہوہ تیار کرواکر ان کے لئے بھیجا۔بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ مہمانوں کی خاطر سب کھانا بتمام وکمال بھیج دیتیں اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھتیں اور ویؤثرونَ علی أنفسِهِم ولو کان بهم خصاصَةٌ کی مصداق ہوجاتی۔اخلاق کے لحاظ سے بھی نمونہ بہت اچھا رکھتی تھی۔نہایت صالحہ اور عفیفہ تھی۔رسالہ البشریٰ کی تیاری اور ترسیل میں بھی خاص مدد کرتی رہی۔پیکنگ وغیرہ اور ٹکٹیں اور مہریں لگاکر پیکٹ تیار کرکے باہر بھجوادیتی رہی۔جزاها اللّٰه أحسن الجزاء۔یہاں کی سب احمدی اور غیر احمدی خواتین مرحومہ کے ساتھ بہت محبت رکھتی تھیں اور احمدی خواتین کی محبت تو اپنے ایمان اور اخلاص کے

سبب ان سب محبتوں سے بالا تھی۔فجزاھن اللّٰہ أحسن الجزاء......۔

بالآخر درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو ہجرت فی سبیل اللہ کا اجر عطا فرمائے اور اپنی مغفرت کی چادر اس پر اوڑھائے اور مرحومہ کے ہر سہ بچوں کا جن کی عمر اس وقت علی الترتیب چار سال ،دوسال اور ایک ماہ ہے خود حامی وناصر ہو کفیل ہو اور انہیں احمدیت کا خادم بنائے۔ویوفقنی للصبر الجمیل۔

خاکسار احقر خدام السلسلۃ الاحمدیۃ۔چوہدری محمد شریف مولوی فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نزیل جبل الکرمل حیفا۔فلسطین بتاریخ 3/ربیع الاول 1362 ھجری۔

الفضل 16/اپریل جمعہ کی نماز کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مرحومہ کا نماز جنازہ پڑھا۔ (الفضل 21 اپریل 1943ء صفحہ 2)

بلاد عربیہ میں آپ کی شادی

اہلیہ کی وفات کے بعد آپ کے دو بچوں عزیزہ امۃ الحمید اور عزیز عبد الرشید کی پرورش وغیرہ معاملات بھی درپیش تھے ایسی حالت میں بھی آپ نے پوری کوشش سے اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں کوشاں رہے۔حضرت سیدنا فضل عمرؓ کی ہدایت کے مطابق آپ کی دوسری شادی کبابیر میں ہی ایک مخلص خاندان میں مکرمہ ومحترمہ حکمۃ صاحبہ بنت شیخ عباس عودہ صاحب سے ہوئی۔

قتل کے منصوبے اور خدائی حفاظت

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب نے اپنی تبلیغی زندگی میں الٰہی حفاظت اور تائید خداوندی کے بے شمار واقعات مشاہدہ کئے۔ چنانچہ آپ تائید خداوندی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''میرے فلسطین پہنچنے سے پہلے ہی علمائے شام کی طرف سے اہل فلسطین کو یہ خطوط پہنچ رہے تھے کہ احمدی مبلغ آرہا ہے اس کو قتل کردو اور وہ قتل کرنے کی نیت سے آئے بھی۔لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی بے نظیر قدرت سے بچا لیا۔اس زمانے میں فلسطین میں عملاً کوئی حکومت نہ تھی اور لٹیروں کے کئی گروہ سرگرم عمل تھے۔ایک دن انہوں نے عصر کے بعد ہمیں یہ پیغام بھیجا

کہ مغرب سے قبل ہمیں 500 پونڈ بھجوا دیں ورنہ ہم آپ کے آدمیوں کو اغوا کر لیں گے۔ جب انہیں مطلوبہ رقم نہ ملی تو انہوں نے احمدیہ مشن کا محاصرہ کر لیا اور دس احمدیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ مَیں ان کے اندر پھرتا رہا۔لیکن خدا کی قدرت کہ وہ مجھے پہچان نہ سکے اور دھکا دے کر دور ہٹا دیا۔‘‘ (تشحیذ الاذہان جنوری 1978ء)

اسی طرح ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے مکرم چوہدری محمد شریف صاحب بیان فرماتے ہیں:۔

’’اسی طرح ایک دفعہ مَیں بینک میں گیا تو وہاں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ایک آدمی مجھے قتل کرنے کے لئے میرا نشانہ لے رہا تھا (جس کا مجھے بعد میں پتہ چلا) کہ ایک کار اچانک میرے اور اس کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ آدمی بھاگ گیا۔اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے بچا لیا‘‘۔ (تشحیذ الاذہان جنوری 1978ء صفحہ 10)

ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر مکرم طٰہٰ قزق صاحب نے اپنی غیر مطبوعہ یادوں میں یوں بیان کیا ہے:۔

تقسیم فلسطین کے ایام میں کسی کو قتل کر دینا بڑی عام سی بات بن گئی تھی اور بدامنی اور لاقانونیت کی وجہ سے روزانہ کئی اشخاص کے نامعلوم افراد کے ہاتھوں قتل کی خبریں معمول بن کے رہ گئی تھیں۔ایسی صورت میں احمدیوں کا اور خصوصاً مولانا محمد شریف صاحب کا قتل بہت ہی معمولی اور آسان کام تھا جس کے لئے مخالفین کوشاں تھے۔حتیٰ کہ ایک احمدی مکرم احمد المصری صاحب کو شہید کر دیا گیا، اسی طرح مکرم رشدی بسطی صاحب صدر جماعت حیفا پر قاتلانہ حملہ ہوا اور انہیں گردن پر گولی لگی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے بچا لیا۔اسی طرح مولانا محمد شریف صاحب کے ہمسائے میں رہنے والے احمدی دوست مکرم محمد صالح عودہ صاحب پر دو قاتلانہ حملے ہوئے۔اسی دوران مکرم مولانا محمد شریف صاحب کے قتل کا منصوبہ بھی کیا گیا جو ناکام ہوگیا۔مَیں مولانا محمد شریف کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ایک دن مَیں بازار میں مولانا صاحب کے ساتھ تھا۔جب واپس گھر آیا تو مجھے بتایا گیا کہ بعض مجرم پیشہ لوگ مولانا محمد شریف صاحب کے قتل کا منصوبہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب مجھے ان کے ساتھ دیکھا تو اپنے منصوبہ کی تکمیل نہ کر سکے۔بعد میں انہوں نے ہمارے خاندان میں یہ پیغام بھیجا کہ میں مولانا صاحب سے دور ہی رہوں۔لیکن چونکہ ہمارا خاصا اثر ورسوخ تھا اور ہمارے خاندان

کے بعض لوگ انقلابی تحریک کا حصہ بھی تھے لہذا ہم نے کسی کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔

چوہدری محمد شریف صاحب دشمن کی سازش اور ایک احمدی کا اخلاص کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کے متعلق ثوار کی طرف سے فتوی جاری ہو گیا کہ اس کو کسی رات ڈائنا میٹ سے اڑا دیا جائے۔ اور ثوار کی طرف اس احمدی بھائی سے کہا گیا کہ یا تو تم اپنے مبلغ کو اپنے مکان سے نکال دو۔ یا تم خود نکل جاؤ کیونکہ تمہارے مکان کے متعلق یہ حکم ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنی اور اپنے مکان کی کوئی پرواہ نہیں لیکن مَیں اپنے سلسلہ کے مبلغ کو نہیں نکال سکتا۔ اس سے اس بھائی کا اخلاص اور سلسلہ کی محبت ظاہر ہے۔ فجزاه الله احسن الجزاء۔ (الفضل 28/اکتوبر 1939ء صفحہ 6)

چوہدری صاحب اس واقعہ کے بعد بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''جب دہشت گردوں کا اس سے بھی کام نہ چلا۔ تو انہوں نے ان کی ساس سے جو غیر احمدی ہے کہا تم اپنی لڑکی کو گھر لے آؤ کیونکہ اس کا خاوند اپنی جماعت کے مبلغ کو وہاں سے نہیں نکالتا۔ اور اب فتویٰ جاری ہوا ہے کہ دونوں کو مع مکان اڑا دیا جائے۔ اس پر اگرچہ وہ تھی تو غیر احمدی مگر اس نے جواب دیا کہ جب تم نے اس کے خاوند اور ان کے گھر کو اڑا دیا ہے۔ تو میری لڑکی نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ پھر اس کے بعد جلد ہی اس فتنہ کا بانی بھی قتل ہو گیا۔''

(الفضل 28/اکتوبر 1939ء صفحہ 6)

تائید ونصرت خداوندی کے واقعات

تائید خداوندی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد شریف صاحب فرماتے ہیں:۔

''ایک دفعہ کمیونسٹوں نے اسلام کے خلاف ایک مضمون لکھا۔ مَیں نے اس کا جواب سپرد قلم کیا اور بصورت ٹریکٹ اسے شائع کر کے بڑے بڑے شہروں میں تقسیم کروا دیا۔ ناصرہ (جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے) کی شرعی عدالت کے قاضی طاہر طبری نے وہ مضمون پڑھا اور بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے مجھے دعوت دی کہ آپ ناصرہ میں تشریف لائیں اور ہمیں ممنون فرمائیں۔ چنانچہ مَیں چند احمدی احباب کے ہمراہ ناصرہ گیا۔ قاضی صاحب نے وہاں چیدہ چیدہ بیس پچیس علماء کو بلایا ہوا تھا۔ شاندار دعوت ہوئی اور تبلیغ کا موقع

ملا۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کے غلاموں کو مسیح ناصریؑ کی بستی میں یہ عزت عطا فرمائی۔ الحمد للہ۔ (تشحیذ الاذہان جنوری 1978ء صفحہ 10)

تائید خداوندی کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے چوہدری محمد شریف صاحب فرماتے ہیں:۔

''جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوئی تو فلسطین ساری دنیا سے منقطع ہو گیا۔ اور تمام رابطے ٹوٹ گئے۔ ہمیں مرکز سلسلہ سے کوئی پیسہ نہیں آ سکتا تھا۔ انہی دنوں مَیں ایک دفعہ مغرب کے بعد کسی خاص کام کے لئے جا رہا تھا کہ ایک بزرگ احمدی دوست نے میرے ہاتھ میں ساڑھے سات پونڈ تھما دئے۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کس لئے؟ تو کہنے لگے آپ کے لئے ہیں۔ مَیں نے کہا اگر یہ زکوٰۃ، چندہ عام، تحریک جدید وغیرہ کے ہیں تو مَیں لے لیتا ہوں ورنہ نہیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ کو روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور اگر مَیں آپ کی مدد نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ میرے بچوں پر ابتلاء لائے گا۔ تو مَیں نے انہیں جمع کیا اور یہ خواب بتائی تو انہوں نے یہ رقم دی ہے۔ اس لئے یہ مَیں آپ کے پاس لایا ہوں۔ اس بزرگ کا نام الحاج احمد عبد القادر تھا اور وہ گزشتہ سال ہی فوت ہوئے ہیں''۔

(تشحیذ الاذہان جنوری 1978ء صفحہ 11)

تبلیغی دورے

مکرم مولانا محمد شریف صاحب نے مختلف تبلیغی دورے بھی کئے اور حتی الوسع پیغام حق پہنچانے کی پوری کوشش کی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مصر کا سفر اختیار کیا اور اس طرح احباب مصر کی ایک دیرینہ خواہش کو پورا فرمایا اور اس زمانہ میں نقل وحرکت پر جو پابندیاں تھیں۔ ان کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصر جانے کا موقع بہم پہنچایا۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور ماہ فروری 1944ء کا معتد بہ حصہ اور سارا مارچ وہیں گزرا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے گزشتہ دو سال کے مالی حسابات کی پڑتال کی۔ اور عہدیداران جماعت کا نیا انتخاب کروا کر احباب جماعت میں کام کرنے کی نئی روح پیدا کی۔ آپ کی تربیت وتلقین کا یہ اثر ہوا کہ احباب مصر نے نہایت تندہی اور توجہ کے ساتھ تبلیغِ سلسلہ کا کام شروع کر دیا۔ مصر کے حالات کا مطالعہ کرنے والے لوگ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اس ملک میں تبلیغ پر ایسی شدید پابندیاں

ہیں کہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں پبلک طور پر تبلیغ کرنے کی اجازت ہی نہیں اور اس لئے تبلیغ کا کام انفرادی ملاقاتوں اور پرائیویٹ اجتماعات تک ہی محدود ہے۔ چنانچہ تربیت جماعت کے ساتھ مکرم مولوی محمد شریف صاحب نے اسی واحد ذریعہ تبلیغ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے آپ کی مساعی کو بارآور فرمایا اور چار احباب داخلِ سلسلہ ہوئے۔

(ماخوذ از الفضل 19 دسمبر 1944ء صفحہ 5)

نبی آ سکتا ہے!

دورانِ قیامِ مصر میں ایک بلند پایہ ازہری اور حجازی شیخ سے مکرم مولوی صاحب کا ایک پرائیویٹ مناظرہ بھی ہوا جس میں بعض احمدی احباب کے علاوہ چند ایک غیر احمدی بھی موجود تھے۔ شیخ صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ احمدیہ جماعت اور دوسرے اسلامی فرقوں میں بنیادی اختلاف کس امر میں ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مسئلہ وفاتِ مسیح میں۔ مگر شیخ صاحب نے کہا کہ نہیں بنیادی اختلاف مسئلہ ختم نبوت میں ہے۔ مکرم مولوی صاحب نے اسی مسئلہ پر ان سے تبادلہ خیال شروع کیا۔ اور اپنے عقیدہ کی تائید میں قرآن مجید سے دس آیات پیش کیں۔ شیخ صاحب نے ان میں سے صرف ایک آیت ﴿اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ (الاعراف:36) پر جرح کی اور چار گھنٹہ تک اسی پر بحث ہوتی رہی جس میں شیخ صاحب ایسے عاجز آ گئے کہ کھلے الفاظ میں اعتراف کر لیا بلکہ لکھ دیا کہ عقلی طور پر اس آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ بھی نبی آ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید کا مظاہرہ احباب جماعت کے لئے بہت ایمان افروز تھا۔ اس کے بعد شیخ صاحب ایک بہانہ تلاش کر کے تشریف لے گئے۔

(ملخص از الفضل 19 دسمبر 1944ء صفحہ 5)

قاہرہ میں تبلیغ احمدیت

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب اپنی ایک رپورٹ میں قاہرہ میں تبلیغ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''سال رواں میں قاہرہ میں احمدیت کے خلاف بڑے زور وشور سے اخباروں میں پراپیگنڈہ ہوا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ لاہور سے دو البانوی (پیغامی) طالب علم عربی کی تعلیم حاصل

کرنے کے لئے جامعہ ازہر میں داخل ہوئے۔ازہر والوں کو علم ہو گیا کہ یہ قادیانی ہیں۔جس پر ان کو ازہر سے خاص طور پر نکال دیا گیا اور شیخ الازہر نے بعض مشہور متعصب علماء کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی کہ احمدیت کا پورے طور پر مطالعہ کر کے رپورٹ کرے کہ کیا یہ طالب علم ازہر میں جو سنیوں کی ایک پرانی طرز کی دینی درسگاہ ہے تعلیم پا سکتے ہیں یا نہیں۔جس پر اخباروں نے یہ خبریں بڑے بڑے عنوانوں سے شائع کیں۔اخبار الفتح (قاہرہ) نے بھی جو ہمارا ایک پرانا دشمن ہے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور علماء ہندوستان کے بوسیدہ فتاویٰ تکفیر ایک دو مرتدوں کی مدد سے شائع کرنے شروع کئے۔ ہماری طرف سے بھی ان کے جواب مصر کے اخباروں میں شائع کئے گئے۔اور البشریٰ میں بھی ان کا جواب دیا گیا۔ بذریعہ ڈاک بھی خاکسار نے شیخ الازہر اور اس کمیٹی کو رجسٹرڈ خطوط ارسال کئے۔مگر ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔اکتوبر میں کمیٹی کی رپورٹ نے شائع ہونا تھا۔مگر اب تک ان کی طرف سے کوئی رپورٹ شائع نہیں ہوئی۔ البتہ البشریٰ کے مضمون کے نتیجہ میں ”کلیۃ دارالعلوم“ مصر کے امتحانوں میں شریک ہونے کے لئے سب طلباء کو اجازت مل گئی۔خواہ وہ کسی ملک وملت کے ہوں۔ (سالانہ رپورٹ صدر انجمن 40-1939ء)

دمشق میں تبلیغ احمدیت

دمشق میں تبلیغ کے متعلق چوہدری محمد شریف صاحب فرماتے ہیں:۔

”دمشق میں بحیثیت جماعت کوئی نظام نہیں۔ایک تو وہاں کی سیاسی حالت بہت خراب ہے۔ دوسرے ملکی قانون نہایت سخت ہیں۔ تیسرے علماء کی مخالفت بھی نہایت شدومد سے ہے۔پھر کوئی خاص مکان بھی جماعت کے اجتماعات کے لئے نہیں مل سکا۔مگر تاہم منیر آفندی الحصنی اور دوسرے احمدی احباب انفرادی طور پر کام کر رہے ہیں۔ کچھ نئے احمدی بھی اس سال وہاں ہوئے ہیں اور ماہوار چندے بھی ادا کر رہے ہیں۔تحریک جدید میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔ ہفتہ وار درس بھی ہوتا ہے۔

گزشتہ ماہ فروری میں وہاں کے ایک بہت بڑے بارسوخ عالم نے جو تصوف کا دم بھی بھرتا ہے ہمارے ساتھ مباہلہ ومناظرہ کرنا چاہا۔ جب ہماری طرف سے اس کی منظوری اور شرائط طے کرنے کا پیغام پہنچایا گیا۔تو (سنا ہے کہ) اس کو بعض منذر خوابیں آئیں۔اور دوسرے

لوگوں نے بھی اس کو ڈرایا اور کہا کہ احمدی تو شیطانوں کو مباہلہ کر کے مار لیتے ہیں۔تو اس نے انکار کر دیا جس کا ہمارے زیر تبلیغ غیر احمدیوں پر اچھا اثر ہوا۔‘‘

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن 1939-40ء)

بغداد میں تبلیغ احمدیت

بغداد میں تبلیغ کے متعلق چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

’’جماعت بغداد بھی ابتلا سے گزری اور گزر رہی ہے کیونکہ وہاں کی حکومت نے ارادہ کیا تھا کہ احمدیوں کو عراق سے نکال دیا جائے اور اس کے لئے مختلف تحقیقاتیں بھی شروع ہوئیں تھیں۔مگر اللہ تعالیٰ کے قوی ہاتھ نے دو تین فوری نمونے اپنی قدرت کے دکھلائے جس کی وجہ سے کچھ التوا ہو گیا۔مگر تاہم حکومت عراق اسی کوشش میں ہے کہ ان کو وہاں سے نکال دیا جائے لیکن باوجود اس کے وہاں کے احباب تبلیغ میں خاص حصہ لے رہے ہیں اور لٹریچر بھی تقسیم کر رہے ہیں اور چندہ میں بھی باقاعدہ ہیں۔(سالانہ رپورٹ صدر انجمن 1939-40ء)

نئی جماعتیں

حضرت چوہدری صاحب نے مصر، شام ، اردن، لبنان، اور عراق کے دورے کئے۔ آپ کے ذریعہ جہاں بلادعربیہ کی پہلی جماعتوں میں اضافہ ہوا۔ وہاں سوڈان، حبشہ، عدن، کویت، بحرین اور شمالی افریقہ میں نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ (تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 507)

ایک اور جگہ نئی جماعتوں کے متعلق حضرت چوہدری محمد شریف صاحب فرماتے ہیں:۔

اگرچہ نئی جماعت تو کسی جگہ قائم نہیں ہوئی۔مگر چار مقامات (صفہ۔دامون۔طھرہ۔مراز علی) ایسے ہیں جہاں پہلے کوئی احمدی نہ پایا جاتا تھا۔مگر اب وہاں سے ایک ایک دو اصحاب بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے۔

تبلیغی میدان میں قربانیاں

فلسطین انقلاب کے خاتمہ کے ساتھ ہی دوسری عالمی جنگ شروع ہوگئی۔ان حالات میں جماعت کے افراد مختلف ٹولیوں کی صورت میں تبلیغ کیلئے جاتے تھے اور مختلف پمفلٹس اور عربی

وعبرانی زبانوں میں تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا کرتے تھے۔ایک دن دو احمدی نوجوان تبلیغ کی غرض سے بہائیوں کے شہر علّہ میں گئے جن میں سے ایک کا نام کامل عودہ تھا۔لیکن وہاں جاکر یہ دونوں جدا ہوگئے۔ چنانچہ کامل عودہ صاحب کو مخالفین نے گھیر لیا اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔قریب تھا کہ وہ انہیں شہید کر دیتے۔لیکن انہوں نے ایک دکان میں پناہ لی اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔لوگ دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش میں تھے کہ وہاں پولیس آ گئی جس نے لوگوں کو منتشر کیا۔

آپ کو سوال کی اجازت نہیں ہے!

ایک دفعہ دو احمدی نوجوان حیفا میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے گرجے میں گئے۔جہاں پادری لیکچر دے رہا تھا۔لیکچر کے اختتام پر پادری نے کہا کہ اگر حاضرین میں سے کسی نے کوئی سوال پوچھنا ہو تو پوچھ سکتا ہے۔اس پر ان دو احمدیوں میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کوئی سوال پوچھا جس سے پادری کو پتہ چل گیا کہ یہ احمدی ہے۔ چنانچہ سوال کا جواب دینے کی بجائے اسے کہا: آپ کو سوال پوچھنے کی اجازت نہیں ہے۔احمدی نے کہا کہ آپ نے حاضرین کو سوال پوچھنے کی دعوت دی ہے اور مَیں حاضرین میں سے ہوں۔قصہ مختصر یہ کہ پادری نے سوالات سے عاجز آ کر گرجے کی روشنیاں بجھا کر سب کو اس سے نکل جانے کا کہا اور خود بھی چلتا بنا۔

واہ رے جوش جہالت......

ایک دفعہ دو آدمی جماعت میں داخل ہوئے۔ایک کا نام حمدی مقصود اور دوسرے کا نام فوزی تھا۔حمدی مقصود تعلیم یافتہ شاعر اور ادیب نوجوان تھا جبکہ فوزی احمدی ہونے سے قبل بے نماز اور شرابی تھا۔جب احمدی ہوا تو اس کے محلّہ کے مولوی اس کے پیچھے پڑ گئے۔فوزی نے انہیں کہا کہ جب مَیں بے نماز تھا اور شراب پیتا تھا تب تو آپ کو مجھ سے کوئی گلہ نہ تھا نہ میری زندگی پر کوئی اعتراض۔اب جبکہ مَیں نے وہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے تو تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔اس پر احمدیت کی اندھا دھند مخالفت کرنے والے ان مولویوں نے جواب دیا کہ قادیانی ہونے سے تو بہتر ہے کہ تم اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آؤ۔ چنانچہ یہ بدنصیب احمدیت چھوڑ کر اپنی پہلی ڈگر پر واپس آ گیا، جبکہ حمدی مقصود صاحب قائم رہے اور آپ کے بعض

قصائد مجلّہ البشریٰ میں نشر بھی ہوئے۔

باادب بانصیب

مکرم طٰہٰ قزق صاحب صدر جماعت اردن نے شاید چالیس کی دہائی میں بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی سیر کی۔ وہاں پیش آنے والے ایک واقعہ کے بارہ میں وہ لکھتے ہیں کہ وہاں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کا خاندان صدیوں سے مسجد اقصیٰ کا کلید بردار تھا۔ یہ لوگوں کو مسجد اقصیٰ کی سیر کرواتے تھے اور مختلف مقامات کے بارہ میں بتاتے تھے۔ باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ وہ احمدی ہے لیکن اس نے یہ بات چھپائی ہوئی ہے۔اس نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیارت بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے موقعہ پر پیش آنے والا ایک واقعہ بیان کیا کہ جب حضورؓ تشریف لائے تو مسجد میں کام کرنے والے تمام مشائخ کرام اور دیگر خادم حضرات کے ساتھ مسجد کے مختلف مقامات کی سیر کی۔ بعد ازاں حضورؓ تو اپنے ہوٹل میں تشریف لے گئے لیکن چونکہ کسی کو کچھ عطا نہ فرمایا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے آپؓ کے متعلق نا مناسب الفاظ کہے، بعض نے کچھ نہ کہا، اور بعض نے اس کے باوجود آپ کی تعریف ہی کی۔

اگلے دن حضورؓ نے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لفافوں میں کچھ نقدی بھجوائی اور عجیب بات یہ ہوئی کہ جس نے نامناسب الفاظ کہے تھے اس کو سب سے کم رقم ملی جبکہ جس نے خاموشی اختیار کی اس کو پہلے سے زیادہ اور جس نے حضورؓ کی تعریف کی تھی اس کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں حضورؓ کی تعریف کرنے والوں میں شامل تھا۔

استجابت دعا کا حیرت انگیز واقعہ

محترم سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت حضرت چوہدری صاحب کی قبولیت دعا کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’’ایک دفعہ مَیں نے چوہدری محمد شریف صاحب سے عرض کیا کہ عام طور پر لوگوں میں یہودیوں کے بارے میں نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔آپ ان میں موجود رہے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ اس پر انہوں نے مجھے ایک واقعہ بتایا کہ ایک دفعہ حیفا میں مَیں بیمار ہو گیا۔ ہسپتال میں لے جایا گیا۔ ہسپتال والوں کا Treatment بہت لمبا تھا اس لئے تجویز

ہوا کہ کوئی ڈاکٹر گھر پر ہی علاج کریں۔ چنانچہ ایک جرمن نژاد یہودی میرے علاج پر مقرر ہوا۔ اور وہ یہودی ڈاکٹر مسلسل میرے گھر میں آتا رہا۔ حتیٰ کہ جب برف باری بڑھ گئی تب بھی وہ میرے گھر آتا رہا۔ اس ڈاکٹر کے ہاں 18 سال قبل ایک بچی ہوئی تھی اور اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ڈاکٹر نے تو اس بات کا میرے سامنے ذکر نہ کیا۔ لیکن میرے دل میں اس ہمدرد ڈاکٹر کے لئے خاص رحم دلی پیدا ہوئی اور مَیں نے اس کے لئے اولاد کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ اس کے ہاں بیٹا ہوگا۔ چنانچہ مَیں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ تیرے ہاں اس سال میں ایک بیٹا ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو 18 سال بعد بیٹا فرمایا۔

یہودی طریق کے مطابق ساتویں دن بچے کے ختنے اور نام وغیرہ کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ اس ڈاکٹر نے اس دن اپنے بہت سے عزیزوں اور دوسرے لوگوں کو جن میں مذہبی علماء بھی تھے بلوایا اور مجھے اس دن خاص طور پر آنے کی دعوت دی۔ جب مَیں اس ڈاکٹر کے گھر گیا تو تمام یہودی مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ مسلمان یہاں کیا لینے آ گیا ہے۔ کیونکہ یہودی مسلمانوں سے خاصی منافرت رکھتے ہیں اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ یہ کس تعلق میں یہاں آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے سب کچھ بتایا کہ ان کی دعا سے ہی میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس لئے مَیں ان کو دعوت دے کر سب سے زیادہ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ اس لئے چوہدری صاحب نے بتایا کہ سارے یہودی ایک جیسے نہیں ہوتے ان میں کچھ شرفاء بھی ہوتے ہیں''۔

اس واقعہ سے بھی چوہدری صاحب کے مستجاب الدعوات ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

الٰہی مدد و نصرت

جب 1945ء میں اسرائیل قائم کیا گیا تو وہاں پر آپ نے یا کسی اور نے خواب دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ آسمان پر پرواز کر رہے ہیں اور کبابیر کے گاؤں کے گرد گھوم رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں۔ اس سے احمدیوں نے یہ یقین کر لیا کہ کبابیر محفوظ رہے گا اور کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور احمدی بھی محفوظ رہیں گے۔ چوہدری صاحب نے بہت کوشش کی کہ کوئی آدمی وہاں سے ہجرت نہ کرے لیکن بعض احمدی نوجوان گھبرا کر وہاں سے چلے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت فرمائی اور کبابیر میں جتنے بھی

احمدی موجود تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر ایک شر سے بچایا۔ یہ حضرت چوہدری صاحب کی عاجزانہ دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

جب اسرائیل کی حکومت قائم ہوگئی تو حکومت نے عام اعلان کیا کہ تمام لوگ ہر قسم کا اسلحہ حکومت کو جمع کروادیں اور حکومت گھر گھر جا کر تلاشی بھی لے رہی تھی۔ اس وقت بعض احمدیوں نے سوچا کہ اسلحہ کے ذریعے ہماری حفاظت ہوگی۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ مزید اسلحہ نہ خریدا جائے اور جو ہے اس کو واپس کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کرے گا۔ اس کے باوجود بعض احمدیوں نے کچھ اسلحہ تہہ خانہ میں دبا دیا۔ چوہدری صاحب جب فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے تو بڑے مسکرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ دیکھو یہاں تہہ خانے میں آپ لوگوں نے اسلحہ چھپا رکھا ہے۔ سب احمدی حیران ہوئے کہ ان کو کیسے پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ اسلحہ بھی حکومت کو واپس کر دیا گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت فرما کر تمام احمدی جماعت کو آنے والے شر سے جو خود احمدیوں کے ذریعے ہی پیدا ہونے والا تھا بچا لیا۔

رشدی بسطی صاحب اور ان کا اخلاص

رشدی بسطی صاحب اس عرصہ کے نہایت مخلص، عالم اور اچھا لکھنے والے دوست تھے۔ ان کے کئی مضامین البشریٰ کی زینت بنے۔ ازاں بعد انہوں نے لمبے عرصہ تک جماعت کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔

جب فلسطین کی تقسیم ہوگئی تو کئی احمدی وقتی طور پر ہجرت کر کے شام کے علاقوں میں آ گئے تھے۔ شام کی حکومت کی طرف سے فلسطینی مہاجروں کو ماہوار معمولی رقم ملتی تھی۔ اس معمولی رقم کے حصول کے لئے بعض اچھے رکھ رکھاؤ والے افراد بھی قطار میں کھڑے نظر آتے تھے۔ ایسی صورتحال میں اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو قطاروں میں کھڑے ہونے سے اس طرح بچا لیا کہ مکرم رشدی بسطی صاحب کی ایک اہلیہ کا تعلق اس وقت کے شام کے صدر ادیب الشیشکلی کے خاندان سے تھا بلکہ ان کا بھائی اس امدادی رقم کی تقسیم کا نگران تھا۔ چنانچہ مکرم رشدی بسطی صاحب ہر ماہ تمام احمدیوں کو اپنے گھر پر بلاتے اور چائے پیش فرمانے کے بعد حکومت کی طرف سے امدادی رقم پر مشتمل مہر بند لفافہ ہر ایک کے حوالے کر دیتے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دعا کا اعجاز

مکرم رشدی بسطی صاحب نے دو شادیاں کیں لیکن اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ چنانچہ اولاد کے حصول کی خواہش میں انہوں نے تیسری شادی کی اور ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں دعا کے لئے بھی لکھا۔ حضورؓ کی دعا کا اعجاز یوں ظاہر ہوا کہ انکی بیوی امید سے ہو گئیں۔ چنانچہ انہوں نے حضورؓ کی خدمت میں بچہ یا بچی کے نام رکھنے کی درخواست کی۔ لیکن حضورؓ کی طرف سے صرف لڑکی کا نام ہی آیا۔ یہ بات سب کے لئے حیران کن تھی لیکن اس وقت سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کے ہاں بچی کی ہی ولادت ہوئی۔ پھر ان کے ہاں دوسرے بچے کی پیدائش متوقع ہوئی تو انہوں نے دوبارہ حضورؓ کی خدمت میں نام عطا فرمانے کے لئے درخواست کی۔ چنانچہ اس دفعہ بھی ایک ہی نام آیا جو کہ لڑکی کا تھا اور لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ تیسری دفعہ ان کو صرف لڑکے کا نام موصول ہوا اور لڑکے کی ہی پیدائش ہوئی۔ یوں ان کے ہاں شاید چھ بچوں کی پیدائش ہوئی۔

چوہدری محمد شریف صاحب کی قابل قدر خدمات

خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے عہد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام کو ہی اکناف عالم میں نہیں پہنچایا بلکہ نہایت مخلص اور احمدیت کے شیدائی جماعت میں داخل کئے۔ ذیل میں ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا ایک خط درج کیا جا رہا ہے۔ جو انہوں نے جنگی خدمات کے دوران چند دن کی رخصت لے کر فلسطین جانے کے بعد وہاں کی جماعت احمدیہ کے متعلق لکھا اور جس میں اختصار کے ساتھ نہایت ہی خوشکن اور ایمان افروز حالات درج کئے اور احمدی احباب کے قابل رشک اخلاص و تقویٰ اور مبلغ فلسطین چوہدری محمد شریف صاحب کی قابل قدر خدمات کا ذکر فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

''سیدی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

پچھلے ماہ مَیں دو ہفتہ کی رخصت پر فلسطین اور شام گیا۔ اس عرصہ میں میرا زیادہ تر قیام چوہدری محمد شریف صاحب کے پاس رہا۔ کبابیر، حیفا اور دمشق کے احمدی احباب سے مل کر مجھے ان

کے اخلاص اور تقویٰ کی وجہ سے از حد خوشی حاصل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مَیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام میں پھر رہا ہوں۔ کبابیر میں وہاں اور حیفا کے دوستوں نے اپنے تعلق باللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضور اور احمدی بھائیوں کے ساتھ اپنی والہانہ محبت کے مظاہروں اور دوسروں کی بے غرضانہ خدمت سے جنتی زندگی کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ اس جنتی زندگی کے بنانے میں ہماری وہاں کی احمدی بہنوں اور ان کے بچے بچیوں کا بھی بہت دخل ہے۔ یہ سب مل کر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر وقت السلام علیکم۔ اھلاً وسھلاً اور احمدی بھائیوں کے ایک دوسرے سے گلنے ملنے کے خوش آئند منظر سے خدا یاد آ جاتا ہے۔

ہمارے یہ مخلص احمدی بھائی جس طریق سے ہماری آؤ بھگت کرتے ہیں۔ ضیف کرام کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ ہمارے بوجھ اٹھاتے اور بطیبِ خاطر و اصرار سے ہم پر خرچ کرتے ہیں وہ ایک نہ ٹلنے والا نقش دلوں پر چھوڑ جاتا ہے۔ چوہدری محمد شریف صاحب جو حضور کے ارشاد کے ماتحت اپنے عملی نمونہ اور شبانہ روز کی شدید محنت سے احقاقِ حق اور احمدی افراد کی تربیت میں مشغول ہیں نے تو اپنے اخلاص اور محبت کی حد کر دی۔ چوہدری صاحب جس ایثار قربانی اور جن حالات کے ماتحت سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت کر رہے ہیں وہ بذات خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر دال ہے۔ چوہدری محمد شریف صاحب تبلیغ و تربیت کرتے اور کراتے ہیں۔ خطوط کے جواب دیتے ہیں۔ مہمانوں کی نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے تواضع کرتے ہیں۔ اور ہر ممکن طریق سے ان کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ پریس میں خود کام کرتے ہیں۔ میری موجودگی میں انہوں نے یوم التبلیغ کے لئے اشتہارات چھاپنے میں ایک ساری رات خرچ کر دی۔ سکول میں بھی چھ گھنٹے ان کے روزانہ خرچ ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد اکثر خانگی امور انہیں خود سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ ان حالات کے ماتحت میرے خیال میں انہیں ایک معاون کی اشد ضرورت ہے۔ دمشق میں برادرم منیر الحصنی صاحب بھی اعلیٰ طور پر اپنے آپ کو اعلیٰ صفات کا مصداق ثابت کر رہے ہیں اور سب کچھ فراموش کر رہے۔ احمدیت کی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا حافظ و ناصر اور ان پر اپنے افضال کی بارش کرے۔ آمین خاکسار ڈاکٹر محمد رمضان۔"

(الفضل 25 / جون 1944ء صفحہ 4)

سب سے زیادہ خدمت

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب بیان فرماتے ہیں:

''جب مجھے بلاد عربیہ میں دو تین سال ہو گئے تو مَیں نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں اس قدر عرصہ خدمتِ سلسلہ کے لئے عطا فرمائے کہ مجھ سے پہلے کسی مبلغ کو اس قدر عرصہ یہاں نہ ملا ہو۔

چنانچہ خدائے عظیم و برتر نے میری یہ دعا قبول فرمائی اور مجھے حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس اور حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب رضوان اللہ علیہم کے مجموعی عرصہ سے بھی زیادہ خدمت کی توفیق دی اور مسلسل 18 سال تک فلسطین میں اقامت کا موقع عطا فرمایا۔ الحمد للہ۔ (تشحیذ الاذہان جنوری 1978ء صفحہ 11)

مرکز میں واپسی

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب دسمبر 1955ء میں بلاد عربیہ سے واپس تشریف لے آئے۔ آپ بلاد عربیہ میں تقریباً 18 سال سلسلہ کی خدمت کرتے رہے۔ اور آپ بلاد عربیہ میں سب سے زیادہ عرصہ کام کرنے والے پہلے مبلغ تھے۔ آپ کی واپسی پر صدر انجمن قادیان کے ماتحت فلسطین مشن میں مولوی جلال الدین صاحب قمر انچارج مقرر ہوئے۔

بلاد عربیہ میں دوبارہ ورود

یہاں یہ بھی ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا محمد شریف صاحب کو جب تبلیغ احمدیت کے لئے گیمبیا بھجوایا گیا تو آپ نے اس سفر کے دوران بیروت میں کچھ دنوں کے لئے قیام فرمایا جس میں آپ نے ایک دفعہ پھر بلاد عربیہ کے بعض علاقوں کا دورہ کیا اور پرانے اور نئے احمدی احباب سے ملاقات کی۔ ان ایام کی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

لبنان کے احمدیوں کا اخلاص

مَیں نے برادرانِ جماعت احمدیہ لبنان کو ربوہ اور کراچی سے بذریعہ خط اطلاع کر دی تھی

کہ میں 19 ؍فروری کو پی آئی اے کے جہاز میں ان کے پاس بیروت پہنچوں گا۔الحمدللہ کہ میرے خطوط ان کو وقت پر مل گئے اور ہوائی جہاز کے بیروت میں پہنچنے کے وقت پر ہوائی مستقر میں میرے استقبال کے لئے مخدومی و معظمی مرزا جمال احمد صاحب، برادران الشیخ عبدالرحمٰن السعیفان، ابوتوفیق محمد الصفدی، ابوعلی الدَّ الاتی اور محمد الدَّ رخبانی موجود تھے۔ ہمارا جہاز بوجہ خرابی اصل وقت مقررہ سے چار گھنٹے دیر سے پہنچا لیکن یہ برادران کرام (جو سب سوائے برادرم محمد الدرخبانی کے مجھ سے عمر میں بڑے ہیں) فرطِ محبت کی وجہ سے اپنے گھروں کو واپس نہ گئے بلکہ وہاں ہی اس قدر لمبا عرصہ میرے انتظار میں رہے اور بڑی خوشی اور محبت سے مجھے اھلاً و سھلاً و مرحبا کہا اور بہت عزت افزائی کی۔

(الفضل 25؍جولائی 1983ء صفحہ 3)

تمنا بر آئی

برادرم الشیخ عبدالرحمٰن السعیفان نے اپنے قصبہ برجا میں جو بیروت سے اندازاً بیس میل جانب جنوب سمندر کے کنارہ اور پہاڑ کی چوٹی پر کبابیر فلسطین کی طرح واقع ہے ایک دن پُرتکلف دعوت بھی کی۔جس میں بہت سے معززین قصبہ مدعو تھے۔ برادرم ابو توفیق محمد الصفدی، برادرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی سابق مبلغ لبنان و شام و اُردن کو (ان کے لبنان میں اقامت کے ایام میں) قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مَیں مروں گا نہیں جب تک کہ اپنے مبلغ چوہدری محمد شریف کو دیکھ نہ لوں۔ آج ان کی یہ تمنا پوری ہو رہی تھی۔ اور فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا (آل عمران:103) کی تصدیق ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان بڑھ رہا تھا۔

(الفضل 25؍جولائی 1983ء صفحہ 3)

شام میں

لبنان سے شام کو چلا گیا۔ وہاں برادرم منیر الحصنی صاحب کے مکان پر ٹھہرا۔ اور ان کے حسن ضیافت اور للّٰہی محبت سے متمتع ہوا۔ ان کی اہلیہ صاحبہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہو جانے کی توفیق عطا فرمائی۔ سب احبابِ جماعت شام سے ملاقات ہوئی۔ انقلابِ فلسطین کے بعد میرا دمشق میں پہلی دفعہ جانا ہوا تھا اور ایسا یکدم تھا

کہ بعض احباب دریافت کرتے تھے کہ کیا آپ سچ مچ ہمیں اس دنیا میں مل گئے ہیں یا ہم عالم خواب میں ہیں؟ چند دوستوں نے لبنان میں اور چند احباب نے شام میں بھی کہا کہ ہم مرکز کو تار دیتے ہیں کہ آپ یہاں ہمارے ملک میں ہی ٹھہریں۔ آپ کا افریقہ سے کیا کام؟ مَیں نے کہا یہ غلطی ہرگز نہ کریں اور مجھے نادانستہ نقصان نہ پہنچائیں۔ سب برکتیں اطاعت میں ہیں اور ہماری جماعت کی کامیابی کا راز اطاعت میں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی مشیئت لے جائے وہی ہمارا اصل مقام ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے اس نکتہ کو فوراً سمجھ لیا اور مجھے ان کے ساتھ زیادہ سر دردی نہ کرنی پڑی۔ (الفضل 25 / جولائی 1983ء صفحہ 3)

دو مبلغین کی آمد

مولانا محمد شریف صاحب کے بلاد عربیہ میں قیام کے دوران دو مبلغین کرام مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر اور مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی بلاد عربیہ میں تشریف لائے۔ جنہوں نے مولانا محمد شریف صاحب کے ساتھ مل کر اور آپ کے زیر نگرانی مختلف بلاد عربیہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

جناب شیخ نور احمد صاحب منیر 3 / ذوالحجہ 1346ھ کو حیفا پہنچے جبکہ مکرم مولوی رشید احمد چغتائی صاحب 28 / محرم 1368ھ کو حیفا تشریف لائے۔

مکرم شیخ نور احمد منیر صاحب چند ماہ فلسطین میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد 17 / ستمبر 1946ء کو شام میں آ گئے اور جماعت احمدیہ شام کو بیدار کرنے کے علاوہ اس ملک کے اونچے طبقہ تک پیغام احمدیت پہنچایا اور ملکی پریس کے ذریعہ عوامی حلقوں کو بھی جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں سے روشناس کرایا۔ پھر آپ ہی کے قیام شام کے دوران فلسطینی احمدی نہایت بے سروسامانی کی حالت میں دمشق میں پناہ گزیں ہوئے جن کی آبادکاری کا انتظام بھی آپ نے اور مکرم منیر الحصنی صاحب کے ساتھ مل کر کیا۔ اس سلسہ میں جماعت احمدیہ دمشق نے بہت اخلاص اور ہمدردی کا نمونہ دکھایا اور احمدی مہاجرین کی خصوصا اور دوسرے مہاجرین کی عموما ہر ممکن امداد کی۔

آپ گرانقدر خدمات کے بعد 17 / دسمبر 1949ء کو مرکز میں واپس آ گئے۔

مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کے فلسطین میں پہنچنے کے ایک سال بعد چونکہ فلسطین کی

صورت حال بہت نازک ہوگئی تھی۔ اس لئے چوہدری محمد شریف صاحب نے انہیں 3/ مارچ 1948ء کو اردن میں نیا مشن قائم کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ (تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 530)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ انچارج کے اس بروقت اقدام کی تعریف اور السید منیر الحصنی اور شیخ نور احمد صاحب منیر کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

''مشرقی پنجاب پر جیسے تباہی آئی ویسے ہی یہودیوں کے حملہ کی وجہ سے فلسطین پر آئی ہے اور خطرناک جگہ وہی تھی جہاں ہماری جماعت تھی۔ حیفا کی جماعت کا کچھ حصہ فسادات سے پہلے ہی دمشق چلا گیا تھا۔ باقیوں کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی۔ چوہدری محمد شریف صاحب نے جو وہاں کے مشنری انچارج تھے وقت کی نزاکت سمجھتے ہوئے بڑی ہوشیاری سے کام کیا اور اپنا ایک مبلغ شرق اردن بھجوادیا اور اسے ہدایت کی کہ پتہ نہیں ہمارا کیا حال ہو تم وہاں جا کر نیا مرکز بنانے کی کوشش کرو۔ گویا انہوں نے وہی تدبیر اختیار کی جو ہم نے قادیان سے نکلنے کے وقت اختیار کی تھی اور اپنا ایک ساتھی شرق اردن میں بھجوا دیا...... شام میں کسی وقت ہمارے مبلغ گئے تھے لیکن کافی عرصہ سے یہ میدان خالی پڑا تھا۔ تحریک جدید کے ماتحت شیخ نور احمد صاحب کو وہاں بھیجا گیا ان کے ذریعہ جماعت میں ایک خاص بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ وہاں کے دوست منیر الحصنی صاحب مقامی احمدی ہیں جو کہ نہایت ہی مخلص اور اچھے تعلیم یافتہ ہیں۔ انہوں نے یورپ میں فرانس وغیرہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ آسودہ حال اور تاجر ہیں اور ان کے ایک بھائی کی قاہرہ (مصر) میں ایک بڑی دکان ہے۔ ان کے خاندان کے سب افراد احمدی ہو گئے ہیں اور بہت مخلص اور قربانی کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے مبلغ کے وہاں جانے کی وجہ سے اور برادرم منیر الحصنی صاحب کے قادیان میں رہ جانے کی وجہ سے وہاں کی جماعت میں ایک خاص احساس اور بیداری پیدا ہو چکی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھا اثر پیدا ہوا ہے۔

(الفضل 5/ دسمبر 1948ء صفحہ 3، تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 530-531)

مکرم رشید احمد چغتائی صاحب نے اردن میں 7/ جولائی 1949ء تک تبلیغی فرائض ادا کئے۔ ازاں بعد آپ دمشق میں آ گئے۔ اور کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد لبنان مشن کی بنیاد رکھی اور 22/ دسمبر 1951ء کو مرکز (ربوہ) میں پہنچے۔

(ملخص از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 530)

مکرم مولانا محمد شریف صاحب اور مکرم منیر الحصنی صاحب

مکرم مولانا محمد شریف صاحب، مکرم طٰہٰ قزق صاحب اور مکرم عطاء المجیب راشد صاحب

کرسیوں پر: عبدالرؤف الحصنی، مصطفیٰ نویلاتی، علی بِک ارناؤوط، چوہدری محمد شریف،
منیر الحصنی، شفیق شبیب۔
کھڑے ہوئے: علاء الدین نویلاتی، ممدوح الدرکشلی، محمد الحصنی، انورارناؤوط،
حمدی زکی، مسلم السیر وان، ابو صلاح نویلاتی، ابن علی ارناؤوط، موفق سلطان،
عبداللطیف الیافی، طریف شبیب

مولانا محمد شریف صاحب کی کبابیر سے واپسی کے موقعہ احباب جماعت کے ساتھ مسجد
سیدنا محمود کے سامنے ایک یادگار تصویر

عظیم الشان تاریخی اہمیت کے حامل واقعات

مکرم مولانا چوہدری محمد شریف صاحب کے تبلیغی جہاد کے عرصہ میں ہی بعض ایسے واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے جن کا جماعتی سطح پر خصوصا اور اسلامی اور عالمی سطح پر عموما بہت دور رس اثر محسوس ہوا اور ہو رہا ہے۔ان میں سے بعض کا تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مدیر ''رابطہ اسلامیہ'' کی قادیان تشریف آوری

وسط اپریل 1939ء میں عالم اسلام کے دو مشہور عالم قادیان کی شہرت سن کر مرکز احمدیت میں تشریف لائے۔ ا۔ حاجی موسیٰ جار اللہ ۲۔الاستاذ عبد العزیز ادیب مدیر ماہنامہ ''رابطہ اسلامیہ'' دمشق۔

ان میں علامہ موسیٰ جار اللہ جو کہ روسی ترک عالم تھے اور عربی زبان پر عبور رکھتے تھے جماعت کے عقائد و تعلیمات سے بہت متاثر ہو کر گئے اور تین سال بعد اپنی کتاب ''اوائل السور'' میں فیضان نبوت اور معراج کے بارہ میں جماعت احمدیہ کے نظریہ کی تائید کی۔

(تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 619)

نظام نو اور عباس محمود عقاد کی مدح سرائی

چالیس کی دہائی میں جب دنیا ابھی دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریوں سے نبرد آزما تھی۔ ایسے حالات میں 1942ء کے جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ''نظام نو'' کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء خطاب فرمایا جس میں مختلف دینی اور سیاسی نظاموں پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے اسلامی نظام کا غربت اور فقر اور مایوسی کی کیفیات

سے نکالنے پر قادر ہونا اور جملہ مشکلات کا واحد کارآمد حل ہونا ثابت کیا۔

بعد میں جب یہ عظیم الشان خطاب انگریزی میں ترجمہ ہو کر دنیا میں نشر ہوا تو اس کی ایک کاپی مصر کے مشہور و معروف ادیب عباس محمود عقاد تک بھی پہنچی جسے پڑھ کر انہوں نے اس پر ریویو لکھا جس میں کتاب کے خلاصہ کے علاوہ مؤلف کے تبحر علمی کا بھی اعتراف کیا۔ واضح رہے کہ عباس محمود عقاد سو سے زیادہ کتابوں کے مؤلف، قادر الکلام شاعر ادیب اور عربی ادب کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

یہاں پر ان کے ریویو میں سے ایک اقتباس بطور نمونہ پیش ہے، لکھتے ہیں:

يبدو من مطالعة هذا الخطاب أن صاحبه يوجه النظام العالمی إلى حل مشكلة الفقر أو مشكلة الثروة وتوزيعها بين أمم العالم وأفراده۔ وأنه بغير شك على اطلاع واف محيط بالأنظمة الحديثة التى عولجت بها هذه المشكلة۔

(مجلۃ ''الرسالۃ'' شمارہ 699 تاریخ اوّل محرم 1366ھ)

یعنی اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مؤلف عالمی نظام کو غربت کے مسئلہ کے حل کی طرف راہنمائی کرتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ مؤلف دولت کی اقوام عالم کے مابین تقسیم کے مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے اور اس بات میں کچھ شک نہیں ہے کہ مؤلف ان تمام نئے نظاموں سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے جن کے ذریعہ اس مشکل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سیرالیون میں مقیم لبنانی احمدیوں کا ذکرِ خیر

مکرم چوہدری محمد شریف صاحب کے حوالے سے لبنانی احمدیوں کا ذکر ہوا تو یہاں پر سیرالیون میں مقیم بعض لبنانی احمدیوں کا بھی ذکر کرتے چلتے ہیں۔ ''روح پرور یادیں'' میں مکرم مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری سابق مبلغ انچارج سیرالیون کی زبانی دو مخلص لبنانی احمدیوں کا ذکر درج ہے جو معمولی تصرف کے ساتھ نظر قارئین کیا جاتا ہے۔

مکرم سید حسن محمد ابراہیم الحسینی مرحوم

مکرم سید حسن محمد ابراہیم الحسینی مرحوم سیرالیون کی جماعت کے ایک نہایت مخلص اور عالم دین رکن تھے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں مثالی تعلق محبت و عشق تھا۔ اور سلسلہ احمدیہ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے لبنانی عرب دوست تھے۔ سیرالیون میں جہاں احمدیت کا پیغام پہنچانے میں الحاج مولانا نذیر احمد علی مرحوم کو خاص توفیق ملی وہاں مقامی طور پر احمدیت کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں سید حسن مرحوم کی کوششیں بھی ناقابل فراموش ہیں۔

سید حسن مرحوم 1927 میں لبنان سے سیرالیون جا کر تجارت وغیرہ کرنے لگے۔ سیرالیون میں احمدیہ مشن کھلنے سے بہت پہلے ہی مرحوم کو بعض عربی اور انگریزی رسائل کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ اور وہ اس کوشش میں تھے کہ کسی ذریعہ سے انہیں اس بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل ہوں۔ چنانچہ 1937 میں جب حضرت مولانا نذیر احمد علی مرحوم سیرالیون میں باقاعدہ احمدیہ مشن کھولنے کیلئے تشریف لے گئے تو اس وقت سید حسن مرحوم سیرالیون کے جنوبی صوبہ کے ایک گاؤں ''باؤماہون'' میں کاروبار کرتے تھے۔ یہ

گاؤں اس وقت سونے کی کانوں کی وجہ سے تجارت کا مرکز تھا۔ جب سید حسن صاحب کو الحاج مولانا علی مرحوم کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً مولانا مرحوم کو ''باؤماہون'' آنے کی دعوت دی جس پر مولانا مرحوم وہاں تشریف لے گئے اور ان کی تبلیغ سے نہ صرف حسن صاحب نے احمدیت قبول کر لی بلکہ کثیر تعداد میں افریقن لوگ بھی بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔

قبول احمدیت کے بعد سید حسن مرحوم کی ان کے ہم وطن لبنانی تاجروں کی طرف سے شدید مخالف شروع ہوگئی مگر آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی بلکہ آپ ایمان کی مضبوطی اور اخلاص وقربانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور اپنے لبنانی ہموطنوں اور دیگر عرب تاجروں میں شب وروز تبلیغ کرنے لگے جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے آپ دو اور لبنانی خاندانوں کو احمدیت کی آغوش میں لانے میں کامیاب ہوگئے۔ یعنی سید امین خلیل سلکیی مرحوم اور سید محمد حدرج صاحب کے خاندان۔ مکرم سید محمد حدرج اور انکی اولاد خدا تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت احمدیہ سیرالیون کے خاص اور فدائی ممبران میں شمار ہوتے ہیں۔ مبلغین کرام سے ان کا تعاون اور محبت اور مرکز سے ان کی عقیدت دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور انکی اولاد کو صحت وسلامتی سے رکھے اور اخلاص میں ترقی دے۔ آمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی مدح میں عربی قصیدہ

سید حسن ابراہیم مرحوم جب تک زندہ رہے نظام سلسلہ کی پابندی، خلیفہ وقت کی اطاعت اور مبلغین کرام سے تعاون اور ان کی خدمت کرنے کو اپنا فرض سمجھتے رہے۔ خلیفہ وقت کی زیارت کے لئے مرکز سلسلہ میں آنے کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سنیں اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ 1970 میں مغربی افریقہ کے دورہ پر تشریف لے گئے اس موقعہ پر سید حسن صاحب نے حضورؒ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ کہا اور حضور کی موجودمیں خود اجلاس عام میں پڑھ کر سنایا۔ قصیدہ پڑھتے وقت ان پر ایسی رقت کی کیفیت طاری تھی کہ گویا وہ عشق ومحبت کی کوئی واردات بیان کر رہے ہیں۔

جنوری 1971 میں وہ کچھ عرصہ کے لئے لبنان چلے گئے کیونکہ انکے تین بچے وہاں زیر تعلیم تھے۔ لبنان سے وہ ربوہ (پاکستان) جانے کا ارادہ رکھتے تھے تا کہ اپنی بقیہ زندگی وقف کر کے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیں مگر زندگی نے وفا نہ کی اور آپ لبنان میں اپنے

گاؤں میں مختصر علالت کے بعد مارچ 1972 میں وفات پا گئے۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند کرے اور انہیں اپنی رحمتوں بھری جنت نصیب کرے۔ آمین۔

مکرم سید امین خلیل سلکیکی مرحوم

سید امین خلیل سلکیکی مرحوم بھی سیرالیون احمدیہ جماعت کے ایک نہایت مخلص فدائی اور جان نثار احمدی تھے۔ یوں تو مرحوم کو سلسلہ عالیہ احمدیہ سے دیرینہ محبت وعقیدت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً احمدیہ مشن کی اعانت فرماتے رہتے تھے مگر سلسلہ میں باقاعدہ طور پر دسمبر 1946ء میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد قربانی ایثار اور اخلاص کا وہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ پیش کیا جس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ذکر پر فرط محبت سے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ فی الواقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام: يصلون عليك أبدال الشام کے مصداق تھے۔ سیرالیون احمدیہ مشن کے ابتدائی مشکل اوقات میں آپ اکثر مالی امداد فرماتے رہے، مبلغین سے محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا خاصہ تھا۔ جب بھی ان کے ہاں جانا ہوا انہیں یہی کہتے سنا کہ میرا گھر مجاہدین احمدیت کے لئے وقف ہے اور انکی خدمت میرے لئے عین سعادت ہے۔

انہیں یہ بھی شدید خواہش تھی کہ ان کی اولاد بھی خادم سلسلہ عالیہ احمدیہ ہو اور ان کے دلوں میں اسلام اور احمدیت کی محبت گھر کر جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے عزیز علی امین کو چھوٹی عمر میں ہی تعلیم کی غرض سے ربوہ بھجوا دیا۔

بچہ کی معجزانہ شفایابی اور اہلیہ کی بیعت

ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شروع میں جب انہوں نے احمدیت قبول کی تو ان کی اہلیہ احمدی ہونے پر راضی نہ تھیں۔ ان کے بھائی سخت مخالف تھے۔ تاہم وہ انہیں متواتر تبلیغ کرتے اور سمجھاتے رہے۔ اس دوران ان کا بیٹا امین سخت بیمار ہو گیا۔ اسے علاج کے لئے ’’مگبورکا‘‘ سے تقریباً 51 میل دور ایک شہر ’’مکینی‘‘ لے جایا گیا مگر وہاں اس کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے کر ہسپتال سے رخصت کر دیا۔ آخر بوقتِ شب ان کی اہلیہ نے متواتر دعا کی کہ اے شافئ مطلق خدا! اگر سیدنا احمد واقعی سچے مہدی اور

امامِ وقت ہیں تو ان کی صداقت کے صدقے میرے اس بچے کو اب تو بغیر دوا کے ہی اپنے فضل سے شفاء عطا فرمادے۔ رات کو وہ اپنے بچے کے پاس بیٹھی بڑے عجز وانکسار سے یہ دعا کرتی رہیں اور صبح کیا دیکھتی ہیں کہ بچے کی بیماری میں بہت حد تک کمی واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں بچہ کو واپس ''مگبورکا'' اپنے گھر لے آئیں اور سارا واقعہ اپنے خاوند سید امین صاحب کو کہہ سنایا۔ الحمد للہ کہ اس کے بعد ایک دو روز میں بچہ کو اللہ تعالیٰ نے کامل صحت عطا فرمادی۔ اسی قسم کے قبولیت دعا کے ایک دو اور واقعات سنا کر انہوں نے بتایا کہ اس طرح ان کی اہلیہ کو بھی شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

جذبۂ قربانی اور آخری خواہش

اپریل 1960ء میں وہ سخت بیمار ہو گئے اور کچھ عرصہ فری ٹاؤن اور ''بو'' کے ہسپتالوں میں زیر علاج رہے جہاں پر بار بار اس امر کا ذکر کیا کہ میں اپنی جائیداد کا تیسرا حصہ خدمت اسلام کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں اور صحت ہونے پر انشاء اللہ وصیت کر دوں گا۔ جب بھی ہم تیمارداری کے لئے جاتے وہ باوجود شدید نقاہت کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احمدیت کی صداقت کا ذکر شروع کر دیتے۔

ایک دفعہ کہنے لگے کہ میری یہ شدید خواہش ہے کہ سیدنا محمود کی زیارت نصیب ہو مگر صحت اجازت نہیں دیتی، پھر روتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر ہو سکے تو اب میری یہ آرزو پوری کر دی جائے کہ میری وفات کے بعد میری میّت کو میرے خرچ پر قادیان لے جا کر سیدنا حضرت احمد علیہ السلام کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے غیر احمدی رشتہ داروں نے ان کی وفات کے بعد انہیں وہیں دفن کر دیا جہاں وہ اور ان کا خاندان کاروبار کرتا تھا۔

ان کی وفات قصبہ ''بیلے'' میں 12/اور 13/ستمبر 1960 کی درمیانی شب کو ہوئی۔ مکرم مولوی شیخ نصیر الدین صاحب سابق امیر جماعتہائے احمدیہ سیرالیون نے جنازہ پڑھایا جس میں احمدی احباب کے علاوہ شامی، لبنانی اور افریقن دوست بھی کثرت سے شامل ہوئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور جنت میں اعلیٰ علّیین میں مقام عطا فرمائے اور اولاد کو اسلام اور احمدیت پر قائم رکھے۔ (ماخوذ از روح پرور یادیں صفحہ 519 تا 523)

مدیر اخبار ''وفاء العرب'' (دمشق) سے گفتگو

دمشق کے ایک مشہور ادیب محمود خیر الدین مدیر جریدہ ''وفاء العرب'' ہندوستان آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور سلسلہ احمدیہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قادیان بھی تشریف لائے اور تین دن قیام کیا۔ واپس جا کر انہوں نے اپنے اخبار ''وفاء العرب'' میں مؤرخہ 29 ذی الحج 1339ھ میں ایک مفصل مضمون لکھا جس کا ترجمہ الفضل مؤرخہ 20راکتوبر 1931 میں شائع ہوا۔ مدیر موصوف سے گفتگو سوال وجواب کی صورت میں تھی۔ بیشتر سوالات ہندو مسلم تنازعہ کے متعلق تھے۔ آخر پر اس مدیر نے آپ سے سوال کیا کہ:

ہم آپ کے سلسلہ مؤقرہ کے متعلق اکثر سنا کرتے ہیں لیکن متعدد امور کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں۔ کیا آپ مجھے ایسے حقائق سے مطلع فرمائیں گے جو میں اہل وطن کو ہدیہ پیش کرسکوں؟

جواب: ہماری جماعت شریعت حقہ قرآن اور احادیث نبویہ پر سختی سے عامل ہے اور ان سے سرِ مُو منحرف نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور پر دلائل قاطعہ ہیں۔ آپ ہمارے سامنے ظاہر ہوئے اور حقیقی دین اسلام کی اشاعت فرمائی۔ الحمد للہ کہ اکثر بلاد عربیہ وغربیہ میں سے عقلمند لوگ وعلماء ہمارے مبلغین کے ذریعہ اس سلسلہ حقہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور ہمارا مقصد یہی ہے کہ اعدائے اسلام کے شرانگیز پروپیگنڈا کی مدافعت کریں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت پر تُلے ہوئے ہیں اور تمام جہان کو دینِ واحد پر جمع کریں۔ ہمارا اور تمام ملت اسلامیہ کا فرض ہے کہ تمام مخالفین اسلام کا مقابلہ کریں۔

سوال: جماعت احمدیہ کی تعداد کتنی ہوگی؟

جواب: صحیح اعداد و شمار تو میں بتا نہیں سکتا لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ قریباً سات لاکھ سے زیادہ ہے اور اس وقت بھی تیز رفتاری کے ساتھ ترقی پذیر ہے۔ اور اکثر افرادِ جماعت احمدیہ اپنی زندگیاں تبلیغ وتبشیر کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ ہمیں خدا کے فضل سے امید ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ بلاد عربیہ وغیرہ میں جماعت احمدیہ کی کثیر تعداد پیدا کر سکیں۔

سوال: آپ کا بلاد شام کے دیکھنے کا بھی کوئی ارادہ ہے؟

جواب: کثرتِ اشغال اور دیگر امور اس میں مانع ہیں۔ اگرچہ شامیوں کے حسن اخلاق کا مجھ پر گہرا اثر ہے۔

(الفضل 20راکتوبر 1931 ص 6۔7، انوار العلوم جلد 12 ص 330)

امام جماعت احمدیہ
مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے سینہ سپر

رشید عالی الکیلانی عراق کے پہلے وزیر اعظم کے اقرباء میں سے تھا۔ جس نے عثمانیوں سے عراق کی آزادی کے لئے مختلف خفیہ تنظیموں میں کام کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ کے فوراً بعد مئی 1941ء میں انہوں نے خفیہ تنظیموں کے بعض فوجی افسران کے ساتھ مل کر اپنی دانست میں عراق کو بچانے اور اس کو برطانوی تسلط سے آزاد کروانے کے لئے ایک تنظیم قائم کی۔ دوسری طرف اس نے یروشلم کے مفتی الشیخ امین الحسینی کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور جرمنی کے ساتھ مل کر برطانوی تسلط کے خلاف تدابیر کرنے لگا۔ یہ شخص ہٹلر سے بھی ملا اور اس کے تعاون سے جرمنی میں ایک ریڈیو سٹیشن قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا جہاں سے تمام عرب دنیا کو مخاطب کر کے عراق اور عرب ممالک کی آزادی اور برطانوی تسلط کے خلاف ابھارتا تھا۔
(http://ar.wikipedia.org/wiki)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف برطانیہ کی طرف سے عراق پر شدید اقتصادی پابندیاں عائد کر دی گئیں تو دوسری طرف نازی طاقتوں کی طرف سے مسلمانوں کے مقدس مقامات کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔

آج کل شاید اس خطرناک صورت حال کو سمجھنا اتنا آسان نہ ہو کیونکہ آج کل عرب ممالک کی کسی قدر آزادی اور خودمختاری قائم ہے۔ اسی طرح مالی، اقتصادی اور امن عامہ کی صورتحال بھی نسبتاً بہتر ہے۔ عالمی سطح پر ایک ملک کی دوسرے کے خلاف جارحیت کے سدباب کے لئے قوانین ہیں اور اکثر ممالک بڑی بڑی طاقتوں کے ساتھ معاہدات کر کے اپنے آپ کو

کسی قدر محفوظ خیال کرتے ہیں۔ لیکن جس وقت کی یہ بات ہو رہی ہے اس وقت دوسری عالمی جنگ کا ابھی خاتمہ ہوا ہی تھا اور بڑے بڑے ممالک کے خلاف چھوٹے ممالک کی ادنیٰ سی حرکت بھی دوبارہ جنگ کا بازار گرم کر سکتی تھی۔ اور بلاد عربیہ کا میدان جنگ بننے کا سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں اور انکے مقدس مقامات کو ہونا تھا۔ اس لئے رشید عالی الکیلانی کی اس حرکت کو عالم اسلام میں بڑی نفرت کی نظر سے دیکھا گیا۔

مختلف اسلامی تنظیمات اور دینی جماعتوں کی طرف سے اس امر کی مذمت کی گئی۔ کسی نے رشید عالی اور مفتی یروشلم کو گالیاں دیں تو کسی نے ان کو غدار قرار دیا۔ ایسے میں ہمیشہ کی طرح اگر کوئی جرأت مندانہ آواز بلند ہوئی تو جماعت احمدیہ کی طرف سے ہوئی۔ اور اگر کسی کے منہ سے کلمہء حق نکلا تو وہ امام جماعت احمدیہ کی زبان مبارک سے نکلا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایسے موقعہ پر خاموش رہنا گوارا نہ فرمایا اور 25 مئی 1941ء کو لاہور ریڈیو سٹیشن سے ''عراق کے حالات پر تبصرہ'' کے عنوان سے ایک اہم تقریر فرمائی جسے دہلی اور لکھنؤ کے سٹیشنوں نے بھی نشر کیا۔

حضورؓ نے فرمایا:

''عراق کی موجودہ شورش دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے بھی اور ہندوستان کے لئے بھی تشویش کا موجب ہو رہی ہے۔ عراق کا دارالخلافہ بغداد اور اس کی بندرگاہ بصرہ اور اس کے تیل کے چشموں کا مرکز موصل ایسے مقامات ہیں جن کے نام سے ایک مسلمان بچپن ہی سے روشناس ہو جاتا ہے۔ بنو عباس کی حکومت علوم وفنون کی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے طبعاً مسلمانوں کے لئے ایک خوشکن یادگار ہے۔ لیکن الف لیلہ جو عربی علوم کی طرف توجہ کرنے والے بچوں کی بہترین دوست ہے۔ اس میں تو بغداد کے بازار اور بصرہ کی گلیاں اور موصل کی سڑکیں ان کے سامنے اس طرح آ کھڑی ہوتی ہیں کہ گویا کہ انہوں نے ساری عمر انہی میں بسر کی ہے۔ مَیں اپنی نسبت تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ بچپن میں بغداد اور بصرہ مجھے لنڈن اور پیرس سے کہیں زیادہ دلکش نظر آیا کرتے تھے کیونکہ اوّل الذکر میرے علم کی دیواروں کے اندر بند تھے اور ثانی الذکر میری قوت واہمہ کے ساتھ تمام عالم میں پرواز کرتے نظر آتے تھے۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو علم حدیث نے امام احمد بن حنبل کو فقہ نے، امام ابوحنیفہ اور امام یوسف کو تصوف نے، جنید، شبلی اور سید عبد القادر جیلانی کو تاریخ نے، عبد الرحمٰن بن قیم کو علم

تدریس نے، نظام الدین طوسی کو ادب نے، مبرّ د، سیبویہ، جریر، اور فرزدق کو سیاست نے، ہارون، مامون اور ملک شاہ جیسے لوگوں کو جو اپنے اپنے دائرہ میں یادگار زمانہ تھے اور ہیں، ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے لاکر اس طرح کھڑا کیا کہ اب تک ان کے کمالات کے مشاہدہ سے دل امید سے پر ہیں اور افکار بلند پروازیوں میں مشغول ہیں۔

ان کمالات کے مظہر اور دلکشیوں کے پیدا کرنے والے عراق میں فتنہ کے ظاہر ہونے پر مسلمانوں کے دل دکھے بغیر کس طرح رہ سکتے ہیں؟ کیا ان ہزاروں بزرگوں کے مقابر جو دنیوی نہیں روحانی رشتہ سے ہمارے ساتھ منسلک ہیں ان پر بمباری کا خطرہ ہمیں بے فکر رہنے دے سکتا ہے؟ عراق سنی اور شیعہ دونوں کے بزرگوں کے مقدس مقامات کا جامع ہے۔ آج وہ امن خطرہ میں پڑ رہا ہے اور دنیا کے مسلمان اس پر خاموش نہیں رہ سکتے اور خاموش نہیں ہیں۔ دنیا کے ہر گوشہ کے مسلمان اس وقت گھبراہٹ ظاہر کر رہے ہیں اور ان کی یہ گھبراہٹ بجا ہے کیونکہ وہ جنگ جس کے تصفیہ کی افریقہ کے صحرا، میڈیٹرینین کے سمندر میں امید کی جاتی تھی اب وہ مسلمانوں کے گھروں میں لڑی جائیگی۔ اب ہماری مساجد کے صحن اور ہمارے بزرگوں کے مقابر کے احاطے اس کی آماجگاہ بنیں گے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جرمنوں نے جن ملکوں پر قبضہ جما رکھا ہے ان کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ اگر شیخ رشید علی جیلانی اور ان کے ساتھی جرمنی سے ساز باز نہ کرتے تو اسلامی دنیا کے لئے یہ خطرہ پیدا نہ ہوتا۔

اس فتنہ کے نتیجہ میں ٹرکی گر گیا ہے۔ ایران کے دروازہ پر جنگ آ گئی ہے، شام جنگ کا راستہ بن گیا ہے، عراق جنگ کی آماجگاہ ہو گیا ہے۔ افغانستان جنگ کے دروازہ پر آ کھڑا ہوا ہے اور سب سے بڑا خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ مقامات جو ہمیں ہمارے وطنوں، ہماری جانوں اور ہماری عزتوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں جنگ ان کی عین سرحد تک آ گئی ہے۔ وہ بے فصیلوں کے مقدس مقامات وہ ظاہری حفاظت کے سامانوں سے خالی جگہیں جن کی دیواروں سے ہمارے دل لٹک رہے ہیں اب بمباروں اور چھپٹانی طیاروں کی زد میں ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہمارے ہی چند بھائیوں کی غلطی سے ہوا ہے۔ کیونکہ ان کی اس غلطی سے پہلے جنگ ان مقامات مقدسہ سے سینکڑوں میل پرے تھی۔

ان حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو اس کی ابتداء میں ہی دبا دینے کی کوشش کرے۔ ابھی وقت ہے کہ جنگ کو پرے دھکیل دیا جائے کیونکہ ابھی تک عراق اور شام

میں جرمنی اور اٹلی کی فوجیں کسی بڑی تعداد میں داخل نہیں ہوئیں۔ اگر خدانخواستہ بڑی تعداد میں فوجیں یہاں داخل ہوگئیں تو یہ کام آسان نہ رہے گا۔ جنگ کی آگ سرعت کے ساتھ عرب کے صحرا میں پھیل جائے گی۔

اس فتنہ کا مقابلہ شیخ رشید عالی صاحب یا مفتی یوروشلم کو گالیاں دینے سے نہیں کیا سکتا۔ انہیں غدار کہہ کر ہم اس آگ کو نہیں بجھا سکتے۔ میں شیخ رشید صاحب کو نہیں جانتا لیکن مفتی صاحب کا ذاتی طور پر واقف ہوں۔ میرے نزدیک وہ نیک نیت آدمی ہیں۔ اور انکی مخالفت کی یہ وجہ نہیں کہ ان کو جرمنی والوں نے خرید لیا ہے بلکہ انکی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جنگ عظیم میں جو وعدے اتحادیوں نے عربوں سے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے گئے۔ ان لوگوں کو برا کہنے سے صرف یہ نتیجہ نکلے گا کہ انکے واقف کار دوست اشتعال میں آجائیں گے۔ ......پس ان ہزاروں لاکھوں لوگوں کو جو عالم اسلامی میں شیخ رشید اور مفتی یوروشلم سے حسن ظنی رکھتے ہیں ٹھوکر اور ابتلاء سے بچانے کے لئے ہمارا فرض ہے کہ اس نازک موقعہ پر اپنی طبائع کو جوش میں نہ آنے دیں اور جو بات کہیں اس میں صرف اصلاح کا پہلو مدنظر ہو، اظہار غضب مقصود نہ ہوتا کہ فتنہ کم ہو بڑھے نہیں۔ یادرہے کہ اس فتنہ کے بارہ میں اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ شیخ رشید عالی صاحب اور انکے رفقاء کا یہ فعل اسلامی ملکوں اور اسلامی مقدس مقامات کے امن کو خطرہ میں ڈالنے کا موجب ہوا ہے۔ ہمیں انکی نیتوں پر حملہ کرنے کا نہ حق ہے اور نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔ اس وقت تو مسلمانوں کو اپنی ساری طاقت اس بات کے لئے خرچ کر دینی چاہیئے کہ عراق میں پھر امن ہو جائے۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ مسلمان جان اور مال سے انگریزوں کی مدد کریں اور اس فتنہ کے پھیلنے اور بڑھنے سے پہلے ہی اسکے دبانے میں انکا ہاتھ بٹائیں۔ تاکہ جنگ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے دور رہے اور ترکی ایران عراق اور شام اور فلسطین اس خطرناک آگ کی لپٹوں سے محفوظ رہیں۔ یہ وقت بحثوں کا نہیں کام کا ہے۔ اس وقت ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے ہمسائیوں کو اس خطرہ سے آگاہ کرے جو عالم اسلام کو پیش آنے والا ہے تاکہ ہر مسلمان اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور جو قربانی بھی اس سے ممکن ہو اسے پیش کر دے..... شاید شیخ رشید عالی جیلانی کا خیال ہو کہ سابق عالمگیر جنگ میں عربوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ ایک متحد عرب حکومت کے قیام میں انکی مدد کی جائے گی۔ مگر ہوا یہ کہ عرب جو پہلے ترکوں کے ماتحت کم سے کم ایک قوم تھے اب

چار پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بے شک انگریزوں نے عراق کو ایک حد تک آزادی ہے مگر عربوں نے بھی سابق جنگ میں کم قربانیاں نہ کی تھیں۔ اگر اس غلطی کے ازالہ کا عہد کر لیا جائے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ سب اسلامی دنیا متحد ہو کر اپنے علاقوں کو جنگ سے آزاد رکھنے کی کوشش کرے گی۔۔۔۔اس جنگ کے بعد ہالینڈ اور زیکوسلواکیہ کی آزادی ہی کا سوال حل نہیں ہونا چاہئے بلکہ متحدہ عرب کی آزادی کا سوال بھی حل ہو جانا چاہئے......شام فلسطین اور عراق کو ایک متحد اور آزاد حکومت کے طور پر ترقی کرنے کا موقعہ ملنا چاہئے۔ انصاف اس کا تقاضا کرتا ہے۔‘‘ (ماخوذ از الفضل 29رمئی 1941 صفحہ 1-2)

مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے دعا کی تحریک

دوسری جنگ عظیم کے دوران وسط 1321 ہش مطابق 1942ء میں محوری طاقتوں کا دباؤ مشرق وسطی میں زیادہ بڑھ گیا اور جرمن فوجیں جنرل رومیل کی سرکردگی میں جون میں طبروق کی قلعہ بندیوں پر حملہ کر کے برطانوی افواج کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہو گئیں جس کے بعد ان کی پیش قدمی پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ اور یکم جولائی تک مصر کی حدود کے اندر گھس کر العالمین کے مقام تک پہنچ گئیں جو اسکندریہ سے تھوڑی دُور مغرب کی جانب برطانوی مدافعت کی آخری چوکی تھی۔ جس سے مصر براہ راست جنگ کی لپیٹ میں آ گیا اور مشرق وسطی کے دوسرے اسلامی ممالک خصوصاً حجاز کی ارض مقدس پر محوری طاقتوں کے حملہ کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔

ان پُر خطر حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 26رجون 1942 کے خطبہ جمعہ میں عالم اسلام کی نازک صورت حال کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا کہ:۔

’’اب جنگ ایسے خطرناک مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ اسلام کے مقدس مقامات اس کی زد میں آ گئے ہیں۔ مصری لوگوں کے مذہب سے ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو وہ اسلام کی جو توجیہہ وتفسیر کرتے ہیں ہم اس کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوں مگر اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ظاہر طور پر وہ ہمارے خدا، ہمارے رسول اور ہماری کتاب کو ماننے والے ہیں۔ ان کی اکثریت اسلام کے خدا کے لئے غیرت رکھتی ہے۔ ان کی اکثریت اسلام کی کتاب کیلئے غیرت رکھتی ہے اور ان کی اکثریت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے غیرت رکھتی ہے۔ اسلامی لٹریچر

شائع کرنے میں اور اسے محفوظ رکھنے میں یہ قوم صفِ اول میں رہی ہے۔ آج ہم اپنے مدارس میں بخاری اور مسلم وغیرہ احادیث کی جو کتابیں پڑھاتے ہیں وہ مصر کی چھپی ہوئی ہی ہیں۔ اسلام کی نادر کتابیں مصر میں ہی چھپتی ہیں اور مصری قوم اسلام کے لئے مفید کام کرتی چلی آئی ہے۔ اس قوم نے اپنی زبان کو بھلا کر عربی زبان کو اپنا لیا۔ اپنی نسل کو فراموش کر کے یہ عربوں کا حصہ بن گئی۔ اور آج دونوں قوموں میں کوئی فرق نہیں۔ مصر میں عربی زبان، عربی تمدن اور عربی طریق رائج ہیں۔ اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب رائج ہے۔ پس مصر کی تکلیف اور تباہی ہر مسلمان کے لئے دکھ کا موجب ہونی چاہئے خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ اور خواہ مذہبی طور پر اسے مصریوں سے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ پھر مصر کے ساتھ ہی وہ مقدس سرزمین شروع ہو جاتی ہے جس کا ذرہ ذرہ ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ نہر سویز کے ادھر آتے ہی (آج کل کے سفر کے سامانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے) چند روز کی مسافت کے فاصلہ پر ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود لیٹا ہے۔ جس کی گلیوں میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک پڑا کرتے تھے۔ جس کے مقبروں میں آپ کے والا وشیدا خدا تعالیٰ کے فضل کے نیچے میٹھی نیند سو رہے ہیں اس دن کی انتظار میں کہ جب صور پھونکا جائے گا وہ لبیک کہتے ہوئے اپنے رب کے حضور حاضر ہو جائینگے۔ دو اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر ہی وہ وادی ہے جس میں وہ گھر ہے جسے ہم خدا کا گھر کہتے ہیں اور جس کی طرف دن میں کم سے کم پانچ بار منہ کر کے ہم نماز پڑھتے ہیں اور جس کی زیارت اور حج کے لئے جاتے ہیں۔ جو دین کے ستونوں میں سے ایک بڑا ستون ہے۔ یہ مقدس مقام صرف چند سو میل کے فاصلہ پر ہے اور آج کل موٹروں اور ٹینکوں کی رفتار کے لحاظ سے چار پانچ دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ پر نہیں اور ان کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں۔ وہاں جو حکومت ہے اس کے پاس نہ ٹینک ہیں نہ ہوائی جہاز اور نہ ہی حفاظت کا کوئی اور سامان۔ کھلے دروازوں اسلام کا خزانہ پڑا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دیواریں بھی نہیں ہیں اور جوں جوں دشمن ان مقامات کے قریب پہنچتا ہے ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے۔''

(الفضل 3/وفا ہش 1321 بمطابق 3 جولائی 1942ء صفحہ 2-3)

حضور نے خطبہ کے دوران مقامات مقدسہ کی حفاظت کے خدائی وعدوں کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے یقین دلایا کہ ''اللہ تعالیٰ خود بھی ان کی حفاظت فرمائے گا'' لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کو ان کی عملی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلائی اور فرمایا:

''یہ ہمارا یقین ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے نہیں چھڑا سکتا۔ جس طرح مکہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا جس طرح اسلام کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ اس نے کیا ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاس (المائدہ :68) مگر باوجود اس وعدہ کے ایسے ہی مقدس اور یقینی وعدہ کے جیسا کہ مکّہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی حفاظت کے متعلق ہے پھر بھی صحابہ کرامؓ اس وعدہ پر کفایت کر کے بے فکر نہیں ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ خدا تعالیٰ خود آپ کو دشمنوں سے بچائے گا۔ ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مدینہ میں آپ کے داخلہ سے لے کر آپ کی وفات تک برابر وہ آپ کے گھر کا پہرہ دیتے رہے۔ مدینہ کے لوگوں یعنی انصار پر اللہ تعالیٰ بڑی بڑی برکتیں نازل کرے وہ بڑی ہی سمجھدار اور قربانی کرنے والی قوم تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو انہوں نے فوراً اس بات کا فیصلہ کیا کہ اب آپ کی ذات کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور ہر رات الگ الگ گروہ آپ کے مکان پر پہرہ کے لئے آتا تھا۔ پہلے تو انصار بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آتے تھے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ مدینہ اسلامی شہر ہے یہاں خطرہ کی کوئی بات نہیں ہر قبیلہ باری باری پہرہ کے لئے اپنے آدمی بھیجتا تھا مگر وہ بغیر ہتھیاروں کے ہوتے تھے ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے کہ باہر آپ نے تلواروں اور نیزوں کی جھنکار سنی۔ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کا ایک گروہ سر سے پاؤں تک مسلح آپ کے مکان کے گرد پہرہ کے لئے کھڑا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا بات ہے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ تو بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آیا کرتے تھے مگر ہمارے قبیلہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پہرہ کے انتظام کے معنی یہ ہیں کہ خطرہ کا احتمال ہے اور جب خطرہ ہوسکتا ہے تو اسے روکنے کے لئے ہتھیار بھی ضرور ہونے چاہئیں اس لئے ہم مسلح ہو کر پہرہ کے لئے آئے ہیں آپ نے ان لوگوں کے لئے دعا فرمائی اور اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باقی قبائل نے بھی مسلح ہو کر پہرہ دینا شروع کر دیا ایک دفعہ مدینہ میں کچھ شور ہوا اور خیال تھا کہ شائد رومی حملہ کرینگے۔ اس لئے مسلمان ہتھیار لے کر باہر کی طرف بھاگے مگر چند صحابی دوڑ کر مسجد نبوی

میں جمع ہو گئے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے حملہ کا خوف تو باہر سے تھا آپ لوگ مسجد میں کیوں آبیٹھے انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو یہی جگہ حفاظت کئے جانے کے قابل نظر آتی ہے۔اس لئے یہیں آ گئے ...... یہ قربانیاں کرنے والے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اور فرمایا ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا۔مگر باوجود اس وعدہ کے جو قربانیاں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیلئے کیں کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کا ایمان کمزور تھا اور وہ خدا تعالیٰ کو اس وعدہ کے پورا کرنے پر قادر نہ سمجھتے تھے؟ یا کیا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی وعدہ نہیں فرمایا بلکہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پاس سے بنالیا ہے؟ ان کی قربانیاں اور ان کا اخلاص دونوں بتاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بات بھی ان کے وہم یا خیال میں نہ تھی ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ آپ کو بچانے کی طاقت رکھتا ہے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے سامان مہیا کرسکتا ہے مگر ان کی تمنا ،ان کی آرزو اور ان کی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے جو ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے وہ ہم ہوں۔وہ چاہتے تھے کہ کاش وہ ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کا اختیار کرنا ہے وہ ہم بن جائیں اور وہ بن گئے۔اور انہوں نے متواتر دس سال تک اپنی جانوں اور عزیز ترین رشتہ داروں کی جانوں کو قربان کر کے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا ہتھیار ثابت کر دیا۔وہ مہاجر اور وہ انصار اس وعدہ کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئے جنہوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے ہو کر ہر موقعہ پر جنگ کی۔ان کی اول خواہش اور تمنا بھی اور ان کی آخری خواہش اور تمنا بھی یہی تھی کہ کاش وہ فنا ہو جائیں وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آئے...... یہ وہ قربانیاں تھیں جو باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے وعدہ کے صحابہؓ نے آپ کی حفاظت کے لئے کیں۔پس اس میں شبہ نہیں کہ مکہ اور مدینہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں مگر اللہ تعالیٰ حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں اتارا کرتا۔بلکہ بعض بندوں کو ہی فرشتے بنا دیتا ہے۔اور ان کے دلوں میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے ہتھیار بن جائیں۔وہ گو انسان نظر آتے ہیں مگر ان کی روحوں کو فرشتہ کر دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ

جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کام فرشتوں سے لینا تھا اسے کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے ہیں اس لئے وہ فرشتے بن جاتے ہیں۔ اور جب وہ فرشتے ہو گئے تو مر کیسے سکتے ہیں۔ فرشتے نہیں مرا کرتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اپنے خدا کے حضور رزق دیئے جاتے ہیں۔ پس گو ان مقامات کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ مسلمان ان کی حفاظت کے فرض سے آزاد ہو گئے ہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ہر سچا مسلمان ان کی حفاظت کے لئے اپنی پوری کوشش کرے جو اس کے بس میں ہے۔''

(الفضل 3 جولائی 1942ء صفحہ 3-4)

خطبہ کے آخر میں حضور نے خاص تحریک فرمائی کہ احمدی ممالک اسلامیہ کی حفاظت کے لئے نہایت تضرع اور عاجزی سے دعائیں کریں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

''یہ مقامات روز بروز جنگ کے قریب آ رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مشیت اور اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہم بالکل بے بس ہیں اور کوئی ذریعہ ان کی حفاظت کا اختیار نہیں کر سکتے، ادنیٰ ترین بات جو انسان کے اختیار میں ہوتی ہے یہ ہے کہ اس کے آگے پیچھے کھڑے ہو کر جان دیدے مگر ہم تو یہ بھی نہیں کر سکتے اور اس خطرناک وقت میں صرف ایک ہی ذریعہ باقی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں کہ وہ جنگ کو ان مقامات مقدسہ سے زیادہ سے زیادہ دُور لے جائے اور اپنے فضل سے ان کی حفاظت فرمائے۔ وہ خدا جس نے ابرہہ کی تباہی کیلئے آسمان سے وبا بھیج دی تھی اب بھی طاقت رکھتا ہے کہ ہر ایسے دشمن کو جس کے ہاتھوں سے اس کے مقدس مقامات اور شعائر کو کوئی گزند پہنچ سکے کچل دے...... پس مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ وہ خود ہی ان مقامات کی حفاظت کے سامان پیدا کر دے۔ اور اس طرح دعائیں کریں جس طرح بچہ بھوک سے تڑپتا ہوا چلاتا ہے۔ جس طرح ماں سے جدا ہونے والا بچہ یا بچہ سے محروم ہو جانے والی ماں آہ و زاری کرتی ہے اسی طرح اپنے رب کے حضور دعائیں کریں کہ اے اللہ! تو خود ان مقدس مقامات کی حفاظت فرما۔ اور ان لوگوں کی اولادوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جانیں فدا کر گئے اور ان کے ملک کو ان خطرناک نتائج سے جو دوسرے مقامات پر پیش آ رہے ہیں بچا لے۔ اور اسلام کے نام

لیواؤں کو خواہ وہ کیسی ہی گندی حالت میں ہیں اور خواہ ہم سے ان کے کتنے اختلافات ہیں ان کی حفاظت فرما اور اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ رکھ جو کام آج ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں کر سکتے وہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ کر دے اور ہمارے دل کا دُکھ ہمارے ہاتھوں کی قربانیوں کا قائم مقام ہو جائے۔''

(الفضل 3 جولائی 1942ء صفحہ 4-5)

بعض متعصب ہندو ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت مکّہ اور مدینہ کی محبت بہت زیادہ ہے۔ اس موقعہ پر حضور نے اس اعتراض کا یہ نہایت لطیف جواب دیا کہ:۔

''بے شک دین کی محبت ہمارے دلوں میں زیادہ ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وطن کی محبت نہیں ہے۔ اگر ہمارا ملک خطرہ میں ہو تو ہم اس کے لئے قربانی کرنے میں کسی ہندو سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ لیکن اگر دونوں خطرہ میں ہوں یعنی ملک اور مقامات مقدسہ تو مؤخر الذکر کی حفاظت چونکہ دین ہے اور زندہ خدا کے شعار کی حفاظت کا سوال ہے اس لئے ہم اسے مقدم کریں گے۔ بیشک ہم عرب کے پتھروں کو ہندوستان کے پتھروں پر فضیلت نہ دیں لیکن ان پتھروں کو ضرور فضیلت دیں گے جن کو خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے فضیلت کا مقام بنایا ہے...... ایک مادہ پرست ہندو کیا جانتا ہے کہ وطن اور خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ شعائر میں کیا فرق ہے۔ وہ عرفان اور نیکی نہ ہونے کی وجہ سے اس فرق کو سمجھ نہیں سکتا...... حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَان ہمارے ایمان کا جزو ہے مگر وہ گلیاں جن میں ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے ہیں۔ وہ پتھر جنہیں خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے عبادت کا مقام بنایا ہمیں وطن سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس پر کوئی ہندو یا عیسائی حاسد جلتا ہے تو جل مرے ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں۔''

(الفضل 3/جولائی 1942ء صفحہ 5)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اس تحریک پر قادیان اور بیرونی احمدی جماعتوں میں مقامات مقدسہ کے لئے مسلسل نہایت پُر درد دعاؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب خلیفہ اور اپنی پیاری جماعت کی تضرعات کو بپایۂ قبولیت جگہ دی اور جلد ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ چنانچہ 23/اکتوبر 1942ء کو برطانوی فوجوں نے العالمین پر

جوابی یلغار شروع کی۔ اُدھر شمالی افریقہ کے مغربی حصے (یعنی مراکش اور الجزائر) میں امریکہ نے اپنی فوجیں اتار دیں جو مغرب سے مشرق کو بڑھنے لگیں۔ 13رنومبر 1942ء کو برطانوی فوجوں نے طبروق پر اور 20 نومبر تک بنغازی پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

(''تاریخ اقوام عالم'' صفحہ 738 (مؤلفہ مرتضٰی احمد خان) ناشر مجلس ''ترقی ادب'' نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور، سن اشاعت 1958ء)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس مرحلہ پر غیرت اسلامی کا جو اظہار فرمایا اسے مخالفین احمدیت نے بھی بہت سراہا۔ چنانچہ احراری اخبار ''زمزم'' نے اپنی 19رجولائی 1942ء کی اشاعت میں لکھا:۔

''موجودہ حالات میں خلیفہ صاحب نے مصر اور حجازِ مقدس کے لئے اسلامی غیرت کا جو ثبوت دیا ہے وہ یقیناً قابل قدر ہے۔ اور انہوں نے اس غیرت کا اظہار کر کے مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔''

نیز لکھا:۔

''زمزم'' معترف ہے کہ مقدس مقامات کی طرف سے خلیفہ صاحب کا اندیشہ بالکل حق بجانب ہے۔''

(الفضل 22رجولائی 1942ء صفحہ 1 کالم 4، ماخوز از تاریخ احمدیت جلد 8 صفحہ 324-331)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے
علم کلام کی شاندار فتح
شیخ الازہر علامہ محمود شلتوت کا فتویٰ وفاتِ مسیحؑ

جیسا کہ سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت کے بعد دنیائے اسلام کے سامنے جو مخصوص علم کلام پیش فرمایا اس میں نظریہ وفاتِ مسیح کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 1892ء سے یعنی اس زمانہ سے جبکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہاماً انکشاف ہوا کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق آپ آئے ہیں، مخالف علماء نے نہ صرف آپ پر فتویٰ کفر لگایا بلکہ بڑے زور وشور سے مسئلہ حیات مسیح کی تائید کے لئے مناظروں کا بازار گرم کر دیا اور اپنے موقف کی تائید میں پے در پے کتابیں اور رسائل شائع کرنے لگے۔ یہ علمی جنگ پوری شدّت سے جاری تھی کہ اس سال مشرق وسطیٰ کے بعض مسلم ممالک سے یکا یک وفاتِ مسیح کے حق میں ایک مفصّل فتویٰ شائع ہو گیا جس نے قائلینِ حیاتِ مسیح کے کیمپ میں زبردست کھلبلی مچا دی۔ یہ فتویٰ عالم اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ ازہر کی جماعت کبار العلماء کے رُکن فضیلۃ الاستاذ علامہ محمود شلتوت کا تھا جو قاہرہ کے ہفت روزہ ''الرسالۃ'' کی جلد 10 شمارہ 462 مورخہ 11/مئی 1942ء میں ''رفع عیسیٰ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔

(از تاریخ احمدیت، جلد 8 صفحہ 296)

علامہ محمود شلتوت کا مختصر تعارف

علامہ محمود شلتوت 23/اپریل 1893ء کو عمر مغید بنی منصور (بحیرہ) میں پیدا ہوئے۔ 1918ء میں عالمیہ نظامیہ کی ڈگری حاصل کی۔ 1927ء میں قاہرہ میں اعلیٰ تعلیم کے استاذ بنے۔ 1928ء میں جب الشیخ مراغی شیخ الازہر مقرر ہوئے تو آپ نے ازہر کی اصلاح وتجدید میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ 1935ء میں آپ کو کُلیۃ الشریعۃ الاسلامیۃ کی وکالت سپرد ہوئی۔ 1941ء میں آپ علماء کبار کی جماعت کے رکن تجویز کئے گئے۔ 1942ء میں آپ نے وفاتِ مسیح سے متعلق معرکۃ الآراء فتویٰ دیا۔ 1957ء میں آپ موتمر اسلامی کے مشیر مقرر کئے گئے۔ اور 21/اکتوبر 1958ء کو منصب شیخ الازہر پر فائز کئے گئے اور دسمبر 1963ء میں انتقال فرما گئے۔ علامہ محمود شلتوت نے نہایت قابل قدر لٹریچر اپنے پیچھے علمی یادگار کے طور پر چھوڑا ہے۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''مجلۃ لازہر'' جلد 30 شمارہ 4-5 ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ 1378 ہجری)

فتویٰ کے محرک

عبدالکریم خان صاحب یوسف زئی نومبر 1906ء میں بمقام کرلوپ (جموں) پیدا ہوئے اور غالباً 8 جون 1933ء کو تحریری بیعت کر کے حلقہ بگوش احمدیت ہوئے (الحکم 28/جولائی 1935ء صفحہ 9-10) دوسری جنگ عظیم کے دوران آپ مشرق وسطی میں مقیم تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے علماء مصر سے تحریری طور پر یہ فتویٰ طلب کیا کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وسنت کی رو سے زندہ ہیں یا وفات پاگئے ہیں؟ آپ 1947ء میں پونچھ میں شہید کر دیئے گئے۔ (ملخص از تاریخ احمدیت، جلد 8 صفحہ 297)

علامہ محمود شلتوت کے فتویٰ کا مکمل متن

علامہ محمود شلتوت کے اس معرکۃ الاراء فتوی کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ورد إلی مشیخة الأزهرالجلیلة من حضرة عبدالکریم خان بالقیادة العامة لجیوش الشرق الأوسط سؤال جآء فیه ''هل عیسیٰ حیّ أو میت فی نظر القرآن الکریم والسنّة المطهرة؟ وما

حكم المسلم الّذیٔ ینکر أنهٗ حیّ؟ و ماحکم مَن لایؤمن به إذا
فرِض أنهٗ عادٌ إلی الدنیا مرة أخریٰ؟ وقد حول هٰذا السوال إلٰی
فضیلة الأستاذ الکبیر الشیخ محمود شلتوت عضو جماعة
کبارالعلماء فکتب مایاتی:

أما بعد، فإن القرآن الکریم قد عرض لعیسٰی علیه السلام فیما
یتصل بنها یة شأنه مع قو مه فی ثلاث سورٍ۔

1۔ فی سورة اٰل عمران قولهٗ تعالیٰ۔ فلما أحس عیسٰی منهم
الکفر قال من أنصاریَ إلی اللّٰه۔ قال الحواریون نحن أنصار الله
اٰمنا بالله واشهد بأنا مسلمون۔ ربنا اٰمنا بما أنزلت و اتبعنا
الرسول فاکتبنا مع الشاهدین ومکروا ومکر اللّٰه واللّٰه خیر
الماکرین۔ إذ قال اللّٰه یا عیسٰی إنی متوفیك ورافعك إلی ومطهرك
من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفرو إلی یوم
القیامة ثم إلیّ مرجعکم فأحکم بینکم فیُما کنتم فیه تختلفون۔
(55-53)

2۔ وفی سورة النسآءِ قولهٗ تعالیٰ۔ وقولهم إنّا قتلنا المسیح
عیسی ابن مریم رسول اللّٰه وما قتلوه وما صلبوه ولٰکن شبه لهم
وأن الذین اختلفو فیه لفی شكٍ منه مالهم به منٍ علم إلا اتباع
الظن وما قتلوه یقینا۔ بل رفعه اللّٰه إلیه وکان اللّٰه عزیزاً حکیما۔
(158,157)

3۔ و فی سورة المآئدة قولُهٗ تعالیٰ۔ ﴿وإذ قال اللّٰه یا عیسی
ابن مریم أأنت قلت للناس اتخذونِی و اُمِّیَ الٰهَیُن من دون اللّٰه۔
قال سبحٰنك مایکون لی أن أقول۔ مالیس لی بحق إن کنت قلتهٗ
فقد علمتهٗ تعلم ما فی نفسی ولا أعلم ما فی نفسك إنك أنت
علام الغیوب ما قلت لهم إلا ما أمرتنی به أن اعبدو اللّٰه ربی
وربکم و کنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم فلمّا توفیتنی کنت

أنت الرقيب عليهم وأنت على كل شئٍ شهيد﴾ (116-117)
هٰذه هى الايات التى عرض القراٰن فيها لنهاية شأن عيسٰى مع قومهٖ والاٰية الاخيرة(اٰية المائدة)تذكرلنا شأنًا اُخرويا يتعلق بعبادة قومهٖ لهٗ ولِاُمِّهٖ فى الدنيا وقد ساله اللّٰه عنها وهى تقررعلٰى لسان عيسٰى عليه السلام أنه لم يقل لهم إلّا ما أمره اللّٰه به أن اعبدوا اللّٰه ربى و ربكم وأنهٗ كان شهيدًا عليهم مدة إقامتِهٖ بينهم وأنه لايعلم ماحدث منهم بعد أن توفاهُ اللّٰه۔
وكلمة ”توفى“قد وردت فى القراٰن كثيرا بمعنى الموت حتٰى صار هذا المعنى هو الغالب عليها المتبادر منها و لم تستعمل فى غير هذا لمعنى إلا و بجانبها ما يصرفها عن هذا المعنى المتبادر۔
”قل يتوفاكم ملك الموت الذى وُكِّل بكم۔
إن الذين توفٰهم الملائكة ظالمى أنفسهم۔
ولو ترى إذ يتوفى الذين كفرو الملائكة۔
توفته رسلنا۔
و منكم من يتوفى۔
حتى يتوفا هن الموت۔
توفنى مسلما وألحقنى بالصالحين۔“
ومن حق كلمة”توفيتنى“ فى الاية أن تحمل علٰى هذا المعنى المتبادر وهو الإماتة العادية التى يعرفها الناس و يدركها من اللفظ ومن السياق الناطقون بالضاد۔وإذن فالآية لو لم يتصل بها غيرها فى تقرير نهاية عيسى مع قومهٖ لما كان هناك مبررللقول بأن عيسٰى حى لم يمت۔
ولا سبيل إلى القول بان الوفاة هنا مراد بها وفاة عيسٰى بعد نزولهٖ من السمآء بناءً علٰى زعم من يرىٰ أنه حىّ فى السمآء وأنه سينزلُ منها اٰخرالزمان لأن الآية ظاهرة فى تجديد علاقته بقومهٖ

هولا بالقوم الذين يكونون اٰخر الزمان وهم قوم محمد با تفاق لا قوم عیسٰی۔

أما آية النسآء فإنها تقول "بل رفعه اللّٰه إليه" وقد فسرها بعض المفسرين بل جمهورهم بالرفع إلى السماء و يقولون إن اللّٰه ألقى على غيره شبهۂ و رفعۂ بجسده إلى السماء فهو حی فيها و سينزل منها اٰخر الزمان فيقتل الخنزير و يكسر الصليب و يعتمدون فی ذلك:

اولاً على روايات تفيد نزول عيسى بعد الدجال، و هی روايات مضطربة مختلفة فی ألفاظها ومعانيها اختلافا لا مجال معه للجمع بينها۔ و قد نص على ذلك علمآء الحديث۔ وهی فوق ذلك من رواية و هب بن منبة و كعب الأحبار وهما من أهل الكتب الذين اعتنقو الإسلام و قد عُرفتْ درجتهما فی الحديث عند علماء الجرح و التعديل۔

وثانيا علٰى حديث مروی عن أبی هريرة اقتصر فيه على الأخبار بنزول عيسى وإذا صح هذا الحديث فهو حديث آحاد۔ وقد أجمع العلماء علٰى أن أحاديث الآحادلا تفيد عقيدة ولا يصح الاعتماد عليها فی شان المغيبات۔

وثالثا على ماجآءِ فی حديث المعراج من أن محمدا صلى اللّٰه عليه وسلم حينما صعد إلى السمآء و أخذ يستفتحُها واحدة بعد واحدة فتفتحُ لهٗ ويدخل، رأى عیسٰی عليه السلام هو وابن خالتهٖ يحيیٰ فی السماء الثانية ويكفينا فی توهين هذا المستند ما قرره كثير من شراح الحديث فی شأن المعراج وفی شان اجتماع محمد صلى اللّٰه عليه وسلم بالأنبياء وأنه كان اجتماعا روحيا لا جسمانيا انظر فتح الباری و زاد المعاد و غير هما۔ ومن الطريف أنهم يستدلون على أن معنى الرفع فی الآية هو رفع عیسٰی بجسده

إلی السمآء بحدیث المعراج بینما ترىٰ فریقا منهم یستدل علی أن اجتماع محمد بعیسی فی المعراج کان اجتماعا جسدیا بقوله تعالی (بل رفعه اللّٰه إلیه) و هکذا یتخذون الآیة دلیلا علیٰ ما یفهمونهٗ من الحدیث دلیلاً علی ما یفهمونهٗ من الآیة حِین یکونون فی تفسیر الآیة۔

و نحن إذا رجعنا إلی قوله تعالی "إنی متوفیك ورافعك إلیّ" فی آیات آل عمران مع قوله "بل رفعه اللّٰه إلیه" فی آیات النسآء وجدنا الثانیة إخبارا عن تحقق الوعد الذی تضمنته الأولی و قد کان هذا الوعد بالتوفیة و الرفع والتطهیر من الذین کفروا فإذا کانت الآیة الثانیة قد جاء ت خالیة من التوفیةِ والتطهیر واقتصرت علی ذکر الرفع إلی اللّٰه فإنه یجب أن یلاحظ فیها ما ذکر فی الأولی جمعا بین الآیتین۔

والمعنی أن اللّٰه توفی عیسٰی ورفعه إلیه و طهرهٗ من الذین کفروا وقد فسر الألوسی قوله تعالی(إنی متوفیك) بوجوهٍ منها وهو أظهرها: إنی مستوفی أجلك و ممیتك حتف أنفك لا أسلط علیك من یقتلك و هو کنایة عن عصمته من الأعدآء وما هم بصدده من الفتك به علیه السلام لأنه یلزم من استیفاء اللّٰه أجله و موته حتف أنفه ذلك ظاهر أن الرفع الذین یکون بعد التوفیة هو رفع المکانة لا رفع الجسد خصوصاً وقد جآء بجانبهٖ قولُهٗ (ومطهرك من الذین کفروا) مما یدل علی أن الأمر أمر تشریف و تکریم۔ وقد جآء الرفع فی القراٰن کثیرا بهٰذا المعنی "فی بیوت أذن اللّٰه أن ترفع"۔ "نرفع درجٰت من نشآء"۔"ورفعنا لك ذکرك"۔"ورفعناهٗ مکانا علیا"۔"یرفع اللّٰه الذین آمنو......"

وإذن فالتعبیر بقوله"ورافعك إلیّ" وقولهٗ "بل رفعه اللّٰه إلیه"۔ کالتعبیر فی قولهم "لحق فلان بالرفیق الأعلیٰ۔ وفی "إن اللّٰه

معنا“ و فی ”عند مليك مقتدر“۔ و كلها لا يفهم منها سوى معنى الرعاية والحفظ والدخول فی الكنف المقدس۔ فمن أين تؤخذ كلمة السمآء من كلمة (إليه)؟ اللهم إن هذا لظلم للتعبير القرآنی الواضح خضوعاً لقصص وروايات لم يقم على الظن بها فضلا عن اليقين برهان ولاشبه برهان۔

وبعد، فما عيسٰى إلا رسول قد خلت من قبه الرسل، ناصبه قومه العداء و ظهرت علٰى وجوههم بوادر الشر بالنسبة إليه فالتجأ إلى اللّٰه شأن الأنبياء و المرسلين فأنقذه اللّٰه بعزته و حكمته وخيّب مكر أعدائهٖ وهذا هو ما تضمنته الآيات ”فلما أحس عيسٰى منهم الكفر قال من أنصارى إلى اللّٰه“ إلى آخرها بيّن اللّٰه فيها دقة مكره بالنسبة إلى مكرهم و أن مكرهم فی اغتيال عيسٰى قد ضاع أمام مكر اللّٰه فی حفظه و عصمته ”إذ قال اللّٰه يا عيسٰى إنى متوفيك ورافعك إلىّ و مطهرك من الذين كفروا“ فهو يبشره بإنجائه من مكرهم و ردّ كيدهم فی نحورهم و أنه سيستوفی أجله حتى يموت حتف أنفه من غير قتل ولا صلب ثم يرفعه اللّٰه إليه و هٰذا هو ما يفهمه القارئ للآيات الواردة فی شأن نهاية عيسٰى مع قومه متى وُقِفَ على سنة اللّٰه مع انبيآئهٖ حين يتألّب عليهم خصومهم ومتى خلا ذهنهٗ من تلك الروايات لا ينبغی أن تحكم فی القرآن ولست أدرى كيف يكون إنقاذ عيسٰى بطريق انتزاعه من بينهم ورفعه بجسده إلى السمآء مكرا؟ وكيف يوصف بأنه خير من مكرهم مع أنه شئ ليس فی استطاعتهم أن يقاوموه شئ ليس فی قدرة البشر إلا أنهٗ لايتحقق مكر فی مقابلة مكر إلا إذا كان جاريًا علٰى أسلوبه غير خارج عن مقتضى العادة فيه وقد جآء مثل هذا فی شان محمد صلى اللّٰه عليه وسلم ”وإذ يمكربك الذين كفروا ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك و يمكرون و يمكر اللّٰه واللّٰه خير

الماکرین"۔ والخلاصة من هذا البحث:

(1) أنهٗ لیس فی القران الکریم ولا فی السنة المطهرة مستند یصلح لتکوین عقیدة یطمئن إلیها القلب بأن عیسٰی رفع بجسمه إلی السمآء وأنه حی إلی الآن فیها وأنه سینزل منها آخر الزمان إلی الأرض۔

(2) أن کل ما تفید الایات الواردة فی هذا الشان هو وعد اللّٰه عیسٰی بأنهٗ متوفیه أجلهٗ و رافعه إلیه وعاصمهٗ من الذین کفروا و أن هذا الوعد قد تحقق فلم یقتله أعداؤه ولم یصلبوه و لکن وفاه اللّٰه أجله ورفعهٗ إلیه۔

(3) أن من أنکر أن عیسٰی قد رفع بجسمه إلی السمآء وأنه فیها حیّ إلی الآن وأنهٗ سینزل منها اٰخر الزمان فإنهٗ لایکون بذلك منکرا لما ثبت بدلیل قطعی فلا یخرج عن إسلامه وإیمانه و لا ینبغی أن یحکم علیه با لردة، بل هو مسلم مؤمن إذا مات فهو من المؤمنین یُصلّی علیه کما یصلی علی المؤمنین و یدفن فی مقابر المومنین ولا شبهة فی إیمانه عند اللّٰه واللّٰه بعباده خبیر بصیر۔

اما السؤال الأخیر فی الاستفتاء و هو(ماحکم من لایومن بہٖ إذا فرض أنه عاد مرة أخری إلی الدنیا) فلا محل لهٗ بعد الذی قررناه ولا یتجه السؤال عنه۔واللّٰه أعلم۔ (محمود شلتوت)

مندرجہ بالاعربی فتویٰ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ازہر کی سب سے بڑی مجلس کے پاس جناب عبدالکریم خان صاحب نے جوان دنوں مشرق وسطی کی فوجوں کی قیادت عامہ میں شامل ہیں، ایک استفسار بھیجا کہ کیا قرآن کریم اور سنت نبویہ سے حضرت عیسیٰؑ فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں یا زندہ؟ نیز اس مسلمان کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حیات مسیح کا منکر ہے؟ اور اگر حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہوتو جو شخص اس وقت ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کیا حکم ہے؟ یہ استفسار کے جواب کے لئے جماعت کبار العلماء کے رکن فضیلت الاستاذ علامہ محمود شلتوت کے سپرد کیا گیا۔جنہوں نے

حسب ذیل جواب تحریر کیا ہے۔

امابعد قرآن کریم نے تین سورتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسے طور پر ذکر فرمایا ہے جس سے ان کے ہونے والے انجام کا پتہ لگتا ہے۔

1۔سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔فلما أحس عیسٰی منهم الكفر (الآية)

2۔سورۃ النساء میں آتا ہے۔ وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسٰی ابن مريم رسول اللّٰه۔ (الآية)

3۔سورۃ المائدہ میں فرمایا۔ وإذ قال اللّٰه يا عيسٰی ابن مريم (الآية)

یہی آیات ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجام کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔آخری آیت (سورۃ مائدہ والی) اس معاملہ کا ذکر کرتی ہے جو دنیا میں نصاریٰ کے مسیح اور ان کی والدہ کی عبادت کرنے سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا ہے۔آیت مذکورہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی بتاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ہمیشہ وہی کہا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان رہے ان کے نگران تھے اور انہیں اپنی توفی کے بعد اپنی قوم میں پیدا ہونے والے واقعات و حالات کا مطلقاً علم نہیں ہے۔

لفظ توفی قرآن مجید میں موت کے معنوں میں بکثرت آیا ہے یہاں تک کہ توفی کے یہ معنی ہی غالب اور متبادر ہو گئے ہیں۔اور لفظ توفی موت کے معنی کے سوا کسی اور معنی میں صرف اسی وقت کا استعمال ہوا ہے جب کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہو جو اسے اس متبادر إلى الذهن معنی میں استعمال ہونے سے روکتا ہو۔آیات ذیل بطور نمونہ یہ ہیں۔

قل يتوفاكم ملك الموت الذی وُ كّل بكم۔ إن الذين توفتهم الملائكة ظالمی أنفسهم۔ ولو ترى إذ يتوفى الذين كفروا الملائكة۔ توفته رسلنا۔ ومنكم من يتوفى۔ حتى يتوفاهن الموت۔ توفنی مسلما وألحقنی بالصالحين۔

اور آیت قرآنی فلما تو فيتنی كنت أنت الرقيب عليهم میں لفظ توفيتنی کا حق ہے کہ اسے مذکورہ بالا متبادر معنوں پر ہی محمول کیا جائے اور وہ یہ کہ توفی کے معنے موت کے

ہیں۔ اس لفظ کے یہ معنی تمام لوگ جانتے ہیں اور خود لفظ توفی سے نیز آیت کے سیاق سے بھی سب عربی بولنے والے یہی معنے سمجھتے ہیں۔ اندریں صورت اگر اس آیت میں کچھ اور نہ ملایا جائے جس سے مسیح علیہ السلام کے انجام کی وضاحت کی جائے تو یہ کہنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے یا یہ کہ زندہ ہیں۔ اس آیت میں اس رکیک تاویل کا بھی موقع نہیں کہ وفات سے مراد اس جگہ وہ وفات ہے جو آسمان سے اترنے کے بعد واقع ہوگی۔ یہ تاویل وہ لوگ کرتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان میں زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے کیونکہ زیر نظر آیت واضح طور پر اس تعلق کی حد بندی کر رہی ہے جو ان کا اپنی قوم سے تھا باقی وہ لوگ جو آخری زمانہ میں ہیں وہ تو بالاتفاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم۔ اس لئے ان سے حضرت عیسیٰؑ کا کیا تعلق۔

سورۃ نساء کی آیت میں ''بل رفعه الله إليه'' آیا ہے۔ بعض بلکہ اکثر مفسرین میں اس کی تفسیر آسمان پر اُٹھائے جانے کے ساتھ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مسیح کی شکل کسی اور پر ڈال دی اور انہیں جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا۔ وہ اب آسمان میں زندہ ہیں وہاں سے آخری زمانہ میں اتریں گے۔ سؤروں کو قتل کریں گے اور صلیبوں کو توڑیں گے۔ مفسرین اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اول تو ان روایات پر رکھتے ہیں جو بتاتی ہیں کہ عیسیٰؑ دجال کے بعد نازل ہوں گے۔ یہ روایات مضطرب ہیں۔ ان کے الفاظ اور معنی میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ تطبیق ناممکن ہے خود علماء حدیث نے اس کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک ان راویوں کا جو درجہ ہے وہ آپ خود جانتے ہیں دوسری بنیاد مفسرین کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے نزول عیسیٰ کی خبر ذکر کرنے پر حصر کیا ہے۔ یہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو بھی حدیث احاد ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ احادیث احاد کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتیں اور نہ پیشگوئیوں کے سلسلے میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

مفسرین کے دعویٰ کی تیسری بنیاد حدیث معراج ہے جس میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے تو یکے بعد دیگرے آسمان کھلتے جاتے تھے اور حضور ان میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں حضور نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ ہمارے نزدیک اس سند سے اس استدلال کی کمزوری

ظاہر کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اکثر شارحین حدیث نے معراج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیوں سے ملنا صرف روحانی قرار دیا ہے اور جسمانی ملاقات کی نفی کی ہے ملاحظہ ہو فتح الباری، زاد المعاد وغیرہ۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مفسرین بل رفعه الله إليه میں رفع کے معنی حضرت عیسٰیؑ کے آسمان پر چلے جانے کا استدلال حدیث معراج سے کرتے ہیں جبکہ ان میں سے ہی ایک گروہ حدیث معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ملاقات کو جسمانی قرار دینے کے لئے آیت بل رفعه الله إليه سے سند پکڑتا ہے۔ گویا اس طرح جب وہ حدیث کی شرح کرنے لگتے ہیں تو اپنے مفہوم کے لئے آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اپنے مفہوم کیلئے آیت پر حدیث کو دلیل بنا لیتے ہیں۔

ہم جب سورۃ آل عمران کی آیت إنی متوفيك و رافعك إلیّ کو سورت نساء کی آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے ملاتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ مؤخر الذکر آیت میں پہلی آیت کے وعدہ کے ایفاء کی خبر دی گئی ہے اور یہ وعدہ وفات، رفع اور کفار کے الزامات سے تطہیر کا تھا۔ دوسری آیت (بل رفعه الله إليه) میں اگرچہ وفات اور تطہیر کا ذکر موجود نہیں، صرف رفع الی اللہ کا بیان ہے لیکن ضروری ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے وقت دونوں آیتوں کو اکٹھا کرنے کے لئے پہلی آیت میں مذکور جملہ امور کو ملحوظ رکھا جائے پس معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو وفات دی ان کا رفع فرمایا اور کفار سے انہیں تطہیر بخشی۔ علامہ الوسیؒ نے إنی متوفيك کی تفسیر میں متعدد معانی ذکر کئے ہیں جن میں سے زیادہ واضح اور موزوں تر یہ ہیں کہ اے عیسٰی! مَیں تیری مدتِ حیات کو مکمل کر کے تجھے طبعی موت سے وفات دینے والا ہوں، تجھ پر ان کو مسلط نہ ہونے دوں گا جو تجھے قتل کر دیں۔ یہ دشمنوں سے محفوظ رکھنے اور ان کے منصوبہ قتل سے بچانے کے لئے کنایہ ہے کیونکہ خدا کے پوری عمر دینے اور طبعی عمر سے وفات دینے سے یہی لازم آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو رفع بعد وفات ہوتا ہے وہ مرتبہ کی بزرگی کے معنوں میں ہی ہوتا ہے نہ کہ جسم کا اُٹھانا، بالخصوص جبکہ رافعک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قول ومطهرك من الذين كفروا بھی موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے اعزاز و تکریم کا معاملہ مذکور ہے۔ لفظ رفع ان معنوں میں قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے۔

فی بیوت أذن اللّٰہ أن ترفع۔ نرفع درجات من نشآء۔ ورفعنا لك ذکرك۔ورفعناہ مکان علیا۔ یرفع اللّٰہ الذین آمنوا۔

(سورۃ النور:37)

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد رافعک إلی اور بل رفعہ اللہ إلیہ میں اسی مطلب کو ظاہر کیا ہے۔ جو عربوں کے قول لحقَ فلانٌ بالرفیق الأعلی اور آیت إن اللّٰہ معنا نیز عندَ ملیكٍ مقتدرٍ میں داخل ہو جانے کے کچھ اور مراد نہیں ہوتا نہ معلوم لفظ إلیہ سے آسمان کا لفظ کیسے نکال لیا گیا ہے۔ یقیناً یہ قرآن کریم کی واضح عبارت پر ظلم ہے اور محض ان روایات اور قصوں کو ماننے کی بناء پر یہ ظلم کیا گیا ہے جن کی یقینی صحت تو کجا ظنی صحت پر بھی کوئی دلیل یا آدھی دلیل بھی قائم نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام محض ایک رسول تھے ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے ان سے دشمنی کی اور ان کے متعلق ان کے بُرے ارادے ظاہر ہو گئے۔ تب وہ جملہ انبیاء و مرسلین کی سنت کے مطابق ذات باری کی طرف ملتجی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے غلبہ وحکمت کے مطابق ان کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچایا اور ان کے منصوبہ کو ناکام کر دیا۔ یہ وہ امر ہے جو آیت قرآنیہ فلما أحسّ عیسیٰ منھم الکفر قال من أنصاری إلی اللّٰہ میں مذکور ہوا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی تدبیر کی نسبت اپنی تدبیر کے زیادہ مخفی ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے تباہ کرنے کے لئے جو مکر کیا تھا اس خدائی تجویز کے سامنے جو حضرت عیسیٰؑ کی حفاظت کے لئے تھی ناکام ہو گیا۔ فرمایا: إذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ إنی متوفیك و رافعك إلی ومطھرك من الذین کفروا اس میں اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو بشارت دی ہے کہ وہ دشمنوں کی تدبیر کو ناکام کر دیگا اور مسیحؑ کو ان کے مکر سے بچائے گا۔ مسیحؑ کو پوری عمر دے گا یہاں تک کہ مسیحؑ قتل وسلب کے بغیر طبعی موت سے فوت ہوگا پھر خدا اس کا رفع کریگا۔ یہ وہ مفہوم ہے جو ہر پڑھنے والے کو ان آیات سے سمجھ آتا ہے جن میں حضرت عیسیٰؑ کے انجام کی خبر دی گئی ہے بشرطیکہ وہ پڑھنے والا خدا تعالیٰ کی اس سنت سے واقف ہو جو وہ نبیوں کے ساتھ اختیار کرتا رہا ہے جبکہ انکے دشمن ان پر حملہ آور ہوتے ہیں نیز اس قاری کا ذہن ان روایات سے بھی خالی ہو جو کسی صورت میں قرآن مجید پر حَکَم نہیں بن سکتیں۔

میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہود کے درمیان سے چھین کر آسمان پر لے جانا مکر کیسے کہلا سکتا ہے؟ اور پھر اسے ان کی تدبیر سے بہتر تدبیر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا مقابلہ کرنا یہود کی اور نہ کسی اور کی طاقت میں ہے۔ یاد رکھیئے کہ لفظ مکر کا اطلاق اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ وہ بات اسی طریق پر ہو اور عادت سے خارج نہ ہو۔ چنانچہ بالکل اسی طرح کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہوئی ہے فرمایا:

وإذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك أو یقتلوك أویخرجوك ویمکرون و یمکر اللّٰه واللّٰه خیر الماکرین۔

خلاصہ بحث:

مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

1۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے جو تسلی بخش طریق پر اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور وہ اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہیں سے کسی وقت زمین پر نازل ہونگے۔

2۔ اس بارے میں آیات قرآنیہ صرف یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے وعدہ فرمایا کہ ان کی مدت عمر کو پورا کریگا اور پھر اس کا اپنی طرف رفع کریگا اور اسے کافروں سے بچائے گا۔ اور یہ کہ یہ وعدہ پورا ہو چکا۔ دشمن حضرت عیسیٰؑ کو نہ قتل کر سکے نہ صلیب سے مار سکے بلکہ اللہ نے ان کی مدت زندگی کو پورا کر کے ان کو وفات دی اور ان کا رفع کیا۔

3۔ یقیناً جو شخص حضرت عیسیٰؑ کے زندہ جسم سمیت آسمان پر جانے اور آج تک وہاں بیٹھے رہنے اور آخری زمانہ میں اترنے کا منکر ہے وہ کسی ایسی بات کا منکر نہیں جو کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو۔ پس ایسا شخص اپنے اسلام و ایمان سے ہرگز خارج نہیں ہوتا۔ اور اس کو مرتد قرار دینا ہرگز مناسب نہیں بلکہ وہ پکا مومن مسلم ہے۔ جب وہ فوت ہوگا تو مومن ہوگا۔ اس کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جائیگی جس طرح مومنوں کی پڑھی جاتی ہے اور اسے مومنوں کے قبرستان میں دفن کیا جائیگا۔ اللہ کے نزدیک ایسے شخص کے ایمان میں کوئی داغ نہیں ہے اللہ اپنے بندوں کو جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

باقی رہا استفتاء میں مندرج آخری سوال کہ اگر حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آئیں گے تو ان کے

منکر کا کیا حکم ہوگا؟ تو ہمارے مندرجہ بالا بیان کے بعد اس سوال کا کوئی موقع ہی نہیں اور یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ واللہ أعلم محمود شلتوت

محمود شلتوت کے فتویٰ کا ردّ عمل

اس فتویٰ کا منظر عام پر آنا ہی تھا کہ مصر کے قدامت پرست علماء نے علامہ محمود شلتوت کے خلاف مخالفت کا زبردست طوفان کھڑا کر دیا اور اخبارات میں سب وشتم اور طعن وتشنیع سے بھرے ہوئے سخت اشتعال انگیز مضامین شائع کئے اور لکھا کہ یہ فتویٰ قادیانیوں کی موافقت میں ہے اور یہی وہ ہتھیار ہے جس سے قادیانی ہمارے ساتھ مباحثات ومناظرات کرتے ہیں اور یہ فتویٰ قادیانیت کی عظیم الشان فتح ہے اس لئے ازہر کو چاہیے کہ اس کو واپس لے لے۔

علماءِ مصر ازہر نے اس فتویٰ پر کس قدر گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ذیل میں فضیلت الاستاذ الشیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری کے ایک مضمون کے بعض اہم اقتباسات۔ (جناب شیخ نور احمد صاحب مُنیر مبلغ بلاد عربیہ کے ایک مفصل مضمون (مطبوعہ الفضل 8/9 وفا ہش 1325، 8/9 جولائی 1946ء سے ماخوذ) کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔ الشیخ محمد الصدیق الغماری نے لکھا۔

''ایک ہندوستانی عبدالکریم نامی نے ایک سوال مشائخ ازہر کے نام ارسال کیا جس میں یہ دریافت کیا گیا کہ آیا حضرت عیسیٰؑ ازروائے قرآن کریم وحدیث زندہ ہیں یا وفات یافتہ۔''

یہ اس سوال کا خلاصہ ہے۔ اگر سائل کا مقصد استفادہ اور استرشاد کا ہوتا تو اس سوال کا جواب ان ہندوستانی علماء کی کتب میں دیکھتا جو اس موضوع میں اردو اور عربی زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ لیکن یہ ہندوستانی اس سوال سے مستفیض ہونا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ تو اس فتویٰ کو باقاعدہ قانونی طریقہ سے حاصل کر کے اپنے دعاوی کے اثبات میں بطور ایک دلیل اور سہارا بنانا چاہتا تھا۔ اس کا یہ حیلہ کارگر ہو گیا اور دنیا کے عجائبات میں سے ایک اعجوبہ ہو گیا بلکہ یہ حیلہ اپنے نوع کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔

یہ وہ اعجوبہ ہے جس سے ایک اندھے ہندوستانی نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے، چنانچہ الرسالۃ والروایۃ کے 462 صفحہ میں ایک فتویٰ شیخ محمود شلتوت کے دستخطوں سے شائع ہوا ہے جس کا عنوان ''رفع عیسیٰ'' ہے اور اس فتویٰ کا مضمون یہ ہے کہ عیسیٰؑ حقیقی موت

سے وفات پا چکے ہیں۔ اور آپ کا رفع آسمان کی طرف نہیں ہوا۔ اور نہ ہی وہ آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور اس بارہ میں جتنی احادیث وارد ہیں وہ احاد کا درجہ رکھتی ہیں اور عقائد کے بارہ میں احاد کا کوئی درجہ نہیں۔ نیز یہ روایت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی ہے اور ان دونوں کا درجہ محدثین کے نزدیک معروف ہے یعنی غیر مقبولین اور غیر ثقتین۔

یہ وہ فتویٰ ہے جس نے امت محمدیہ کے اجماع کو پاش پاش کر دیا ہے اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فتویٰ اس وجہ سے ایک بہت بڑی مصیبت اور ایک اہم واقعہ ہے۔ اس فتویٰ میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ اس کا دینے والا جلد باز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب قاری اس فتویٰ اور غیر مصر کے علماء کی تحقیق کے درمیان موازنہ کریگا تو وہ مندرجہ ذیل امور پر پہنچے گا کہ جامعہ ازہر کو علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نتیجہ اس سے نکلتا ہے کہ مفتی نے دعویٰ کیا ہے کہ نزول عیسیٰؑ کی حدیث احاد میں سے ہے۔ دوسرے اسے اس حدیث کی صحت میں شک ہے جو کہ بخاری شریف اور مسلم میں موجود ہے۔ سوم وہ مفتی کہتا ہے کہ حدیث نزول وہب اور کعب سے مروی ہے۔ چہارم اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔ حالانکہ ان کی احادیث صحیح ہیں۔ پنجم یہ کہ احادیث نزول میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

دوم: ازہر میں کوئی ایسا فرد نہیں پایا جاتا جو اجماع اور خلاف کے مواقع کو جانتا ہو کیونکہ مفتی نے حضرت عیسیٰؑ کے رفع اور نزول سے انکار کیا ہے۔ دوم یہ کہ احاد احادیث عقائد، اور مغیبات میں عمل نہیں ہوتا۔ یہ وہ امور ہیں جو قاری کے ذہن میں موازنہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور اس فتویٰ کو ازہر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ ازہر کے علماء کبار میں سے ایک عالم نے فتویٰ دیا ہے اور لوگ آج کل ظاہری حالات کی طرف دیکھتے ہیں اور وہ جزو کو کل پر محمول کرتے ہیں چاہے وہ صحیح امر کے خلاف ہی ہو۔

قادیانی جماعت نے اس فتویٰ کو اپنے لئے بطور ایک دلیل اور ہتھیار اختیار کر لیا ہے اور اس فتویٰ کو لے کر وہ مسلمانوں کے پاس جا کر ان کو بیوقوف بناتے اور ان کے خیال کو خطا پر محمول کرتے تھے اور وہ خوش اور مسرور ہیں اور وہ کامیاب اور فتحمند لہجہ میں کہتے ہیں۔ ھاھو ذا الأزهر يوافقنا ويخا لفكم فليس عيسىٰ بحى ولا هو مرفوع ولا هو نازل كما تزعمون فأين تذهبون۔

یہ ہے جامعہ الازہر جو ہماری تائید کر رہا ہے اور تمہاری مخالفت۔ پس عیسیٰؑ نہ تو زندہ ہیں

اور نہ ہی ان کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور نہ ہی وہ تمہارے گمان اور خیال کے مطابق آسمان سے نزول فرمائیں گے تم کس خیال میں پھر رہے ہو............ہم نے اس فتویٰ اور ان حالات کو بچشم دید دیکھا اور حضرت مفتی صاحب سے کہہ دیا جو کچھ اس فتویٰ کے متعلق سنا اور دیکھا اور اس کی وجہ سے جو کچھ ہوا اور جو آئندہ ہوگا اس کا بھی ذکر کیا مگر مفتی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا أنا أبديت رأيي ولا يضرّني أن أوافق القاديانية أو غيرهم۔ یعنی میں نے اپنی درست رائے کا اظہار کر دیا ہے اور مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ میری اس رائے سے قادیانی جماعت یا کسی اور کی تائید ہوتی ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا:۔ بعض اوقات مصلحت عامہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ بعض آراء کو ظاہر نہ کیا جائے اور ان کو زاویہ خمول اور طاق نسیان میں رکھ دیا جائے۔ حضرت مفتی صاحب عالم مریخ میں زندگی بسر نہیں کرتے کہ ان کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ ان کو زمانہ کے حالات کا علم نہیں۔ سرزمین ہند میں ایک گروہ جو قادیانی فرقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی بحث اور کلام کا نقطۂ مرکزی موتِ عیسٰی اور عدم رفع ہے۔ اس جماعت نے اپنے مبلغین ترکی، البانیہ، شام، مصر، امریکہ اور انگلستان وغیرہ میں بھیجے ہوئے ہیں............مفتی صاحب پر یہ واجب تھا کہ وہ اس گروہ کی مخالفت کر کے خدا کا قرب حاصل کرتے اور مسلمانوں کی تائید کرتے۔ اگر وہ اس خیال سے بھی نہ کرتے تو کم از کم ان علماء وکبار کی تائید کرتے جنہوں نے اپنی زندگی ان قادیانیوں کے خلاف جہاد کے لئے وقف کر رکھی ہے۔

اے مفتی! تجھے تیرے رب کی ہی قسم ہے دیکھ کہ ہمارے ان ہندوستانی علماء بھائیوں کی کیا حالت ہوگی جنہوں نے کہ نزول عیسیٰؑ کو ستر احادیث سے اور حیات عیسٰی ورفع عیسٰی کو ثابت کر دیا...... جب ان کو قادیانی جماعت کے ذریعہ سے یہ اطلاع ہوئی ہوگی کہ ازہر ان کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی رائے ہے کہ ان مسائل میں نہ تو کوئی دلیل ہے اور نہ شبہ دلیل۔ خدا کی قسم مَیں تجھ سے پھر پوچھتا ہوں کہ وہ کیا کہیں گے؟ اور ان کی کیا حالت ہوگی؟ مجھے یقین ہے کہ علمائے ہند دو احتمالوں میں مبتلا ہو جائینگے اور وہ دونوں ہی عار کا باعث ہیں۔ یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ازہر علماء سے خالی ہو چکا ہے۔ یا وہ کتب ستہ یعنی صحاح ستہ اور کتب تفاسیر اور ان کی احادیث کی کتب سے جو کہ اہل علم کے درمیان متداول ہیں ان سے ناواقف ہیں یا وہ اس امر کا اظہار کرینگے کہ علمائے ازہر میں دینی جرأت نہیں ہے جو کہ خصوصاً ایک مومن کے

شامل حال ہونی چاہیے، چاہے وہ پہلی رائے کا اظہار کرینگے یا دوسری کا جامعہ ازہر کا رتبہ ان کی آنکھوں سے گر جائے گا اور قلوب سے تعظیم جاتی رہے گی اور علمائے ازہر کے متعلق وہ شاعر کا یہ قول پڑھیں گے ؎

وإخوانا حسبتموهم دروعا

فكانوها، ولكن للاعادى

اور کئی بھائی ہیں جن کو مَیں نے اپنے لئے زرہ یعنی بچاؤ کا ذریعہ خیال کیا تھا۔ بیشک وہ آفات ومصائب سے بچانے کے لئے زرہیں تھیں لیکن حقیقت میں دشمنوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

(ماخوذ از الفضل 8 وفا ہش 1325، 8 جولائی 1946ء صفحہ 4-5)

الشیخ الغماری نے علامہ شلتوت کو وفات مسیحؑ کا صاف صاف اقرار کرنے کی پاداش میں بُرا بھلا کہنے کے علاوہ ان کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا۔

1۔ استاذ شلتوت نے اپنی رائے کے اظہار میں غلطی کی ہے۔ مفتی کو چاہیے کہ وہ قواعد افتاء اور اصول سے کما حقہ واقف ہو۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ از روئے علم غور سے دیکھتے اس معاملہ میں جو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور مستفتی (فتویٰ دریافت کرنے والے) کے احوال کا خیال رکھتے ہوئے فتویٰ دیتے۔ نیز یہ خیال کرتے کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا کیونکہ بعض اوقات مفتی کے سامنے ایسا واقعہ پیش کرنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ اسے فتنہ برپا کرنے میں بطور جواب استعمال کیا جائے اس لئے مفتی کو چاہیئے کہ وہ بیدار اور روشن بصیرت والا ہو۔ اور سوال کے مطابق جواب دے۔ جیسے علماء سابقین کیا کرتے تھے......''

یہ فتویٰ ہمارے ایک ہندوستانی احمدی بھائی بابو عبدالکریم صاحب یوسف زئی نے دریافت کیا تھا۔ ان کے متعلق شیخ الغماری نے تحریر کیا۔

''ایک ہندوستانی فوجی جو کہ چوبیس گھنٹے موت کے منہ کے سامنے کھڑا ہے اور وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ محتاج ہے کہ وہ احکام توبہ پر عمل کرے اور مظالم سے خلاصی کا طریقہ معلوم کرے اور حقوق اللہ والعباد کا علم حاصل کرے کیونکہ ان حالات میں اسے ان باتوں کی معرفت زیادہ ضروری ہے۔ لیکن اسے کیا سوجھتا ہے؟ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہے یا وفات پا چکے ہیں؟ وہ آسمان سے نزول فرمائیں گے یا نہیں؟ اسے یہ کیا خیال آیا اور ان سوالات سے اسے کیا تعلق؟ کیا اس نے تمام عقائد سے واقفیت حاصل کر لی ہے اور اس کے لئے سوائے اس

عقیدہ کی تخلیق کے کوئی چیز باقی نہیں رہی؟ کیا اس نے ہر واجب علم حاصل کر لیا ہے؟ کیا احکام الصلوٰۃ والصوم کو اس نے معلوم کر لیا؟ اور سمجھ لیا ہے؟ اگر فاضل استاذ جلدی نہ کرتے اور ان سوالوں پر غور کرتے تو وہ حقیقی راز معلوم کر لیتے جس کی وجہ سے یہ امر دریافت کیا گیا تھا اور پھر اس کو درست جواب دیتے لیکن علامہ شلتوت نے ان امور پر غور نہ کیا اور جلدی سے جواب دے کر ایک بہت بڑی مصیبت خرید لی ہے۔

(الفضل 9وفا1325ہش، 9جولائی 1946ء صفحہ 4)

علامہ محمود شلتوت کی طرف سے علماء کو مدلل اور مسکت جواب

الغرض الشیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری اور دوسرے مصری علماء نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا کہ علامہ شلتوت فتویٰ وفات مسیح واپس لے لیں مگر علامہ موصوف نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر نام نہاد علماء کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور خم ٹھوک کر میدان مقابلہ میں آ گئے اور الرسالۃ والروایۃ کی پانچ اشاعتوں میں مخالفین کے چھوٹے بڑے سب اعتراضات کے عالمانہ رنگ اور شستہ اور پاکیزہ زبان میں نہایت درجہ مدلل اور مسکت جوابات دیئے۔ جن سے مسئلہ وفات مسیح کے تمام پہلو بالکل نمایاں ہو کر سامنے آ گئے۔

کتاب ''الفتاویٰ'' میں اشاعت

علامہ محمود شلتوت نے ایک عرصہ بعد اپنا یہ مکمل فتویٰ اور اس پر اعتراضات کے جوابات کا ملخص اپنی مشہور کتاب ''الفتاویٰ'' میں بھی چھاپ دیا۔ اس طرح اس فتویٰ کو مصری حکومت کے مفتی اعظم کے سرکاری فتویٰ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت، جلد 8 صفحہ 296 تا 313)

مولوی رشید احمد چغتائی صاحب
کی بلاد عربیہ میں آمد

ہم نے مکرم مولانا چوہدری محمد شریف صاحب کی خدمات کے تذکرہ میں عرض کیا تھا کہ ان کے دور میں بلاد عربیہ میں دو مبلغین کرام تشریف لائے جن میں سے ایک مولوی رشید احمد چغتائی صاحب تھے۔ جنہوں نے پہلے اردن میں اور پھر لبنان میں تبلیغ احمدیت کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ ذیل میں اس کا کسی قدر تذکرہ کیا جائے گا۔

اردن مشن کی بنیاد

خلیج فارس سے مراکش تک پھیلی ہوئی عرب دنیا میں شرق اردن (Jordon) ایک نہایت مشہور مملکت ہے۔ اردن کا علاقہ صدیوں تک دمشق، حمص اور فلسطین کی طرح شام کی اسلامی عملداری میں شامل رہا۔ مگر پہلی جنگ عظیم کے بعد اسے برطانیہ کے زیر حمایت ایک مستقل ریاست تسلیم کرلیا گیا۔ یہ ریاست دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر برطانوی انتداب سے آزاد اور خودمختار ہوگئی اور عبداللہ بن الشریف حسین الہاشمی اس کے پہلے آئینی بادشاہ قرار پائے۔

شاہ عبداللہ والیٔ اردن کی بادشاہت کے تیسرے سال مولوی رشید احمد صاحب چغتائی واقفِ زندگی 3/ماہ امان/1327 ہش بمطابق 3 مارچ 1948ء کو حیفا سے شرق الاردن کے دارالسلطنت عمان پہنچے اور ایک نئے احمدی مشن کی بنیاد ڈالی۔ یہ مشن 7/ماہ وفا 1328 ہش بمطابق 7 جولائی 1949ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ شام و لبنان میں تشریف لے گئے اور دینِ برحق کی منادی کرنے لگے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح موعودؓ نے مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو قادیان سے رخصت کرتے وقت حسب ذیل ہدایات ان کی نوٹ بک میں تحریر فرمائی تھیں۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان باتوں سے پرہیز کرو جن سے تعلق نہ ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے لغو باتوں سے پرہیز کرو، تبلیغی ہدایات بہت دی جا چکی ہیں ان کو یاد کریں اور ان پر عمل کریں۔ کسی نے کہا ہے ''ایاز قدرِ خود بشناس'' اس مقولہ کو یاد رکھو، ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے ذرائع سے کام لے کر دنیا فتح کرنی ہے یہ سبق بھولا تو تبلیغ یونہی بیکار ہو جائیگی۔ باقی فتح دُعاؤں اور نماز اور روزہ سے آئے گی۔ تبلیغ سے زیادہ عبادت اور دُعا اور روزہ پر زور دو۔

خاکسار مرزا محمود احمد (23/10/1946)''

پھر 3 نبوت 1326 ہش بمطابق 3 نومبر 1947ء کو مولوی صاحب کا ایک خط ملاحظہ کر کے ارشاد فرمایا:۔

''اب وقت کام کا ہے۔ تبلیغ پر زور دے کر ایک موت وارد کریں تا احمدیت دوبارہ زندہ ہو اور مالی اور روحانی قربانی کی جماعت کو نصیحت کریں۔ اب ہر ملک کو ایسا منظّم ہونا چاہیے کہ ضرورت پڑنے پر وہی تبلیغ اور سلسلہ کا بوجھ اٹھا سکے۔ پہلے بہت سستی ہو چکی۔ اب ایک معجزانہ تغیر ہمارے مبلغوں اور جماعت میں پیدا ہونا چاہیے۔''

اُردن مشن کی ابتداء نہایت پریشان کن ماحول اور حوصلہ شکن حالات میں ہوئی۔ قضیۂ فلسطین کے باعث ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی اور دوسرے کثیر التعداد مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی طرح حیفا کے متعدد احمدی گھرانوں کو بھی ہجرت کر کے شام و لبنان میں پناہ گزین ہونا پڑا تھا۔ خود مولوی رشید احمد صاحب چغتائی جو حیفا ہی سے اُردن میں تشریف لائے تھے محض اجنبی اور غریب الدیار تھے۔

مولوی صاحب موصوف نے اپنی تبلیغی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز ایک ہوٹل سے کیا جہاں آپ صرف چند ہفتے مقیم رہے مگر پھر جلد ہی اخراجات میں تنگی کی وجہ سے اپنے ایک عرب دوست السید عبد الکریم المعایطہ ابن الحاج محمد ھلال المعایطہ کے ساتھ ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ چند ماہ بعد جب فلسطین کے ایک مخلص عرب احمدی پناہ گزین السید طٰہٰ

القزق عمان میں آ گئے تو مولوی صاحب ان کے پاس ایک مختصر کمرہ میں منتقل ہو گئے۔ یہ کمرہ کرایہ پر لیا گیا تھا اور شارع المحطۃ (ریلوے روڈ) پر واقع تھا۔

اُردنی پریس میں احمدی مبلغ اور جماعت احمدیہ کا ذکر

مکرم مولوی صاحب نے عمان میں قیام پذیر ہونے کے چند روز بعد نہ صرف انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ پیغام حق پہنچانا شروع کر دیا بلکہ اردن کے صحافیوں سے خصوصی رابطہ قائم کر کے پبلک کو احمدیت اور اس کی اسلامی خدمات سے روشناس کرانے کے بہترین مواقع پیدا کر لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت مختصر وقت کے اندر پورے اُردن پریس میں احمدی مبلغ اور احمدیت کے تذکرے ہونے لگے۔ چنانچہ ''الاردن''، ''الجزیرہ''، ''النسر''، ''وکالۃ الأنباء العربیہ'' اور ''الدفاع'' جیسے مقتدر اور بااثر اخباروں نے تعارفی نوٹ شائع کئے یہاں بطور نمونہ صرف دو اقتباس مع ترجمہ درج کئے جاتے ہیں:۔

1۔ ''الأردن'' نے حسب ذیل نوٹ درج اشاعت کیا:۔

"زارنا فی إدارة هذه الجريدة المبشرالإسلامی الأستاذ رشيد احمد جغتائی الأحمدی الهندی فأنسنا به بعض الوقت و بالنظر لما يربط الدول العربية بدولة الباكستان الجديدة من روابط دينية واجتماعية سألنا حضرته أسئلة كثيرة تتعلق بالهند و بمسلميها وهند وكيها۔

والأستاذ ينتمی إلی الجماعة الأحمديه التی تبشر بالدين الإسلامی والمنتشرة فی أقطارالعالم۔ وهو شاب فی نحو الثلاثين ربيعا أوقف حياته فی خدمة دين الإسلام و نشره۔

وعلمنا أنه زارعدداً من الشخصيات الدينية والحكومية وسيتشرف بمقابلة جلالة الملك المعظم و حدثنا عن تعلق مسلم الهند بالعرب ومحبتهم لآل البيت۔

وقد قال إن مسلمی الهند يعتقدون أنهم مدينون دينا عظيما للعرب الذين نشروا بينهم لواء الإسلام فاهتدوا بهديه وأنهم لو

فقدوا أعظم ما لديهم فی سبيل نصرة العرب لما وفواجزءاً من فضلهم هذا عليهم ثم قال ردا علی سؤالنا إن مسلمی الهند متعلقون بآل البيت و محبون لهم أعظم الحب۔

وقد أطلعنا الأستاذعلی النشرات الدينية التی تصدر فی جميع بلدان العالم لنشرالدين الإسلامی من قبل الجماعة الأحمدية ثم قال إن الجماعة فی أنحاء العالم تنشرالدعاية القوية لفلسطين العربية ومقدساتها الدينية ويقاومون الدعاية الصهيونية

وكتب إمام الجماعة (حضرت ميرزا بشير الدين محمود أحمد)مؤخراً رسالة فی موضوع فلسطين نشرت باللغة الأردية وترجمت إلی جميع اللغات دفاعا عن فلسطين العربية"

(جریدہ ''الاردن'' عمان نمبر 1202 جلد29۔ 17 جمادی الاول 1367ھ بمطابق 2/اپریل1948ء)

مبلغ اسلام مولوی رشید احمد صاحب چغتائی الاحمدی الہندی ہمارے دفتر میں بغرض ملاقات تشریف لائے۔ ہم نے آپ سے ان دینی اور اجتماعی روابط وتعلقات کی بناء پر جو پاکستان کی نئی مملکت کو عرب حکومتوں سے وابستہ کرتے ہیں، نیز برصغیر کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی نسبت متعدد سوالات کئے۔

جناب مولوی صاحب جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتی اور اکنافِ عالم تک پھیلی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب قریباً تیس سالہ جوان ہیں۔ آپ نے خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ ملک کے بہت سے مذہبی راہنماؤں اور اعلیٰ سرکاری افسروں سے مل چکے ہیں اور عنقریب جلالۃ الملک شاہ معظم کی ملاقات سے بھی مشرف ہونے والے ہیں۔ آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کے عرب سے تعلق اور اہل بیت نبوی سے عقیدت و محبت کا بھی تذکرہ کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ مسلمانانِ برصغیر کا اعتقاد ہے کہ وہ عربوں کے بیحد مقروض ہیں جنہوں نے ان کے یہاں پرچم اسلامی لہرایا اور جن کی راہ نمائی سے وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔ سو اگر وہ عربوں کی اعانت وتائید میں اپنی عزیز ترین متاع بھی خرچ کر دیں تب بھی وہ ان کی مہربانی کا

صلہ نہیں دے سکتے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں مزید فرمایا۔ کہ برصغیر کے مسلمان اھلِ بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت والفت رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب نے وہ مذہبی لٹریچر بھی دکھایا جو احمدی جماعت کی طرف سے دنیا بھر میں دین اسلام کی اشاعت کے لئے شائع ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ جماعت احمدیہ فلسطین عربیہ اوراس کے مقدس مقامات کی حفاظت وتائید اور صہیونی پراپیگنڈا کے قلع قمع کے لئے سرگرم عمل ہے۔ چنانچہ حال ہی میں خود امام جماعت احمدیہ (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد) نے مسئلہ فلسطین کے موضوع پر اردو میں ایک مضمون سپرد قلم فرمایا جو فلسطینی عربوں کے دفاع کی غرض سے دیگر زبانوں میں بھی شائع کیا جا چکا ہے۔

2۔ممتاز جریدہ ''النسر'' نے لکھا:۔

''قدم العاصمة المبشر الإسلامی الهندی میرزا رشید أحمد جغتائی الأحمدی لیقوم بجولة فی ربوع الأردن وهو من الجماعة الأحمدیة إحدی طوائف الإسلام ومرکزها فی الهند۔ وإمامها الحالی حضرة میرزا بشیر الدین محمود أحمد وهذه الجماعة تعمل علی الدعوة إلی الإسلام والتبشیر بالدین الحنیف۔ وینتشر أعضاؤها ومبشروها فی جمیع أنحاء العالم وقد دخل فی الإسلام ألوف من الناس بفضل جهود أفراد هذه الجماعة۔ کما أسست عددًا کبیراً من المساجد والجوامع والمراکز التبشیریة فی أکثر أرجاء العالم ومنها فی إنجلترا وأمریکا وأفریقیا وجزرالهند والصین والیابان وألبانیا وفرنسا وإیطالیا وسویسرا۔ وقد ترجمت الجماعة القرآن الکریم الی عشر لغات أجنبیة۔

ویبلغ عدد الأحمدیین فی العالم عدة ملایین وتعتقد جماعة الأحمدیین بأن مؤسسها الأول حضرة میرزا أحمد (علیه السلام) المولود سنة 1835ء والمتوفی سنة 1908ء۔هوا لمهدی المنتظر والمسیح الموعود والمجدد للقرن الرابع عشر الهجری۔ وقد جاء لیقیم الشریعة المحمدیة ویحیی الدین ویخدم الإسلام حتی تکون

الغلبه له۔ وقد ألف وكتب 80 كتابا كلها فى تائيد الإسلام والدفاع عنه۔ وبعضها باللغة العربية الفصحٰى۔ وقد أطلعنا المبشرالضيف علىٰ نشرات مختلفة تصدرها الجماعة الأحمدية فى الهند وخارجها۔ كما أخبر نا أن أفراد هذه الجماعة قاموا بدعاية واسعة لقضية فلسطين فى مختلف مراكزها وخاصة فى الهند۔ حيث أصدر ميرزابشير الدين رسالة باللغة الأردية يشرح فيها قضية فلسطين"۔

(جریدہ "النسر" عمان 4 جمادی الثانی 1368ھ بمطابق 13/اپریل 1948ء نمبر 48 جلداول)

ترجمہ: ان دنوں برصغیر سے میرزا رشید احمد چغتائی الاحمدی مملکت شرق الاردن کے دورہ کی غرض سے دارالسلطنت عمان میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے جو اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا مرکز ہندوستان میں ہے اور جس کے موجودہ امام حضرت میرزا بشیر الدین محموداحمد ہیں۔ یہ جماعت اعلائے کلمۂ اسلام میں مصروف ہے اور اس کے افراد اور مبشرین اکناف عالم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس جماعت کی شاندار مساعی کے نتیجہ میں جہاں ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں وہاں دنیا کے اکثر حصوں میں مسجدیں، مدرسے اور تبلیغی مشن قائم ہو چکے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ انگلستان، امریکہ، افریقہ، جاوا، سماٹرا وغیرہ، جزائر ہند، چین، جاپان، البانیہ، فرانس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ وغیرہ۔ یہ جماعت دس غیر ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم بھی کر چکی ہے۔

دنیا بھر میں احمدیوں کی تعداد چند ملین ہے۔ جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ بانی جماعت احمدیہ حضرت میرزا احمد (علیہ السلام) (جن کی ولادت 1835ء میں اور وفات 1908ء میں ہوئی) مہدی منتظر، مسیح موعود اور چودہویں صدی کے مجدد ہیں اور آپ کی آمد شریعت محمدیہ کے قیام، احیائے دین اور خدمت اسلام کے لئے ہوئی تھی تا کہ اسے غلبہ نصیب ہو۔ آپ نے 80 کے قریب کتابیں تالیف فرمائیں جو سب اسلام کے دفاع اور تائید میں تھیں اور جن میں سے بعض فصیح عربی زبان میں ہیں۔ ہمیں مولوی صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے برصغیر اور بیرونی ممالک میں شائع ہونے والا لٹریچر بھی دکھایا۔ نیز اس جدوجہد سے بھی مطلع کیا جو مسئلہ فلسطین کے بارے میں جماعت احمدیہ کے مختلف مشنوں نے کی ہے۔ بالخصوص برصغیر میں

خود حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ) نے قضیۂ فلسطین پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک خاص مضمون شائع فرمایا۔

اردن کی اہم شخصیتوں تک پیغام احمدیت

1۔السید عبد الرحمٰن الخلیفہ رئیس الدیوان الملکی (پرائیویٹ سیکرٹری شاہ اردن)
2۔صاحب السعادۃ سعید پاشا مفتی (وزیر داخلہ اردن)
3۔السید محمد امین الشنقیطی (وزیر تعلیم وقاضی قضاۃ)
4۔فوزی پاشا ملقی (وزیر خارجہ اردن)
5۔عبداللہ النجار (اردن میں لبنانی وزیر مفوض)
6۔شیخ عبدالعزیز (اردن میں سعودی وزیر مفوض)
7۔عبداللہ بک تک (لیفٹننٹ جرنل۔فلسطینی محاذ کے نامور جرنیل و بیت المقدس کے فوجی گورنر)
8۔بہجت بک تلحونی رئیس محکمہ ہدایت اربد (جو چار دفعہ اردن کے وزیر اعظم بنائے گئے)
9۔هزاع المجالی رئیس بلدیة العاصمه و مدیر التشریفات الملکیه (آپ بھی بعد میں وزارت عظمیٰ کے منصب پر پہنچے)

علاوہ ازیں مولوی صاحب موصوف کو اسمبلی کے ممبروں، مختلف مدارس کے ہیڈ ماسٹروں اور سماجی لیڈروں سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔

جناب بہجت تلحونی سے اردن میں مبشر احمدیت کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی غلبۂ اسلام کے لئے بین الاقوامی کوششوں کو بہت سراہا اور اپنے قلم سے حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

”إنه لَمِمَّا يثلج الصدر ويحيى القلب أن نرى بين ظهرانينا وفى معظم أنحاء العالم مبشرين عالمين مسلمين أمثال الأستاذ السيد رشيد أحمد چغتائى الهندى الباكستانى يعلمون أمور الشرع الإسلامى ويسعون لتعليمه ورفع رأية الإسلام۔ فبارك الله فيهم و كثّر من أمثالهم و نفع البشر من علمهم والسلام علىٰ

من اتبع الهدیٰ"

٤٨/٧/٥ بهجت رئيس محكمة هداية إربد وزارة العدلية

المملكة الأردنية الهاشمية

ترجمہ: یقیناً یہ امر سینہ میں ٹھنڈک پیدا کرتا اور دل کو شگفتگی، تازگی اور زندگی بخشتا ہے کہ ہم اپنے درمیان اور دنیا کے بیشتر علاقوں اور طرفوں میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی پاکستان کی مانند تبلیغ کرنے والے مسلم علماء دیکھ رہے ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے مسائل سکھلانے اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو پیش کرنے میں کوشاں ہیں تا علمِ اسلام کو دنیا میں سر بلند کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈالے۔ ایسے مبلغین بکثرت دنیا میں پھیلا دے اور بنی نوع انسان کو ان کے علم سے فائدہ پہنچائے اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر خدا کی سلامتی ہو۔

5 جولائی 1948ء بہجت رئیس محکمہ ہدایۃ اربد وزارۃ العدلیۃ المملکۃ الادنیۃ الھاشمیہ

عیسائیوں کے ایک خصوصی اجتماع میں تقریر

مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں کے گرجوں اور انکی دیگر مجالس میں بھی راہ ورسم پیدا کر کے ہر ممکن طریق سے انہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے متعارف کروایا۔

چنانچہ اس ضمن میں ایک موقعہ پر دار الحکومت عمان میں اعلیٰ درجہ کے مشہور کلب ''نادی عمان'' (Amman Club) میں عیسائیوں کے ایک خصوصی اور اہم اجتماع میں محترم مولوی صاحب موصوف کو بھی خطاب کرنے کی دعوت دی گئی جسے آپ نے قبول کیا اور اس میں تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں بڑے بڑے عیسائی پادریوں کے علاوہ حکومت اُردن کے متعدد وزراء اور بلاد عربیہ و دیگر ممالک کے سفراء، پارلیمنٹ کے ایوان بالا اور زیریں کے کئی ایک ممبران و دیگر رؤساء، سکولوں و کالجوں کے اساتذہ اور وکلاء، مدیران جرائد وغیرہ غرض ہر مذہب وطبقہ کی چیدہ شخصیات موجود تھیں۔

اس جلسہ کی مفصل روداد اخبار ''الاردن'' کے ایک خاص نمبر میں شائع کی گئی۔ جس میں کیتھولک فرقہ کے فلاڈلفیا اور سارے شرق اردن کے بشپ اور پادریوں وغیرہ مسلم وغیر مسلم جملہ مقررین کے شائع شدہ اسماء میں محترم مولوی صاحب موصوف کا نام بھی درج تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام والیٔ اردن شاہ عبداللہ ابن الحسین کے نام

اردن مشن کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت مصلح موعودؓ کا والیٔ اردن شاہ عبداللہ ابن الحسین کے نام پیغام اوران سے ملاقات ہے۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو اردن میں آنے سے پہلے قیام فلسطین کے دوران (22 نومبر 1947ء) شاہ اردن سے مصافحہ کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ جس کی اطلاع مولوی صاحب موصوف نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھی بھجوائی۔ نیز لکھا کہ امید ہے کہ میرا یہ مصافحہ مجھے اردن میں پہنچنے اوران سے دوبارہ ملاقات کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

حضرت مصلح موعودؓ کے حضور 5 نومبر 1947ء کو یہ رپورٹ پیش ہوئی تو حضور نے ارشادفرمایا:۔

''اگر ملک عبداللہ سے ملیں تو انہیں میرا سلام کہیں اور کہیں کہ مَیں ان کے والد مرحوم (یعنی شریف مکہ) سے 1912ء میں مکہ مکرمہ میں حج کے موقعہ پر مل چکا ہوں۔ لمبی گفتگو ایک گھنٹہ تک ہوئی تھی۔ اس وقت مَیں نوجوان تھا۔ کوئی تئیس سال کی عمر تھی۔ اسی طرح میرے برادر نسبتی (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مراد ہیں۔ ناقل) ان کے بھائی امیر فیصل کے دوست تھے۔ شام میں ان کے تعلقات قائم ہوئے تھے۔ بعد میں ان کی بادشاہی کے زمانہ میں عراق میں ان سے ملے اور انہوں نے ان کی دعوت بھی کی۔''

شاہ اردن سے احمدی مبلغ کی ملاقات

جناب مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے حضرت مصلح موعودؓ کا یہ پیغام پہنچانے کے لئے 11 ماہ ہجرت 1327 ہش بمطابق 11 مئی 1948ء کو شاہ اردن سے ان کے شاہی محل (قصر رغدان) میں ملاقات کی۔ بادشاہ معظم آپ کے داخل ہونے پر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اھلاً و سھلاً و مرحبا کے الفاظ سے خوش آمدید کہا اور مصافحہ کیا جس کے بعد آپ نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے گزشتہ عید الاضحیہ سے دو یوم قبل (22/اکتوبر 1947ء کو) بادشاہ معظم سے بیت المقدس میں حرم شریف مسجد اقصیٰ میں مصافحہ کیا جس کے بعد مولوی صاحب کے دل میں ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کا اظہار بھی انہوں نے بذریعہ خط

حضرت امام جماعت احمدیہؓ کی خدمت میں کیا۔ جس پر حضورؓ نے بادشاہ معظم تک اردو میں اپنا ایک پیغام بھجوایا۔ مبلغ احمدیت نے ان تعارفی الفاظ کے بعد شاہ اردن کی خدمت میں حضور کے پیغام کا عربی ترجمہ پیش کیا۔

شاہ اردن حضور کے پیغام سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے اس کے جواب میں حسب ذیل الفاظ لکھوائے اور اس پر سرخ روشنائی سے دستخط ثبت فرما دیئے:۔

”لحضرة إمام الجماعة الأحمدية ميرزا بشير الدين محمود أحمد! قد قرأ عليّ صديقنا الجُمل اللطيفة المتعلقة بى و بوالدى المرحوم و بأخى رحمه الله فشكرتكم على تلك الذكرىٰ و أثنيت عليكم ثناء المسلم للمسلم ، جُزيتم خيرا و بورك فيكم و إنا نأمل أن نراكم يوما ما إن شاء الله فى أحسن حالة المسلمين أجمعين۔ و إننى هنا سأعمل علىٰ مساعدة كل أخ من الهند و الباكستان إذا احتاجا إلىٰ تلك المساعدة، و السلام عليكم و رحمة الله۔“

ترجمہ: بحضور حضرت امام جماعت احمدیہ

میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب!

آپ کا پیغام ابھی ہمارے دوست (رشید احمد صاحب احمدی) نے مجھے پڑھ کر سنایا ہے جو آپ کے خوبصورت اور پاکیزہ جملوں پر مشتمل ہے اور جو مجھ سے اور میرے والد مرحوم اور میرے بھائیؒ سے متعلق ہیں۔ مَیں اس یاد فرمائی پر آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کی تعریف کرتا ہوں جیسا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تعریف کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو جزائے خیر عطا ہونے اور برکتوں کے حصول کے لئے دعا گو ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ ہم آپ کو کسی وقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان حالت میں پہنچا ہوا دیکھیں گے اور مَیں یہاں اپنے ہر انڈین و پاکستانی بھائی کی جب بھی ضرورت پڑے مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

شاہ معظم نے یہ عقیدت مندانہ جواب لکھوانے کے بعد مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کی ذاتی نوٹ بک پر اپنے قلم سے حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی:۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أحمدهٗ و أصلى على نبيهٖ الكريم و آلهٖ وصحبه أجمعين

إننى أثبت بهذا الدفتر المبارك للمبشر الإسلامى السيد رشيد أحمد جغتائى الأحمدى شهادة أن لّا إله إلا اللّٰه و أن محمد رسول اللّٰه و أحييه و جميع المسلمين بتحية السلام۔

عبد اللّٰه

3 رجب الغراء 1367ھ عمان شرق الأردن

(مہر) الديوان الهاشمى

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔مَیں اس عبارت کوشروع کرتا ہوں۔مَیں اللہ کی حمد کرتا ہوں اوراس کے نبی کریم اورآپؐ کےآل واصحاب سب پر درود بھیجتا ہوں۔

مَیں احمدی مبلغ اسلام مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کی اس بابرکت کاپی میں کلمۂ شہادت لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ تحریر کرتا ہوں اورمَیں مولوی صاحب کو اور تمام مسلمانوں کوالسلام علیکم کاتحفہ دیتا ہوں۔والسلام

(شاہی دستخط) عبداللہ

3رجب الغراء 1367ھ عمان شرق الاردن

(مہر) الديوان الهاشمى

مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے دوران ملاقات تحریک جدید کے 1939ء میں مطبوعہ البم (Album) سے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شبیہ مبارک ان کے سامنے رکھی۔فوٹو دیکھتے ہی شاہ اردن کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔’’ما أحلى هذه الصورة!‘‘ کتنی ہی پیاری یہ تصویر ہے! مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا فوٹو بھی دکھایا جسے آپ نے گہری نظر سے دیکھا۔

بعدازاں مکرم مولوی صاحب نے شاہ معظم کی خدمت میں حضرت مصلح موعودؓ کے مضمون ’’تقسیم فلسطین اور اقوام متحدہ‘‘(مطبوعہ الفضل 11/دسمبر 1948ء۔ یہ مضمون چودھری محمد شریف صاحب فاضل انچارج احمدیہ مشن بلاد عربیہ نے انہی دنوں ترجمہ کر کے عربی ممالک

میں بکثرت شائع کیا تھا) کا عربی ٹریکٹ پیش کیا جسے شاہ نے بخوشی قبول فرمایا اور پورے ٹریکٹ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے جب اس میں جنرل سمطس کا نام دیکھا تو فرمایا ''دشمن فلسطین'' پھر فرمایا کہ ''مَیں اسے غور سے پڑھوں گا اور انشاء اللہ فائدہ اٹھاؤں گا۔''

آخر میں بادشاہ نے مملکتِ اردن اور پاکستان کے اسلامی روابط وتعلقات اور اتحاد واتفاق پر گفتگو فرمائی۔شاہی محل قصر رغدان میں ملک معظم سے یہ ملاقات 20 منٹ تک جاری رہی۔

(ملخص از الفضل یکم ستمبر 1948ء صفحہ 2)

اس ملاقات کی خبر عمان کے اخبار ''الاردن'' نے اپنی 29 مئی 1948ء کی اشاعت میں دی۔(مولوی صاحب موصوف کو اس کے بعد بھی شاہ معظم سے اسی سال دوبارہ ملاقات کا موقعہ ملا۔ یہ ملاقاتیں حضرت مصلح موعودؓ کے مسئلہ فلسطین سے متعلق مطبوعہ عربی ٹریکٹ پیش کرنے کی غرض سے تھیں۔)

اردن کے سب سے پہلے احمدی

سلطنت اردن کے قدیم اور تاریخی شہر الکرک کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اردن میں سب سے پہلے وہاں احمدیت کا بیج بویا گیا اور مشہور قبیلہ المعایطہ کے سردار کے بڑے لڑکے السید عبد اللہ الحاج محمد المعایطہ اور ان کے بعض افراد خاندان داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔

اردن مشن کی اسلامی خدمات زائرین کی نظر میں

اردن مشن اگرچہ صرف سوا سال تک قائم رہ سکا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس نہایت قلیل عرصہ میں اس کو خاصی اہمیت حاصل ہوگئی اور اس کی اسلامی خدمات ملک کے اونچے اور علمی طبقے میں بڑی قدر اور احترام کی نظر سے دیکھی جانے لگیں۔

اس حقیقت کا اندازہ ان تاثرات سے بخوبی ہوسکتا ہے جو اردن مشن کی اسلامی خدمات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے اور مشن میں آنے والے زائرین نے خود قلمبند کئے اور جو ریکارڈ میں اب تک محفوظ ہیں۔جن شخصیات کے تاثرات ہمیں اس ریکارڈ میں ملتے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

السید محمد نزال العرموطی (رئیس دیوان قاضی القضاۃ و رئیس ندوۃ عربیۃ عمان)

السیّد سلیمان حدیدی (مالک و مدیر مجلّہ ''الیقظہ'') محمد تیسیر ظبیان (ہیڈ ماسٹر مدرسہ علوم اسلامیہ مالک و مدیر اخبار ''الجزیرہ'') انیس خلیل نصر (مدیر ''الاردن'') السیّد صبحی القطب (مالک و مدیر جریدہ ''النسر'') الشیخ عبداللہ الرباح (شرعی وکیل) الاستاذ خیری الحماد (اسسٹنٹ ڈائریکٹر وکالۃ الانباء العربیہ۔عرب نیوز ایجنسی) السیّد جودت الخطیب (آفیسر محکمہ پاسپورٹ اردن) السید عمر خلیل المعانی (ایڈووکیٹ عمان) السید واصف فخر الدین (استاذ اسلامیہ کالج عمان) بعض اہم تاثرات کا عربی متن اردو ترجمہ کے ساتھ ذیل میں سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

1۔ **صاحب المعالی فوزی باشا ملقی**

وزیر خارجیة المملکة الاردنیة الهاشمیه

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

سرنی واللّٰہ لقاء المسلم الغیور رشید أحمد جغتائی الأحمدی وأکبرت فیه رغبة صادقة فی تحقیق مبادئ رفیعة یعتقد أنها خیر ما یقدم للناس فی مشارق الأرض و مغاربها وأن الإخلاص للعقیدة التی تعمرفؤادهٗ بعث بہٖ إلی أقطار العالم کله وطناً واحدا والعالمین جمیعا۔ أهلا له و سکانًا حفظه اللّٰہ وأبقاه۔

31/ 7/1948 فوزی ملقی

ہز ایکسی لنسی فوزی پاشا ملقی وزیر خارجہ اردن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدا ایک غیور مسلمان عالم مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی سے ملاقات کر کے مجھے غایت درجہ مسرت حاصل ہوئی ہے۔مَیں ان کی اس سچی تڑپ سے بھی بہت متاثر ہوا ہوں جو وہ اپنے دل میں ان بہترین اور عظیم الشان اصولوں اور تعلیم کو لوگوں میں قائم اور راسخ کرنے کے واسطے موجود پاتے ہیں اور جس کے بارہ میں آپ کا اعتقاد ہے کہ یہی وہ بہترین چیز ہے جسے دنیا کے مشارق و مغارب میں ہر جگہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے۔وہ عقیدہ کہ جس سے ان کا دل معمور ہے اور وہ پیغام جو تمام دنیا جہاں کے جملہ ممالک کو گویا ایک ہی وطن تصور کرتا ہے اس سے والہانہ اخلاص ہی نے آپ کو اپنے وطن اور اہل و عیال سے دور مختلف ممالک میں پہنچا دیا ہے۔آپ کے خیر مقدم اور بہتر قیام کی نیک خواہش کے ساتھ ہی میری دلی دعا ہے

کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کو لمبی عمر بخشے۔ آمین

31 جولائی 1948ء فوزی ملقی

وزیر خارجہ مملکۃ اردنیہ ہاشمیہ

2۔ صاحب العمالی سعید باشا المفتی

وزير الداخلية للمملكة الأردنية الهاشمية

"بارك اللّٰه با لسيد رشيد أحمد الجغتائى وبأمثاله الذين يعملون لخير الإسلام والدين الحنيف۔ لهم بذلك أجرهم فى الدنيا وفى الاٰخرِة۔"

عمان سعيد المفتى

1949/2/14 وزير الدخلية للمملكة الأردنيه الهاشميه

ھز ایکسی لنسی سعید پاشا المفتی وزیر داخلہ اردن

''اللہ تعالیٰ اپنی برکات و افضال محترم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی اور آپ جیسے مبلغین اسلام پر نازل فرمائے کہ جو دین حنیف اسلام کی بھلائی اور بہتری کے واسطے سرگرم عمل ہیں۔ یقیناً دنیا و آخرت میں انہیں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

عمان سعید المفتی

14 رفروری 1949ء وزیر داخلۂ مملکت اردنیہ ہاشمیہ''

3 ۔ صاحب السعادة عبدالله النجار

القائم بأعمال المفوضية اللبنانية بعمان

"الناس أعداء ماجهلوا۔ لذلك نرجوا ان يفهم العالم ولا سيما الغربى منه حقيقة الإسلام۔ فيقوى التآخى بين الأقوام على يد المبشرين المخلصين أمسال المبشر الإسلامى السيد رشيد أحمد جغتائى الأحمدى الذى تفضل بزيارتى وحدثنى بلسان عربى مبين۔"

عبدالله النجار

1948/7/17 القائم بأعمال المفوضية المجهورية اللبنانية عمان

عمان میں لبنان کے سفیر ھز ایکسی لنسی عبداللہ النجار

لوگ جس چیز سے نابلد ہوں عموماً اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ سو ہماری تمنا ہے کہ تمام دنیا خصوصا مغربی دنیا اسلام کی حقیقت کو سمجھے، اور مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی جیسے مخلص مبلغین کے ذریعہ قوموں کے درمیان بھائی چارہ کی فضا قائم ہو جائے۔ مبشر اسلامی رشید چغتائی صاحب نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں مجھ سے گفتگو کی۔

عبداللہ النجار

قائم باعمال المفوضیہ (سفارت خانہ لبنانیہ)

17/ جولائی 1948ء عمان

4۔ **مفتی الدیار الأردنية**

فضيلة الشيخ الأستاذ محمد فال البيضاوى الشنقيطى

”شاء الحظ أن يصاد فنى بلقاء الأستاد السيد رشيد أحمد جغتائى الأحمدى المبشر بالدين الإسلامى فى البلدان الأجنبية فوجد ته مثالا للكمال واللطف والأدب الإسلامى وأبى إلا أن أثبت لتواضعهٖ الرغبة فى أن أدون فى دفترة هذا المبارك اسمى فها أنا أسجله شاكرا لهٗ جهده فى نشر الإسلام سائلا له التوفيق من الله تعالىٰ والعون علىٰ مهمتهٖ“

عمان 7 رجب 1367 15 /5/ 1948

مفتى الديار الأردنية

محمد فال البيضاوى الشنقيطى

مفتی اعظم مملکت اردنیہ ہاشمیہ

حضرت فضیلت مآب شیخ محمد فال بیضاوی شنقیطی

میری خوش نصیبی نے مجھے غیر ممالک میں فریضہ تبلیغ بجا لانے والے مبلغ اسلام مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی احمدی سے ملاقات کی سعادت ملی۔ میں نے آپ کو کمال لطف اور ادب اسلامی میں مثالی شخصیت پایا ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق مَیں آپ کے اس رجسٹر میں اپنا نام درج کرتے ہوئے اشاعت اسلام کے لئے آپ کی مساعی کو قدر و شکریہ کی نگاہ

سے دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جدوجہد میں آپ کا معین و مددگار ہو اور بہتر طور پر اس خدمت کو سرانجام دیتے رہنے کی توفیق بخشتا رہے۔ آمین

مفتی اردن محمد فال بیضاوی شنقیطی

عمان 7 رجب 1367 ہجری مطابق 15 مئی 1948ء

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد نمبر 12 صفحہ 1 تا 18)

احمدی وفد
مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں

مؤتمر عالم اسلامی ممالک اسلامیہ کی عالمی تنظیم کا نام ہے جس کا قیام فروری 1949ء میں پاکستان کے پہلے دارالسلطنت کراچی میں ہوا۔ اس موقع پر مسلم نمائندگان نے مؤتمر کا ایک دستور مرتب کیا جس کی بنیاد قرآن عظیم کے ارشاد ربانی ''إِنَّمَا الْمُؤمِنونَ إِخْوَةٌ'' پر رکھی۔

مؤتمر کا دوسرا سالانہ اجلاس اس سال 9 سے 13 فروری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں 35 اسلامی ملکوں کے مندوبین نے شرکت کی اور دنیائے اسلام کو درپیش مسائل پر اپنے ممالک کی نمائندگی کی اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ کشمیر، فلسطین اور دوسرے ان تمام اسلامی ممالک کو آزاد کرانے کی متحدہ کوشش کی جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دیرینہ خواہش تھی کہ عالم اسلامی کے متفرق اجزاء کسی طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی عالمگیر مشکلات حل کرنے کی راہ سوچیں اور ایک دوسرے سے ان کا رابطہ اور تعلق قائم ہو۔ چنانچہ مئی 1947ء کے بعد حضور نے لاہور، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ اور کراچی میں متعدد تقریریں فرمائیں۔ جن میں اس اہم ضرورت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ علاوہ ازیں 1950ء میں کراچی کے صحافیوں کی کانفرنس میں مسلمانوں کی تنظیم اور اتحاد پر بہت زور دیا۔

''مؤتمر عالم اسلامی'' چونکہ وحدت عالم اسلام کے لئے پہلا خوشکن قدم تھا جس کو اٹھانے کی توفیق پاکستان کو میسر آئی تھی۔ اس لئے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد مبارک پر مؤتمر کے اس دوسرے اجلاس میں مرکز احمدیت سے ایک احمدی وفد نے خاص طور پر شرکت کی۔

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت وتبلیغ اس وفد کے امیر تھے اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ وکیل التبشیر تحریک جدید اور ملک عمر علی صاحب نائب وکیل التبشیر اس کے رکن۔ احمدی وفد کو مؤتمر کے ہر اجلاس کی کاروائی میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ نمائندگان وفود سے الگ الگ ملاقاتیں کیں، ان کی تقاریر سنیں اور ان تقاریب میں شریک ہوا جو مؤتمر کے نمائندوں کو سرکاری طور پر دی گئیں۔ جماعت احمدیہ کراچی نے اس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ کی 1950ء کی کراچی پریس کانفرنس کو عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع کیا جو بیرونی ممالک کے مندوبین میں سے ایک معتد بہ حصہ کو دیا گیا تا وہ اپنے ملکوں میں واپس جائیں تو حضرت امام جماعت احمدیہ کے قیمتی افکار و خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر اختیار کریں۔

امیر وفد حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اپنے ایک مفصل بیان میں مؤتمر عالم اسلامی کو عالم اسلامی میں وحدت اور اتحاد پیدا کرنے کی مبارک تحریک قرار دیا اور اپنے ایک مفصل بیان میں اس کی سرگرمیوں کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے بتایا کہ:

''تمام عرب مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ تمام باہمی فرقہ بندیوں کی حدود سے بالا تر رہ کر اس مؤتمر عالم اسلامی کی بنیاد اٹھانی چاہیے ورنہ یہ سانس لیتے ہی موت کا منہ دیکھے گی۔ اقوام عالم کے مشترکہ سٹیج سے یہ آواز ایک احمدی کے دل میں کس قسم کی خوشی پیدا کرسکتی ہے اس کا اندازہ اس مسلمہ حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ عرصہ...... سے ہماری جماعت کے اسٹیج سے یہ آواز بار بار بلند کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مشترکہ اغراض کی خاطر ایک سٹیج پر جمع ہو کر روح تعاون کے ساتھ اپنی عالمگیر مشکلات کا حل سوچنا اور اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے اکٹھا ہو جانا چاہیے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہماری آواز بازگشت بے نتیجہ نہیں رہی اور اب ممالک اسلامیہ کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی غرض سے مؤتمر عالم اسلامی کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے۔''

ان دنوں پاکستان اور بیرونی ممالک کے بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مؤتمر عالم اسلام کا قیام محض ایک سیاسی سٹنٹ ہے جس سے حکومت پاکستان اپنی ہر دلعزیزی اور مقبولیت بڑھانا چاہتی ہے تاکہ ملکی انتخابات کے لئے موافق اور سازگار حالات پیدا ہوں۔ عرب نمائندگان میں سے بھی ایک نمائندہ نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ ان وفود کے پاس ان کی حکومتوں کی طرف سے کوئی اختیار نہیں اور نہ حکومتیں ایسا اختیار دے سکتی ہیں بلکہ اگر اختیار دے

بھی دیتیں تو اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہماری آواز کے ساتھ اپنی مقررہ اور مستقل پالیسی کو ہم آہنگ کریں گی۔ امیر وفد حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اس عرب نمائندے کو بھی جواب دیا اور اپنے بیان میں بھی بتایا کہ مؤتمر عالم اسلامی کے قیام اور بقاء سے کم از کم جو فائدہ ہمیں پہنچ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ باہمی تعارف اور ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ عالم اسلامی کے اتحاد کی ضرورت کا شعور اور احساس پیدا ہو جانا خود ایک بڑی نعمت ہے۔ تقریباً ہر ایک نمائندے نے بلند آواز اور مؤثر انداز میں بار بار سنایا کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے تم مسلمان بنو یہ آواز بھی احساس بیداری پیدا کرنے والی ہے۔ اور جب قوم میں ایک دفعہ احساس پیدا ہو جائے تو اُمید کی جاتی ہے کہ دوسرا قدم بھی اُٹھایا جائے۔

پس احساس بیداری سے فائدہ اٹھانا چاہیے نہ کہ مایوسی سے اس کو ضائع کر دینا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس بیان میں مزید فرمایا کہ:۔

''مَیں نے محسوس کیا ہے کہ جمعیت علماء میں بھی قابل قدر ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو سمجھتی ہیں کہ اسلامی فرقوں کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کی نوعیت زیادہ تر تاویلی اور اصطلاحی ہے ہمیں ان اختلافات سے بلند اور بالا رہ کر عالم اسلامی کے لئے تنظیم وحدت کا سٹیج کھڑا کرنا چاہیے۔ مجھ سے ایک عالم نے کہا کہ نبوت اور ختم نبوت کی تعریف میں جو اختلاف آپ کے اور ہمارے درمیان ہے وہ دراصل اصطلاحی تعریف کا اختلاف ہے ورنہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ اختلاف ایسا نہیں کہ اس پر آپس میں دست و گریبان ہوں۔ آپ بھی مانتے ہیں کہ اسلام کی شریعت کامل ہے اور اس کے بعد کوئی شریعت نہیں اور نبوت کی تعریف میں صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا اور نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صاحب شریعت بھی ہو اور ہمارے علماء نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ تو یہ اختلاف تعریف کا ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں کہ آپس میں دست و گریبان ہوا جائے علماء کے طبقہ میں اس قسم کی آزاد خیالی کا پیدا ہونا خوش کن ہے۔ جوں جوں ہمارا نقطۂ نظر وسعت اختیار کرتا جائے گا اور رواداری کی روح ہم میں کارفرما ہوگی ہم ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے جائینگے اور جو ہمارے درمیان خلیج ہے کم سے کم ہوتی چلی جائے گی۔ اسلئے مَیں سمجھتا ہوں کہ مؤتمر عالم اسلامی کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان وحدت کی صورت پیدا ہونے کے امکانات موجود ہیں۔''

(الفضل 17 مارچ 1981ء صفحہ 6 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 13 صفحہ 294-297)

لبنانی پریس میں امام جماعت احمدیہ کا تذکرہ

بیروت کے جریدہ ’’اخبارالیوم‘‘ نے 22 دسمبر 1949ء کے پرچے میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی عظیم شخصیت کے بارے میں مندرجہ ذیل تعارفی نوٹ شائع کیا:۔

’’یتمتع الخلیفة میرزا بشیر الدین محمود احمد بمکانة دینیة کبیرة فی باکستان ، و هو من لاهور عاصمة البنجاب، ویبلغ من العمر 60 عامًا و یعتبر ثقة فی أمور الإسلام و یتولی رئاسة الجماعة الأحمدیین، الذین ینتشرون فی کل بقعة من بقاع العالم مبشرین بتعالیم الدین الإسلامی الحنیف، ویرجع إلیه الفضل الأول فی إنشاء مراکز التبشیرفی أکثر بلدان العالم، وقد لعب هذا الزعیم الدینی المسلم دورًا هاما فی کشمیر وفی تأسیس دولة باکستان۔ لجماعته نظام خاص من الفقیر الی الوزیر، وهوأی السید میرزا بشیر الدین تقی ورع و مستجاب الدعوات، وقد کتب عن حیاته السید محمد ظفر اللّٰه خان وزیر خارجیة باکستان باللغتین الإنکلیزیة والأردیة۔ ولهذا الزعیم الدینی الکبیر مؤلفات متعددة فی الإسلام وفی تفسیر تعالیمه باللغتین الأردیة والإنکلیزیة ، وقد سبق لهٗ أن تولی رئاسة لجنة کشمیر کما مثل مسلمی الهند فی مؤتمر الأدیان الذی انعقد فی عام 1924فی لندن......‘

(اخبارالیوم (بیروت) 22 کانون الاول بحوالہ البشریٰ المجلد 16 دسمبر 1950ء صفحہ 237)

خلیفہ میرزا بشیر الدین محمود احمد کو پاکستان میں مذہبی اعتبار سے بڑی عظمت واہمیت حاصل ہے آپ کی عمر اس وقت 60 سال ہے اور آپ کا تعلق پنجاب کے دارالحکومت لاہور (یاد رہے کہ حضور ان دنوں لاہور میں فروکش تھے) سے ہے۔ آپ اسلامی مسائل میں ثقہ سمجھے جاتے ہیں اور جماعت احمدیہ کے امام ہیں جو اکناف عالم تک پھیلی ہوئی ہے اور اسلامی عقائد کی تبلیغ کر رہی ہے اور دنیا کے اکثر ممالک میں تبلیغی مراکز کے قیام میں اس کا نمایاں دخل ہے۔ اس مسلمان مذہبی لیڈر نے پاکستان کی تاسیس اور مسئلہ کشمیر میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے افراد فقیر سے لے کر وزیر تک ایک خاص نظام سے وابستہ ہیں۔

میرزا بشیر الدین متقی، پارسا اور مستجاب الدعوات ہیں۔ محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے انگریزی اور اردو زبانوں میں آپ کی سیرت لکھی ہے۔ اس عظیم مذہبی لیڈر نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی تفسیر میں اردو اور انگریزی میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کشمیر کمیٹی کے صدر بھی رہے ہیں۔ اسی طرح آپ نے مسلمانان ہند کی طرف سے مذاہب عالم کانفرنس میں بھی نمائندگی کی۔ جو 1924ء میں بمقام لنڈن منعقد ہوئی تھی۔

(تاریخ احمدیت جلد 13 صفحہ 109-110)

عربی بول چال کے متعلق رسالہ لکھنے کی تجویز

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک مسلمان ممالک کی زبوں حالی اور زوال امت عربی زبان کی ترویج واشاعت میں کوتاہی کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مشہور کتاب ’’الھدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ ‘‘میں تحریر فرمایا:۔

”وكان من الواجب أن يشاع هٰذه اللسان فى البلاد الإسلاميه فإنهٗ لسان اللّٰه ولسان رسوله ولسان الصحف المطهره ولا ننظر بنظر التعظيم إلى قوم لا يكرمون هذا للسان ولا يشيعونها فى بلادهم ليرجموا الشيطان وهٰذا من أول أسباب اختلالهم“۔

(’’الھدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ ‘‘صفحہ 65-66 طبع اول)

یعنی واجب تھا کہ اسلامی شہروں میں عربی زبان پھیلائی جاتی اس لئے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور پاک نوشتوں کی زبان ہے اور ہم ان کو تعظیم کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جو اس زبان کی تعظیم نہیں کرتے اور نہ اسے اپنے شہروں میں پھیلاتے ہیں تا شیطان کو پتھراؤ کریں اور یہی ان کی تباہی کا بڑا سبب ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اُمّت مسلمہ میں زندگی کی روح پھونکنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے حضور نے اپنے عہد مقدس میں عربی زبان کی ترویج کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور گھر میں روزمرہ استعمال میں آنے والے فقرے بچوں کو یاد کرائے جو حضور کی زندگی میں رسالہ ’’تشحیذ الاذھان‘‘ کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے۔

حضرت خلیفہ ثانیؓ کو بھی عربی کی ترویج واشاعت کی طرف بہت توجہ تھی اور حضور نے عربی کی اہمیت کی متعلق 19/احسان/جون کو ایک اہم خطبہ دینے کے علاوہ جماعت میں عربی بول

چال کا رسالہ تصنیف کرانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور نے مجلس عرفان میں ارشاد فرمایا:۔

’’عربی زبان کا مردوں اور عورتوں میں شوق پیدا کرنے اور اس زبان میں لوگوں کے اندر گفتگو کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ......ایک عربی بول چال کے متعلق رسالہ لکھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی عربی کے بعض فقرے تجویز فرمائے تھے جن کو مَیں نے رسالہ تشحیذ الاذہان میں شائع کر دیا تھا۔ ان فقروں کو بھی اپنے سامنے رکھ لیا جائے اور تبرک کے طور پر ان فقرات کو بھی رسالہ میں شامل کر لیا جائے۔ درحقیقت وہ ایک طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سامنے پیش فرمایا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس راستہ پر چلیں اور اپنی جماعت میں عربی زبان کی ترویج کی کوشش کریں۔ میرے خیال میں اس میں اس قسم کے فقرات ہونے چاہئیں کہ جب ایک دوست دوسرے دوست سے ملتا ہے تو کیا کہتا ہے اور کس طرح آپس میں باتیں ہوتی ہیں۔ وہ باتیں ترتیب کے ساتھ لکھی جائیں۔ پھر مثلاً انسان اپنے گھر جاتا ہے اور کھانے پینے کی اشیاء کے متعلق اپنی ماں سے یا کسی ملازم سے گفتگو کرتا ہے اور کہتا ہے میرے کھانے کے لئے کیا پکا ہے یا کونسی ترکاری تیار ہے؟ اس طرح کی روزمرہ کی باتیں رسالہ کی صورت میں شائع کی جائیں۔ بعد میں محلوں میں اس رسالہ کو رائج کیا جائے۔ خصوصاً لڑکوں کے نصاب تعلیم میں اس کو شامل کیا جائے اور تحریک کی جائے کہ طلباء جب بھی ایک دوسرے سے گفتگو کریں عربی زبان میں کریں۔ اس طرح عربی بول چال کا عام رواج خدا تعالیٰ کے فضل سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ایک مردہ زبان کو اپنی کوشش سے زندہ کر دیا ہے۔ عبرانی زبان دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں۔ لیکن لاکھوں کروڑوں یہودی عبرانی زبان بولتے ہیں۔ اگر یہودی ایک مردہ زبان کو زندہ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عربی زبان جو ایک زندہ زبان ہے اس کا چرچا نہ ہو سکے۔ پہلے قادیان میں اس طریق کو رائج کیا جائے۔ پھر بیرونی جماعتوں میں یہ طریق جاری کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ چھوٹے چھوٹے آسان فقرے ہوں جو بچوں کو یاد کرائے جاسکتے ہوں۔ اس کے بعد لوگوں سے امید کی جائیگی کہ وہ اپنے گھروں میں بھی عربی زبان کو رائج کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح قرآن کریم سے لوگوں کی دلچسپی بڑھ جائیگی اور اس کی آیات کی سمجھ بھی انہیں زیادہ آنے لگ جائے گی۔ اب تو میں نے دیکھا دعائیں کرتے ہوئے جب یہ کہا جاتا ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا

(آل عمران:194) تو ناواقفیت کی وجہ سے بعض لوگ بلند آواز سے آمین کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آمین کہنے کا کوئی موقعہ نہیں ہوتا۔ یہ عربی زبان سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ اگر عربی بول چال کا لوگوں میں رواج ہو جائے گا تو یہ معمولی باتیں لوگ خود بخود سمجھنے لگ جائیں گے اور انہیں نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

یہ رسالہ جب شائع ہو جائے تو خدام الاحمدیہ کے سپرد کر دیا جائے تا کہ اس کے تھوڑے تھوڑے حصوں کا وہ اپنے نظام کے ماتحت وقتاً فوقتاً نوجوانوں سے امتحان لیتے رہیں۔ یہ فقرات بہت سادہ زبان میں ہونے چاہئیں۔ مصری زبان میں انشاء الادب نام سے کئی رسالے اس قسم کے شائع ہو چکے ہیں مگر وہ زیادہ دقیق ہیں۔ معلوم نہیں ہمارے سکولوں میں انہیں کیوں جاری نہیں کیا گیا۔''

(الفضل یکم صلح 1324 ہش بمطابق یکم جنوری 1945ء صفحہ 4 کالم 3-4)۔(از تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 187 تا 189)

محترم منیر الحصنی صاحب کی قادیان آمد

مولانا جلال الدین صاحب شمس مجاہد انگلستان دس سال تک تثلیث کے مرکز میں تبلیغ اسلام کا کامیاب جہاد کرنے کے بعد 15 ماہ اخاء 1325 ہش بمطابق 15 راکتوبر 1946ء کو السید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ دمشق کے ساتھ قادیان میں تشریف لائے تو اہل قادیان نے ان کا نہایت پر تپاک اور پُر جوش خیر مقدم کیا۔ 16 ماہ اخاء 1325 ہش بمطابق 16 راکتوبر 1946 کو ان کے اور السید منیر الحصنی کے اعزاز میں جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء نے دعوت عصرانہ دی۔ جس میں حضرت سیدنا المصلح موعود نے ایک پُر معارف تقریر فرمائی۔

(تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 597-598)

مسئلہ فلسطین اور جماعت احمدیہ

احمدیت کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی عالم اسلام کو دینی روحانی اور حتی کہ سیاسی اعتبار سے مشکلات پیش آئیں تو انکے دفاع کے لئے اور انکی راہنمائی کے لئے جو پہلی آواز اٹھی وہ یا تو امام جماعت احمدیہ کی آواز تھی یا آپ کی ہدایت کے مطابق افراد جماعت کی آواز تھی۔اور جب کبھی خطرات لاحق ہوئے تو پہلی آواز جس دردمند دل سے نکلی وہ جماعت احمدیہ کی آواز تھی۔ جہاں احمدیت نے عرب اور اسلامی ملکوں کی آزادی کے حصول میں گرانقدر اور بے لوث خدمات سرانجام دیں وہاں مسئلہ فلسطین اور اسکے حل میں بھی سب سے زیادہ حصہ ڈالا۔ بلکہ اسے سیاسی ہی نہیں ایک دینی مسئلہ قرار دے کر اس کے حل کے لئے ایسی سرتوڑ کوششیں کیں جیسی کہ جماعت احمدیہ اسلام کے دفاع میں کوششیں کرتی رہی ہے اور جو جماعت احمدیہ کا خاصا رہی ہیں۔مسئلہ فلسطین میں جماعتی کوششوں کے تذکرہ سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی آگاہی کے لئے اس مسئلہ کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

مسئلہ فلسطین کا پس منظر

فلسطین کو یہودیت کا مرکز بنانے کی تحریک انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی جب عالمی صہیونی انجمن کی بنیاد ڈالی گئی۔اور ''بیل'' کے مقام پر طے پایا کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن بنایا جائے۔صہیونی تحریک کے لیڈروں نے پہلے تو سلطان ترکی کو اس بات پر آمادہ کرنیکی کوشش کی کہ یہودی وطن کے قیام کی اجازت دی جائے۔مگر ترکی حکومت نے انکار کر دیا۔1903ء میں حکومت برطانیہ نے تجویز پیش کی کہ یہودی کینیا کو اپنا وطن بنالیں۔لیکن یہودی رضامند نہ ہوئے۔1914ء میں جب پہلی عالمی جنگ چھڑی تو یہودیوں نے جرمنی اور

برطانیہ دونوں سے جوڑ توڑ شروع کردیئے جنگ عظیم کے دوران حالات نے پلٹا کھایا۔ ترک جنگ میں اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دے رہے تھے ادھر برطانیہ کو عربوں کی (جو اسوقت ترکی حکومت سے مطمئن نہ تھے) ضرورت محسوس ہوئی۔ انگریزوں نے حسین شریفِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ اگر فلسطین کے عربوں نے جنگ میں انکا ساتھ نہ دیا تو ترکوں کے عربی مقبوضات آزاد کر دیئے جائیں گے۔ ان مقبوضات میں فلسطین بھی شامل تھا۔ عرب برطانیہ کے داؤ میں آ گئے اورانہوں نے اسے منظور کرلیا۔ اور جنگ میں ترکوں کے خلاف برسر پیکار ہو گئے۔ کرنل ''لارنس'' کی زیر ہدایت اورعربوں کی مدد سے جنرل ''ایلن بی'' نے 1917ء میں ترکوں کوشکست دے کر یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ صیہونی تحریک کے لیڈر بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ فلسطین کو اپنا قومی گھر بنانے کی پرانی خواہش از سرنو تازہ ہوگئی۔ ادھر جنگ کے مصارف کی وجہ سے انگریزوں کو یہودی سرمایہ کی سخت ضرورت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اسی سال برطانوی وزیر امور خارجہ لارڈ ''بلفور'' اور یہودی لیڈر لارڈ ''روسچائلڈ'' کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے ذریعہ طے پایا کہ یہودی جنگ میں برطانیہ کی مدد کریں اسکےعوض برطانیہ اختتام جنگ پر فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنا دے گا۔ یہ معاہدہ 1920ء یعنی اختتامِ جنگ کے ایک سال بعد تک خفیہ رکھا گیا۔ جنگ کے بعد تھوڑے عرصہ تک سکون رہا۔ 1920ء میں فلسطین کی باگ ڈور مجلس اقوام کی زیر نگرانی برطانیہ کے سپرد ہوئی۔ عربوں کو کامل یقین تھا کہ عنقریب فلسطین ایک آزاد ملک انکے سپرد کر دیا جائے گا۔ مگر 1920ء میں پہلی بار محسوس ہوا کہ برطانیہ کسی صورت میں انکو فلسطین کا اقتدار سونپنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ اس عرصہ میں یہودی لوگ کافی تعداد میں فلسطین پہنچ چکے تھے۔ اور اس وقت سے ہی علاقہ میں گڑ بڑ شروع ہوگئی تھی۔ یہودی اعلانیہ طور پر فلسطین کو اپنا ملک بنانے پر مصر تھے۔ عرب جو پہلے ہی مضطرب بیٹھے تھے مزید بھڑک اٹھے۔ یہودیوں کی بڑھتی ہوئی درآمد نے انکی آنکھیں کھول دیں۔ اور ملک میں فسادات کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

1924ء میں حالات انتہائی نازک حالت تک پہنچ گئے۔ بغاوت فرو کرنے کے لئے انگریز فوجیں منگائی گئیں اور وقتی طور پر ہنگاموں پر قابو پالیا گیا۔ مگر 1933ء اور 1936ء میں دوبارہ شدید فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہت کچھ مالی وجانی نقصان ہوا۔ برطانوی مدبرین کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عرب اور یہودی شیر وشکر ہو جائیں گے لیکن اختلافات کی خلیج وسیع

سے وسیع تر ہوتی گئی۔ 15 سال کے کشت وخون کے بعد جب حالات قابو سے باہر نظر آنے لگے تو برطانیہ نے نومبر 1936ء میں لارڈ ''پیل'' کی صدارت میں ایک شاہی کمیشن نامزد کر دیا۔جس نے حالات کا مطالعہ کر کے جولائی 1937ء میں اپنی رپورٹ اور اپنی سفارشات پیش کر دیں۔''پیل'' کمیشن نے اعتراف کیا کہ عرب اور یہودی دونوں سے وعدہ خلافی اور ناانصافی کی گئی ہے۔جس کا حل اس نے یہ پیش کیا کہ ملک کے حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ایک علاقہ جو سب سے زرخیز اور تجارتی مرکز تھا اور جس میں وہاں کی صرف ایک ہی کارآمد بندرگاہ حیفا بھی شامل تھی یہودیوں کے حوالے کر دیا جائے۔اور فلسطین کا بیشتر حصہ جو عموماً ریتلا ،صحرا اور بنجر ہے عربوں کو دے دیا جائے۔نیز سفارش کی کہ باقی مقامات مقدسہ یروشلم اور درمیانی علاقہ پر انگریزی حکومت کی عملداری رہے۔عرب اور یہود دونوں نے اس تجویز کی سخت مذمت کی اور فلسطین میں یکا یک فریقین کی طرف سے ملک گیر اور منظّم فسادات اٹھ کھڑے ہوئے۔عربوں کا نشانہ پہلے تو یہودی ہوا کرتے تھے۔مگر پھر انگریزی فوجوں پر یورش شروع کر دی گئی۔متعدد برطانوی فوجی بیڑے حیفا اور جافا پہنچ گئے۔اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔حریت پسند عرب لیڈر گرفتار کیئے گئے۔مجلسیں توڑ دی گئیں اور عرب دیہات نہ صرف تعزیری چوکیوں سے زیر بار کر دیئے گئے بلکہ ہوائی جہازوں سے ان پر گولہ باری کی گئی۔ان حالات نے صورتحال بدل دی، ملک کے حصے بخرے کرنے کی سکیمیں وقتی طور پر معرضِ التواء میں پڑ گئیں۔اور پیل کمیشن کی رپورٹ پر غور کرنے کیلئے ایک اور کمیشن ''ووڈ ہڈ'' کمیشن مقرر رہوا۔مگر عرب نہ مطمئن ہو سکتے تھے نہ ہوئے۔

اب برطانوی حکومت نے مفاہمت کے لئے ایک نئی تجویز سوچی اور وہ یہ کہ لندن میں عربوں اور یہودیوں کی ایک مشترکہ کانفرنس کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ کانفرنس فروری 1939ء میں بمقام لندن منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب،مصر اور عراق کے مندوبین نے شرکت کی۔مگر یہ بھی ناکام ہوگئی۔ (ملخص از تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ 553 تا 555)

عرب زعماء مسجد فضل لندن میں

فروری 1939ء کی یہی کانفرنس تھی جس میں شریک ہونے والے عرب نمائندگان جن میں مکّہ مکرمہ کے وائسرائے اور فلسطین ،عراق اور یمن کے نمائندوں کے اعزاز میں مکرم مولانا

جلال الدین صاحب شمس مبلغ لندن نے ایک پارٹی دی۔جس میں شہزادہ فیصل، شیخ ابراہیم سلمان رئیس النیابۃ العامۃ ، شیخ حافظ وہبہ،عونی بیک الہادی ، القاضی علی العمری اور القاضی محمد الشامی وغیرہ مندوبین کانفرنس نے شرکت کی۔

اس موقعہ پر امیر فیصل اور دوسرے عرب نمائندگان کے نام بذریعہ تار برقی جو پیغام حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ نے ارسال فرمایا وہ اگرچہ پہلے مولانا جلال الدین صاحب شمس کی مساعی کے تذکرہ کے دوران درج ہو چکا ہے تاہم یہاں پر مضمون کے تسلسل اور قارئین کی یاد دہانی کے لئے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے۔حضورؓ نے فرمایا:

''میری طرف سے ہز رائل ہنس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کو خوش آمدید کہیں۔اور ان کو بتا دیں کہ جماعت احمدیہ کامل طور پر ان کے ساتھ ہے۔اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو کامیابی عطا کرے۔اور تمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے۔اور ان کو مسلم ورلڈ کی لیڈر شپ عطا کرے۔وہ لیڈر شپ جو ان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔''

(از تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ 556-557)

مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی تقریر

یوں تو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے مسئلہ فلسطین پر بہت سے انٹرویوز اور لیکچرز دیئے، لاتعداد بیانات اور مشورے دیئے لیکن ہم ذیل میں دو تقاریر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے ''مسئلہ فلسطین'' کے مضمون پر وائی ایم سی اے ہال لاہور میں 27 جنوری 1946ء کو ایک نہایت اہم اور معلومات افزا تقریر فرمائی۔جلسہ کا اہتمام نوجوانان احمدیت کی بین الکلیاتی تنظیم ''احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن'' نے کیا اور صدارت کے فرائض جناب ڈاکٹر ای۔ڈی لوکس وائس پرنسپل ایف سی کالج لاہور نے انجام دیئے۔

اخبار ''انقلاب'' (لاہور) نے اس تقریر کا ملخص حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا۔

''برطانیہ اور امریکہ یہودی سرمایہ کے اثر کے باعث آزادانہ طور پر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ سیاسی حلقہ میں بھی یہودیوں کا اثر کم نہیں ہے۔موجودہ پارلیمنٹ کے دارالعوام میں 25 یہودی ممبر ہیں۔ دو یہودی وزیر اور ایک یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ، اسی طرح امریکہ میں

بھی وہ ملک کی سیاسی مشین پر اثر انداز ہیں۔

یہ سوال کہ کیا فلسطین ان ملکوں میں شامل تھا جن کے بارے میں گزشتہ جنگ کے آغاز میں حکومت برطانیہ نے عربوں کو آزادی کا یقین دلایا تھا، آج تیس سال کے بعد بھی حل نہیں ہو سکا۔ فلسطین میں گزشتہ 21 سال کی بدامنی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود حکومت برطانیہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ پہلی عالمگیر جنگ سے موجودہ وقت تک فلسطین کی سیاسیات کا جائزہ لینے کے بعد سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کہا کہ فلسطین کے عرب حسب ذیل چار وعدوں کی بناء پر جو کہ حکومت برطانیہ نے ان سے کئے تھے۔ فلسطین میں ایک عرب ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اول: پہلی عالمگیر جنگ کے شروع میں برطانیہ نے جن عرب ممالک سے آزادی کا وعدہ کیا تھا فلسطین بھی ان میں شامل تھا۔

دوئم: حکومت برطانیہ نے اپنے پہلے وعدے کو اس اعلان سے مضبوط کیا کہ جنگ کے بعد عرب ممالک میں وہاں کے لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں کی جائیگی۔

سوئم: ''بالفور'' اعلان کا یہ مفہوم نہیں تھا جو یہودی اخذ کرتے ہیں کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے گی۔

چہارم: عربوں کا مطالبہ ہے کہ 1939ء کا قرطاس ابیض ایک قسم کا آخری فیصلہ تھا اور یہودی اس کی مخالفت میں حق بجانب نہیں ہیں۔

سر محمد ظفر اللہ خان نے شریف مکہ اور مصر میں برطانوی ہائی کمشنر کے مابین عرب ممالک کی آزادی کے بارے میں خط و کتابت کا بتفصیل ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شریف مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر عرب ممالک کو آزاد کیا جائے اور کہا تھا کہ عربوں کا یہ مطالبہ ان کی زندگی کا جزو اعظم بن چکا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوسکتا۔ حکومت برطانیہ نے ہائی کمشنر کی معرفت اس مطالبہ کو پورا کرنے کا یقین دلایا تھا۔ آج عرب اسی خط و کتابت کی بناء پر فلسطین کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین بھی ان ممالک میں شامل تھا جن کے بارے میں شریف مکہ نے حکومت برطانیہ سے ضمانت مانگی تھی۔

فلسطین میں یہودیوں کے قیام کے متعلق دیگر عرب ممالک کے ردّ عمل کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عرب یہودیوں کے نام سے متنفر ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر فلسطین

میں یہودیوں کی ریاست قائم ہوگئی تو پھر وہ ہمسایہ عرب ممالک سے بھی مزید علاقوں کا مطالبہ کرینگے اور نئی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

اگرچہ یہودی اس امر کا یقین دلائیں بھی کہ وہ عربوں کے مفاد کی حفاظت کرینگے پھر بھی باہمی فساد کا جذبہ اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کسی مفاہمت کی کوئی امید نہیں۔ یہودی اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر ممکن ہو سکے تو طاقت کے استعمال سے یہودی ریاست قائم کریں گے۔

سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کہا کہ فلسطین کی 17 لاکھ پچاس ہزار کی کل آبادی میں چھ لاکھ اور پچاس ہزار یہودی ہیں اور وہ ملک کی اقتصادی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں اور اگر یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ بند بھی کر دیا گیا تو وہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عربوں کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنا رہے ہیں۔ ہم صورت حال سے بخوبی آگاہ ہیں اور اس خطرہ کو مٹانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ الفضل 31 صلح 1325 ہش بمطابق 31 جنوری 1946ء صفحہ 6 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 10 صفحہ 568 تا 570)

چوہدری صاحب کی دوسری فاضلانہ تقریر

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب 9 ردسمبر 1947ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک فاضلانہ خطاب فرمایا جس میں مسئلہ تقسیم فلسطین کی سازش پر مفصل روشنی ڈالی۔ اس تقریر کا ملخص اخبار ''نوائے وقت'' نے درج ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

لاہور۔ 9 ردسمبر۔ ادارہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے آج مسئلہ فلسطین کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کے فیصلہ کو سخت نا منصفانہ قرار دیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے سر ظفر اللہ نے سخت افسوس ظاہر کیا کہ امریکی حکومت نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے نمائندگان پر ناجائز دباؤ ڈال کر تقسیم فلسطین کے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ سر ظفر اللہ نے کہا کہ امریکہ کی انتخابی سیاسیات نے فلسطین کو ایک مہرہ بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ سرزمین فلسطین کی مجوزہ یہودی ریاست میں نہ صرف ایک مضبوط عرب اقلیت ہمیشہ کے لئے یہودیوں کی غلام بن جائے گی بلکہ ملک کی اقتصادیات پر بین الاقوامی کنٹرول قائم ہو جائے گا جو قطعاً غیر قانونی

حرکت ہے۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ نے بتایا کہ کس طرح امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر کے ماتحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر ناجائز دباؤ ڈالا اور دو تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کر لئے جس کے مطابق ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کی تقسیم کا نامنصفانہ فیصلہ ہوا۔

سر ظفر اللہ نے بتایا کہ 26 نومبر کو ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور مخالف فریق کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا لیکن عین آخری وقت رائے شماری بلا وجہ 28 نومبر پر ملتوی کر دی گئی تا کہ دوسرے ممالک پر دباؤ ڈال کر فلسطین کے متعلق ان کا رویہ تبدیل کیا جاسکے۔ چنانچہ جب ہیٹی کے مندوب نے رائے شماری کے بعد مجھ سے ملاقات کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس نے افسوس ظاہر کیا کہ اسے آزادی کے ساتھ ووٹ دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اکثر ایسے مندوبین نے جنہوں نے تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے نہایت مجبوری کے عالم میں تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے اور اسی میرٹ میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا۔‘‘

’’سر ظفر اللہ نے بتایا کہ جنرل اسمبلی میں کس طرح شروع میں عربوں کو تقسیم فلسطین کی سکیم کے استرداد کا یقین تھا لیکن بعد ازاں زبردست سازشیں کی گئیں کہ عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ صدر اسمبلی نے رائے شماری کو 26 نومبر سے 28 نومبر پر ملتوی کر دیا۔ دریں اثناء امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بعض مندوبین پر ان کی حکومتوں کی مدد سے دباؤ ڈالا اور عربوں کے حامی 17 مندوبین میں سے 4 مندوب دوسرے فریق سے جا ملے۔ لائبیریا کے نمائندے نے اعتراف کیا کہ واشنگٹن میں ان کے سفیر نے انہیں تقسیم فلسطین کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہیٹی کے نمائندے نے ہمیں افسوس کے ساتھ بتایا کہ وہ اپنی حکومت کی تازہ ہدایات کے ماتحت اب تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس طرح بالآخر تقسیم فلسطین کے حق میں امریکی اور یہودی سازش کامیاب ہو گئی اور فلسطین کا فیصلہ کر دیا گیا۔‘‘ (نوائے وقت 11 دسمبر 1947ء صفحہ 6)

اقوام متحدہ میں چوہدری صاحب کا مؤثر دفاع

ان واقعات میں سے ایک اہم اور قابل ذکر واقعہ احمدیت کے مایۂ ناز فرزند چوہدری محمد

ظفر اللہ خاں صاحب کی اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین سے متعلق وہ پُر شوکت تقریر ہے جو آپ نے پاکستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے فرمائی۔
چوہدری صاحب نے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ کس مؤثر رنگ میں پیش کیا اس کا اندازہ لگانے کے لئے اخبار ''نوائے وقت'' میں شائع شدہ دو خبروں کا مطالعہ کافی ہوگا:۔

پہلی خبر

''سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہو گیا
امریکہ، روس اور برطانیہ کی زبانیں گُنگ ہو گئیں

لیک سس:۔10 اکتوبر۔رائٹر کا خاص نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی کل پاکستانی مندوب سر ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا ہو چکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبانیں کھولنے کے لئے تیار نہیں۔امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا اس وقت تک بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب تک کہ صدر ٹرومین وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کر لیں۔
کمیٹی میں کل کی بحث میں کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایوات (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا جب بحث مقررہ وقت سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو۔اقوام متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔
پاکستانی مندوب نے ایک لفظ میں دوسرے مندوبین کے وارداتِ قلب کا اظہار کر دیا جب اس نے اُکتا کر یہ مشورہ دیا کہ چونکہ بعض سرکردہ مندوبین تقریر کرنے سے واضح طور پر ہچکچا رہے ہیں اس لئے فلسطین پر عام بحث فوراً بند کر دی جائے۔امریکن وفد دو دن سے اس بحث میں مبتلا ہے کہ اسے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے لیکن ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔وفد کے ایک رکن نے دریافت کرنے پر بتانے سے گریز کیا کہ امریکن صدر مقام میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔مندوبین جس طرح اس مسئلہ پر اب تک اظہار خیال کرتے رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کافی وجوہات ہیں کہ مندوبین میں نہ صرف عرب اور یہودی مطالبات اور

دلائل کی صحت اور حقانیت کے بارہ میں ہی عارضی اختلافات ہیں بلکہ بعض مندوبین کو اس امر کا بھی احساس ہے کہ روس سے متعلق امریکہ کہ موجودہ حکمت عملی کے لئے عربوں کی حمایت اور ہمدردی انتہائی اور فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔

روس نے بھی ابھی تک اس مسئلہ پر اپنی روش کا اظہار نہیں کیا ہے۔امریکہ کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ روس کو اپنی خاموشی سے تھکا کر بولنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور خود سب سے آخر میں تقریر کرنا چاہتا ہے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینی مسئلہ اب بری طرح روس اور امریکہ کی باہمی کشمکش میں الجھ جائے گا۔ (نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 1)

دوسری خبر

’’فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی
عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کو خراج تحسین

نیویارک۔10 اکتوبر مجلس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفر اللہ خاں رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی۔آپ تقریباً 115 منٹ بولتے رہے۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔آج تک میں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سنی۔

سر محمد ظفر اللہ خاں نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا۔جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت وابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اٹھے۔تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ایک انگریز مندوب نے سر ظفر اللہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کی تقریر نہایت شاندار تھی مجھے اس کی نقل بھیجئے میں انہماک سے اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔

(نوائے وقت 12 اکتوبر 1947ء صفحہ 2 کالم 2)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے اس تاریخی خطاب نے اقوام عالم کے سامنے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ حقیقی خدوخال کے ساتھ نمایاں کر دیا اور متعدد ممالک نے تقسیم فلسطین کے خلاف رائے دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعد میں انہوں نے دنیا کی بعض بڑی طاقتوں کی طرف

سے دباؤ میں آ کر اپنی رائے بدل لی اور 30 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عرب اور یہودی دو علاقوں میں تقسیم کرنے کی امریکی روسی قرارداد پاس کر دی۔

چوہدری صاحب کے خطاب کی پذیرائی

مسٹر ''الفرڈ لنتھل '' نے اپنی کتاب ''What price Israel'' میں جو ''ہنری ویگزی'' کمپنی شکاگو نے شائع کی لکھا ہے کہ '' پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے زبردست جنگ لڑی۔ انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے ادارہ اقوام متحدہ صرف ایسی مؤثر شرائط پیش کر سکتا ہے جس سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوں کو مکمل مذہبی ،لسانی ،تعلیمی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو۔اس کے لئے عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہو سکتا (صفحہ 17) نیز لکھا ''جنرل اسمبلی میں پاکستانی نمائندے کی خطابت جاری رہی ''مغربی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ کل انہیں مشرق وسطی میں ، دوستوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔ جو لوگ لسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ ان کی ایک ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے''۔ (ص19-18)

فلسطین کے متعلق سیدنا المصلح موعودؓ کے دو معرکۃ الآراء مضامین

اگر کشمیر پاکستان کے لئے رگ جان کی حیثیت رکھتا ہے تو فلسطین پورے عالم اسلام کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔

مسئلہ فلسطین یکم دسمبر 1947ء کو ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوا جبکہ امریکہ اور روس دونوں کی متفقہ کوشش سے جنرل اسمبلی نے تقسیم فلسطین کا ظالمانہ فیصلہ کر دیا۔

سیدنا المصلح موعود نے تقسیم فلسطین کے پس منظر کو بے نقاب کرنے کیلئے دو معرکۃ الآراء مضامین لکھے۔ جن میں سے ایک فیصلہ تقسیم سے قبل 28 نومبر کو شائع ہوا۔اور دوسرا دس روز بعد 11 دسمبر کو۔ حضور نے ان مضامین میں نہایت شرح وبسط و دلائل سے ثابت کیا کہ یہودیوں

کی فلسطین میں آبادی روس، امریکہ اور برطانیہ تینوں کی پرانی سازش کا نتیجہ ہے۔ گو یہ طاقتیں اپنی سیاسی اغراض کے لئے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار نظر آتی ہیں مگر مسلم دشمنی کے مقصد میں سب مشترک ہیں۔ ''عربوں اور مسلمانوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہے۔ مسلمان صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے۔ اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے''۔

(ماخوذ از الفضل 28 نبوت 1326ہش بمطابق 28 نومبر 1947ء صفحہ 4 کالم 3 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 333-334)

اس ضمن میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ:

''فلسطین کا معاملہ اسلامی دنیا کے لئے ایک نہایت ہی اہم معاملہ ہے ایک ہی وقت میں پاکستان، انڈونیشیا اور فلسطین کی مصیبتیں مسلمانوں کے لئے نہایت ہی تشویشناک صورت پیدا کررہی ہیں۔ ہمیں ان سب مشکلات پر ٹھنڈے دل سے غور کرکے کوئی ایسا راہ نکالنا ہے جو آئندہ اسلام کی تقویت کا موجب ہو اور ہمیں اس وقت اپنے ذہنوں کو دوسری چھوٹی سیاسی باتوں میں پھنسا کر مشوش نہیں کرنا چاہیے۔ فلسطین کا معاملہ ایک الٰہی تدبیر کا نتیجہ ہے اور قرآن کریم، احادیث اور بائبل میں ان تازہ پیدا ہونے والے واقعات کی خبریں پہلے سے موجود ہیں۔''

(ماخوذ از الفضل 11 فتح 1326ہش بمطابق 11 دسمبر 1947ء صفحہ 3 کالم 4

بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 333-334)

فتنہ صیہونیت کے خلاف زبردست اسلامی تحریک

دنیا کی تمام بڑی بڑی اسلام دشمن طاقتیں ایک لمبے عرصے سے فلسطین میں یہودیوں کو وسیع پیمانے پر آباد کرتی رہی تھیں۔ اس خوفناک سازش کا نتیجہ بالآخر 16 مئی 1948ء کو ظاہر ہو گیا جبکہ برطانیہ کی عملداری اور انتداب کے خاتمہ پر امریکہ، برطانیہ اور روس کی پشت پناہی میں ایک نام نہاد صیہونی حکومت قائم ہوگئی اور دنیائے اسلام کے سینہ میں گویا ایک زہر آلود خنجر پیوست کر دیا گیا۔

اس نہایت نازک وقت میں جبکہ ملت اسلامیہ زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھی حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ نے عالم اسلام کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ایک بار پھر پوری قوت سے جھنجھوڑا۔ انہیں مغربی طاقتوں اور صیہونی حکومت کے درپردہ تباہ

کن عزائم سے قبل از وقت آگاہ فرمایا اور اس فتنہ عظمٰی کے منظّم مقابلہ کے لئے نہایت مفید تجاویز پر مشتمل ایک قابل عمل دفاعی منصوبہ پیش کیا۔

چنانچہ حضورؓ نے خاص اس مقصد کے لئے ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃ'' کے نام سے ایک حقیقت افروز مضمون سپرد قلم فرمایا جس میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے فوراً ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور اس کے خلاف سردھڑ کی بازی لگا دینے کی زبردست تحریک فرمائی۔ذیل میں ''الکفر ملۃ واحدۃ'' کا مکمل متن بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃ

وہ دن جس کی خبر قرآن کریم اور احادیث میں سینکڑوں سال پہلے دی گئی تھی۔وہ دن جس کی خبر توریت اور انجیل میں بھی دی گئی تھی۔وہ دن جو مسلمانوں کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ اور اندیشناک بتایا جاتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ آن پہنچا ہے۔فلسطین میں یہودیوں کو پھر بسایا جارہا ہے۔امریکہ اور روس جو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر آمادہ ہورہے ہیں اس مسئلہ میں ایک بستر کے دو ساتھی نظر آتے ہیں۔اور عجیب بات یہ ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں بھی یہ دونوں متحد تھے۔دونوں ہی انڈین یونین کی تائید میں تھے اور اب دونوں ہی فلسطین کے مسئلہ میں یہودیوں کی تائید میں ہیں۔آخر یہ اتحاد کیوں ہے؟ یہ دونوں دشمن مسلمانوں کے خلاف اکٹھے کیوں ہوجاتے ہیں؟ اس کے کئی جواب ہوسکتے ہیں مگر شاید ایک جواب جو ہمارے لئے خوشکن بھی ہے زیادہ صحیح ہو۔یعنی دونوں ہی اسلام کی ترقی میں اپنے اداروں کی پامالی دیکھتے ہوں جس طرح شیر کی آمد کی بو پاکر کتے اکٹھے ہوجاتے ہیں شاید یہ دونوں ہی اپنی دوربین نگاہوں سے اسلام کی ترقی کے آثار دیکھ رہے ہیں۔شاید اسلام کا شیر جو ابھی ہمیں بھی سوتا نظر آتا ہے بیداری کی طرف مائل ہے۔شاید اس کے جسم پر ایک خفیف سی کپکپی وارد ہورہی ہے جو ابھی دوستوں کو تو نظر نہیں آتی مگر دشمن اس کو دیکھ چکا ہے۔اگر یہ ہے تو حال کا خطرہ مستقبل کی ترقی

پر دلالت کر رہا ہے مگر ساتھ ہی مسلمانوں کی عظیم الشان ذمہ داریاں بھی ان کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی وقت میں فلسطین اور کشمیر کے جھگڑے شروع ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کشمیر اور فلسطین ایک ہی قوم سے آباد ہیں اور یہ عجیب تر بات ہے کہ اسی قوم کا ایک حصہ مسلمان ہوکر آج کشمیر میں مسلمانوں کی ہمدردی کھینچ رہا ہے اور دوسرا حصہ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ زندگی اور موت کی جنگ میں ٹکر لے رہا ہے۔آدھی قوم اسلام کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے اور آدھی قوم اسلام کو مٹانے کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے۔ کشمیر کی جنگ میں بھی کاشر یعنی کشمیری کا نام سننے میں آتا ہے اور فلسطین کی جنگ میں بھی کاشر شہر کا ذکر بار بار آرہا ہے۔اسی کاشر کے نام پر کشمیر کا نام کاشر رکھا گیا تھا۔ جو اب بگڑ کر کشمیر ہو گیا ہے یا یہ کہ یہ کاشر ہے یعنی سیریا کی طرح۔

حال ہی میں کشمیر میں ایک آزادی کا دن منایا گیا ہے جن میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کشمیری دل سے ہندوستان کے ساتھ ہیں۔اس مظاہرے میں روس کے نمائندہ نے خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا اور دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ کشمیر کے معاملہ میں روس ہندوستان کے ساتھ ہے۔کیوں ہے؟ یہ تو مستقبل ثابت کرے گا۔ ہے؟! اسے روس کے نمائندے نے ثابت کر دیا ہے۔کشمیر کا معاملہ پاکستان کے لئے نہایت اہم ہے لیکن فلسطین کا معاملہ سارے مسلمانوں کے لئے نہایت اہم ہے۔کشمیر کی چوٹ بالواسطہ پڑتی ہے۔فلسطین ہمارے آقا و مولیٰ کی آخری آرام گاہ کے قریب ہے جن کی زندگی میں بھی یہودی ہر قسم کے نیک سلوک کے باوجود بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ان کی ہر قسم کی مخالفتیں کرتے رہے تھے۔اکثر جنگیں یہود کے اکسانے پر ہوئی تھیں۔کسریٰ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کروانے پر انہوں نے ہی اکسایا تھا۔خدا نے ان کا منہ کالا کیا مگر انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار کر دیا۔غزوۂ احزاب کی لیڈری یہود ہی کے ہاتھ میں تھی۔سارا عرب اس سے پہلے کبھی اکٹھا نہ ہوا تھا مکہ والوں میں ایسی قوت انتظام تھی ہی نہیں یہ مدینہ سے جلاوطن شدہ یہودی قبائل کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ کے سامنے لا ڈالا۔خدا نے ان کا بھی مونہہ کالا کر دیا مگر یہود نے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دشمن مکہ والے تھے مگر مکہ والوں نے کبھی دھوکہ سے آپ کی جان لینے کی کوشش نہیں کی۔آپ جب

طائف گئے اور ملک کے قانون کے مطابق مکہ کے شہری حقوق سے آپ دستبردار ہو گئے مگر پھر آپ کو لوٹ کر مکہ آنا پڑا تو اس وقت مکہ کا ایک شدید دشمن آپ کی امداد کے لئے آگے آیا اور مکّہ میں اس نے اعلان کر دیا کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہریت کے حقوق دیتا ہوں اپنے پانچوں بیٹوں سمیت آپ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ محمد ہمارا دشمن ہی سہی پر آج عرب کی شرافت کا تقاضا ہے کہ جب وہ ہماری امداد سے شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ہم اس کے مطالبہ کو پورا کر دیں ورنہ ہماری عزت باقی نہیں رہے گی۔ اور اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگر کوئی دشمن آپ پر حملہ کرنا چاہے تو تم میں سے ہر ایک کو اس سے پہلے مر جانا چاہئے کہ وہ آپ تک پہنچ سکے۔ یہ تھا عرب کا شریف دشمن۔ اس کے مقابلہ میں بدبخت یہودی جس کو قرآن کریم مسلمان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر پر بلایا اور صلح کے دھوکہ میں چکی کا پاٹ کوٹھے پر سے پھینک کر آپ کو مارنا چاہا خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کے منصوبہ کی خبر دی اور آپ سلامت وہاں سے نکل آئے۔ یہودی قوم کی ایک عورت نے آپ کی دعوت کی اور زہر ملا ہوا کھانا آپ کو کھلایا آپ کو خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بھی بچا لیا مگر یہودی قوم نے اپنا اندرونہ ظاہر کر دیا۔ یہی دشمن ایک مقتدر حکومت کی صورت میں مدینہ کے پاس سر اٹھانا چاہتا ہے شاید اس نیت سے کہ اپنے قدم مضبوط کر لینے کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھے۔ جو مسلمان یہ خیال کرتا ہے کہ اس بات کے امکانات بہت کمزور ہیں اس کا دماغ خود کمزور ہے۔ عرب اس حقیقت کو سمجھتا ہے۔ عرب جانتا ہے کہ اب یہودی عرب میں سے عربوں کو نکالنے کی فکر میں ہیں۔ اس لئے وہ اپنے جھگڑے اور اختلاف کو بھول کر متحدہ طور پر یہودیوں کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا ہے مگر کیا عربوں میں یہ طاقت ہے؟ کیا یہ معاملہ صرف عرب سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ عربوں میں اس کے مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ یہ معاملہ صرف عربوں سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال فلسطین کا نہیں سوال مدینہ کا ہے۔ سوال یروشلم کا نہیں سوال خود مکہ مکرمہ کا ہے۔ سوال زید اور بکر کا نہیں سوال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا ہے۔ دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابل پر اکٹھا ہو گیا ہے۔ کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقع پر اکٹھا نہیں ہو گا۔ امریکہ کا روپیہ اور روس کے منصوبے اور ہتھکنڈے دونوں ہی غریب عربوں کے مقابل پر جمع ہیں۔ جن طاقتوں کا مقابلہ جرمنی نہیں کر سکا عرب قبائل کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے

لئے یہ سوچنے کا موقع آ گیا ہے کہ کیا ہم کو الگ الگ اور باری باری مرنا چاہئے یا اکٹھے ہو کر فتح کے لئے کافی جد وجہد کرنی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ وقت آ گیا ہے جب مسلمانوں کو یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ یا تو وہ ایک آخری جد وجہد میں فنا ہو جائیں گے یا کلی طور پر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔مصر، شام اور عراق کا ہوائی بیڑا سو ہوائی جہازوں سے زیادہ نہیں لیکن یہودی اس سے دس گنا بیڑا نہایت آسانی سے جمع کر سکتے ہیں اور شاید روس تو ان کو اپنا بیڑہ نذر کے طور پر پیش بھی کر دے۔

مَیں نے متواتر اور بار بار مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ روس مسلمانوں کا شدید دشمن ہے لیکن مسلمانوں نے سمجھا نہیں۔ جو بھی اٹھتا ہے وہ محبت بھری نگاہوں سے روس کی طرف دیکھنے لگ جاتا ہے اور روس کو اپنی امیدوں کی آماجگاہ بنالیتا ہے حالانکہ حق یہی ہے کہ سب سے بڑا دشمن مسلمانوں کا روس ہے۔امریکہ یہودیوں کے ووٹ کی بناء پر یہودیوں کی مدد کر رہا ہے اور روس عرب ملکوں میں اپنا اڈہ جمانے کے لئے یہودیوں کی مدد کر رہا ہے۔ رویہ ایک ہے مگر بواعث مختلف ہیں اور یقیناً روس کے عمل کا محرک امریکہ کے عمل کے محرک سے زیادہ خطرناک ہے لیکن چونکہ عمل دونوں کا ایک ہے اس لئے بہر حال عالم اسلامی کو روس اور امریکہ دونوں کا مقابلہ کرنا ہوگا مگر عقل اور تدبیر سے، اتحاد اور یک جہتی سے۔ میں سمجھتا ہوں مسلمان اب بھی دنیا میں اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ اگر وہ مرنے پر آئیں تو انہیں کوئی مار نہیں سکے گا لیکن میری یہ امیدیں کہاں تک پوری ہو سکتی ہیں اللہ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔کشمیر کی لڑائی کو آٹھ مہینے ہو چکے ہیں لیکن اب تک مسلمانوں نے اس پہلو کے کانٹے کے متعلق بھی عقل مندی اور ہوشیاری کا ثبوت نہیں دیا۔فلسطین کا خطرہ تو دور کا خطرہ ہے خواہ زیادہ اہم ہے وہ انہیں بیدار کرنے میں کہاں کامیاب ہوگا۔آج ریزولیوشنوں سے کام نہیں ہو سکتا، آج قربانیوں سے کام ہوگا۔اگر پاکستان کے مسلمان واقعہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی حکومتوں کو توجہ دلائیں کہ ہماری جائیدادوں کا کم سے کم ایک فیصدی حصہ اس وقت لے لے۔ایک فیصدی حصہ سے بھی پاکستان کم سے کم ایک ارب روپیہ اس غرض کے لئے جمع کر سکتا ہے اور ایک ارب روپیہ سے اسلام کی موجودہ مشکلات کا بہت کچھ حل ہو سکتا ہے۔ پاکستان کی قربانی کو دیکھ کر باقی اسلامی ممالک بھی قربانی کریں گے۔......پس میں مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس نازک وقت کو سمجھیں اور یاد رکھیں کہ آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ

اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَۃٌ لفظ بلفظ پورا ہو رہا ہے۔ یہودی اور عیسائی اور دہریہ مل کر اسلام کی شوکت کو مٹانے کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ پہلے فرداً فرداً یورپین اقوام مسلمانوں پر حملہ کرتی تھیں مگر اب مجموعی صورت میں ساری طاقتیں مل کر حملہ آور ہوئی ہیں۔ آؤ ہم سب مل کر ان کا مقابلہ کریں کیونکہ اس معاملہ میں ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوسرے اختلافوں کو ان امور میں سامنے لانا جن میں کہ اختلاف نہیں نہایت ہی بیوقوفی اور جہالت کی بات ہے۔ قرآن کریم تو یہود سے فرماتا ہے:۔

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَانُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَایَتَّخِذَ بَعْضُنَابَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔

(آل عمران:65)

اتنے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی قرآن کریم یہود کو دعوت اتحاد دیتا ہے۔ کیا اس موقع پر جبکہ اسلام کی جڑوں پر تبر رکھ دیا گیا ہے جب مسلمانوں کے مقامات مقدسہ حقیقی طور پر خطرے میں ہیں وقت نہیں آیا کہ آج پاکستانی، افغانی، ایرانی، ملائی، انڈونیشین، افریقن، بربر اور ترکی یہ سب کے سب اکٹھے ہو جائیں اور عربوں کے ساتھ مل کر اس حملہ کا مقابلہ کریں جو مسلمانوں کی قوت کو توڑنے اور اسلام کو ذلیل کرنے کے لئے دشمن نے کیا ہے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایک دفعہ پھر فلسطین میں آباد ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے آباد ہوں گے۔ فلسطین پر ہمیشہ کی حکومت تو عِبَادُ اللّٰہِ الصّالحون کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ پس اگر ہم تقویٰ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی پہلی پیشگوئی اس رنگ میں پوری ہو سکتی ہے کہ یہود نے آزاد حکومت کا وہاں اعلان کر دیا ہے لیکن اگر ہم نے تقویٰ سے کام نہ لیا تو پھر وہ پیشگوئی لمبے وقت تک پوری ہوتی چلی جائے گی اور اسلام کے لئے ایک نہایت خطرناک دھکا ثابت ہوگی۔ پس ہمیں چاہئے اپنے عمل سے، اپنی قربانیوں سے، اپنے اتحاد سے، اپنی دعاؤں سے، اپنی گریہ وزاری سے اس پیشگوئی کا عرصہ تنگ سے تنگ کر دیں اور فلسطین پر دوبارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو قریب سے قریب تر کر دیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ایسا کر دیں تو اسلام کے خلاف جو رو چل رہی ہے وہ الٹ پڑے گی۔ عیسائیت کمزوری اور انحطاط کی طرف مائل ہو جائے گی اور مسلمان پھر ایک دفعہ بلندی اور رفعت کی طرف قدم اٹھانے لگ جائیں گے۔ شاید یہ قربانی

مسلمانوں کے دل بھی صاف کر دے اور ان کے دل بھی دین کی طرف مائل ہو جائیں۔ پھر دنیا کی محبت ان کے دلوں سے سرد ہو جائے۔ پھر خدا اور اس کے رسول اور ان کے دین کی عزت اور احترام پر وہ آمادہ ہو جائیں اور ان کی بے دینی دین سے اور ان کی بے ایمانی ایمان سے اور ان کی سستی چستی سے اور ان کی بدعملی سعیٔ پیہم سے بدل جائے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ

(الفضل 21 مئی 1948ء صفحہ 4-3)

حضرت مصلح موعودؓ کے مضامین نے تہلکہ مچا دیا

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ کے اس انقلاب انگیز مضمون نے شام، لبنان، اردن اور دوسرے عرب ممالک میں زبردست تہلکہ مچا دیا۔ شیخ نور احمد منیر مجاہد بلاد عربیہ نے اس مضمون کی نہایت وسیع پیمانے پر اشاعت کی اور شام و لبنان کی تین سو مشہور اور ممتاز شخصیتوں کو (جن میں بیشتر وزراء، پارلیمنٹ کے ممبر، کالجوں کے پروفیسر، مختلف وکلاء، بیرسٹر اور سیاسی اور مذہبی لیڈر تھے) خاص طور پر بذریعہ ڈاک بھجوایا اور مجموعی طور پر ہر جگہ اس مضمون کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا۔

(الفضل 17 ستمبر 1948ء صفحہ 2 کالم 1)

یہی نہیں شام ریڈیو نے خاص اہتمام سے اس کا خلاصہ نشر کر کے اسے دنیائے عرب کے کونہ کونہ تک پہنچا دیا۔ "أخبار اليوم"، "الف باء"، الكِفاح"، "الفَيحاء"، "الأخبار"، "القبس"، "النصر"، "اليَقَظه"، "صوت الأحرار"، "النهضة" اور "الأردن" وغیرہ چوٹی کے عربی اخبارات نے جلی عناوین سے اس کے اقتباسات شائع کئے اور متفقہ طور پر حضورؓ کی پیش فرمودہ تجویز کو نہایت درجہ مستحسن قرار دیا اور اعتراف کیا کہ مسئلہ فلسطین کے حق میں یہ نہایت کارگر پروپیگنڈہ اور پُر اثر آواز ہے جو پاکستان سے امام جماعت احمدیہ کی زبان سے بلند ہوئی ہے۔

چنانچہ اخبار "النَّهْضَة" نے (مورخہ 12/جولائی 1948ء) زیر عنوان "مطبوعات" لکھا:

"أهدانا السيد مرزا محمود أحمد كراسة صغيرة تحتوي على

الخطاب الذی ألقاہٗ فی (لاهور) باكستان يدعو فيها المسلمين إلى الاتحاد والعمل الحاسم لإنقاذ فلسطين من الصهاينة المجرمين كما أنهٗ يهيب بأبناء الباكستان البررة أن يبادروا إلٰى مساعدة عرب فلسطين بالمال ويذكرهم بالرسول الكريم(ص) مستشهدا بآياتٍ شريفة يحض فيها المسلمين أن يقفوا صفا واحدا أمام سيل الصهيونية المجرمة التی تؤيدها كل من أمريكا وروسيا الشيوعية لمصالح وغايات فی نفسهما ويدعوهم أن لا يتوانوا، وأن يضعوا نصب أعينهم ما يمليه عليهم الواجب من الجهاد فی سبيل الإسلام والمسلمين۔

وهی خطبة جيدة ودعاية حسنة لفلسطين و المسلمين۔ ندعو اللّٰه أن يحقق آمالنا وأمانيه العَذْبَ فی سبيل ديننا القويم واللّٰه من وراء القصد۔ “

ترجمہ: ہمیں ایک ٹریکٹ موصول ہوا ہے جو السید مرزا محمود احمد صاحب کے ایک خطبہ پر مشتمل ہے جو انہوں نے لاہور (پاکستان) میں دیا ہے۔ اس خطبہ میں خطیب نے تمام مسلمانوں کو دعوت اتحاد دی ہے اور صیہونی مجرموں کے چنگل سے فلسطین کو نجات دلانے کے لئے ٹھوس اور مؤثر اقدام کی طرف توجہ دلائی ہے نیز اہل پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ فلسطینی عربوں کی فوری اعانت کریں اور مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دلاتے اور آیات قرآنی سے استشہاد کرتے ہوئے ترغیب دی ہے کہ وہ مجرم صیہونیوں کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے صف بستہ ہو جائیں۔ اس کی پشت پناہی امریکہ اور اشتراکی روس اپنی مصالح اور خاص اغراض کے ماتحت کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ ضعف اور اضمحلال کا اظہار نہ کریں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے جہاد کے سلسلہ میں عائد شدہ ذمہ داری اپنے سامنے رکھیں۔

یہ ایک نہایت عمدہ خطبہ اور فلسطین اور مسلمانوں کے حق میں نہایت اچھا پروپیگنڈہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری ان نیک آرزوؤں اور عمدہ خواہشات کو جو ہمارے دین قویم کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن ہیں متحقق فرمائے۔ آمین۔

اخبار ''الف باء'' (دمشق) نے حسب ذیل نوٹ سپرد اشاعت کیا:۔

''فلسطين و كشمير يقطنهما بنوإسرائيل''

''وصلت إلينا نسخة من خطبة ألقاها فى لاهور ''باكستان'' السيد مرزا محمود أحمد إمام الجماعة القاديانية بمناسبة تشكيل دولة صيهونية مزيفة فى فلسطين۔ قال فيها:۔

ومن الغريب أن قضية كشمير و قضية فلسطين عرضتا للبحث والتنقيب فى زمن واحد۔ ومن العجيب أيضا أن كشمير وفلسطين يقطنهما قوم واحد أعنى بنى إسرائيل ومن العجب العجاب أن جزء ا من هذا القوم الذى كان قد أسلم يجذب اليوم عواطف المسلمين ومؤسساتهم فى قضية كشمير وشطر آخرمنه القاطن بفلسطين يقاتل المسلمين مقاتلة المستميت، والنصف منهم يقدم الضحاياالإحياء المسلمين والنصف الآخر يبذل مجهوداته لإماتتهم۔

ولقد نسمع فى الأنباء الواردة من الجهة الحربية بكشمير ذكر''كاشر''(اسم يطلق علىٰ كل كشميرى)وكذلك ياتى ذكر بلدة''كاشر''فى المنشورات الحربية الفلسطينية غير مرة وعلى هذا الاسم كان سمى كشمير''كاشير''ثم تبدل بمرور الزمان بكشمير، أو أن نقول إن كشمير كان فى الاصل ''كاشير'' أى مثل سيريا (الشام)۔

والخطبة مطبوعة فى مطبعة الفيض ببغداد۔ وقد حمل فيها الخطيب علىٰ أمريكا و روسيا وحد هما لمنا صر تهما الصهيونية۔''

فلسطین اور کشمیر میں بنو اسرائیل آباد ہیں

ترجمہ: ہمیں جناب مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیانیہ کے خطاب کا نسخہ موصول

ہوا ہے جو کہ انہوں نے فلسطین میں نام نہاد صیہونی حکومت کے قیام کے سلسلہ میں دیا ہے آپ اس خطبہ میں فرماتے ہیں ''یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی وقت میں فلسطین اور کشمیر کے جھگڑے شروع ہیں۔ اور یہ بھی عجیب تر بات ہے کہ کشمیر اور فلسطین ایک ہی قوم سے آباد ہیں اور اس قوم کا ایک حصہ مسلمان ہو کر آج کشمیر میں مسلمانوں کی ہمدردی کھینچ رہا ہے اور دوسرا حصہ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ زندگی اور موت کی جنگ میں ٹکر لے رہا ہے۔ آدھی قوم اسلام کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے اور آدھی قوم اسلام کو مٹانے کے لئے کوشاں ہے۔ کشمیر کی جنگ میں ''کاشر'' یعنی کشمیر کا نام سننے میں آتا ہے اور فلسطین کی جنگ میں بھی ''کاشر'' شہر کا ذکر بار بار آ رہا ہے۔ اس کاشر کے نام پر کشمیر کا نام ''کاشر'' رکھا گیا تھا جو اب بگڑ کر کشمیر ہو گیا ہے یا یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ ''کاشیر'' ہے یعنی سیریا (شام) کی طرح۔''

یہ لیکچر بغداد کے مطبعۃ الفیض میں طبع ہوا ہے اور اس میں (فاضل) لیکچرار نے صیہونیت کی پشت پناہی کے باعث امریکہ اور روس دونوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ (الف باء دمشق)

اخبار ''صوت الاحرار'' نے اس انقلاب انگیز مضمون پر حسب ذیل تبصرہ شائع کیا:۔

''**الكفر ملة واحدة**

بهذا العنوان ألقى السيد مرزا محمود أحمد إمام الجماعة الأحمدية القاديانية فى لاهور (باكستان) خطبة مطولة حمل فيها بشدة وعنف على الصهيونية الآثمة المجرمة۔ ولم يخف استغرابه العميق من اجتماع المتناقضات واتحاد الأعداء فى سبيل إنكار عروبة فلسطين والاعتراف بكيان اليهود الموهوم ويتابع حملته الشديدة ضد السياسة الاستعمارية التى تنشد دوما وأبدا الاستغلال والظلم، ثم يقارن موقف هٰؤلاء المعتدين من قضية فلسطين بموقفهم من قضية كشمير۔ ويخلص إلى القول أن لا سبيل إلى الاستقلال والخلاص من كل نير أجنبى بغير الاتحاد والتآلف۔''

ترجمہ: ''**الكفر ملة واحدة**''

مندرجہ بالا عنوان پر السید مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے لاہور (پاکستان) میں

ایک طویل لیکچر دیا ہے اس لیکچر میں آپ نے پوری قوت سے ظالم صیہونیت پر حملہ کیا ہے اور متناقضات اور دشمنوں کے اتحاد و اجتماع سے اپنے گہرے تعجب کو پوشیدہ نہیں رہنے دیا مبادا فلسطینی عربوں کے مطالبہ کا انکار اور یہود نا مسعود کے موہوم حقوق کا اعتراف کیا جائے آپ اس استعماری سیاست کے خلاف نبرد آزما ہیں جو ہمیشہ ظلم اور ناجائز فائدہ اٹھانے کا اظہار کرتی ہے پھر آپ نے ان ظالموں کے موقف کا باہمی مقابلہ مسئلہ فلسطین اور کشمیر سے کیا ہے اس لیکچر کا خلاصہ یہ ہے کہ سامراجی استعمار سے آزادی اور نجات اتحاد اور تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔

اخبار الشوریٰ (بغداد) نے اپنے 18/جون 1948ء کے پرچہ میں ایک عربی نوٹ لکھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

''حضرت مرزا محمود احمد صاحب کا ایک خطبہ''۔ہمیں ایک ٹریکٹ ملا ہے جو بغداد میں چھپا ہے جس میں حضرت مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان کے ایک پُر جوش خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے جوانہوں نے نام نہاد اسرائیل حکومت کی تشکیل کے اعلان کے بعد لاہور (پاکستان) میں پڑھا اس خطبہ کا عنوان ہے''الکفر ملة واحدة''۔جن اصحاب نے یہ مفید ٹریکٹ شائع کیا ہے ہم ان کی اسلامی غیرت اور اسلامی مساعی پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

استعماری طاقتوں کی سازش اور اس کا انکشاف

روسؔ اور امریکہؔ کی استعماری طاقتوں کو مسلمانوں کے اتحاد کی یہ مؤثر ترین تحریک بھلا کب گوارا ہوسکتی تھی؟ اس لئے جونہی ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچی انہوں نے خود مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ کو آلۂ کار بنا کر جماعت احمدیہ کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کی مہم شروع کرادی۔ اس گہری سازش کا سنسنی خیز انکشاف بغدادؔ کے مقتدر جریدہ ''الأنباء'' کے ایک فاضل اور کُہنہ مشق ادیب اور نامہ نگار الأستاذ علی الخیاط آفندی نے چھ سال بعد کیا۔ چنانچہ انہوں نے بغدادؔ کے مشہور اخبار''الأنباء'' (مورخہ 21/ستمبر 1954ء) میں مندرجہ ذیل مقالہ سپرد اشاعت کیا۔

(ترجمہ) **غیر ملکی طاقتیں جماعت احمدیہ کی مخالفت کی آگ بھڑکا رہی ہیں**

''گزشتہ دنوں بعض اخبارات نے قادیانی جماعت کے خلاف پے درپے ایسی صورت میں نکتہ چینی کی ہے کہ جس کی طرف انسان کو توجہ کرنی پڑتی ہے۔ قادیانیت کیا ہے؟ اور

اخبارات میں اس کے متعلق اس طرح نکتہ چینی کرنے کی کیا وجہ ہے؟

قادیانیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک مشکل درپیش ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ وہ اتہامات جو قادیانیوں پر لگائے گئے ہیں وہ درست ہیں یا غلط ہیں قادیانی لوگ اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کہتے ہیں اور وہ میرزا غلام احمد صاحب کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں جو ہندوستان میں قادیان کی بستی میں رہتے تھے اور جنہیں ان کے دعووں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ دین اسلام کو مستحکم کریں۔ قادیانی انہیں وہی مہدیٔ موعود اور مسیح معہود سمجھتے ہیں جن کے آخری زمانہ میں آنے کے متعلق مختلف مذہبی کتابوں میں پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ قادیانی اسلامی احکام پر عمل پیرا ہیں اور اسلام کے لئے غیرت رکھتے ہیں اور وہ حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

احمدیوں کے مخالف انہیں قادیانی کے لفظ سے پکارتے ہیں اور ان کے ظاہری طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے اور شریعت کے مطابق دینی فرائض ادا کرنے کے باوجود انہیں مُرتد قرار دیتے ہیں۔

احمدیت یا قادیانیت کوئی آج نئی پیدا نہیں ہوئی بلکہ قریباً ستر سال پہلے ہندوستان کے شہر قادیان میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور جو لوگ اس طریقہ کو درست سمجھتے تھے انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کی پیروی کی۔ ہمارے نزدیک خواہ یہ طریقہ درست ہو یا باطل ہو، خواہ یہ لوگ مسلمان ہوں یا اسلام سے خارج ہوں بہرحال اخبارات کے لئے کوئی معقول وجہ اس امر کی نہیں ہے کہ وہ اس نازک وقت میں جبکہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد اور یک جہتی کی ضرورت ہے اس طرز پر قادیانیت کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں۔

شاید قارئین کو تعجب ہوگا جب انہیں معلوم ہوگا کہ سارے عراؔق میں اس جماعت کے صرف 18 خاندان بستے ہیں۔ 9 خاندان بغداؔد میں، چار بصرؔہ میں، چار حبانیؔہ میں اور ایک خاندان خانقیؔن میں۔ اور یہ سب لوگ ہندوستاؔن سے عراؔق میں تجارت کی نیت سے آئے تھے۔ بعض نے ان میں سے عراقی قومیت کے سرٹیفکیٹ حاصل کر لئے ہیں اور بعض اپنی ہندوستانی قومیت پر قائم رہے جسے انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستانی قومیت میں تبدیل کرلیا۔

عراؔق میں اتنے عرصہ سے رہنے کے باوجود انہوں نے کسی عراقی شخص کو اپنی جماعت میں داخل نہیں کیا۔ ان کا کوئی اپنا معبد نہیں ہے اور نہ ہی ان کے کوئی خاص مذہبی اجتماعات ہیں۔ ان کی ساری جدوجہد بعض اخبارات اور ایسے ٹریکٹ تقسیم کرنے پر منحصر ہے جن میں اسلام کے غلبہ کے متعلق دلائل دیئے گئے ہیں، فلسطین اور بعض اسلامی حکومتوں کے دفاع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس جگہ پر پڑھنے والے کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب واقعہ یہ ہے تو اخبارات میں قادیانیوں پر اس طرح نکتہ چینی کرنے اور اس حملے کی کیا وجہ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کا صرف ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ استعماری طاقتیں مسلمانوں میں تفرقہ اور شقاق پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کر رہی ہیں اور وہ انہیں اپنی اُنگلیوں پر نچانا چاہتی ہیں کیونکہ مسلمان ابھی تک اس انتظار میں ہیں کہ وہ یوم موعود کب آتا ہے کہ جب وہ دوبارہ بلاد مقدسہ کو یہودیت کی لعنت سے پاک کرنے کے لئے متحد ہو کر قدم اٹھائیں گے اور فلسطین اس کے جائز اور شرعی حقداروں کو مل سکے گا۔ استعماری طاقتیں ڈرتی ہیں کہ کہیں عربوں کا یہ خواب پورا نہ ہو جائے اور اسرائیل سلطنت صفحہ ہستی سے مٹ نہ جائے جس کے قائم کرنے کے لئے انہوں نے بڑی بڑی مشکلات برداشت کی ہیں اس لئے یہ غیر ملکی حکومتیں ہمیشہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف نعرے لگوا کر منافرت پیدا کی جائے اور بعض فرقے احمدیوں کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کرنے کے لے کھڑے ہو جائیں یہاں تک کہ اس طریق سے حکومت پاکستاؔن اور بعض ان عرب حکومتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو جائے جن کے اخبارات پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں احمدی کو کافر قرار دیتے ہیں۔

غالبًا بہت سے پڑھنے والوں کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل پاکستاؔن کی بعض جماعتوں نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ مسلمان حکومتوں کا ایک اسلامی بلاک قائم کیا جائے تا کہ ان کی ہستی اور ان کی آزادی قائم رہے اور ان کی بیرونی سیاست ایک نہج پر چلے مگر یہ کوشش بعض دوسری مسلمان جماعتوں کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکیں۔ اس تجویز کی ناکامی کے اسباب میں درحقیقت بڑا سبب وہ مسئلہ تکفیر ہے جو بعض انتہاء پسند مولویوں کے ہاتھ میں استعماری طاقتوں نے دیا تھا تا کہ وہ اس تجویز کے محرکین کو قادیانی اور اسلام سے خارج کہہ کر اس کا ناکام بنانے کی کوشش کریں۔

شاید کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ میرا اس معاملے میں استعماری طاقتوں کو دخل انداز قرار

دینا صرف ظن اور گمان ہے مگر مَیں قارئین کرام کو پورے یقین کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس امر کی پوری پوری اطلاع ہے کہ درحقیقت یہ سب کارروائی استعماری طاقتیں کروا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ کے ایام میں 1948ء میں استعماری طاقتوں نے خود مجھ کو اس معاملے میں آلۂ کار بنانے کی کوشش کی تھی۔

اُن دنوں مَیں ایک ظرافتی پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس کا انداز حکومت کے خلاف نکتہ چینی پر مبنی تھا۔ چنانچہ انہی دنوں مجھے ایک غیر ملکی حکومت کے ذمہ دار نمائندہ مقیم بغداد نے ملاقات کے لئے بلایا اور کچھ چاپلوسی اور میرے انداز نکتہ چینی کی تعریف کرنے کے بعد مجھے کہا کہ آپ اپنے اخبار میں قادیانی جماعت کے خلاف زیادہ سے زیادہ دل آزار طریق پر نکتہ چینی جاری کریں کیونکہ یہ جماعت دین سے خارج ہے۔ مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے تو اس جماعت اور اس کے عقائد کا کچھ پتہ نہیں مَیں ان پر کس طرح نکتہ چینی کرسکتا ہوں؟ اس نمائندہ نے مجھے بعض ایسی کتابیں دیں جن میں قادیانی عقائد پر بحث کی گئی تھی اور اس نے مجھے بعض مضامین بھی دیئے تاوہ مجھے اپنے مقالات کے لکھنے میں فائدہ دیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھے اس جماعت کے بعض عقائد کا علم ہوا۔ لیکن مَیں نے ان میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جس سے میرے عقیدہ کے مطابق انہیں کافر قرار دیا جا سکے۔ اس استعماری نمائندہ سے چند ملاقاتوں کے بعد مَیں نے اس کام کرنے سے معذرت پیش کر دی اور کہا کہ میرے عقیدہ کے مطابق یہ طریق اس وقت اسلامی فرقوں میں اختلاف و انشقاق بڑھانے والا ہے۔ اس شخص نے مجھ سے کہا کہ قادیانی تو مسلمان ہی نہیں اور ہندوستان کے تمام فرقوں کے علماء انہیں کافر قرار دے چکے ہیں۔ مَیں نے اس سے کہا کہ ہندوستانی علماء کے اقوال قرآن مجید کی اس آیت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ (النساء:95)

کہ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اس کو کافر مت کہو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص غضب ناک ہوگیا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی پراپیگنڈے نے تمہارے دل پر بھی اثر کر دیا ہے اور تُو قادیانی ہوگیا ہے اور اسلام سے خارج ہوگیا ہے اسی لئے تو انکی طرف سے جواب دے رہا ہے۔ مَیں نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ جناب یقین جانیں کہ مَیں اتنے لمبے عرصہ سے مسلمان کہلانے اور مسلمانوں میں رہنے کے باوجود یہ دعویٰ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کہ

مَیں صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو کیا قادیانیت کے متعلق چند کتب کا مطالعہ مجھے قادیانی بنا سکتا ہے؟

مَیں جن دنوں اس سفارت خانہ میں جایا کرتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ مَیں اکیلا ہی اس کام کے لئے مقرر نہیں کیا جارہا تھا بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی اس میں شریک کیا جارہا ہے۔ پھر مجھے یہ بھی پتہ لگا کہ اس کام کے کرنے سے صرف مَیں نے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی استعمار کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب 1948ء میں ارض مقدسہ کا ایک حصہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی۔ اور میرا خیال ہے مذکورہ بالا سفارت خانہ کا یہ اقدام درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیم فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعت احمدیہ نے شائع کئے تھے۔ ایک ٹریکٹ کا عنوان ’’ھیئۃ الأمم المتحدۃ وقرار تقسیم فلسطین‘‘ تھا جس میں مغربی استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازش کا انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی بندرگاہوں کے یہودیوں کے سپرد کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ دوسرا ٹریکٹ ’’الکفر ملۃ واحدۃ‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو کامل اتحاد اور اتفاق رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی اور صیہونیوں کے مقابلہ اور ارض مقدسہ کو ان سے پاک کرنے کے لئے اموال جمع کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔

یہ وہ واقعہ ہے جس کا مجھے ان دنوں ذاتی طور پر علم ہوا تھا اور مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک احمدی لوگ مسلمانوں کی جماعتوں میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جب تک وہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے لئے کوشاں رہیں گے جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل کو ختم کرنے میں مدد مل سکے تب تک استعماری طاقتیں بعض لوگوں اور فرقوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گی کہ وہ احمدیوں کے خلاف اس قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے رہیں تا کہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکے۔‘‘

(از تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 398-402)

قارئین کرام کو اس مذکورہ بالا اقتباس میں حقیقی، غیر جانبدارانہ اور پیشہ وارانہ صحافت کی ایک حسین تصویر ملے گی۔ آج جبکہ اکثر اوقات ملکوں کی صحافت اقتدار اور اثر ورسوخ وطمع کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے، جبکہ حقیقتیں مسخ ہو جاتی ہیں اور دجل کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگتا

ہے۔آج کی صحافت میں کوئی ایسی سچی بات کہنے سے ہچکچاتا ہے، بلا مفاد ومنفعت کے محض حق کو حق کہنے کی خاطر کوئی بھی ایسی جرأت نہیں کرتا کہ اس طرح کے کڑوے سچ کو منظر عام پر لا سکے، اور اس طرح کھل کر تجزیہ کر کے اعتراف کرے کہ یہ جماعت احمدیہ ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متحد رہنے کے لئے صدا دی۔اور یہ جماعت احمدیہ ہی تھی جس نے اس اتحاد کے لئے عملی کوششیں کیں اور بلاد اسلامیہ کو اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھانے پر اکسایا۔

ایسی صورتحال میں گو کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ الاستاذ علی الخیاط آفندی صاحب اور آپ کے خاندان کے افراد اس وقت کہاں اور کس حال میں ہیں تاہم ان کے اس جرأت مندانہ اقدام اور پر شجاعت بیان پر شکر گزار ہیں اور انہیں سلام پیش کرتے ہیں کہ اس زمانہ کی صحافت میں کوئی تو ایسا تھا کہ جس نے حق کو حق کہا اور دشمن کو بے نقاب کرنے کے لئے بے لوث کوشش کی جسے ایک لمبے عرصہ تک حق وانصاف کے پرستار یاد رکھیں گے اور ایک مثال کے طور پر پیش کرتے رہیں گے۔

مفتی مصر کا فتویٰ تکفیر اور اس کا محرک

حضرت چوہدری صاحب تو ملت اسلامیہ کے بطل جلیل کی حیثیت سے عرب مما لک کی بے لوث عالمی خدمات میں سرگرم عمل تھے کہ استعماری طاقتوں کی ان خفیہ اور جارحانہ کوششوں میں یکا یک تیزی پیدا ہوگئی جو ان کی طرف سے ''الكفر ملة واحدة'' کے مضمون کی اشاعت کے بعد جماعت احمدیہ کے خلاف جاری تھیں۔اس ضمن میں الاستاذ علی الخیاط آفندی کا سنسنی خیز انکشاف گزر چکا ہے۔

علاوہ ازیں یہودی صحافی اور زعماء حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ان کے قضیہ فلسطین کے کامیاب دفاع کی وجہ سے سخت نالاں تھے اور دل میں نہایت درجہ کا بغض رکھتے تھے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اس تاک میں تھے کہ کب ان کو موقعہ ملے اور وہ حضرت چوہدری صاحب کے خلاف کوئی کاروائی کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔اس کی ایک جھلک مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی نمایاں ہو جاتی ہے:

حمید نظامی کے 1954ء کے خطوط (مطبوعہ ''نشان منزل'' ص 49) میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ ''وی آنا'' عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے تو ان کے جہاز میں ایک یہودی عالم اور

ایک یہودی ایڈیٹر بھی سوار تھے جو چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی سخت مذمت کرتے اور آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

یہودی حلقے آپ کی شخصیت سے اتنا بغض وعناد کیوں رکھتے ہیں؟ مندرجہ بالا پس منظر کی روشنی میں اس کا سبب بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔

چنانچہ دشمنان دیں نے اپنی انتقامی کارروائی کیلئے مصر کی سرزمین کو چنا اور مفتی دیار مصریہ فضیلۃ الاستاذ الشیخ حسین محمد مخلوف کے ذریعہ حضرت چوہدری صاحب پر احمدی ہونے کی بناء پر فتویٰ کفر شائع کرا دیا گیا۔

یہ فتویٰ 22 جون 1952 کو منظر عام پر آیا جس میں فضیلۃ الاستاذ الشیخ مخلوف نے لکھا کہ چوہدری محمد ظفراللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان غیر مسلم بلکہ کافر ہیں کیونکہ پاکستان کے ایسے مخصوص فرقہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا منکر ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسلام میں سلسلۂ انبیاء جاری ہے۔

(الیوم (یافا) 21 شوال 1371ھ بحوالہ البشریٰ مجلّہ 18 صفحہ 106)

جہاں یہ فتویٰ مشرق وسطی کے عرب ممالک نے نمایاں طور پر شائع کیا وہاں مغربی پنجاب کا اخبار ''زمیندار'' ان دنوں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیزی اور فتنہ آرائی میں دوسرے مخالف اخبارات میں پیش پیش تھا۔ اس اخبار نے اپنی 8 جولائی 1952 کی اشاعت میں اس فتویٰ کو صفحہ اول پر چوکھٹہ کے ساتھ شائع کیا۔ عنوان یہ تھا۔

''مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں......مفتی اعظم مصر السید محمد حسنین المخلوف کا فتویٰ''

فتوئے تکفیر کا پس منظر

مصری عالم الاستاذ احمد بہاء الدین نے اپنی کتاب ''فاروق......ملگا'' میں اس فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت چوہدری صاحب کو زبردست خراج تحسین بھی ادا کیا لیکن ساتھ ہی ایک فرضی واقعہ بھی ان کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''السيد ظفر الله خان معروف بجرأته وصراحته ، وقد كان مارا بالقاهرة فى طريقه إلى بلده وتشرف بمقابله الملك۔ وكان الرجل قد عاش فى الخارج زمنا طويلاً، وقرأ من فضائح فاروق

ومهازله ما يسئ إليه وإلىٰ مصر وإلىٰ بلاد الشرق كلها وقال الرجل لفاروق بلباقة مؤلمة إن بلاد العالم الإسلامى محط أنظار العالم أجمع۔ وإن أعداء ها الكثيرين يتربصون بها ويحصون عليها الأخطاء۔ وإن هٰذا لموقف يلزم روساء الدول الإسلامية بأن يرعوا فى سلوكهم تقاليد الإسلام وأن يتمسكوا بقواعده، وأن تكون حياتهم المستقيمة قدوة لشعوبهم ودعاية أمام العالم أجمع !!

وفهم فاروق المقصود۔ فنهض واقفًا......وأنهى المقابلة...... وكتم الملك السابق غيظه ونقمته على الوزير الصريح......وبات يتربص به ويتربص معه الشيخ مخلوف مفتى الديار المصوية أو بالا خرى مفتى القصور الملكية۔

وانتهز الشيخ مخلوف الفرصة، وأدلى بحديث عجيب: قال فيه إن ظفر اللّٰه خان من طائفة القاديانية، وهى ملة كافرة ولم يقف عند ذٰلك حتّى يبقى غرض الحديث مستورا، بل استطرد يقول: إن علىٰ حكومة الباكستان وهى حكومة إسلامية أن تطرد من وزارة خارجيتهاهٰذا الوزير الكافر لأنه لا يجب أن يبقى علىٰ رأس دولة إسلامية وزير كافر!

وهكذا ردعلىٰ قول ظفرالله خان إنه لايجب أن يبقى علىٰ رأس دولة إسلامية ملك فاسق!!

وثارت الصحف فى مصر والباكستان تحمل على المفتى المدفوع وأقسم الهلالى، وكان رئيسا للوزارة ليعزلنه من منصبه جزاء رعونته ولٰكن الهلالى لم يلبث أن تبين الأمر وعرف أن الملك لا يقبل أبدا أن تمس شعرة من رأس مخلوف۔ هٰذه الرأس التى تخرج له الفتاوٰى والتحليلات!! “۔

(صفحه ٧١۔٧٣)

ترجمہ: چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی جرأت اور دلیری میں مشہور ہیں۔ آپ ایک مرتبہ پاکستان واپس جاتے ہوئے قاہرہ سے گزرے تو قاہرہ میں آپ کو شاہ فاروق سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ بیرونی دنیا میں انہوں نے ایک لمبا عرصہ گزارا ہے۔ چوہدری صاحب کو فاروق کی ایسی رسوا کُن اور بیہودہ حرکات کے متعلق پڑھنے کا اکثر موقعہ ملا ہے جو فاروق، ملک مصر اور تمام مشرقی ممالک کی بدنامی اور رسوائیوں کا موجب ہیں۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے نہایت حکمت، دانش مندی اور کمال ملاطفت کے ساتھ شاہِ مصر سے کہا کہ ''ساری دنیا کی نظریں عالم اسلام پر ہیں۔ اسلامی ملکوں کے دشمن بے شمار ہیں اور ان کی تاک میں ہیں نیز ان کی لغزشوں پر نگاہ رکھتے اور شمار کرتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان حکومتوں کے سربراہوں اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو رواج دیں اور اسلامی قوانین کی پابندی کریں تا ان کی راستباز زندگی ان کی قوموں کے لئے نمونہ ہو اور تمام دنیا کے لئے اسلام کی تبلیغ کے پروپیگنڈا کا موجب ہو۔

شاہ فاروق، چوہدری صاحب کا مقصد بھانپ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور ملاقات ختم کر دی۔ (1975ء میں اس جلد کے پہلے ایڈیشن میں جب یہ اقتباس شائع ہوا تو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سختی سے تردید فرمائی اور کئی مجالس میں بتایا کہ یہ قصہ بے بنیاد ہے میری ایسی کوئی ملاقات شاہ فاروق سے نہیں ہوئی۔) شاہ فاروق نے وزیر خارجہ پاکستان کی اس جرأت پر اپنا غیظ وغضب چھپایا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ شیخ مخلوف بھی موقع ڈھونڈتے رہے۔ مفتی الدیار المصریہ کی بجائے وہ شاہی محلات کے مفتی کہلانے کے زیادہ مستحق تھے۔

شیخ مخلوف نے بالآخر موقع پاتے ہی اس سے فائدہ اٹھایا اور ایک عجیب بیان شائع کر دیا۔ جس میں کہا کہ ظفر اللہ خان قادیانی ہے اور یہ لوگ کافر ہیں۔ شیخ مذکور نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اس نے اپنے مقصد کو چھپانہ رہنے کی خاطر یہ بھی کہہ دیا کہ حکومت پاکستان چونکہ اسلامی سلطنت ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ اس کافر وزیر کو اپنی وزارت خارجہ سے نکال دے کیونکہ اسلامی سلطنت میں کافر وزیر کا باقی رہنا مناسب نہیں۔ گویا اس طرح شیخ مخلوف نے چوہدری ظفر اللہ خاں کے اس قول کا جواب دیا کہ اسلامی سلطنت میں بدکار بادشاہ کی کوئی جگہ نہیں۔

شیخ مخلوف (جنہیں آلۂ کار بنایا گیا تھا) کے بیان پر مصر اور پاکستان کے اخبارات نے پُر جوش جوابی حملہ کیا اور اس کی تغلیط کی۔ ہلالی پاشا نے جوان دنوں مصر کے وزیر اعظم تھے قسم کھائی کہ شیخ مخلوف کی اس حماقت اور رعونت کے باعث انہیں افتاء کے منصب سے معزول کر دوں گا۔ لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ (سابق) شاہ مصر تو شیخ مخلوف کے سر کا بال تک بیکا نہیں ہونے دیں گے کیونکہ یہی سَر بادشاہ کیلئے حسب منشاء فتویٰ اور جواز پیدا کرتا رہتا ہے۔

(کتاب ''فاروق...ملکاً'' مطبوعہ مصر صفحہ 72-73 بحوالہ رسالہ البشریٰ (حیفا فلسطین) مجلد 18 دسمبر 1952ء)

الاستاذ احمد بہاء الدین نے شاید یہ بات ہفت روزہ ''الصیاد'' (7/اگست 1952ء) کی مندرجہ ذیل خبر سے اخذ کی ہے۔

''اشتهر عن الملك السابق فاروق انه كان يكره النصح والإرشاد وخاصة فى المسائل السياسية والدينية ويكره الذين يجراؤن علٰى نصحه و إرشاده وحدث حين مرالسيد ظفر اللّٰه خان، وزير خارجيه الباكستان بمصر عائدامن هيئة الأمم المتحدة أن استقبله الملك السابق ، فما كان من الوزير الباكستانى الذى يعتبر من كبار رجالات السياسة والإسلام إلا أن وجه للملك بعض النصائح السياسية والدينية۔ فغضب الفاروق واستدعى علٰى إثر المقابلة شيوخ الأزهر وأجبرهم علٰى إصدار فتوٰى ضد ظفر اللّٰه خان بأنه ملحد و خارج على الدين، وصدرت الفتوٰى و نشرت فى الصحف......وقامت قيامة لباكستان ، وقدم وزيرها فى القاهرة احتجاجاً رسميا إلى الحكومة المصرية التى كانت يرأسها أحمد نجيب الهلالى...... فبادر الهلالى إلٰى وضع المرسوم بدحض الفتوٰى الجرئية وإلغائها، ثم حمله إلى الملك ليوقعه ولٰكن فاروق رفض توقيع المرسوم، فأصر الهلالى و هدد بالاستقالة...... وهزالملك السابق كتفيه مستهزأ واستقال الهلالى......''۔

(''الصیاد'' 5/اگست 1952ء)

یعنی سابق بادشاہ فاروق کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ ہر قسم کی نصیحت اور راہنمائی کو ناپسند کرتے تھے بالخصوص سیاسی اور مذہبی معاملات میں جو لوگ ان کو نصیحت کرنے کی جرأت کرتے وہ انہیں سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ایک دفعہ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان مجلس اقوام متحدہ میں شمولیت کے بعد واپسی پر مصر سے گزرے تو سابق شاہ فاروق نے جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا استقبال کیا۔اس موقعہ پر موصوف نے جن کا شمار دنیا کے خاص سیاسی اور اسلامی معزز شخصیتوں میں ہوتا ہے شاہ فاروق کو دوران ملاقات مذہبی امور پر مشتمل مشورے دیئے۔اس پر شاہ فاروق خفا ہو گئے اور اس ملاقات کے بعد علماء از ہر کو بلا کر مجبور کیا کہ وہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے ملحد اور خارج از دین ہونے کا فتویٰ دیں۔ چنانچہ فتویٰ صادر کر دیا گیا اور اخبارات میں اس کی اشاعت بھی ہوئی۔

اس فتویٰ سے پاکستان میں کہرام مچ گیا۔ پاکستانی سفیر مقیم قاہرہ نے سرکاری طور پر مصری حکومت کے پاس احتجاج کیا۔اس وقت اس حکومت کے وزیر اعظم نجیب الہلالی تھے۔ وزیر اعظم الہلالی نے اس بیباکانہ فتویٰ کی تردید اور اور اسے لغو قرار دینے کا معاملہ شاہ فاروق کے سامنے رکھا اور دستخط کے لئے کاغذ پیش کیا لیکن شاہ فاروق نے الہلالی کی تجویز پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا جس پر وزیر اعظم الہلالی نے اصرار کرتے ہوئے استعفیٰ کی دھمکی دی۔ بایں ہمہ سابق شاہ فاروق نے عواقب سے بے نیاز ہو کر متکبرانہ انداز میں فتویٰ کی منسوخی پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وزیر اعظم الہلالی پاشا مستعفی ہو گئے۔

لمحہ فکریہ

کتنی عجیب بات ہے کہ جس کے کہنے پر یہ فتویٰ جاری ہوا اس کی بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کا آج سارا عالم اسلام اقراری ہے۔اور جس شخص نے فتویٰ جاری کیا اس کے بارہ میں اسکے ہم وطنوں کے بقول اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ مفتی الدیار المصر یہ کم اور مفتی القصور الملکیہ زیادہ تھے۔جن کے نزدیک کسی کے اسلام اور کفر کا فیصلہ کرنے کا معیار قرآن وحدیث نہیں بلکہ قولِ شاہ یا اشارہ ملک ہو اسکے فتویٰ کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ کفر کا فتویٰ اس وجہ سے صادر کروایا گیا کہ خود انکے بقول چوہدری صاحب نے کہا تھا کہ مسلمان حکومتوں کے سربراہوں اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو رواج

دیں اور اسلامی قوانین کی پابندی کریں تا ان کی راستباز زندگی ان کی قوموں کے لئے نمونہ ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

چوہدری صاحب کی طرف منسوب یہ بیان اور اس کے ردّعمل کے طور پر فتویٰ کا اجراء تو یہ ثابت کر رہا ہے کہ چوہدری صاحب مسلمان اور فتویٰ لگانے والے انکے برعکس ہیں لیکن افسوس کہ عالم اسلام ان سب باتوں کے اعتراف کے باوجود اتنی جرأت سے کام نہ لے سکا کہ ایسے لغو فتویٰ کو جڑھ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا، اور صد افسوس کہ بلاد عربیہ نے اپنے ایک محسن کی بے لوث خدمات کا ایسا تلخ صلہ دیا۔ جہاں ایک طرف یہ صورتحال تھی وہاں یہ بات بھی درست ہے کہ بعض غیرت مند شخصیتوں نے اس پر سخت احتجاج کیا، بیانات دیئے، ہم ذیل میں احتجاج کی چند آوازوں کو نقل کریں گے جو ان غیرت مند شخصیات کی ہیں جنہوں نے اس طرح بیان دے کر اپنے باضمیر اور باوفا ہونے کا ثبوت دیا اور جو ایسا کر کے کسی قدر اخلاقی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے۔ لیکن اس سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے افادہ کیلئے مفتی صاحب کے لگائے گئے بعض الزامات کا حضرت خلیفہ ثانیؓ کے قلم مبارک سے دیا گیا جواب یہاں نقل کر دیا جائے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب

قاہرہ (مصر) کے بااثر وممتاز اخبار ''اَلْیَوم'' کی 26/جون 1952ء کی اشاعت میں الشیخ حسنین محمد مخلوف مفتی دیارِ مصریہ کا تحریک احمدیت کے خلاف ایک مغالطہ آفریں مضمون شائع ہوا جو جھوٹ کا پلندہ تھا۔ جس پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اسلامی دنیا کو اصل حقیقت سے باخبر کرنے کے لئے اخبار ''الیوم'' کے نام ایک تبلیغی مکتوب رقم فرمایا جس کا مکمل اُردو متن اخبار ''الفضل'' 4 تبوک 1331 ہش بمطابق 4 ستمبر 1952ء کے حوالہ سے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کا مکتوب مصری اخبار ''الیوم'' کے نام

یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔ (الحجرات آیت 7)

مکرمی ایڈیٹر صاحب اخبار ''اَلْیَوْم''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘۔آپ کے اخبار مورخہ 26؍جون 1952ء میں مکرم شیخ حسنین محمد مخلوف دیار مصریہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔اس میں لکھا ہے کہ احمدیوں میں کچھ غالی ہیں اور کچھ معتدل۔غلو کرنے والے وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے اور انہوں نے کیا ہے کہ شاید ظفر اللہ خاں ان لوگوں میں سے ہیں جو غالی نہیں ہیں۔مَیں بحیثیت امام جماعت احمدیہ کے اور بحیثیت اس کے کہ ظفر اللہ خاں بھی میرے اتباع میں سے ہیں سب سے زیادہ اس بات کا حق رکھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کے عقائد کو عمومی طور پر اور ظفر اللہ خاں کے عقائد کو بحیثیت اپنے تلمیذ خصوصی طور پر بیان کروں۔پس مَیں یہ مضمون آپ کی طرف اس درخواست کے ساتھ بھجوا رہا ہوں کہ آپ اس مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کر دیں تا کہ لوگوں کو تصویر کا دوسرا رُخ بھی معلوم ہو جائے۔چونکہ آپ کا سیاسی اور عام امور کے ساتھ تعلق رکھنے والا اخبار ہے اس لئے میں مذہبی تفاصیل میں نہیں جاؤں گا صرف واقعات اور عقائد کے بیان تک محدود رہوں گا۔یہ مَیں اس لئے کہتا ہوں کہ تا کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ انہوں نے اپنے عقیدے کی دلیل نہیں بیان کی۔جس شخص کے دل میں دلیل اور توجیہہ معلوم کرنے کا شوق ہو وہ براہ راست مجھے خط لکھ کر ان سوالات کا جواب حاصل کر سکتا ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں۔مَیں مفتیٔ مصر کی شخصیت کا پورا احترام کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کاش آپ اپنا اعلان شائع کرنے سے پہلے مجھ سے یا ظفر اللہ خاں سے پوچھ لیتے کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ عقیدہ کسی شخص کا وہی ہوسکتا ہے جو وہ خود بیان کرتا ہے کسی دوسرے شخص کا حق نہیں کہ وہ کسی شخص کی طرف اپنی طرف سے عقیدہ نکال کر منسوب کرے۔یہ دعویٰ کہ احمدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے یہ محض احمدیوں کے دشمنوں کا پراپیگنڈا ہے۔ہم اس عقیدہ کے قائل ہیں رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَ بِالْإِسْلَامِ دِیناً۔ ہم قرآن شریف کی سورۃ فاتحہ کی بِسْمِ اللہ کی ب سے لیکر سورہ والناس کی آیت مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاس تک تمام صحیح محفوظ اور ابدالاباد تک قابل عمل سمجھتے ہیں۔قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آتا ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب:41)۔قرآن مجید میں نسخ کا قائل تو شاید یہ کہہ دے کہ یہ آیت منسوخ ہے مگر ہم تو قرآن مجید کے بَیْنَ الدفتین کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو بھی اس میں ہے وہ قابل عمل ہے اور اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں اور خاتم النبیین تو عقائد میں سے ہے اور

عقائد و واقعات کے متعلق تمام آئمہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ ان میں ناسخ ومنسوخ کا قاعدہ جاری نہیں۔ پس کسی صورت میں بھی ممکن نہیں کہ ہم خاتم النبیین کے منصب کے منکر ہوں جو محض اس منصب کا منکر ہوگا اسے لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ کا بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ یہ دونوں منصب ایک آیت میں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں اور یہ وہ عقیدہ ہے جس کو ہم دل میں یقین کرتے ہیں۔ ہم اسی عقیدہ پر انشاء اللہ زندہ رہیں گے اسی عقیدے پر مریں گے اور اسی پر انشاء اللہ اٹھائے جائیں گے۔ اگر مَیں اپنے اس بیان میں جھوٹ سے، یا اخفاء سے، یا توریہ سے، کام لے رہا ہوں تو مَیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ لعنة اللّٰه علی الکاذبین کے وعدے کو میرے حق میں جاری کر دے اور اگر مَیں اور میری جماعت اس عقیدے کے اظہار میں سچ سے کام لے رہی ہے تو مَیں الزام لگانے والے کے لئے بددعا نہیں کرتا، مَیں خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ سچ اس کی زبان پر جاری کرے اور سچ اس کے دل میں قائم کرے اور اسے توفیق بخشے کہ وہ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ:119) کے ارشاد پر عمل کرنے والا ہو۔

اے اہل مصر! آپ کی تہذیب بہت پُرانی ہے۔ آپ کا تمدن بہت قدیم ہے جس کا کچھ حصہ تاریخی زمانہ سے پہلے کا ہے۔ مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اتنی پرانی تہذیب اور پرانے تمدن کی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ایک ایسی قوم پر الزام نہ لگنے دیں جو آپ کے ملک سے سینکڑوں میل دور بیٹھی ہے اور جو ان الزاموں کے دُور کرنے کی طاقت نہیں رکھتی جو اس کے پس پُشت اس پر لگائے جاتے ہیں۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ میرا یہ بیان بھی مصر کے کسی اخبار میں شائع ہو سکے گا یا نہیں۔ لیکن مَیں اس یقین کے ساتھ اس بیان کو بھجوا رہا ہوں کہ مصر کی روحِ انصاف، مقامی اور ذاتی حد بندیوں سے آزاد ہو کر ضرور اس آواز کو اپنے اہل ملک تک پہنچا دے گی جو صرف ایک تکلیف دِہ الزام سے اپنی براءت کرنا چاہتی ہے۔ مفتی صاحب کے مضمون کے ساتھ بعض اَور مضامین بھی مصر کے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نے کوئی نیا قبلہ بنایا ہے اور یہ کہ جماعت احمدیہ اپنے آپ کو کسی اور نبی کا امتی قرار دیتی ہے۔ مَیں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں بالکل اتہام ہیں۔

ہم مکہ مکرمہ میں واقع کعبہ کو ہی اپنا قبلہ سمجھتے ہیں۔ قادیان کے احترام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمارا قبلہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے سینکڑوں مقامات قابل احترام ہیں۔ ہم سب

لوگ بیت المقدس کو محترم سمجھتے ہیں۔ کیا بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے؟ اہل مصر خصوصاً اور سب مسلمان عموماً از ہر کو علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کا ایک بڑا مرکز سمجھتے ہیں اور اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ کیا اہل مصر اور ہم لوگ از ہر کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں؟ قبلہ تو وہ ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے اور ہم سب نماز خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں اور اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح قرآن، حدیث اور سنت نے بیان کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کا ہم حج کرتے ہیں۔ مَیں نے بھی خانہ کعبہ کا حج کیا ہے اور دوسری دفعہ حج کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ پس یہ ہرگز درست نہیں کہ ہم خانہ کعبہ کے سوا کسی اَور مقام کو قبلہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام کا قبلہ اور ہمارا قبلہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے اور قیامت تک وہی قبلہ رہے گا۔

اسی طرح یہ امر بھی درست نہیں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا امتی اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور اس پر فخر کرتے تھے تو پھر ہم لوگ کس طرح کسی اور کے امتی ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی امتی ہیں اور ہمارے سلسلہ کے بانی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تھے اور ان کے دعویٰ کے مطابق انہیں جو کچھ ملا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی وجہ سے ہی ملا۔ پس ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے پر فخر کرتے ہیں اور اسی مقام پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسی مقام میں مرنا چاہتے ہیں اور اسی مقام پر دوبارہ اٹھنا چاہتے ہیں۔ بانی سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں:۔

وموتی بسبل المصطفٰی خیر میتة
فإنْ فزتُها فسأحشرن بالمقتدیٰ

(کرامات الصادقین صفحہ 53 مطبوعہ 1893ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں میری موت بہترین موت ہے۔ اگر میری یہ آرزو پوری ہوئی تو مجھے اپنے پیشوا کے ساتھ ہی اُٹھایا جائے گا۔

إنا نطیع محمدا خیر الورٰی
نور المهیمن دافع الظلماء

(انجام آتھم صفحہ 268 مطبوعہ جنوری 1897ء)

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ، جو تمام جہان سے بہتر ہیں فرمانبرداری کرتے ہیں۔ آپؐ دنیا کی حفاظت کرنے والے خدا کے نور ہیں اور تمام اندھیرے آپ کی بدولت دُور ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی اس کے خلاف ہمارے متعلق کہتا ہے وہ ہم پر ظلم کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرے اور خدا تعالیٰ اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی قبیح عادت سے بچائے۔

ہمارے متعلق یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم جہاد کے منکر ہیں۔ یہ درست نہیں۔ جہاد کا حکم قرآن کریم میں ہے اور قرآن کریم ہمارے نزدیک غیر منسوخ ہے پھر ہم جہاد کو کس طرح منسوخ کر سکتے ہیں؟ جہاد کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ بعض ہندوستانی ملاؤں کے عقیدہ کے خلاف لکھا ہے، جن کے نزدیک اکا دُکّا غیر مسلم مل جائے تو اسے قتل کر دینا یا جبراً کسی سے کلمہ پڑھوا لینا یا اپنی ہمسایہ قوموں سے بلا کسی ظہور فساد کے لڑ پڑنا جہاد کہلاتا ہے۔ اس عقیدہ سے اسلام دنیا میں بدنام ہو رہا ہے اور بدنام ہو چکا ہے۔ مصر کے تمام بڑے مصنف جہاد کی اس تشریح میں ہم سے متفق ہیں۔ ہمارے نزدیک جو جہاد قرآن کریم میں پیش کیا گیا ہے اس کے بغیر کوئی آزاد قوم دنیا میں محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مذہبی اور سیاسی طور پر ان شرائط کے ساتھ ظالم سے لڑنا جو قرآن مجید میں بیان کئے ہیں ایک ایسا ضروری امر ہے کہ جس کے بغیر حریت ضمیر اور حریت بلاد قائم ہی نہیں رہ سکتی ہم اس جہاد کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں ہم تو بربریت...... کے مخالف ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الإمامُ جُنَّة يقَاتَلُ مِنْ وَّرَائه ۔ (بخاری کتاب الجہاد۔ مسلم کتاب الامارۃ۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ نسائی باب البیعۃ)

ہماری طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ ہم تناسخ کو مانتے ہیں اور شاید یہ عقیدہ اس امر سے مستنبط کیا گیا ہے کہ ہم بانی سلسلہ کو مسیح کہتے ہیں یہ الزام بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ہم تناسخ کے منکر ہیں اور خود بانی سلسلہ نے تناسخ کے عقیدہ کا اپنی کتابوں میں رد کیا ہے ہمارا عقیدہ صرف یہ ہے کہ مسیح موعود جس کی آمد کی خبر انجیلوں میں دی گئی ہے یا حدیثوں میں ہے اس سے مراد وہ مسیح ناصری نہیں ہے جس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے يٰعِيْسٰى اِنِّى مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَة (آل عمران :56) بلکہ جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے خود یوحنا کو ایلیا کا نام دیا ہے اسی طرح ہمارا عقیدہ ہے کہ اس امت میں سے عیسائیت کے غلبہ کے وقت میں ایک ایسا شخص کھڑا ہوگا جو اسلام کی طرف سے عیسائیت کے ساتھ علمی و روحانی جنگ لڑے گا نہ یہ کہ مسیح علیہ السلام کی روح اس میں حلول

کر جائے گی۔

ایک بات ہماری طرف یہ بھی منسوب کی گئی ہے کہ ہم ہندوستان کو فتح کر کے ساری دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں یہ اتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی کو ہماری طرف یہ بات منسوب کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں یہ پیشگوئیاں موجود ہیں کہ ہم پھر قادیان میں اکٹھے ہوں گے لیکن یہ بات تبلیغ سے بھی ہوسکتی ہے۔ اور یہ بات پاکستان اور ہندوستان کے باہمی سمجھوتہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (سورة توبه :33 ،الفتح :29 ، الصف :10) مفسرین (تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر زیر آیت سورة صف۔ تفسیر حسینی مترجم فارسی صفحہ 884 زیر سورت صف مطبع کریمی بمبئی۔ تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ ابن جریر۔ بحار الانوار جلد 13 صفحہ 12۔ غایۃ المقصود جلد 2 صفحہ 133) کہتے ہیں کہ یہ آخری زمانہ کے متعلق ہے کیونکہ جمیع ادیان پر غلبہ پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا تو کیا ان آیات کے یہ معنی کئے جائیں کہ مصر، شام یا سعودی عرب یا پاکستان یا کوئی اور اسلامی مملکت یہ ارادہ کررہی ہے کہ باری باری چین، جاپان، روس اور جرمنی پر حملہ کر کے اسے فتح کرینگے اور ساری دنیا میں اسلام کو غالب کر دینگے۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کے متعلق ایک خبر دی ہے اور مسلمان اس پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے کوئی دوسری اقوام پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کرتا اور اس خبر کے پورا ہونے کی تفصیلات کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے اسی طرح قادیان میں احمدیوں کے لئے آزادی حاصل ہونے کی پیش گوئی موجود ہے۔ لیکن وہ ہوگی انہی ذرائع سے جو قرآن مجید کے نزدیک جائز ذرائع ہیں۔ اور قرآن کریم کسی ایسی قوم کو دوسرے ملک سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا جس کے پاس حکومت نہیں وہ اسے فساد قرار دیتا ہے۔ پس ہمارا کوئی ایسا ارادہ نہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے مجانین نہیں جو اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیں ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ بغیر اس کے کہ غیر قومیں ہم سے لڑیں ہم ان سے خود ہی جنگ شروع کر دیں۔ یہ مغربی حکومتوں کا حصہ ہے اور انہی کو مبارک رہے۔ اسلام نے کبھی بھی اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنے کمزور ہمسایہ پر دست درازی نہیں کی۔ وسطی اور جنوبی افریقہ کے وسیع علاقے اس بات کے شاہد ہیں کہ شمالی افریقہ میں باقاعدہ حکومتیں قائم تھیں جو اسلام سے ٹکرائیں اور اسلام ان سے ٹکرایا لیکن اسلام کے لشکر جب ان حدود تک پہنچتے جہاں پر

مخاصم حکومتوں کی حدیں ختم ہوتی تھیں اور کمزور قبائل کے علاقے شروع ہوتے تھے وہاں وہ ٹھہر گئے اور انہوں نے جنگ بند کر دی اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج یورپین لوگوں کے لئے افریقن کالونیز کے بنانے کی گنجائش نہ رہتی۔ وسطی اور جنوبی افریقہ کی کونسی طاقت تھی کہ جس نے مسلمانوں کے ان لشکروں کو روکا جنہوں نے روسی، ہسپانوی، فرانسیسی اور اطالوی منظّم لشکروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ وہ اسلام کی منصفانہ، عادلانہ اور رحیمانہ تعلیم ہی تھی جس نے یہ عظیم الشان معجزہ دنیا کو دکھایا اور جس کی بدولت اب مسلمان ہر سیاسی مجلس میں یورپ اور امریکا کے سیاسی لوگوں کے سامنے اپنا سر اونچا رکھ سکتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے مَیں عرب اور مصر کے پریس کو ایک خاص ذمہ داری کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ایک لمبے افتراق کے بعد اکثر مسلمانوں میں اتحاد کا جوش پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان سے عرب ممالک اور مصر نے جس ہمدردی کا سلوک کیا ہے یا عرب اور اسلامی امور سے جس ہمدردی کا ثبوت پاکستان نے دیا ہے وہ اس زمانہ کی خوشگوار ترین باتوں میں سے ہے۔ مگر مذکورہ بالا امر کی اشاعت نے جماعت احمدیہ ہی نہیں پاکستان کے رستہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اس مضمون کی بناء پر جو سر تا پا غلط ہیں ہندوستان پاکستان پر الزام لگا سکتا ہے کہ اس میں رہنے والی بعض جماعتیں ہندوستان پر حملہ کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ الزام سو فیصدی غلط ہے مگر ہندوستان کا متعصب عنصر اس الزام سے ضرور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریگا اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ الزام ایک جماعت پر ہے نہ کہ پاکستان پر۔ کیونکہ ہندوستان کا متعصب گروہ کہے گا کہ جس امر کی اطلاع مصر کے ایک نامہ نگار کو مل گئی پاکستان کی حکومت کو اس کی کیوں اطلاع نہ ملی ہوگی۔ دوسرے وہ کہیں گے کہ جس جماعت پر یہ الزام ہے پاکستان کا وزیر خارجہ اس کا ممبر ہے پس وہ اس سے ناواقف نہیں ہوسکتا۔ ان حالات میں ایک نامہ نگار کی خوابِ پریشان پاکستان کیلئے کتنی مشکلات اور بدنامی کی صورت پیدا کرسکتی ہے اور کیا یہ ظفر اللہ خاں کی خدماتِ پاکستان کا اچھا بدلہ ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ علاوہ اس کے کہ یہ جھوٹ ہے، یہ ایک وفادار دوست پر ناواجب حملہ بھی ہے جسے مصر کا غیور مسلمان یقیناً برداشت نہیں کریگا...... اس کوشش کے بعد جو عرب اور مصر نے پاکستان کی مملکت کے استحکام کے لئے کی، ایسی آواز کو اٹھنے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ

غَزْلَهَا (النحل:93) (ترجمہ: اس عورت کی مانند مت بنو جس نے اپنے کاتتے ہوئے سوت کو اس کے مضبوط ہو جانے کے بعد کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا) مَیں اس دعا پر اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان ممالک کو اس لمبی نیند سے بیدار ہونے کی توفیق بخشے جس میں وہ مبتلا تھے اور اغیار کے تصرفات سے ان کو آزاد کرے اور مسلمان کی اس شان کو بحال کرے جو اسے گزشتہ زمانہ میں حاصل تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ عزت اسے عطا کرے۔ اللھم آمین۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد

امام جماعت احمدیہ

(الفضل 4 رتبوک 1331 ہش بمطابق 4 ستمبر 1952ء صفحہ 2-3، ملخص از تاریخ احمدیت جلد 15 صفحہ 301-336)

مصری زعماء اور صحافیوں کا زبردست احتجاج

مفتی صاحب کے اعتراضات کے شافی جوابات کے بعد اب ہم مفتی مصر کے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ پر فتویٔ کفر اور اس پر مصری اور دیگر غیرت مند اور باوفا اصحاب کے ردّعمل کے تذکرہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس فتوی کی اشاعت پر مصریوں کو ازحد قلق ہوا اور مصری عوام و خواص سرتاپا احتجاج بن گئے۔ چنانچہ اس موقعہ پر مصری زعماء اور پریس نے جو بیانات دئے وہ ان کی فرض شناسی، تدبر اور معاملہ فہمی کی بہت عمدہ مثال تھی۔ ان بیانات کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل کا بیان

عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عبدالرحمٰن عزام پاشا نے شدید تنقید کی اور الاخبار الجدیدہ (جس میں فتویٰ شائع ہوا تھا) کے نمائندہ خصوصی کو حسب ذیل بیان دیا:۔

مَیں حیران ہوں کہ آپ نے قادیانیوں یا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان کے متعلق مفتی کی رائے کو ایک مؤثر مذہبی فتویٰ خیال کیا ہے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو پھر بنی نوع انسان کے عقائد، ان کی عزت و وقار اور ان کا سارا مستقبل محض چند علماء کے خیالات و آراء کے رحم و کرم پر آ رہے گا۔

فتویٰ کسی مخصوص اور غیر مبہم واقعہ سے متعلق ہونا چاہئے اور پھر ایسی صورت میں بھی اس کی حقیقت محض ایک رائے سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور نہ ہر شخص کے لئے اس کا تسلیم کرنا واجب اور لازمی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے علماء کے ذریعہ کسی کلیسائی نظام کی بنیاد نہیں ڈالی جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرسکے۔

بلا شبہ اس رائے کی حیثیت محض ایک رائے کی ہی ہے نہ کہ دین کے کسی حصہ کی۔ کسی کی رائے نہ تو کسی کو دین سے خارج کرسکتی ہے اور نہ داخل۔

ہر وہ شخص جو کلمہ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا قائل ہے اور قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے وہ یقیناً مسلمان ہے۔

یہ امر مسلمانوں کے مفاد کے سراسر خلاف ہے کہ کسی ایک فرقہ کو بے دین قرار دیا جائے۔ اسلام کی بنیادی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے کو کافر قرار دینے سے بچے۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خاں اپنے قول اور اپنے کردار کی رُو سے مسلمان ہیں۔ روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو موقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ آپ کا طرّہ امتیاز رہا اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو گئے۔ آپ ان قابل ترین قائدین سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔

(البشریٰ دسمبر 1953ء مجلد 13 صفحہ 115-116)

اخبار ''المصری'' کا بیان

مصر کی حکومتی وفد پارٹی کے مشہور اخبار ''المصری'' نے 26 / جون 1952ء کے پرچہ میں ایک زوردار مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا جس میں لکھا:۔

''اے کافر، خدا تیرے نام کی عزت بلند کرے''

ہماری مسلمان مملکت پاکستان نے ''شاہ سوڈان'' کی حیثیت سے شاہ فاروق کے نئے خطاب کو تسلیم کیا۔

پاکستان نے یہ لقب برطانوی تاج کے تحت دولت مشترکہ کا رُکن ہونے کے باوجود تسلیم

کیا۔ شاہ فاروق کو سوڈان کا بادشاہ تسلیم کرنا ایک جرأت مندانہ اقدام تھا اور اس کے لئے ہم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی مساعیٔ جمیلہ کے ممنون احسان ہیں۔ یہ ہم پر ایک نئی کرم فرمائی تھی۔ یہ ہماری دلجوئی اور ہمارے ساتھ ہمدری کا ایک نیا اظہار تھا۔ ہمیں احسان مندی کے جذبات کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا چاہئے تھا...... بالکل خلاف توقع اور اچانک ہمیں معلوم ہوا کہ مفتی مصر نے اسی ظفر اللہ خاں کو ایک بے دین اور ایک ''غیر مقلد'' فرقہ کا رُکن قرار دے دیا ہے۔

ہمیں رحم آیا ہے کہ اس فتویٰ کی موجودگی میں ہمارے سفیر مقیم کراچی عبدالوہاب عزام کی کیا حالت ہوگی جو اس ملک میں ''شاہ سوڈان'' کا نمائندہ ہے اور جس ملک نے برطانوی تاج سے وابستہ ہونے کے باوجود ہمارے بادشاہ کا نیا لقب تسلیم بھی کر لیا ہے۔

ہاں ہاں! ہمیں ترس آتا ہے اپنے وزیر خارجہ عبدالخالق حسونہ پاشا پر جسے اپنے عہدے کی وجہ سے ہمارے ملک اور ہمارے قومی مطالبات کے بارے میں پاکستان کے موقف کا بخوبی علم ہے اور جسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جہاں تک ہماری امنگوں اور ہمارے قومی مطالبات کا تعلق ہے ان کے بارہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے کیا جذبات ہیں۔

ہمیں ترس آتا ہے اپنے سابق وزیر خارجہ ڈاکٹر محمد صلاح الدین پاشا پر بھی کہ جنہوں نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا اعتماد حاصل کیا اور اقوام متحدہ میں ان کی امداد وحمایت سے فائدہ اٹھایا۔

اسی طرح ہمیں رحم آتا ہے محمد علی علوبہ پاشا پر نیز احمد خشابہ پاشا اور دیگر سیاستدانوں اور دنیائے عرب واسلام کے مقتدر مدبرین پر جو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو جانتے ہیں اور مصر، فلسطین، تیونس اور دیگر مسلمان وعرب مملکتوں کے مفاد کی خاطر آپ نے جو دوڑ دھوپ کی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ سب مدبرین کیا سوچتے ہوں گے! ہمیں رحم آتا ہے ان سب پر اور پھر خود مفتی پر بھی کہ اس نے صفائی کا موقعہ دئے بغیر خواہ مخواہ ایک شخص کو مجرم قرار دے دیا اور اس پر بے دینی کا الزام لگا ڈالا۔ خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔

ظفر اللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے۔ مفتی نے ظفر اللہ کو کافر و بے دین قرار دیا ہے۔ آؤ ہم سب مل کر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں پر سلام بھیجیں۔ ظفر اللہ خاں ''کافر'' کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے

بیسوں ''کافروں'' کی ہمیں ضرورت ہے۔

بالآخر ہم پوچھتے ہیں کہ حکومت مصر اس بارے میں کیا کرنا چاہتی ہے؟ ایسی حالت میں اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں وہ کیا بیان جاری کرے گی؟ اور یہ کہ آئندہ اسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے تاکہ اسے محض چند احمقانہ الفاظ کی وجہ سے جو کوئی سوچے سمجھے بغیر زبان سے نکال دے اپنے معدودے چند دوستوں کی رفاقت سے ہی ہاتھ دھونا پڑے۔

(المصری 26/جون 1952ء بحوالہ البشریٰ مجلّہ 1811 صفحہ 118-119 حیفا فلسطین)

احمد خشابہ پاشا کا بیان

مصر کی بااثر شخصیت احمد خشابہ پاشا کا حسب ذیل بیان اخبار الزمان (25 جون 1952ء) میں شائع ہوا:۔

خشابہ پاشا نے اعلان کیا ہے کہ ''مجھے اس فتویٰ سے سخت رنج پہنچا ہے کیونکہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے اسلام اور عرب دنیا کی بالعموم اور مصر کی بالخصوص بہت خدمت سرانجام دی ہے۔ عالم اسلام انکی خدمات جلیلہ کے لئے ان کا ممنون احسان ہے'' خشابہ پاشا نے مصر کے معاملات میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اس تائید و حمایت کا بھی ذکر کیا ہے جو موصوف نے اقوام متحدہ کے مختلف اجلاسوں میں ہمیشہ روا رکھی اور بالخصوص سلامتی کونسل کی نشست حاصل کرنے میں آپ نے مصر کو بے حد تقویت پہنچائی۔ خشابہ پاشا نے اپنے بیان کے آخر میں فرمایا:

مَیں اس عظیم شخصیت کا بے حد ممنون احسان ہوں کیونکہ اس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے اور مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ایسا فتویٰ دیا بھی گیا ہے تو ایسی نمایاں اور بلند ہستی کے خلاف۔ (بحوالہ ''البشریٰ'' المجلد 18 صفحہ 124)

اخبار ''النداء'' کا بیان

اخبار ''النداء'' (یکم جولائی 1953ء) نے لکھا:۔

(ترجمہ) نمائندہ النداء کو معلوم ہوا ہے کہ مفتی کی شخصیت بالکل محل بحث نہیں تھی بلکہ ارباب حل و عقد نے مفتی کے منصب کے دائرہ عمل پر غور کیا ہے۔ اور یہ معاملہ مفتی کے منصب

کے محدود کرنے والا ہونا چاہئے کہ اس کو کس حد تک اجتہاد کرنا چاہئے...... چونکہ مطالبات دارالافتاء میں آتے ہیں اس لئے کوئی فتویٰ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جب تک اس کو مجلس افتاء کے سامنے پیش نہ کیا جائے جو مذاہب اربعہ کے آئمہ پر مشتمل ہو۔

اخبار ’’اَلْجَمْهُوْر المِصْرِی‘‘ کا بیان

اخبار ’’الجمہور المصری‘‘ (21/جولائی 1952ء) نے ایک شذرہ میں لکھا:۔

’’ہم اس امر کی وضاحت کرنا پسند کرتے ہیں کہ ہم ڈاکٹر احمد شبلی پروفیسر فواد الأول یونیورسٹی کی رائے کی تائید کرتے ہیں کہ مفتیٔ مصر کا فتویٰ برطانیہ کی چال ہے اور ان برطانوی اخبارات کی سازش ہے جو عربی زبان میں مصر میں شائع ہوتے ہیں۔عوام کے تصور سے یہ مسئلہ کہیں گہرا ہے۔

دھوکہ کی بنیاد۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ ظفر اللہ خاں نے جو تمام دنیا کے مسلمانوں کے معاملات میں دفاع کیا ہے اس نے انگریزوں کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر اور اس کی دلیرانہ آواز نے انگریزوں کو پریشان کر دیا ہے اور ان کو اس امر کا خوف ہے کہ پاکستان مضبوط ہاتھ ہو جائے گا جو ہر جگہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کو سہارا دے گا......ظفر اللہ خاں نے کہا ہے کہ پاکستان ہرگز اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا چاہے عرب لیگ اس کو تسلیم کرے۔ اس وجہ سے انگریزوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کے خلاف سازش کی تا کہ وہ مصر اور مشرق کو اس پاکستانی بڑے لیڈر کی تائید سے محروم کر دے۔

الدکتور اللبان بک کا بیان

الدکتور ابراھیم اللبان بک پرنسپل کلیہ دارالعلوم المصریہ نے لکھا:۔

’’مجھے انتہائی افسوس ہے کہ عرب حکومتوں نے ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان جیسی شخصیت کو تکلیف دی جس نے عرب حکومتوں کے دفاع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جس کی وجہ سے اس نابغہ اور مثالی شخصیت کی تائید اور دوستی سے محروم ہو گئے ہیں حالانکہ آج کے عالمی سیاسی تنازعہ اور خطرناک بحران میں عرب حکومتیں ظفر اللہ خاں کی شجاعت، بلاغت اور آپ کے دفاع کی بہت ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ (المصری 27/جون 1952ء)

الشیخ محمد ابراہیم سالم بک کا بیان

الشیخ محمد ابراہیم سالم بک (سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ مصر) نے ایک بیان میں کہا:۔
بلاشبہ ہماری طرف سے یہ جلد بازی ہوگی کہ ہم قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ لگائیں اور یہ اس لئے کہ ہمیں ابھی تک ایسے وسائل میسر نہیں کہ ہم اس مذہب کے متعلق علم اور اس کے میلانات بذریعہ کتب معلوم کر سکیں۔اور جب تک ہمیں اس مذہب کے متعلق معلوم نہ ہو تو یہ جلد بازی اور جسارت ہوگی کہ ہم اس مذہب کے پیروکاروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔ وہ اس وقت تک مسلمان ہی ہیں جب تک کہ انکے کفر پر دلیل قائم نہیں ہو جاتی۔اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ کئی ایسے پہلو ہیں جو فرقہ قادیانی کے مسلمان ہونے کی تائید کرتے ہیں بلکہ ان کے (مسلمان ہونے کی) تائید میں یہ پہلو بھی ہے کہ احمدی اسلام اور مسلمانوں کی تائید کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے بلکہ ہر موقعہ سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ تائید خواہ سرکاری تقریبات کے مواقع پر ہو یا ان کے علاوہ۔
ان امور کی بناء پر یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ جناب ظفراللہ خاں کی ذات پر کفر کا اتہام لگایا جائے ہم جانتے ہیں کہ وہ شخص اسلامی اخلاق سے آراستہ ہے اور اسلامی روایات اور سنت پر عامل ہے۔
ظفراللہ خاں مصر میں کئی مرتبہ آئے ہیں۔ ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کے معاملات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔اور آپ ہر ایسے معاملہ میں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی شان بلند ہوتی ہو دلیر ہیں۔اس بناء پر اس شخص کے مسلمان ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (البلاغ 26 جون 1952ء)

الشیخ علام نصار بک کا بیان

مصر کے سابق مفتی الشیخ علام نصار بک نے اپنے بیان میں کہا:۔
نہ تو یہ جائز ہے اور نہ آسان کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی فرقہ پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے اور نہ ایسے دلائل ہی پائے جاتے ہیں جو اس امر کو جائز قرار دیں کہ قادیانی جماعت پاکستان میں اسلام سے خارج ہے۔مَیں اس امر کو مناسب نہیں سمجھتا کہ ایک عظیم سیاسی آدمی

پاکستان جو وزیر خارجہ کی پوزیشن پر ہو سے تعرض کیا جائے کہ ان کا دین کا عقیدہ کیا ہے حالانکہ وہ شخص دین اسلام کا علی الاعلان اظہار کرتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بڑی بڑی مجالس میں دفاع کرتا ہے۔ اپنے موقف اور بیانات کی تائید میں قرآن کریم اور احادیث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دلیل پیش کرتا ہے اور علی الاعلان اس کی اقتداء کا اظہار کرتا ہے۔ اس لئے دین میں انصاف کی خاطر یہ امر حکمت کے خلاف ہے کہ کوئی ان کو خارج از اسلام قرار دینے کی مصیبت میں مبتلا ہو حالانکہ وہ شخص اپنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کرتا ہے اور اس کو پاکیزہ تعلق یقین کرتا ہے۔ اسلام اور اقوام اسلامیہ کی خدمت کے لئے قابل قدر جوش سے کام لیتا ہے۔ ان کے دوست اور جاننے والے اشخاص (جو مصر میں اکابرین اسلام ہیں) کی آراء سے یہ واضح تأثر لیا جاتا ہے کہ وہ آپ کو ایک مسلم شخصیت ہی تصور کرتے ہیں جو اسلام کے آداب اور شرائط پر مضبوطی سے عامل، اسلامی اخلاق وصفات سے مزین اور اسلام کی اتباع اور اسکے اصول کے التزام کی ترغیب دیتے ہیں۔

مسلمان اس واقعہ سے ناواقف نہیں ہیں جو آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا جبکہ کسی نے ایک آدمی کو جنگ میں قتل کر دیا حالانکہ وہ شہادتین کا اقرار کر چکا تھا کیونکہ قاتل کو یقین تھا کہ اس شخص نے قتل کے ڈر سے کلمہ شہادت پڑھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے اس فعل پر ملامت کی اور اس کے عذر کو قبول نہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس کے دل کو پھاڑ کر دیکھا تھا؟ (البلاغ 26/جون 1952ء)

اخبار ’’الیوم‘‘ کے نامہ نگار خصوصی مقیم کراچی کا بیان

اخبار ’’الیوم‘‘ (26/جولائی 1952ء) نے اپنے نامہ نگار خصوصی مقیم کراچی کے حوالہ سے لکھا:۔

’’أصبح الأبرار کافرین‘‘ (نیک لوگ بھی اب کافر ہو گئے)

شیخ مخلوف نے جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اب اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش عبث اور بے معنی ہے۔ اس غلطی کا نام وہ فتویٰ رکھیں یا بیان دونوں برابر ہیں۔ بہر کیف وہ خود ہی اس کا شکار ہو گئے ہیں۔ حکومت کے لئے اگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے تو اب مفتی صاحب کو ان کے اس منصب سے علیحدہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب کے فتویٰ جاری ہونے

کے وقت ہی سے ہم نہ صرف اس کو نا قابل التفات سمجھ رہے تھے بلکہ لوگوں کو اسے طاق نسیان میں رکھنے کا کہہ رہے تھے مگر اس کے باوجود مفتی صاحب اپنی اس غلطی کا دفاع کر رہے ہیں اور ایک غلطی کو محو کرنے کے بدلہ میں دوسری کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ایک گمراہی کے عوض دوسری میں خود کو ملوث کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب اس بات کو جانتے ہیں کہ قادیانی جماعت میں اعتدال پسند اور صاحب وقار لوگ بھی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ظفر اللہ خاں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں۔

مفتی صاحب یہ سب کچھ بھی جانتے ہیں جیسا کہ الاخبار کو انہوں نے بیان بھی دیا ہے جو جمعرات کو شائع بھی ہو چکا ہے۔ ان کا فرض تھا کہ کسی کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرنے اور اس کے دین سے نکالنے سے پیشتر وہ فقۂ اسلامی کے عام اور معمولی قوانین ہی ملاحظہ فرما لیتے جو انہیں اس معاملہ پر تحمل اور بردباری سے غور کرنے کی طرف توجہ دلا رہے تھے اور جلد بازی سے کام نہ لیتے۔

فاضل مفتی صاحب کو علم ہوگا کہ ایک روز رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک گواہ کو فرمایا تھا کہ کیا تُو یہ سورج دیکھ رہا ہے اس طرح واضح اور روشن گواہی دے ورنہ رہنے دے۔

اسی طرح ان کو یہ بھی علم ہوگا کہ علماء اسلام اور آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مسلمان جس کے اسلام کا ایک فیصدی بھی احتمال ہے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لایا جا سکتا۔ پس اس شخص کے لئے جو منصب افتاء پر فائز ہو مناسب نہ تھا کہ کسی مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا اور مسلمان بھی اتنی عظمت شان کا مالک کہ صحافت اس کے وجود ہی کو ایک بڑی خبر تصور کرتی ہو۔ اگر بالفرض ایسی کوئی بات تھی جو مفتی صاحب کو ظفر اللہ خاں کے اسلام سے خارج کرنے ہی پر مجبور کرتی تھی (جس کا ہمیں علم نہیں) تب بھی انہیں اپنے فتویٰ یا بیان کو بہتر اور مناسب صورت دینا چاہیئے تھی اور پاکستان سے ''وزیر زندیق'' کی معزولی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی تعیناتی سے متعلق قوانین کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور یہ گمان کر لیا کہ وہ مصر اور پاکستان کے مفتی ہیں اور اس طرح اپنے ہم مشرب کے معاملات میں بھی دخل اندازی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس کے حقوق کا احترام نہیں کیا۔

مفتی پاکستان اپنے ملک اور اپنے وزیر کے متعلق یقیناً وہ کچھ جانتا ہے جس کا شیخ مخلوف

(مفتی مصر) کو کوئی علم نہیں۔
اس مسئلہ کے اور بھی کئی پہلو ہیں جو زیادہ خطرناک ہیں اور نتائج کے لحاظ سے سنگین بھی۔
اسلامی اصول ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا وہ خود کافر ہو گیا۔ظفر اللہ خاں کا کفر جب تک ہم آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرلیں اور اس بارہ میں ہمیں یقینی علم نہ حاصل ہو جائے ہمارے نزدیک مسلمان ہیں اور ان کا اسلام کامل ہے۔
مفتی مصر نے خود اپنے آخری بیان میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ظفر اللہ خاں اعتدال پسند اور وقار کے حامل ہوں یہ امر بھی مفتی صاحب کو اس کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کا حق نہیں پہنچاتا اور نہ ہی غیض وغضب اور لعنت ملامت کے نشانہ بنانے کا۔
ہماری رائے ہے کہ مفتی صاحب نے ایک مسلمان کو کافر ٹھہرایا ہے اور جس کسی نے کسی مسلمان کو کافر ٹھہرایا ہو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔
مَیں قارئین سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ مجھے کسی کی تنقیص کا مرتکب نہ تصور کریں گے۔مَیں حقیقت کے اظہار میں سنجیدہ ہوں۔اس سلسلہ میں تمام ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔
جہاں تک ظفر اللہ خاں کا تعلق ہے اس قسم کی کہی گئی باتوں سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن یہ واقعہ اس امر کی ضرور یاد دلاتا ہے کہ لوگوں نے رسول عظیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں بھی کاہن، ساحر، صابی اور مجنون کے الفاظ استعمال کئے تھے۔
وہ شخص جو استعماریت کا بڑی قوت ، بلاغت اور صدق بیانی سے مقابلہ کرتا ہے اور خداتعالیٰ بھی جس کی زبان اور دل پر حق جاری کرتا ہے وہ بھی اگر کافر قرار دیا جا سکتا ہے تو نیک لوگوں کی اکثریت ایسے کافر بن جانے کی خواہش کرے گی۔ (خالد محمد خالد)

اخبار ''المصری'' کا مقالۂ خصوصی

اخبار ''المصری'' نے اپنے مقالۂ خصوصی (مورخہ 27 رجون 1952ء) میں بعنوان ''ظفر اللہ خاں'' لکھا:۔
المصری کے قارئین اس کالم کے علاوہ کسی دوسری جگہ مصر میں پاکستان کے سفیر کے بیان کا مطالعہ کریں گے جس میں آپ نے مصری صحافت کی عزت افزائی کی ہے اور بالخصوص روزنامہ المصری کی جس نے اپنے اور پاکستان کے دوست مصری لوگوں کے خیالات کی

اشاعت اس اتہام کے ردّ میں کی ہے جسے مصر کے علماءِ عظام میں سے ایک نے عوام کی خلافِ توقع مشرق کی عظیم شخصیت محمد ظفر اللہ خاں پر عائد کیا تھا۔

اس اتہام سے قبل شاید پاکستان اس امر سے واقف نہ تھا کہ مصر پاکستان کے لئے دل کی گہرائیوں سے محبت، خلوص اور ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے اور عالمی اخوت کا بھی حامل ہے۔ دونوں ایک جیسے مقاصد رکھتے ہیں۔ عربوں میں کیا خوب یہ کہاوت ہے کہ بسا اوقات ضرر رساں اشیاء بھی مفید مطلب ہو جایا کرتی ہے۔ پاکستان کے مصری دوست ظفر اللہ خاں کے مقام کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ بین الاقوامی سوسائیٹیوں میں وہ قضیۂ مصر کے بلند پایہ ارکان میں سے ہیں اور دنیا کی ان عظیم ترین شخصیتوں سے ایک ہیں جنہوں نے مصر کی خاطر اپنی ذات، وقت اور وطن تک کو وقف کر رکھا ہے۔ استعماریت کا مقابلہ کھلم کھلا اور بڑی جرأت سے کرتے ہیں۔ اس شخص کے وجود میں اَور بھی کئی خوبیاں موجود ہیں۔ یہ سب باتیں اس امر کی متقاضی ہیں کہ نہ صرف آپ کے خلاف بات کرنے سے گریز کیا جائے بلکہ آپ کی گرانقدر خدمات کو سراہا جائے اوران کے بارہ میں انصاف سے کام لیا جائے۔ محمد ظفر اللہ خاں عصرِ حاضر میں دولت اسلامیہ کی نہایت درجہ بلند پایہ اور ممتاز شخصیتوں سے ایک ہیں بلکہ سرفہرست ان ہی کا اسم گرامی آتا ہے۔ آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے سیاست کا مطالعہ تو اچھی طرح کیا ہے لیکن نظری سیاست کے اصولوں کو اپنایا نہیں بلکہ سیاسی ثقافت کو قرآنی انداز فکر کے تابع اور ہم آہنگ کر دیا ہے۔ آپ نے ایسا اسلامی نظریہ اختیار کیا ہے جو عصر حاضر کے افکار کی آراء اور اسلامی نظریات پر مشتمل ہے۔

ظفر اللہ خاں کو اقتصادیات پر وسیع نظر حاصل ہے۔ آپ نے اقتصادیات کا نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ ایک بڑی قوم کا جس کے اغراض و مقاصد وسیع تر ہیں اور جو ابھی ابھی استعماری اقتصادیات کے بھنورے نکلی ہے بجٹ تیار کیا ہے۔ اقتصادی نظام میں آپ علم اقتصادیات پر صرف انحصار نہیں کرتے بلکہ اقتصادی ثقافت کو اسلامی تعلیم کے تحت لے آتے ہیں۔ دولت اسلامیہ کی تعمیر میں آپ کا یہ نظریہ ہے کہ افراد کے فرائض اور حقوق حکومت کے حق میں کیا ہیں اور حکومت کے فرائض اور حقوق افراد کے حق میں کیا ہیں؟

ظفر اللہ خاں وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے حکومت کے جھنڈے کو اٹھایا اور پاکستان کی خارجہ سیاست کو حکومت کے دو بڑے وجودوں محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں کی طرف سے

سپرد ہونے پر سنبھالا اوران کے اسلامی طریق کار کو جاری رکھا۔اس طرح اس نوزائیدہ مملکت کو عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ صف میں لاکھڑا کیا۔ پاکستان کی ہردو (مذکورہ بالا) بڑی شخصیات نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اقتداء میں جو روایات قائم کی تھیں ان کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ مزید چار چاند لگا دیئے۔

امریکہ اور یورپ کے عالمی سیاسیات کی شہرت کے مالک ان کی قدر ومنزلت محض نمائش کے طور پر نہیں کرتے بلکہ ان کی ذاتی خوبیوں کے مداح ہونے کی صورت میں نہایت قدر کی نگاہ سے ان کو دیکھتے ہیں۔انہیں یہ بھی علم ہے کہ آپ اپنی لیاقت اور قابلیت کی بدولت اطراف عالم میں کس احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

وہ اس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ آپ مشرقی محاسن کے آئینہ دار ہیں اور سلامتی کی دعویدار، نئی دنیا میں ،آپ دو متقابل ومتحارب بلاکوں میں تیسرے گروپ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ ظفر اللہ خاں !! جن کو تکفیر کا نشانہ بنایا گیا ہے حالانکہ تنہا آپ ہی ہیں جو اقوام متحدہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر فریضۂ نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں اور اس غرض کے لئے اقوام متحدہ کے ہال میں کوئی علیٰحدہ جگہ تلاش کرتے ہیں تا کہ امت اسلامیہ کی نصرت طلب کرنے کے لئے خدا کی جناب میں سجدہ ریز ہوسکیں۔

مصری لیڈر السید مصطفیٰ مومن کا بیان

مصر کی وفد پارٹی کے ایک راہنما اور شعوب المسلمین کے مندوب السید مصطفیٰ مومن نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی خدمات صرف پاکستان کے وزیر خارجہ کی نہیں ہیں بلکہ آپ مشرق وسطی اور بالخصوص مصر اور عرب دنیا کے بھی وزیر خارجہ ہیں۔ وہ بہت بڑے مدبر ہیں انہوں نے اقوام متحدہ میں تیونس ،مراکش، ایران اور مصر کی حمایت کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ چوہدری صاحب پر حملہ پوری اسلامی دنیا پر حملہ ہوگا۔

(روزنامہ ’’آفاق‘‘(لاہور)25 مئی 1952ء تلخیص از تاریخ احمدیت جلد 15 صفحہ 175-176)

بیروت پریس

مصر کے علاوہ بیروت کے پریس نے بھی فتویٰ پر تنقید کی چنانچہ بیروت کے کثیر

الاشاعت روزنامہ ''بیروت المساء'' نے لکھا:۔
ہم وزیر خارجہ پاکستان السید محمد ظفر اللہ خاں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بیروت میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ہم نے ان کا فصاحت و بلاغت سے پُر لیکچر بھی سنا۔ آپ کا لیکچر سن کر ہمارا متأثر ہونا لازمی تھا جبکہ اقوام متحدہ کی مجالس آپ کی زوردار تقاریر سن کر ورطۂ حیرت میں پڑ چکی تھیں۔ ہم نے آپ کو قرآن مجید کے علوم بیان کرتے ہوئے سنا جس میں آپ نے شاعر کا یہ قول بھی بیان فرمایا:۔

وکل العلم فی القرآن لکن
تقاصر منه أفهام الرجال

تمام علوم قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کے فہم انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔
پھر ہم نے آپ کو ''پالم تپیش'' ہوٹل میں نماز تہجد پڑھتے اور عبادت کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے آپ کے پیچھے نماز میں آپ کے ساتھی بھی تھے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ اسلامی حکومتوں کے وزراء اعظم کی ایک کانفرنس منعقد کرنے میں کوشاں ہیں۔ پھر آپ نے مصر کی امداد اور تائید و حمایت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ اسی طرح مسئلہ تیونس کے متعلق اسلامی مفادات کے تحفظ میں آپ جس طرح سینہ سپر ہوئے وہ بھی ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔
یقیناً ظفر اللہ خاں ایک مفکر دماغ کے حامل ہیں اور آپ ترقی پذیر پاکستانی مملکت کے لئے لسان ناطق کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس مملکت کے لئے جس کی مسلم آبادی آٹھ کروڑ نفوس سے بھی متجاوز ہے۔ جس نے قرآن کریم کو اپنا دستور بنایا ہوا ہے اور جہاں عربی زبان کو ممتاز درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔
اس ہمسایہ مملکت کو جو ایشیا میں تعمیر و ترقی کا علَم بلند کر رہی ہے اور جو عربوں کے تمام مسائل میں خلوص نیت اور صدق دلی سے ان کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔ عرب دنیا کے ایک وسیع حصہ کی طرف سے ایک طعنہ دیا گیا ہے۔ ہماری مراد اس سے مصر ہے۔
ہاں مفتی صاحب نے جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا منصب صرف دینی ہے۔ اس کا کام لوگوں کو کافر قرار دینا نہیں ہے جس نے مومن کو کافر کہا وہ خود کافر ہوا۔
آہ! اس نے یہ فتویٰ دے کر، کہ پاکستان کا وزیر خارجہ کافر ہے اور یہ کہ پاکستانی حکومت پر واجب ہے کہ وہ ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے الگ کر دے انتہائی غفلت کا ثبوت دیا ہے۔

مذہبی لوگ خدمت دین کے لئے پیدا کئے گئے ہیں سیاسی امور میں دخل دینا ان کا کام نہیں۔ اگر ظفر اللہ خاں مختلف اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقے (یعنی جماعت احمدیہ) کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو یہ امر ان کو کافر نہیں بناتا۔ وہ ایمان باللّٰہ و ملٰئکتہٖ و کتبہٖ و رسلہٖ کے قائل ہیں۔ وہ اسلامی ارکان پر پوری طرح عامل ہیں۔ کیا مفتی کے لئے جائز ہے کہ وہ ان مسلمانوں پر بھی کفر کا فتویٰ لگائے جو دین اسلام پر عمل پیرا ہوں؟

شیخ مخلوف مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا کر رہا ہے اور ایسے وقت میں تفرقہ کی اشاعت کر رہا ہے جبکہ انہیں اتحاد کی بے حد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔ مفتیٔ مصر کو کیا ہو گیا کہ وہ احمدی مسلمانوں کو مخاطب کر رہا ہے اور ان پر کفر کا اتہام لگا رہا ہے۔ جس نے مومن کو کافر کہا وہ خود کافر ہوا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اہل مصر بالخصوص اور دیگر مسلمان بالعموم قرونِ وسطی کی جمود انگیز اور غیر ترقی پذیر روش سے خلاصی حاصل کریں۔

شیخ مخلوف اور ظفر اللہ خاں کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ اول الذکر مسلم غیر عامل ہے۔ اور اگر شیخ مذکور عمل کرتا بھی ہے تو تفرقہ انگیزی کے لئے، برخلاف اس کے ظفر اللہ خاں ''مسلم عامل الخیر'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات میں ہمیشہ ایمان اور عمل صالح کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔

آہ! ایمان اور عمل صالح کے باوجود مسلمانوں کو کافر قرار دینا کتنا ہی دُور از عقل ہے۔

(بیروت المساء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ 10/وفا 1331ءہش مطابق 10/جولائی 1952ء صفحہ 8)

مفتیٔ مصر کے لقب کی منسوخی کا مطالبہ

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب پر مفتیٔ مصر کے فتویٰ تکفیر پر صرف تنقید ہی نہیں کی گئی بلکہ مشہور و معروف مصری مصنف ڈاکٹر احمد ذکی بک نے مطالبہ کیا کہ ''مفتیٔ مصر'' کے لقب کو حکومت آئندہ کے لئے منسوخ قرار دیدے۔ آپ نے کہا۔

مفتیٔ مصر نے کس حیثیت سے خارجی مسائل اور معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے وزیر خارجہ پاکستان کے متعلق ''کفر'' کا فتویٰ صادر کیا ہے؟ اور اسے حق کیا پہنچتا ہے کہ وہ حکومتِ پاکستان سے موصوف کو اس عہدہ جلیلہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ کرے جبکہ

پاکستان ایک علیحدہ آزاد خودمختار مملکت ہے؟

اس نے ہزار ہا میل دور بیٹھ کر یہ مطالبہ سننے اور سنانے کے بغیر کیا ہے اور اس طرح مذہب کے نام پر سب سے بڑی اسلامی حکومت کی پوزیشن کو نازک بنایا ہے۔ مَیں پوچھتا ہوں ’’ومن أعطاه حق الإفتاء ؟‘‘ کس شخص نے مفتی کو فتویٰ کا حق دیا ہے اور کس شخص نے مفتی کو مذہب کے نام پر تمام دنیا کے متعلق رائے ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے۔ کیا مصر ہی صرف ایک اسلامی حکومت ہے اس کے سوا اور کوئی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے؟ اور کیا صرف مفتیٔ مصر ہی دنیا میں ایک مفتی ہے اور اسکے سوا اور کوئی مفتی نہیں ہے؟

وفی أی رجل أفتٰی؟ فی رجل صنع للإسلام والمسلمین مالم یصنعه المفتی ولن یصنعه ولو عاش مثل عمره الحاضر۔ اس نے کس عظیم المرتبت شخص کے متعلق یہ فتویٰ دیا؟ ہاں اس عظیم شخصیت کے متعلق جس نے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے وہ کام کیا ہے جو نہ مفتی کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا خواہ وہ اپنی موجودہ عمر کے برابر بھی زندہ رہے۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر ہم مطالبہ کرتے ہیں:۔

اول: ’’مفتی الدیار‘‘ کے لقب کی منسوخی کا۔ کیونکہ وہ ایک فرد کی حیثیت سے ’’ڈکٹیٹر شپ‘‘ کی نمائندگی کرتا ہے جس کی دین میں کوئی سند نہیں ہے۔

دوم: مجلس افتاء کے توڑنے کا، ہاں اس مجلس کو مختلف علمی امور کی تحقیقات کے ایسے حلقے میں بدل دیا جائے جس کا فیصلہ نہ تو کسی کو ملزم بنائے اور نہ ہی کسی مسلمان کو کافر ٹھہرائے۔

سوم: ازہر یونیورسٹی کے ایک سو نوجوانوں کو یونیورسٹی سے فراغت کے بعد علومِ جدیدہ کی تحصیل کے لئے دنیا کے ترقی یافتہ علاقوں میں بھیجا جائے تاکہ ازہر یونیورسٹی کو جدید لباس پہنایا جا سکے اور اس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم کی تدریس کا بھی انتظام ہو سکے۔ یہ تبدیلی دُوررس نتائج کی حامل ہونی چاہیئے تاکہ ’’الازہر‘‘ علمی لحاظ سے ایک جدید یونیورسٹی کی شکل اختیار کرے جس میں صحیح خطوط پر آزادانہ بحثیں ہوں اور اس طرح دین قرآن کریم اور احادیث نبویؐ کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور اسے محض علماء کی سند کی بجائے عقل کی تائید بھی حاصل ہو۔

(اخبار ’’الیوم‘‘ عدد 299 مورخہ 28 جون 1952ء بحوالہ روزنامہ ’’الفضل‘‘ لاہور 10 جولائی 1952ء/ 10 وفا 1331ہش صفحہ 1)

مفتیٔ مصر کا بیان

مفتیٔ مصر کو مصری پریس اور شخصیتوں کے احتجاج اور مذمت پر اپنے فتویٰ کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ بیان دینا پڑا:۔

"إن ما نشر ليس بفتوىٰ رسمية و ليس لها رقم فی سجل خاص وإنما هی مجرد حديث دار فی مجلس خاص يتضمن رأی فضيلته فی هٰذه المسألة"۔ (أخبار "المصری" 23جون 1952ء)

یعنی شائع شدہ بیان سرکاری فتویٰ نہیں ہے اور نہ اس کا اندراج خاص رجسٹر میں ہوا ہے اس کی حیثیت ایک نجی مجلس کی گفتگو سے زیادہ کچھ نہیں اور مسئلہ مذکورہ میں محض ایک شخصی رائے ہے۔

مفتیٔ مصر نے ایک اور بیان میں کہا:

"إنه فوجئ نشر حديثهٖ محرفا ومنسوبًا اليه بوصفه الرسمی وباعتباره فتوی صدرت عنه" (أخبار "المصری" 28جون 1952ء بحواله "البشریٰ"(حيفا) ذی الحجه 1371 ه صفحه 120)

یعنی انہیں یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ ان کی گفتگو محرف و مبدل کر کے اور فتویٰ ظاہر کر کے شائع کی گئی ہے۔

مفتیٔ مصر کو پنشن دیدی گئی

بالآخر مفتی حسنین محمد مخلوف ریٹائرڈ کر دیئے گئے۔ اخبار المصور (12/مارچ 1954ء) نے لکھا:۔

"فی الأسبوع الماضی أحيل فضيلة الأستاذ الشيخ حسنين محمد مخلوف مفتی الديار المصريه إلی المعاش بعد أن أثارأكثر من مشكلة و أكثرمن أزمة۔"

یعنی گزشتہ ہفتہ شیخ حسنین محمد مخلوف کو پنشن دے دی گئی ہے بعد اس کے کہ انہوں نے بہت سی مشکلیں اور مصیبتیں کھڑی کر دی تھیں۔

نیز بتایا:۔

”ولم تكن فتاوى الأستاذ الشيخ مخلوف عادية يمر عليها الإنسان مرالكرام بل إن كثيرا منها أثار روائح وعواصف وكان موضع القيل والقال وفى مقدمة هٰذه الفتاوى...... فتواه فى شان الطائفة القاديانية“۔ (بحواله الفضل 11/ظهور 1343هش صفحه 4-5)

یعنی الاستاذ الشیخ مخلوف کے فتاویٰ ایسے معمولی حیثیت کے نہ تھے جن کو انسان بآسانی نظر انداز کر دے بلکہ ان کے اکثر فتوے آندھیاں اٹھانے اور طوفان برپا کرنے کا موجب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر ہر جگہ اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی۔ ان قابل اعتراض فتاوٰی میں سرفہرست قادیانی جماعت سے متعلق فتویٰ ہے۔

مصر کے شاہ فاروق کا عبرتناک انجام

الشیخ حسنین محمد مخلوف تو دو سال کے بعد پنشن یاب ہوئے مگر شاہ فاروق کی نسبت خدائے ذوالجلال کا آسمانی فیصلہ اس نام نہاد فتویٰ کے چند دن بعد ہی نافذ ہوگیا یعنی 22-23 جولائی 1952ء کی شب کو مصری افواج نے لیفٹیننٹ جمال عبدالناصر کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ مصر وسوڈان کے اس مطلق العنان بادشاہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور عسکری انقلاب کے بعد جنرل محمد نجیب مصر کے سربراہ مقرر ہوئے۔

جنرل محمد نجیب نے بادشاہ کو معزول اور ملک بدر کرنے کے لئے حسب ذیل اعلامیہ جاری کیا:۔

”انهٗ نظراً لما لاقته البلاد فى العهد الأخير من فوضى شاملة عمت جميع المرافق نتيجة سوء تصرفكم وعبثكم بالدستور وامتهانكم لإرادة الشعب حتى أصبح كل فرد من أفراده لايطمئن على حياته أوماله أو كرامته۔

ولقد ساء ت سمعة مصر بين شعوب العالم من تماديكم فى هٰذه المسلك حتى أصبح الخونة والمرتشون يجدون فى ظلكم الحماية والأمن والثراء الفاحش والإسراف الماجن علىٰ حساب الشعب الجائع الفقير، ولقد تجلت اٰية ذالك فى حرب فلسطين وماتبعها من فضائح الأسلحة الفاسدة۔ وماترتب عليها

من محاكمات تعرضت لتدخلكم السافر! مما أفسد الحقائق وزعزع الثقة فى العدالة وساعد الخونة على ترسم هذه الخطى ـ فأثرى من أثرى ـ وفجرمن فجر ـ وكيف لا؟ والناس على دين ملوكهم! لذلك قد فوضنى الجيش الممثل لقوة الشعب أن أطلب من جلالتكم التنازل عن العرش لسموّ ولى عهدكم الأمير أحمد فؤاد على أن يتم ذلك فى موعودغايته الساعة الثانية عشرمن ظهر اليوم (السبت الوافق ٢٦ يوليو ١٩٥٢ والرابع من ذى القعدة ١٣٧١) ومغادرة البلاد قبل الساعة السادسة من مساء اليوم نفسه والجيش يحمل جلالتكم كل ما يترتب على عدم النزول على رغبة الشعب من نتائج۔

فريق (أركان حرب) محمد نجيب القائد العام للقوات المسلحة الاسكندرية فى يوم ٦٢ يوليو سنة ٢٥٩١ ـ"

ترجمہ: ان آخری ایام میں یہ دیکھتے ہوئے کہ ملک میں عام افراتفری پھیل گئی ہے جس نے زندگی کے تمام شعبوں پر اثر ڈالا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کے ناجائز تصرف اور آئین کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں ہے۔عوام کی خواہش کونظر انداز کیا گیا ہے یہاں تک کہ ہر فرد اپنی جان، مال اورعزت کوبھی محفوظ نہیں سمجھتا۔آپ کی بے جا زیادتیوں کی وجہ سے جملہ اقوام عالم میں مصر کے وقار کونقصان پہنچا ہے۔آپ کے زیرسایہ خائن، رشوت خوراشخاص ناجائز حمایت بے جا اسراف اور ثروت کا ناجائز اور اندھا دُھند استعمال کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مفلس اورغریب مصری عوام کے خزانہ سے ہورہا ہے۔ یہ کوائف جنگ فلسطین میں منصّۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ ناقص اسلحہ کی خرید وفروخت کے رُسوا کن واقعات، عدالتوں کے فیصلے جن میں آپ کی شرمناک مداخلت سے حقائق پر پردہ پڑتا رہا، اعتماد اورانصاف کی بے حرمتی ہوئی، مجرموں کے جرائم کے ارتکاب کے لئے حوصلہ افزائی ہوئی، کئی لوگ بے تحاشا دولتمند ہوگئے اور بدکرداری میں حد کر دی۔ اورایسے حالات کیوں نہ رونما ہوتے جبکہ عوام اپنے بادشاہوں کی عادات و خصائل کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

ان حالات کی وجہ سے فوج نے جو دراصل عوام کے اقتدار کی نمائندہ ہے مجھے اختیار دیا ہے

کہ مَیں جلالۃ الملک سے مطالبہ کروں کہ آپ ہفتہ کے دن 26/جولائی 1952ء کو بارہ بجے دوپہر ولی عہد شہزادہ احمد فواد کے حق میں دستبردار ہو جائیں اور اسی روز چھ بجے شام سے پہلے اس ملک کو چھوڑ دیں ورنہ فوج عوام کی خواہش سے انکار کے جملہ نتائج کا ذمہ وار آپ کو قرار دے گی۔

(محمد نجیب کمانڈر انچیف مسلح افواج (اسکندریہ 26 جولائی 1952ء)

مصری حکومت نے سابق شاہ کی تمام جائیداد واملاک پر قبضہ کرلیا اور فاروق کو نوٹس دے دیا گیا کہ وہ اپنی جائیداد میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتے۔ اور ان کی تمام خواہشات کو رد کر دیا گیا۔شاہ کی ذاتی ملکیت مصر میں دولاکھ ایکڑ سے زیادہ تھی اور اس کے علاوہ وہ دو کروڑ پونڈ کی دولت کے مالک تھے جو امریکہ اور سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع تھی۔ شاہی محل میں ایک کمرہ جو قیمتی جواہرات سے لبالب تھا، کئی محلات، قسماقسم کے پھلوں کے باغات، یہ سب کچھ بحقِ سرکار ضبط کر لئے گئے اور شاہ فاروق نے اپنے ہاتھ سے پروانہ معزولی یوں تحریر کیا:۔

"أمر ملكى رقم ٢٥ لسنة ١٩٥٢ نحن فاروق الأول ملك مصر والسودان لما كنا نتطلب الخير دائمًا لأمتنا، ونبتغى سعادتها ورقيها وكنا نرغب رغبة أكيدة فى تجنيب البلاد المصاعب التى تواجهها فى هٰذه الظروف الدقيقة ونزولا علىٰ إرادة الشعب۔

قررنا النزول عن العرش لولى عهدنا الأمير أحمد فؤاد وأصدرنا أمرنا بهٰذا إلىٰ حضرة صاحب المقام الرفيع على ماهر باشا رئيس مجلس الوزراء للعمل بمقتضاه۔

فاروق

صدر بقصر رأس التين فى ٤ من ذى القعدة سنة ١٣٧١۔

٢٦ يوليو سنة ١٩٥٢"

(المصور (اکتوبر 1952ء) بحوالہ البشریٰ (حیفا) شمارہ نومبر 1952ء صفحہ 165-166)

(ترجمہ) شاہی فرمان نمبر 65 1952ء ہم ہیں فاروق الاول شاہ مصر وسوڈان۔ چونکہ ہم ہمیشہ اپنی رعایا کی بہبود، خوشحالی اور ترقی کے خواہشمند رہے ہیں اور ہماری یہ انتہائی خواہش رہی ہے کہ ملک کو مشکلات سے ان نازک حالات میں محفوظ رکھا جائے جن سے آجکل وہ دوچار ہے۔ لہٰذا عوامی خواہش کے مطابق ہم نے تختِ شاہی چھوڑنے اور ولی عہد

احمد فواد کے حق میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔وزیر اعظم علی ماہر پاشا اس سلسلہ میں کارروائی کریں۔

فاروق

رأس التین کے محل سے یہ پروانہ 26/جولائی 1952ء کو جاری کیا گیا۔

عجیب اتفاق

بعض اخبارات کے بقول محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے خلاف شاہ فاروق نے فتویٰ اس لئے صادر کروایا تھا کیونکہ چوہدری صاحب نے یہ کہا تھا کہ مسلمان حکومتوں کے سربراہوں اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو رواج دیں اور اسلامی قوانین کی پابندی کریں تا ان کی راستباز زندگی ان کی قوموں کے لئے نمونہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ اگر حکمران صحیح اسلامی تعالیم پر کاربند نہیں ہوں گے تو ان کی رعایا بھی ان کے ہمرنگ ہو جائے گی۔

اب دیکھیں کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ شاہ فاروق کی معزولی کے پروانہ میں جو فرد جرم عائد کی گئی ہے اس میں یہی مذکورہ بالا الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔پروانہ معزولی میں شاہ فاروق کی سیاہ کاریوں کا ذکر کر کے عوام کی اخلاقی و دینی گراوٹ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں نتیجہ مندرجہ ذیل الفاظ میں نکالا ہے کہ:

”ایسے حالات کیوں نہ رونما ہوتے جبکہ عوام اپنے بادشاہوں کی عادات و خصائل کو ہی اختیار کرتے ہیں۔“

شاید شاہ فاروق کو اس وقت سمجھ آ گئی ہو کہ جس عمومی نصیحت سے زچ ہو کر انہوں نے ایک مؤمن کو دائرہ اسلام سے خارج کروانے کی کوشش کی تھی اسی نصیحت کے نہ ماننے کے جرم میں خود انہیں اپنی مملکت کی حدود سے تہی دست ہو کر نکلنا پڑا۔

جلاوطنی کا دردناک منظر

شاید قارئین کرام جاننا چاہیں گے کہ شاہ فاروق کا انجام کیا ہوا؟

شاہ فاروق اپنی معزولی پر دستخط کرنے کے بعد بوقت شام سکندریہ سے اپنے بحری جہاز

میں بیٹھ کر اٹلی روانہ ہو گئے جہاں 13 برس تک گمنام زندگی بسر کرنے کے بعد 18 / مارچ 1965ء کو اگلے جہان سدھار گئے۔ مصر سے انکی روانگی کا نظارہ نہایت دردانگیز اور عبرتناک تھا۔ ملک کو الوداع کہتے وقت شاہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور انہوں نے اپنا چہرہ شرم کے مارے ڈھانپ لیا۔ شاہ اس وقت حسرت ویاس اور مایوسی کی تصویر بنے ہوئے تھے اور زبانِ حال سے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل حقیقت افروز عربی اشعار کی عملی تصدیق کر رہے تھے کہ۔

یا مکفری إن العواقب للتقٰی
فانظر مآل الأمر کالعقلاء
إنی أراك تمیس بالخیلاء
أنسیت یوم الطعن والاسراء
تُب أیھا الغالی وتأتی ساعة
تمسی تعض یمینك الشلّاء

(''منن الرحمٰن'' تصنیف 1895ء)

ترجمہ: اے میری تکفیر کرنے والے! عاقبت تو متقی کی ہے پس دانشمندوں کی طرح آخری انجام پر نظر رکھ۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ تو مٹک کر ناز سے چلتا ہے کیا تُو نے کُوچ کے دن اور شام کی روانگی کو بھلا رکھا ہے؟ اے حد سے گزرنے والے توبہ کر!! وہ گھڑی آنے والی ہے کہ تو اپنے شل ہاتھ کو دانتوں سے کاٹے گا۔

مصریوں کا ردّعمل اور تاثرات

شاہ فاروق کی دستبرداری کی خبر مصر ریڈیو نے نشر کی تو ملک بھر میں مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی (نوائے وقت (لاہور) 30 جولائی 1952ء صفحہ 3 کالم 5) حتیٰ کہ برطانیہ میں رہنے والے اکثر مصری باشندوں نے بھی شاہ کا تختہ اُلٹنے پر اظہار مسرت کیا نیز یہ رائے دی کہ شاہ کے خود غرض اور مطلب پرست حواری ہی شاہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر غیر ممالک میں مصر کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کا موجب بنے ہیں۔

(زمیندار (لاہور) 3 / اگست 1952ء صفحہ 3 کالم 1)

سابق وزیر اعظم حسین سری پاشا کے داماد ڈاکٹر محمد ہاشم پاشا نے شاہ فاروق کی پرائیویٹ زندگی کی تفاصیل بے نقاب کیں جن میں ان کی عیش پرستی، رات کی زندگی، سرکاری کام میں مداخلت اور بددیانت افسروں سے میل ملاپ پر روشنی ڈالی۔

(نوائے وقت (لاہور) 3 جولائی 1952ء صفحہ 1)۔

رائل آٹو موبائل کلب کے صدر شہزادہ عباس حلیم (شاہ کے بھتیجے) کے حکم سے کلب کے ان کمروں کو بند کر دیا گیا جن میں شاہ مصریوں کے ساتھ ایک رات میں لاکھوں پاؤنڈ کا جؤا کھیلتے تھے۔ (زمیندار (لاہور) 2/ اگست 1952ء صفحہ 1)

وفد پارٹی کے لیڈر مصطفیٰ نحاس پاشا اور سیکرٹری جرنل فواد سراج الدین پاشا نے انکشاف کیا کہ شاہ فاروق وفد پارٹی کو ختم کرنے کیلئے برطانوی استعمار پسندوں کے اشارات پر اخبارات کو مالی امداد دیتے رہے۔ (زمیندار (لاہور) 26/ اگست 1952ء صفحہ 1)

اخبار ''المصری'' نے لکھا کہ شاہ فاروق کی بے پروائی اور ان کا تشدد ان کے اس حسرت ناک انجام کا باعث بنے ہیں اور ہمارے سینوں سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا ہے۔

''الاخبار'' نے لکھا آج تاریخ کے ظالم اور جابر بادشاہوں کی فہرست میں شاہ فاروق جیسے ظالم اور تنگ دل بادشاہ کا نام بھی شامل ہو گیا ہے۔ فاروق ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے اپنے عوام پر بے انصافی، بددیانتی اور تشدد سے حکومت کی جس نے انصاف اور آزادی کو کچلنے کیلئے شہنشاہیت کو تازیانے کے طور پر استعمال کیا اور جس نے مصر پر غلامی اور افلاس کو مسلط کیا۔ شاہ فاروق کو عوام نے تخت چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کی کرتوتوں اور بدعنوانیوں نے انہیں تخت سے محروم کر دیا۔ (نوائے وقت (لاہور) 31/ جولائی 1952ء صفحہ 1) (اخبار نوائے وقت (لاہور) نے 12/ اگست 1952ء کے پرچہ میں شاہ فاروق کی ملت فروشی اور بدعملی پر ایک خیال افروز مقالہ بھی شائع کیا جو لائقِ مطالعہ ہے۔)

حضرت مہدیٔ موعودؑ کی پیشگوئی

حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''نادان مخالف خیال کرتا ہے کہ میرے مکروں اور منصوبوں سے یہ بات بگڑ جائے گی اور

سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا مگر یہ نادان نہیں جانتا کہ جو آسمان پر قرار پا چکا ہے زمین کی طاقت نہیں کہ اس کو محو کر سکے...... وہ فرعون جو موسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اب اس کا کچھ پتہ ہے؟ پس یقیناً سمجھو صادق ضائع نہیں ہو سکتا۔ وہ فرشتوں کی فوج کے اندر پھرتا ہے۔ بدقسمت وہ جو اس کو شناخت نہ کرے۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 128-129 (تصنیف 1905ء)

مے دہم فرعونیاں راہر زماں
چوں یدِ بیضائے موسیٰ صد نشاں
زیں نشانہا بدرگاں کور و کراند
صد نشاں بینند و غافل بگذرند

(تحفہ غزنویہ)

(ترجمہ) مَیں ہر زمانہ میں فرعون صفت لوگوں کو یدِ بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہوں مگر بدفطرت لوگ ان نشانوں کی طرف سے اندھے اور بہرے ہیں اور سینکڑوں نشان دیکھ کر بھی غافل رہے ہیں۔

ظفر اللہ خان قضیہ فلسطین کے ہیرو

قضیہ فلسطین اور جماعت احمدیہ کی خدمات کے مضمون کے آخر پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی خدمات کے اعتراف، آپ کے خلاف فتویٰ پر ریویو اور دیگر تفاصیل پر مبنی ایک مشہور عربی شخصیت عبدالحمید الکاتب کے مضمون کے بعض حصے یہاں نقل کر دیئے جائیں جو رسالہ "العربی" ماہ جون 1983ء کے شمارہ میں بعنوان "ظفر اللہ خان ۔۔بطل قضیۃ فلسطین" شائع ہوا۔ وہ اس میں لکھتے ہیں:

"كان صوت محمد ظفر الله خان، وزير خارجية باكستان حينذاك، والذى كان علما بارزا فى الأمم المتحدة على مدى عشرين سنة، بمواقفه العظيمة فى كل قضية عربية وإسلامية-- قضية فلسطين، وقضية كشمير، وقضية ارتيريا، وقضية

الجزائر-- وكل ما قام وثار من قضايا الشعوب المقهورة۔
وقد توافرت فى ظفرالله خان ثلاث صفات جعلته من أبرز الشخصيات فى الأمم المتحدة-- فكان وراء ه تاريخ حافل فى سياسة بلاده، كما كان خطيبا قديرا ومحاميا فذّا، وكان حجة فى القانون من جانبيه الدولى والإسلامى۔
فأما دوره فى سياسة بلاده فلعله كان ثالث الثلاثة الذين تزعموا حركة إنشاء دولة باكستان---وأما مقدرته القانونية فقد أهلته فيما بعد ليكون قاضيا فى محكمة العدل الدولية ثم رئيسا لها لسنوات عديدة---
لقد كان مسلما متدينا وكان يؤدى الصلاة فى وقتها فى قاعة صغيرة عند مدخل مبنى الأمم المتحدة۔وهو قديانى المذهب ولكننى أعتقد أنه كان يدين بالإسلام على وجه صحيح سليم۔
أما قدرته فى الخطابة فكانت تشد إليه الأسماع والعقول حتى وهو يرتجل على مدى ست ساعات استغرقت جلستين كاملتين فى مجلس الأمن خطابا عن قضية كشمير وحق أهلها فى تقرير مصيرهم---
أما بطل الدفاع عن مشروع فلسطين الموحدة فكان محمد ظفر الله خان الذى حشد فى دفاعه عن الحق العربى فى فلسطين كل مواهبه ومقدرته الخطابية، والقانونية، والسياسية-- كما كانت خطبه تنبض بروح إسلامية صادقة وبإيمان قوى بأن الشعب الفلسطينى جدير جدارة الشعب الباكستانى وغيره من شعوب العالم بأن يتحرر من الحكم البريطانى، ومن الزحف الصهيونى، على السواء-- وقد كافأته إحدى الحكومات العربية على هذا الدفاع المجيد عن الحق العربى فى فلسطين وعن كل قضية عربية وإسلامية طرحت على الأمم المتحدة فى ذلك الوقت ، بأن ألصق

به مفتى الديار فى مصر تهمة الخروج على الإسلام، بل تهمة الكفر، والعياذ بالله، لأنه طالما كان يقول فى أحاديثه ومحاضراته أن تدهور أمور المسلمين يرجع إلى تدهور أولى الأمر فيهم۔۔

ولم يرض هذا الكلام ملك مصر حينذاك فصدرت عن المفتى فتواه المشينة۔۔ ولكن الشعب المصرى كان أكثر وفاء وأحسن تقديرا من ملكه ومن مفتيه۔۔۔

ووقف ظفر الله خان على منصة الجمعية العامة للأمم المتحدة يلقى خطابا يفيض بالمرارة۔۔ ولكنه أيضا ينظر فيه إلى بعيد۔۔ ويتنبأ بما سوف يترتب على هذا القرار من نتائج وعواقب، لن تنجو منها تلك الدول التى تحمست واندفعت لتقيم الدولة اليهودية فوق أنقاض الوطن الفلسطينى۔۔ قال ظفر الله خان فى خطابه المدوى فى ذلك اليوم الحزين:

"تقولون إننا لم نفعل أكثر من أن نأخذ جزءً من فلسطين ليقيم فيه اليهود لأن هذا أمر تقتضيه "الإنسانية" تجاه هؤلاء "المضطهدين"۔۔ لو كان ما تقولونه صدقا لقبلتم مقترحاتنا بأن تفتح كل دولة أبوابها لتأوى عددا من اليهود الذين لا وطن لهم ولا مأوى۔۔ ولكنكم جميعا رفضتم۔

أستراليا۔۔ قارة بأكملها۔۔ تقول لا، فإنا بلد صغير المساحة ومزدحمة بالسكان، وكندا تقول لا، فأنا أيضا مساحتى صغيرة وأرضى مكتظة بالسكان۔ والولايات المتحدة، بمثلها الإنسانية العظيمة، وبمساحاتها الشاسعة ومواردها الهائلة تقول: لا ليس هذا هو الحل۔۔۔

أنصحكم أن تتذكروا الآن أنكم سوف تحتاجون غدا إلى أصدقاء، أنصحكم أن تعرفوا أنكم فى حاجة إلى أصدقاء فى الشرق الأوسط، فلماذا تجعلون من شعوب تلك البلاد أعداء

لکم۔ لا تحطموا بأیدیکم مصالحکم فی تلك البلاد۔“

(العربی العدد ۲۹۵ یونیو ۱۹۸۳ ص ۴۵ اِلی ۴۹)

محمد ظفر اللہ خان صاحب (جو اُس وقت وزیر خارجہ پاکستان تھے اور اقوام متحدہ میں بیس سال تک ایک مشہور و معروف شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے رہے) کی آواز ہر عربی اور اسلامی قضیہ میں انکے عظیم الشان مواقف کی وجہ سے نمایاں رہی خواہ وہ فلسطین کا مسئلہ ہو خواہ کشمیر کا، خواہ اریٹیریا کا ہو یا الجزائر کا، یا وہ کسی بھی مصیبت زدہ اور مظلوم اقوام کا مسئلہ ہو۔

ظفر اللہ خان صاحب میں تین صفات ایسی تھیں کہ جنکی بدولت وہ اقوام متحدہ میں سب سے نمایاں شخصیت کے مالک بن گئے تھے۔آپ کی ملکی سیاست میں کام کرنے کی ایک لمبی تاریخ تھی۔ نیز آپ ایک قادر الکلام خطیب اور بے مثال وکیل تھے، اسی طرح عالمی اور اسلامی قوانین پر دسترس اور عبور رکھنے کی وجہ سے آپ ان دونوں قوانین میں ایک معتبر حوالہ متصور ہوتے تھے۔

لیکن جہاں تک آپ کے اپنے ملک کی سیاست میں کردار کا تعلق ہے ہے تو شاید آپ ان تین اہم شخصیات میں سے ایک تھے جنہوں نے قیامِ پاکستان کی تحریک کی قیادت کی......اور جہاں تک آپ کی قانونی مقدرت کا تعلق ہے تو اسکا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسکی وجہ سے بعد میں آپ عالمی عدالت انصاف کے جج اور پھر کئی سالوں تک اس کے صدر بننے کے اہل قرار پائے۔......آپ ایک متدین مسلمان تھے،اور اقوام متحدہ کی بلڈنگ کے دروازے کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں وقت کی پابندی کے ساتھ نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔آپ قادیانی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ آپ حقیقی اور صحیح معنوں میں دین اسلام پر کاربند تھے۔

جہاں تک آپ کی قوت خطابت کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ چھ گھنٹوں تک مسئلہ کشمیر اور کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے موضوع پر مسلسل خطاب فرماتے رہے اور حاضرین پوری توجہ کے ساتھ ہمہ تن گوش رہے، اس خطاب کو سننے کے لئے سلامتی کونسل میں دو نشستیں مخصوص کرنی پڑیں۔

محمد ظفر اللہ خان ہی وہ شخص ہے کہ جو فلسطین کے حق کے دفاع میں مرد میدان ثابت ہوا۔ اس نے فلسطین کے بارہ میں عربوں کے حقوق کے دفاع میں خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی

خطابی مقدرت اور قانون و سیاست میں مہارت کے ہر جوہر کو آزمایا۔ اس سلسلہ میں آپ کے خطابات حقیقی اسلامی روح سے معمور تھے اور اس یقین سے عبارت تھے کہ فلسطینی عوام کو پاکستانی عوام اور دنیا کی دیگر اقوام کی طرح برطانوی اور صہیونی تسلط سے آزادی کا مکمل حق حاصل ہے۔ فلسطین میں عربوں کے حقوق اور اقوام متحدہ میں پیش ہونے والے ہر عربی اور اسلامی مسئلہ کے اس قابل قدر دفاع پر آپ کو ایک عربی حکومت نے یہ صلہ دیا کہ مصر کے مفتی نے آپ پر اسلام سے خارج ہونے کی تہمت لگا دی بلکہ نعوذ باللہ آپ کے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ کیونکہ آپ اپنے اقوال اور خطابات میں اکثر مسلمانوں کی بدحالی کا سبب مسلمان حکمرانوں کی بدحالی کو قرار دیتے تھے۔ یہ بات شاہِ مصر کو پسند نہ آئی چنانچہ اس ملک کے مفتی کی طرف سے وہ شرم ناک فتویٰ صادر ہوا۔ تاہم مصری عوام اپنے ملک کے بادشاہ اور مفتی سے زیادہ باوفا اور قدردان ثابت ہوئے......۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سٹیج پر ظفر اللہ خان صاحب کھڑے ہوئے اور ایک دکھ بھرا خطاب فرمایا۔ اسکے ساتھ ساتھ آپکی نظر مستقبل کی صورتحال پر بھی تھی اور اس فیصلہ کے خطرناک نتائج کے بارہ میں پیشگوئی بھی فرما رہے تھے جن کی زد سے یہ حکومتیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی جو آج فلسطین کے کھنڈرات پر یہودی حکومت کے قیام کے داعی اور اس کے لئے پرجوش ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے اس یومِ حزین کو اپنی پر شوکت اور گرجتی ہوئی آواز میں کہا:

تم یہ کہتے ہو کہ ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ فلسطین کا ایک حصہ لے کر اس میں یہودیوں کو بسا دیں کیونکہ ''انسانیت'' کا تقاضا ہے کہ ہم ان ''مظلوموں'' کے لئے کم از کم ایسا کر دیں۔ لیکن اگر یہ بات جو تم کہہ رہے ہو درست ہوتی تو تم ہماری تجاویز قبول کر لیتے اور ہر ملک ان بے وطن یہودیوں کے لئے اپنے دروازے کھول دیتا اور متعدد یہودیوں کو پناہ دے دیتا۔ لیکن آپ سب نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔

آسٹریلیا ایک پورا براعظم ہونے کے باوجود کہتا ہے کہ ہمارا ملک تو بہت چھوٹا ہے اور نہایت گنجان آباد ہے۔ کینیڈا کہتا ہے کہ ہماری زمین بھی بہت تھوڑی ہے اور ہماری زمین تو آبادی سے معمور ہے۔ اور امریکہ اپنی عظیم انسانی اقدار اور اپنی وسیع وعریض اراضی اور بے شمار وسائل کے باوجود کہتا ہے کہ نہیں یہ تو کوئی مناسب حل نہیں ہے۔............ مَیں نصیحت کرتا

ہوں اور تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کل تمہیں دوستوں کی ضرورت پڑے گی۔ کل تمہیں مشرق وسطیٰ میں دوستوں کی ضرورت ہوگی۔ پھر تم خود ہی ان علاقوں کے لوگوں کو اپنا دشمن کیوں بنا رہے ہو۔ان ممالک میں اپنے فوائد کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ نہ کرو۔

نمائندہ ''المصور'' (قاہرہ) کے احمدیوں کے خلاف تحریک کے بارہ میں تاثرات

قاہرہ کے مشہور اخبار (اَلْمُصَوّر) کی نامہ نگار خصوصی ''السیدہ امینۃ السید'' ایجی ٹیشن کے زمانہ میں مصر سے خاص طور پر پاکستان آئیں اور کراچی اور راولپنڈی کے حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے۔ان کے ذاتی تاثرات کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے۔

''جب ہم نو گھنٹے کی لمبی مسافت کے بعد راولپنڈی پہنچے تو چونکہ وہاں پر مصری صحافی وفد کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ گاڑی پر پہنچ گئے تاکہ قادیانیت یا احمدی مذہب کے بارے میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع کریں۔ ملک میں لاقانونیت کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی کراچی گئی جس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام احمدیوں کو جن میں چوہدری ظفراللہ خاں بھی شامل ہیں تمام حکومتی عہدوں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ نیز انہیں عیسائیوں ، ہندوؤں اور پارسیوں کی طرح ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ احمدیوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں اس کمیٹی نے حکومت کو چند دن کی مہلت دی جب حکومت پاکستان نے یہ مطالبات منظور نہ کئے اور مدت مقررہ گزر گئی تو ملک کے تمام اطراف میں سول نافرمانی کا اعلان کر دیا گیا مظاہرے ہوئے دکانیں بند کی گئیں اور وسائل آمد و رفت میں تعطل پیدا ہوگیا۔ چونکہ حکومت پاکستان فتنہ پرور اصحاب کی حرکات سے پوری طرح آگاہ تھی اس لئے اس نے اس فتنہ کے لیڈروں کو گرفتار کرلیا اور اس طرح وقتی طور پر بغاوت کی آگ فرو ہوگئی۔

یہ واقعہ ہے کہ جب ہم دار السلطنت پاکستان (کراچی) میں تھے تو اس تحریک کا آغاز ہوا اور ملک کے مختلف اطراف میں ہمارے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی چکر لگاتی رہی۔ اس تحریک پر مجھے بہت حیرت تھی کیونکہ قادیانی مذہب یا احمدیہ جماعت تو قریباً سو سال سے قائم ہے اور آج تک اس عقیدہ کے لوگ آزادی اور سلامتی سے بستے رہے ہیں اور ان کی حیثیت مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سنی، شیعہ اور وہابی وغیرہم کی طرح ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ خاص

طور پر ان دنوں میں احمدیوں کے خلاف طبائع میں کیوں اشتعال پیدا ہو گیا ہے؟ نیز یہ کہ انہیں عہدوں سے معزول کئے جانے اور اقلیت غیر مسلمہ قرار دینے کے مطالبہ کا حقیقی راز کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مَیں نے بہت جستجو کی اور بہت سے سیاسی اور اجتماعی جماعتوں کے لیڈروں سے بات چیت کی۔ آخر کار مجھ پر واضح ہو گیا کہ موجودہ ایجی ٹیشن خالص سیاسی تحریک ہے اور اس ایجی ٹیشن کے محرک دراصل پاکستان کے دوست نہیں ہیں اور ان کا حقیقی مقصد اس سے بہت مختلف ہے جیسا کہ ظاہر میں نظر آتا ہے اور حکومت کو اس کا پورا پورا علم ہے وہ بخوبی جانتی ہے کہ اندھیرے میں کون سے ہاتھ یہ تاریں ہلا رہے ہیں اس لئے حکومت نے اس فتنہ کے ذمہ داروں پر سختی سے گرفت کرنے میں ذرا غفلت نہیں برتی۔

اس بارے میں مَیں نے پاکستان کے ایک بہت بڑے سیاستدان سے گفتگو کی جو اپنی آزادانہ رائے اور ذاتی اغراض سے بالا ہونے میں معروف ہے اس نے یہ کہتے ہوئے کہ میرا نام ظاہر نہ کیا جائے مجھے بتایا کہ ’’بے شک تم ایک ایسی چھوٹی سی مسلم جماعت (جس کی تعداد سات آٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں) کے خلاف اس تحریک کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گی خصوصاً اس لئے کہ جب پاکستان میں لاکھوں کروڑوں سنی، شیعہ، آغا خانی اور وہابی موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف آراء رکھتا ہے تو یہ شور وشر اور ہنگامہ صرف احمدیوں کے خلاف ہی کیوں ہے؟ اس لئے مَیں اس جگہ معاملہ کی پوری وضاحت کے لئے بتاتا ہوں کہ اس کے لئے قادیانیوں کی ان گزشتہ چند سالوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہئے جب قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان بنانے کی تحریک شروع فرمائی تھی۔ اس وقت جماعت احمدیہ جان و دل سے قائداعظم مرحوم کے دوش بدوش کھڑی ہوئی اور اس جہاد میں اس نے قائداعظم کی پوری پوری تائید کی اور وہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک ہر طرح ان کی مددگار رہی۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جماعت ’’احرار‘‘ کے نام سے موجود تھی وہ لوگ تقسیم ہند یعنی پاکستان بننے کے مخالف تھے انہوں نے مسٹر جناح کا مقابلہ کیا اور ان کی دعوت کی پورے زور سے مخالفت کی۔ لیکن جب ان کی مرضی کے خلاف پاکستان بن گیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اگرچہ احرار کا لیڈر اب تک بھارت میں ہے تاہم ان کی اکثریت پاکستان میں آ گئی۔ پاکستان بننے کے دن سے لے کر آج تک جماعت احمدیہ اور احراریوں میں شدید دشمنی ہے جو موجودہ فتنہ کے حقیقی محرک ہیں۔

(مضمون نگار کہتی ہیں کہ)مَیں نے دریافت کیا کہ اگر یہ بات ہے تو احرار نے اپنے مخالفوں سے اس سے پہلے کیوں معاملہ نہیں نپٹایا اور خاص طور پر اس وقت اپنے دیرینہ بغض و کینہ کے نکالنے کیلئے سول نافرمانی کو کیوں ذریعہ بنایا ؟ (اس لیڈر نے جواب دیا کہ)اس سوال کے جواب کے لئے بعض اور امور کا سلسلہ وار بیان کرنا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کا قیام غیر متوقع طور پر ہوا ہے ان حالات کا تقاضا تھا کہ ہم اپنی پوری کوشش سے اپنے وطن جدید کی ابتدا مضبوط حالات سے کرتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم نے ذمہ دارانہ عہدے دینے میں سمجھ دار اور تعلیم یافتہ لوگوں کی قابلیت پر دار ومدار رکھا اور چونکہ احمدی بہت زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذب تھے اس لئے ان کو بہت سے ذمہ داری کے منصب سپرد کئے گئے اور احراریوں کو ان عہدوں کے حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی۔ ایک تو اس لئے کہ وہ تعلیم یافتہ نہ تھے اور دوسرے اس لئے کہ وہ ماضی میں پاکستان بننے کی مخالفت کرتے رہے تھے۔‘‘

(المصور قاہرہ 10؍اپریل 1953ء بحوالہ ’’الفرقان‘‘ (ربوہ) فروری، مارچ، اپریل 1953ء صفحہ 48-50، ملخص از تاریخ احمدیت جلد 15 صفحہ 482-484)
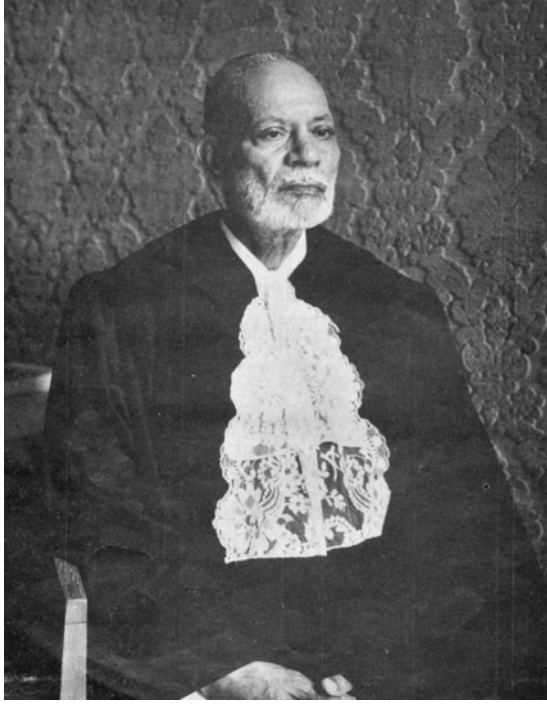
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان رضی اللہ عنہ
صدر عالمی عدالت انصاف

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کی صدارت

سعودی عرب کے شاہ فیصل کے ساتھ

مراکش کے شاہ حسن ثانی کے ساتھ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مصر کے صدر جمال عبد الناصر سے محوِ گفتگو ہیں

نہر سویز کا قضیہ، تیونس اور مراکش کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ کا کردار

مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی خدمات کا بتفصیل ذکر کرنے کے بعد اب اس عرصہ میں دیگر عرب ممالک کے لئے جماعت احمدیہ کی بعض خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نہر سویز پر برطانوی فوجیں قابض تھیں جن کی وجہ سے حکومت انگلستان اور حکومت مصر کے درمیان تنازع چل رہا تھا اور چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب (وزیر خارجہ پاکستان) مشرق وسطی کے اسلامی ممالک کے دوسرے مسائل کی طرح اس تنازع کو نمٹانے کی بھی جدو جہد فرمارہے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جنوری 1952ء کے اجلاس سے جنرل اسمبلی کے بعد لنڈن میں برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایڈن سے بھی بات چیت کی۔ برطانیہ نے مصر کو مطلع کر دیا کہ وہ ایک معینہ میعاد کے اندر نہر سویز سے اپنی تمام فوجیں ہٹالے گا۔ اخبار ''الاہرام'' مصر (21رفروری 1952ء) نے یہ خبر دیتے ہوئے لکھا کہ اس فیصلہ میں چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان کی مساعی کا بھاری دخل ہے۔

(بحوالہ الفضل 22 تبلیغ 1331ہش بمطابق 22 فروری 1952ء)

اس کامیاب گفت وشنید کے بعد چوہدری صاحب مشرق وسطی کے دورہ کے سلسلہ میں چار روز تک قاہرہ میں ٹھہرے اور اس قضیہ کو نمٹانے کے لئے مصر کے وزیر اعظم علی ماہر پاشا ''عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عزام پاشا نیز صلاح الدین پاشا، فوزی بیک (اقوام متحدہ میں مصر کے مستقل مندوب) اور دیگر زعماء سے ملاقاتیں کیں۔

اخبار ''زمیندار'' لاہور (29 فروری 1952ء) میں یہ خبر شائع ہوئی۔ قاہرہ 27 فروری۔

یہ سر محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کی دوسری ملاقات تھی۔

سر ظفر اللہ خاں حکومت مصر کے مہمان کی حیثیت سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔آپ خیر سگالی کے دورہ پر آئے ہیں۔سلامتی کونسل میں پاکستان کے متبادل نمائندے محمد اسد نے الگ تیس منٹ تک وزیر اعظم سے ملاقات کی۔سر ظفر اللہ خاں نے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل غازی عبدالرحمٰن عزام پاشا کے ساتھ لنچ کھایا اور بعد دوپہر آپ نے پاکستانیوں کے اجتماع میں شرکت کی۔عربی کے بہترین مصنف شیخ محمد ابراہیم نے ایک دستی لکھا ہوا قرآن مجید سر ظفر اللہ خاں کو پیش کیا۔سر ظفر اللہ خاں جمعرات کو قاہرہ سے بذریعہ طیارہ کراچی روانہ ہو جائیں گے۔

اخبار ''المصری'' (قاہرہ) نے 25/فروری 1952ء کی اشاعت میں آپ کی مصر میں تشریف آوری پر ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا۔اس میں آپ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے اعتراف کیا کہ آپ کی سرگرمیاں اور دینی صلاحیتوں سے اسلامی ممالک کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اقوام متحدہ میں اخبار المصری کے نامہ نگار نے اس سے بھی شاندار الفاظ میں آپ کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ پچھلے تین برسوں میں اسلام اسکے فلسفے اور اس کے مقاصد کے متعلق مغربی طاقتوں کے رویہ میں جو تبدیلی ہوئی وہ اکثر و بیشتر چوہدری (محمد) ظفر اللہ خاں کی قابلیت اور فہم و تدبر کے رہین منت ہے۔ (بحوالہ روزنامہ الفضل 27 تبلیغ 1331 ہش بمطابق 27 فروری 1952ء صفحہ 8)

تیونس اور مراکش کی تحریک آزادی کی حمایت اور دعا

تیونس اور مراکش کے جانباز مسلمان ایک عرصہ سے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔مؤتمر عالم اسلامی نے فیصلہ کیا کہ 21/نومبر 1952ء کو دنیا بھر کے مسلمان یوم تیونس و مراکش منائیں۔اس فیصلہ کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر جماعت احمدیہ نے بھی ان مظلوم اسلامی ممالک کے مطالبہ آزادی کی حمایت میں جلسے کئے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی بخشے۔

(الفضل 21-22 ماہ نبوت 1331 ہش صفحہ 2)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان نے اقوام متحدہ میں ان ممالک کے حق میں پُر زور آواز بلند کی جس کی تفصیل آپ کی خود نوشت سوانح ''تحدیث نعمت'' (طبع اول 1971ء) صفحہ 573-569 میں ملتی ہے۔ 1951ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کے دوران

مراکش اور تیونس کے مسئلے کو ایجنڈا میں شامل کرنے کا سوال پیش ہوا تو آپ ہی کی تقریر اس موقع پر سب سے نمایاں تھی۔ تقریر میں آپ نے امریکہ اور دیگر تمام ایسے ممالک کے طرزِ عمل کی مذمت کی جو ان مسائل کو شاملِ ایجنڈا کرنے کے خلاف تھے۔ آپ نے جب دوران اجلاس فرمایا کہ اگر ان مسائل پر غور کرنے سے انکار کیا گیا تو مراکش میں قتل و خون ہوگا اور اس کی تمام تر ذمہ داری امریکی نمائندہ پر ہوگی تو امریکی مندوب کا رنگ زرد پڑ گیا۔

(ملت (لاہور) 22 جنوری 1954ء صفحہ 7)

اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کی دعاؤں، چوہدری صاحب کی کوشش اور اہل تیونس و مراکش کی قربانیوں کو شرف قبولیت بخشا اور یہ دونوں ملک 1956ء میں آزاد ہو گئے۔

(از تاریخ احمدیت جلد 15 صفحہ 416)

الجزائری نمائندہ احتفال العلماء کی ربوہ میں آمد

کراچی میں ”احتفال العلماء“ کا ایک سہ روزہ اجلاس 16-17-18 فروری 1952ء کو منعقد ہوا جس میں مسلم مما لک کے 43 علماء نے شرکت کی۔ 21 علماء پاکستان کے تھے اور 22 ایران، انڈونیشیا، عراق، افغانستان، مصر، شام، ہندوستان اور الجیریا سے تشریف لائے۔ اجلاس نے متفقہ قرارداد کے ذریعہ استعماری طاقتوں کو خبردار کیا کہ وہ کشمیر اور تمام دوسرے اسلامی مما لک کے متعلق اپنی پالیسی فوراً بدل لیں ورنہ امن عالم خطرہ میں پڑ جائے گا۔

(زمیندار (لاہور) 19رفروری 1952ء صفحہ 1)

اجلاس میں الجزائر کی نمائندگی علامہ محمد بشیر الابراہیمی الجزائری نے کی جو اس ملک کے ایک مقتدر عالم اور قریباً 130 سکولوں کے نگران و ناظم تھے۔ علامہ موصوف اجلاس کے بعد کراچی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد 5رہجرت 1331ہش بمطابق 5 مئی 1952ء کو مرکز احمدیت میں تشریف لائے۔

آپ کے اعزاز میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ربوہ کے عربی دان بزرگ اور اصحاب خصوصیت سے شامل ہوئے۔ تلاوت قرآن عظیم کے بعد الجزائری مندوب کے ترجمان محمد عادل قدوسی صاحب نے آپ کا تعارف کرایا۔ پھر اہل ربوہ کی طرف سے مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مبلغ بلاد عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ نے خوش آمدید کہا۔ آپ نے سب سے پہلے معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ربوہ تشریف لائے جہاں نئی بستی ہونے کی وجہ سے نہ اشجار ہیں نہ پانی کی کثرت اور نہ یہ کوئی بڑا شہر ہے گو انشاء اللہ ربوہ ایک بڑا شہر بن جائے گا لیکن فی الحال اس کی حیثیت ایک چھوٹی سی بستی کی ہے جس میں شہروں جیسے آرام و سامان میسر نہیں آ سکتے۔

ازاں بعد آپ نے بتایا کہ جماعت احمدیہ کے تمام ممبر چھوٹے اور بڑے مرد اور عورتیں سب کے دماغ میں صرف ایک ہی بات سمائی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کو تمام دنیا میں پھیلانا اور تمام مسلمانوں کو وحدت کے رشتہ میں پرونا ہے۔ مولانا ابوالعطاء صاحب کی تقریر کے بعد جناب علامہ محمد بشیر ابراہیمی نے الجزائری مسلمانوں کی فرانسیسی انقلاب کے خلاف تحریک آزادی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جدوجہد آزادی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ کس طرح طویل جدوجہد کے بعد الجزائر کو غلامی سے نجات ملی۔

تقریر کا دوسرا حصہ تربیتی رنگ کا تھا جس میں آپ نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ مسلمان قوم پر جو آجکل نکبت وادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس قوم کے ساتھ کوئی دشمنی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیم بھلا دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے اور آپ لوگوں کا فرض ہے کہ جہاں آپ یورپ میں اسلامی تعلیمات پھیلاتے ہیں وہاں مسلمانوں کی اصلاح کو مقدم کریں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان علماء کی حالت خصوصاً اعمال کے لحاظ سے نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ وہی ساری خرابی کے ذمہ دار ہیں۔ وہ اسلام کی روح کو بھلا بیٹھے ہیں۔ آپ کو ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

آخر میں آپ نے فرمایا یہاں میں اجنبیت محسوس نہیں کرتا کیونکہ کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عربی زبان مادری زبان کی طرح بول سکتے ہیں۔

آپ کی تقریر کے بعد حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے صدارتی خطاب میں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا تذکرہ فرمایا اور دعا پر یہ تقریر ختم ہوئی۔

(الفضل 11 مئی 1952ء صفحہ 5)(تاریخ احمدیت جلد 15 صفحہ 119-120)

بعض عربی کتب واخبارات کے جماعتی مساعی کے حق میں تبصرے

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض عربی اخبارات کے جماعت احمدیہ اور اس کی تبشیری سرگرمیوں اور تراجم قرآن کے بارہ میں تبصرہ جات بھی نقل کر دیئے جائیں جو اس پورے عرصہ میں مختلف اخبارات ورسائل میں چھپے تھے۔

ایک نادر شہادت

......محمد المہدی الحکیم بن محمد التقی بن جعفر مؤلف کتاب ''مفتاح باب الأبواب'' نے مختلف فرقوں کی تاریخ اوران کے بارہ میں حقائق جمع کئے ہیں۔اپنی اس کتاب کے مصری طبعہ کے باب نہم میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں بھی چند جملے تحریر کئے ہیں جومضمون میں اصل مقام پر درج ہونے سے رہ گئے ہیں اور ریکارڈ کی خاطر انہیں یہاں درج کیا جاتا ہے:

پہلے مؤلف موصوف اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے سوا مہدویت ومسیحیت کے کسی دعویدار کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”وميرزا غلام أحمدالآن في ٧١ من عمره وهو صحيح الجسم واسع الصدر كريم النفس، يعرف اللغة الأردية والفارسية والعربية۔“

یعنی مرزا غلام احمد کی عمر اس وقت 71 سال ہے اوروہ بالکل تندرست ہیں، کشادہ سینہ

ہے اور کریم النفس ہیں۔ آپ اردو اور فارسی کے علاوہ عربی زبان بھی جانتے ہیں۔

عیسائیت پر غلبہ کی شہادت

۞......اخبار ''الدفاع'' شمارہ نمبر 802 فروری 1937ء میں لکھتا ہے:

''الإسلام مازال يتوسع فی الإندونيسيا وإفريقيا وخصوصا علی طول ساحل الذهب ونيجيريا الشمالية بل إنه زاد فی التوسع حتی دخل إلی جنوب نيجيريا التی تحتلها دولة مسيحية فقد انتشر رجال الطائفة الأحمدية وتمكنوا من بث دينهم هناك وتفوقوا بذلك علی رجال التبشير المسيحی۔''

ابھی تک اسلام انڈونیشیا اورافریقہ اور خصوصاً گولڈ کوسٹ اور شمالی نائیجیریا میں بڑے پیمانے پر پھیل رہا ہے۔ بلکہ اب تو پہلے کی نسبت اور بھی وسعت اختیار کر گیا ہے حتی کہ جنوبی نائیجیریا کے اس علاقہ میں بھی داخل ہو گیا ہے جہاں پر عیسائی حکومت کا تسلط ہے۔اس علاقے میں احمدیہ فرقہ کے لوگ پھیل گئے ہیں اور وہاں وہ اپنا دین اسلام پھیلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں، نیز وہاں پر انہیں عیسائی مبلغین پر واضح برتری حاصل ہو گئی ہے۔

زندہ اور بیدار فرقہ

۞......رسالہ ''التمدن الإسلامی'' دمشق نے لکھا:

''اسلام کی طرف منسوب ہونے والے تمام فرقوں میں سے صرف قادیانی فرقہ ہی زندہ اور بیدار فرقہ ہے اس فرقہ کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ نہیں لیکن اس کے یورپ اور مشرق میں پھیلے ہوئے تبلیغی مشن ،مساجد اور مدارس دیکھنے سے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ سچا اور مخلص مومن کون ہے اور کاذب کون؟''

۞......رسالہ ''العرفان'' نے لکھا:

تبلیغ واشاعت اسلام سے متعلق جماعت احمدیہ کی جدو جہد کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ اعلائے کلمہء اسلام کا عظیم الشان کام کر رہی ہے۔

(العرفان ذوالقعدہ ذوالحجہ 1358ھ)

احیاءشریعت کے لئے کوشاں

❁...... احمد درویش زقزق شام نے 1946ء میں احمدی داعیان کی تبلیغی مساعی کے بارے میں لکھا:۔

''خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مَیں موجودہ زمانہ میں وہ پہلوان پاتا ہوں جو اسلامی شریعت کے احیاء کے لئے کمربستہ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی نصرت کر رہے ہیں۔''

''الصراط المستقیم'' (بغداد) نمبر 126 نے 1947ء میں لکھا۔

”لم يستطع المسلمون نشر صحيفة واحدة بلغة أفرنجية تبين حقائق الدين الإسلامى ولم يتمكن المسلمون إلى اليوم من تأسيس مسجد أو جمعية فى بلد من بلاد أوروبا، مع أن القاديانيين الأحمديين أسسوا مساجد كثيرة فى كثير من بلاد أوروبا وأمريكا ولهم جمعيات فى تلك البلاد وهم ينشرون صحفا كثيرة باللغة الإنجليزية وغيرها۔“

''مسلمانان عالم آج تک یورپین زبان میں دین اسلام کے حقائق پر مشتمل ایک اخبار بھی شائع نہیں کر سکے۔ انہیں آج تک یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ یورپ کے کسی شہر میں مسجد یا مشن کی بنیاد رکھیں۔ لیکن قادیانی احمدیوں نے امریکہ اور یورپ میں بہت سی مساجد تعمیر کی ہیں ان ممالک میں ان کے کئی مشن ہیں۔ انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں ان کے اخبارات بھی جاری ہیں''۔

❁......اخبار''آخر دقيقه'' دمشق (بابت 18 ربیع الاول 1322ھ) نے لکھا ہے کہ:

''احمدیوں کی نسبت سب کو معلوم ہے کہ وہ دنیا بھر میں تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں۔ احمدی ہمیشہ مذہبی گفتگو کرنے کے لئے تیار اور مخالفین اسلام کو ساکت کرنے اور ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کے لئے کمربستہ رہتے ہیں۔''

احمدی مبلغین کو خراج عقیدت

❁...... مجلة الأزهر الشريف نے اپنے شمارہ الجزء الرابع ربیع الثانی 1365ھ میں

یورپ میں تبلیغی جہاد کے لئے جانے والے مبلغین کرام کی آمد پر لکھا:

”وصل إلى لفربول تسعة من المبشرين المسلمين يلبسون العمامة والملابس الشرقية قادمين من بومباى وقد اعتزموا أن يشتركوا مع فريق آخر من العلماء وصلوا من قبل إلى بريطانيا أن ينشروا الدين الإسلامى فى الجزرالبريطانية والقارة الأوروبية۔ وكلهم من طائفة الأحمدية، وسيخصص ثلاثة من هؤلاء العلماء لبريطانيا ومثلهم لألمانيا واثنان لفرنسا وآخران لإسبانيا ومثلهما لإيطاليا۔“

لیورپول میں نومسلم مبلغین پہنچے ہیں جنہوں نے پگڑیاں اور مشرقی لباس زیب تن کیا ہوا ہے، اور سب کے سب بمبئی سے تشریف لائے ہیں۔ یہ نو مبلغین قبل ازیں تشریف لانے والے دیگر علماء کے ساتھ مل کر جزائر برطانیہ اور یورپ میں دین اسلام کی تبلیغ کے کام کے لئے پُرعزم ہیں۔ سب کے سب مبلغین کا تعلق احمدیہ فرقہ سے ہے۔ ان میں سے تین علماء برطانیہ میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں گے جبکہ تین جرمنی میں، دو فرانس میں اور دو دو ہی سپین اور اٹلی میں تشریف لے جائیں گے۔

۞......اسی طرح کے ایک تبلیغی وفد کے بارہ میں مصر کے ایک جریدہ ”أخبار الیوم“ نے اپنے شمارہ 68 بتاریخ 26 فروری 1946ء میں لکھا:

”وفد على أوروبا ثلاثة عشر مسلمًا هنديا ليبشروا أوروبا بدين الإسلام وليبشروا أهل هذه القارة التى هدمتها وأشقتها المادية العمياء بهذه الديانة الروحية السمحة ويتألف هذا الوفد من جماعة من الشباب المؤمن بدينه المتحمس لنشره وأكبرهم سنا فى الرابعة والأربعين۔ وينزل هذا الوفد ضيفا على مولانا شمس إمام مسجد لندن۔ وهو هندى مسلم تبحر فى دراسة الإسلام وقام على رعاية شؤون الإسلام فى بريطانيا وأمكن أن يحول نفرا من الإنجليز بعضهم من البارزين المثقفين إلى الدين الإسلامى۔۔۔۔وتبدى الدوائر الدينية فى أوروبا اهتماما خاصا

بهذه الحركة التى لم يسبق لها مثيل ويبدو أنهم يخشون أن تنجح فى تحويل عدد كبير من أبناء أوروبا إلى الدين الإسلامى فى وقت تزعزعت فيه عقيدة كثيرة من الناس حتى اضطرت الكنيسة الإنجليزية أن ترصد مليونا من الجنيهات للتبشير بالمسيحية بين أهل بريطانيا أنفسهم۔"

تیرہ ہندوستانی مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد اہل یورپ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے کیلئے پہنچا ہے، تاکہ اس براعظم کو جسے اندھی مادیت نے روحانی طور پر پاش پاش کر دیا ہے اسلام کی دینی روحانی اور تحمل ورواداری پر مشتمل تعالیم کی تبلیغ کریں۔ یہ وفد نوجوان مبلغین پر مشتمل ہے جو اپنے دین کی تبلیغ کے لئے پر جوش ہیں۔ان میں سے سب سے بڑے ممبر کی عمر 44 سال ہے۔ یہ وفد مولانا شمس صاحب امام مسجد لندن کے ہاں مہمان کے طور پر ٹھہرے گا جنہوں نے اسلامی تعلیمات کا نہایت گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہوا ہے اور برطانیہ میں اسلامی امور کی انجام دہی کے فریضہ پر مامور ہیں۔ آپ برطانیہ میں انگریزوں کی ایک جماعت کو دین اسلام سے روشناس کرانے میں کامیاب ہوئے ہیں جن میں سے کئی نامور تعلیم یافتہ شخصیات بھی ہیں۔

یورپ کے دینی حلقوں میں اس بے نظیر جماعت (احمدیت) کو بہت اہمیت اور خاص مقام دیا جا رہا ہے۔اور ایسے لگتا ہے کہ اہل یورپ اس بات سے خائف ہیں کہ کہیں یہ جماعت بڑی تعداد میں یورپین لوگوں کو دین اسلام میں داخل نہ کر لے، خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اکثر لوگوں کے عقیدہ کو زبردست دھچکا لگا ہوا ہے حتی کہ انگریزی کلیسا کو کئی ملین سٹرلنگ پونڈ اہل برطانیہ میں ہی عیسائیت کی تعلیم وتبلیغ کے لئے مختص کرنے پڑے ہیں۔

۞......اخبار ''الجزیرہ'' عمان (اردن) مورخہ 12/جون 1949ء لکھتا ہے:

"نرى من واجبنا الاعتراف بنشاط دعاة الحركة الأحمدية وما يبذلون من الجهود فى سبيل نشر الديانة الإسلامية ولا سيما فى مجاهل أفريقيا وأواسطها وفى أمريكا۔"

''ہم اس بات کا اعتراف کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے مبلغین بڑی ہمت اور تندہی سے اپنا کام کرتے ہیں اور اسلام کے پھیلانے کے لئے بہت جدوجہد کر رہے ہیں۔

افریقہ کے غیر آباد علاقوں اور وسط افریقہ اور امریکہ میں تو ان کی یہ کوششیں اور بھی زیادہ ہیں۔''

۞...... اخبار ''الفتح'' قاہرہ نے اپنے شمارہ بتاریخ 30 ربیع الثانی 1351ھ میں اُمیر عادل ارسلان کا مضمون شائع کیا جس میں انہوں نے لکھا:

''أما القاديانية فهم كمبشرين البروتستانت والكاثوليك ذوو نشاط وغيرة دينية وقد رأيت بعض دعاتهم فى الولايات المتحدة وعلمت أن أتباعهم لا يقلون عن مئتَى ألف ولو كان دعاتهم بيض اللون لبلغ أتباعهم الملايين ولكن هنود سود، واللون فى أمريكا هو كل شيء۔''

جہاں تک قادیانی فرقہ کا تعلق ہے تو وہ عیسائی فرقوں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کی طرح بہت فعال اور دینی غیرت رکھنے والے ہیں۔ مَیں امریکا میں ان کے بعض مبلغین سے ملا ہوں اور ان سے مجھے معلوم ہوا کہ انکی تعداد دو لاکھ سے کم نہیں ہے۔ اگر ان کے مبلغین سفید فام ہوتے تو آج ان کے پیروکاروں کی تعداد ملینز تک پہنچ چکی ہوتی۔ لیکن انڈین تو سیاہی مائل رنگ کے ہوتے ہیں جبکہ امریکا میں تو رنگ ہی سب کچھ ہے۔

۞...... نیویارک سے عربی زبان میں شائع ہونے والے اخبار ''البیان'' نے اپنی 17 مئی 1932ء کی اشاعت میں صوفی مطیع الرحمٰن بنگالی صاحب کے بارہ میں لکھا:

''إن سماحة المفتى صوفى مطيع الرحمن البنغالى أحد دعاة الأحمدية فى شيكاغو قد زار مؤخرا بعض المدن الأمريكية ......وألقى عدة محاضرات على ألوف من الناس فى نواديها فى موضوع الدين الإسلام وكان الإقبال على سماع محاضراته عظيما وأسفرت نتيجة مساعيه التبشيرية عن نجاح كبير حيث اعتنق الإسلام ثمانية عشر رجلا على يده۔''

جناب صوفی مطیع الرحمٰن بنگالی صاحب جو کہ احمدیت کے مبلغین میں سے ایک ہیں نے پچھلے دنوں امریکہ کے بعض شہروں کا دورہ کیا...... اور ان شہروں کے مختلف کلبوں اور مجالس میں کئی ہزار افراد کے مجمعوں میں دین اسلام کے موضوع پر کئی لیکچر دیئے۔ انکے لیکچر سننے کے لئے آنے والوں کا جوش قابل دید تھا۔ انکی تبلیغی کوششیں بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت

ہوئیں چنانچہ اس دورہ کے دوران 18 افراد ان کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

انگریزی و جرمن ترجمہ قرآن کریم اور عربی اخبارات کا خراج تحسین

۞......مشہور اخبار ''النصر'' میں لکھا ہے کہ:

''جماعت احمدیہ نے امریکہ اور یورپ کے براعظموں میں ثقافت اسلامیہ کی اشاعت کا نمایاں کام کیا ہے اور یہ کام لگاتار مبلغین کی روانگی سے ہو رہا ہے اور مختلف کتب و اشتہارات کی اشاعت سے بھی جن کے ذریعہ فضائل اسلام اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بیان کیا جاتا ہے۔

ہمیں قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ دیکھ کر بہت ہی خوشی ہوئی ہے یہ ترجمہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زیرنگرانی کیا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن مجید جاذب نظر اور ناظرین کے لئے قرۃ العیون ہے۔ یہ ترجمہ بلند پایہ خیالات کا حامل ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ ہے قرآنی آیات ایک کالم میں درج ہیں اور دوسرے کالم میں بالمقابل ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بعدازاں مفصل تفسیر کی گئی ہے۔ مطالعہ کرنے والا ان تفاسیر جدیدہ میں مستشرقین اور یورپین معاندین کے اعتراضات کے مفصل جوابات پاتا ہے...... یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اس ترجمہ کے ساتھ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی تحریر فرمائی ہے اور یہ سیرت و ترجمہ بے نظیر ہیں۔

(روزنامہ ''النصر'' 16 ستمبر 1948ء)''

۞......''الاخبار'' (دمشق) نے مندرجہ ذیل عنوان سے خبر شائع کی:۔

''جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔''

(الفضل 28 نبوت 1327 ہش بمطابق 28 نومبر صفحہ 5 سے ماخوذ از مضمون شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 675-676)

۞......اخبار ''وكالة الأنباء العربية'' نے لکھا:

''والترجمة الإنكليزية تفوق كل ترجمة سبقتها من حيث الإتقان وجودة الورقة والطبع والانسجام وصدق الترجمة الحرفية وتفسيرها تفسيرا مسهبا بأسلوب جديديدل على علم

غزيز وإطلاع واسع على حقائق الدين الإسلامى الحنيف وتعاليمه السامية۔

والكتاب الثمين فى مجموعه دفاع عن الإسلام وردٌّ على خصومه وخاصة المستشرقين، يبطل مزاعمهم بأسلوب علمى رائع---

ومما يجدر ذكر ہ بأن المسز "زمرمان" الكاتبة الهولندية المعروفة قامت بترجمة القرآن المجيد من الإنكليزية إلى الهولندية وما كادت تفرغ من ترجمتها حتى كانت قد اعتنقت الإسلام۔"

(''وكالة الأنباء العربية'' عمان والقاہرة عدد 1/205 تاریخ 6/2/1949)

یعنی یہ انگریزی ترجمہ، ترجمانی کی اعلیٰ درجہ کی مہارت، طباعت کی نفاست اور چھپائی کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ کی کوالٹی، لفظی ترجمہ کی صحت اور اصل نص کے مفہوم کے ساتھ موافقت، نیز جدید انداز کی مفصل تفسیر کے لحاظ سے گزشتہ تمام تراجم پر سبقت لے گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ مترجم کے گہرے علم اور دین اسلام کے حقائق اور اس کی بلند مرتبت تعلیمات کے بارہ میں وسعت اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔

یہ نہایت قیمتی کتاب مجموعی طور پر اسلام کے دفاع سے عبارت ہے اور دشمنان اسلام اور مستشرقین کے اعتراضات کا اعلیٰ پیرایہ اور علمی انداز میں ردّ اور بطلان ہے......۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہالینڈ کی معروف مصنفہ مسز زمرمان جب ڈچ زبان میں اسکا ترجمہ کرنے لگیں تو ترجمہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی وہ مسلمان بھی ہوگئیں۔

اخبار ''الأردن'' نے لکھا:

"بدأ الناس يعجبون (بالرغم من أنهماكهم فى أمور دنياهم) بنشاط الحركة الأحمدية وجهادها لنشر الإسلام فى القارات الخمس۔ ومن أعظم ما قام به الأحمديون فى السنوات التى تلت الحرب ترجمتهم القرآن المجيد للغات الأجنبية الحية كالإنكليزية والألمانية والأفرنسية والروسية والإيطالية والأسبانية وغيرها، تحت إرشاد إمام الجماعة الأحمدية حضرة ميرزا بشير الدين محمود أحمد---

وإن المطالع لهذا التفسير الجديد يرى أن حضرة إمام الجماعة الأحمدية فى دفاعه عن الإسلام إنما يدافع عن الدين الحيّ الذى يجد الناس كافة فيه السبيل القاصد للقاء ربهم وخاصة فى الوقت الذى تعددت الطرق على السالكين فابتعدوا بها عنه---

ولإتمام الفائدة ألحق هذه الترجمة النفيسة بسيرة مسهبة للنبى ﷺ بقلمه، فجا ء ت هذه السيرة غاية فى الإتقان والأسلوب والمواضيع"۔

(''الأردن'' عمان تاریخ21/11/1948)

لوگ اپنے دنیاوی امور میں مصروف ومشغول ہونے کے باوجود جماعت احمدیہ کی مساعی اور پانچوں براعظموں میں اسلام پھیلانے کے سلسلہ میں اسکے جہاد کو سراہنے لگے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد جماعت احمدیہ کے بڑے بڑے کاموں میں سے ایک عظیم کام جماعت کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے زیرنگرانی قرآن کریم کا کئی عالمی زبانوں میں ترجمہ وتفسیر ہے۔ جن میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی، روسی، اطالوی، سپینش وغیرہ شامل ہیں۔

اس نئی تفسیر کا مطالعہ کرنے والا ضرور دیکھے گا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ اسلام کے دفاع میں درحقیقت اس زندہ دین کا دفاع کررہے ہوتے ہیں جو تمام انسانیت کو اپنے رب سے وصال کے طریق بتاتا ہے، خصوصًا ایسے وقت میں جبکہ سالکین کے متعدد طریق سامنے آئے ہیں جن پر چل کر وہ درحقیقت زندہ خدا سے قریب ہونے کی بجائے دور ہو گئے ہیں۔

مترجم نے فائدہ عام کی خاطر اپنے قلم سے اس نفیس ترجمہ کے ساتھ مفصل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل کر دی ہے۔ جو مہارت و باریک بینی، مسحور کن انداز اور ترتیب مواضیع کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی سیرت کہلانے کی مستحق ہے۔

۞......'جامعۃ الأزہر'' کے زیرنگرانی شائع ہونے والے ''مجلۃ الأزہر'' نے ''نقد الکتب۔ القرآن المقدس'' کے عنوان کے تحت ڈاکٹر محمد عبداللہ ماضی کا جماعت کے تراجم قرآن کریم پر ریویو شائع کیا ہے' جسکا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

"هذه الترجمة أو هذا الكتاب يحتوى على مقدمة مفصلة وعلى

ترجمة معانی القرآن باللغة الألمانیة۔ والمقدمة کتبها رئیس الطائفة الأحمدیة الحالی حضرة میرزا بشیر الدین محمود أحمد۔

أما الترجمة نفسها فقد اختبرتها فی مواضع مختلفة وفی کثیر من الآیات فی مختلف السور، فوجدتها من خیرالترجمات التی ظهرت للقرآن الکریم فی أسلوب دقیق محتاط، ومحاولة بارعة لأداء المعنی الذی یدل علیه التعبیر العربی المنزّل لآیات القرآن الکریم۔ وقد نبّه المترجم إلی أنه لیس فی الاستطاعة نقلُ ما یؤدیه الأسلوب العربی المحکم من الروعة البلاغیة وسمات الإعجاز التی هی من خصائص القرآن إلی لغة أخری، فهی خصائص انفرد بها کتاب الله المنزل فی أسلوبه العربی الذی نزل به من عند الله علی نبیه المرسل، والذی لا تبدیل فیه ولا تحریف، فهو یمثل کلام الله فی معناه وفی مبناه۔ ولهذا فمن باب الاحتیاط جُعل النص العربی بجوار الترجمة الألمانیةحتی یستطیع القارئ أن یقارن ویختار بنفسه المعنی الذی تطمئن نفسه إلی صحته۔

وعلی وجه الخصوص اختبرتُ ترجمة الآیات التی تتعلق بالقتال والجهاد فی سبیل الله بحثا عما عساه یکون قد ضمّن الترجمة مما یتصل بما یراه الأحمدیه فی الجهاد ویخالفون به جماعة المسلمین حیث إنهم یقولون: ”إن الجهاد یجب ألا یقوم علی امتشاق الحسام بل یجب أن یقوم علی وسائل سلمیة۔۔۔۔

اختبرت ترجمة هذه الآیات المشار إلیها فوجدتها سلیمة لا تتضمن أدنی الإشارت إلی هذا الذی کنت أخشی أن تتضمنه۔

وفی المقدمة أورد کاتبها بحوثا إسلامیة فلسفیة قیمة وقسمها إلی قسمَین: تحدث فی القسم الأول منها عن حاجة البشریة التی اقتضت نزولَ القرآن وبین أن الإسلام کان من تعالیمه

وحدة الإله، وكان من عوامل توحيد البشرية۔ فذكرأنه لما ارتقت البشرية وأصبح الناس على اتصال يكوّنون جماعة واحدة ، أصبحوا فى حاجة إلى تعاليم سماوية شاملة، تشمل الناس جميعا، وتصلح لهم فى كل زمان ومكان، وتدلّهم على قدرة الله وعظمة رب الناس كافة، فكان القرآن هو الذى أدى تلك الرسالة جميعها۔۔۔

وفى القسم الثانى من المقدمة كان الحديث عن بناء القرآن فذكر المؤلف ما سبق أن تعرض له من بيان أن القرآن هو الكتاب المقدس الذى يمثل كلام الله المنزل والذى حفظه الله من كل تحريف وتبديل، وتحدث فى هذاالصدد عن المحافظة على القرآن بكل الوسائل المختلفة فى عهد الرسول من كتابة الوحى وتقييده ومن وعى الحفاظ له۔ وتحدث كذلك عن ترتيب الآيات والسور مبنيا أن ذلك كان بوحى من الله نزل على نبيه۔۔۔۔۔وإذا صرفنا النظر عن بعض التلميحات العامة غير الصريحة المتصلة بمذهب الأحمدية فى الجهاد۔۔۔فإننا نجد أن المقدمة بقسميها اشتملت فى الجملة على بحوث إسلامية رائعة ونقلت صورة من الأفكار والتعاليم الإسلامية المتعلقة بالقرآن فى ثوب وإطار إسلامى إلى اللغة الألمانية۔۔۔

ولكن نعم ولكن ، مع الأسف الشديد ختمت هذه المقدمة بفصل عن المسيح المنتظر(مرزا غلام أحمد)۔۔ وحبذا لو كان من المستطاع فصل هذا الجزء الأخير عن الترجمة وعن المقدمة، والعمل على نشرهادون هذا الجزء فإنه لو أمكن ذلك لكان فيه خير كثير۔“

(مجلة الأزهر الجزء الثامن،المجلد الثلاثون القاهرة فبراير سنة ١٩٥٩)

یہ ترجمہ یا یہ کتاب ایک مفصل مقدمہ اور جرمن زبان میں ترجمہ وتفسیر قرآن پر مشتمل

ہے۔ یہ مقدمہ جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کا رقم فرمودہ ہے۔

جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے تو میں نے مختلف سورتوں کی بہت سی آیات کے ترجمہ کو مختلف مقامات پر چیک کیا ہے اور اسے قرآن کریم کے منظر عام پر آنے والے جملہ تراجم میں سے بہترین ترجمہ پایا ہے جو نہایت باریک بینی اور احتیاط سے کیا گیا ہے، اور قرآن کریم کی نازل شدہ آیات کے عربی محاورہ کا قریب ترین مفہوم ادا کرنے کی ایک قابل قدر کوشش ہے۔ مترجم نے اس بات کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا ہے کہ عربی زبان کے نہایت محکم اور غایت درجہ کے بلاغت اور اعجاز کی خصوصیات کے حامل محاورہ کا من وعن ترجمہ دوسری زبان میں ادا کرنا تقریبا محال ہے۔ کیونکہ یہ وہ خصوصیات ہیں جو عربی زبان و اسلوب میں خدا کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے قرآن کریم کا ہی خاصہ ہیں جس میں نہ کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے نہ تحریف، کیونکہ وہ لفظاً ومعنیً خدا کا کلام ہے۔ اس بات کے پیش نظر جرمن ترجمہ کے ساتھ قرآن کریم کی عربی نص کو بھی رکھا گیا ہے۔ تا کہ پڑھنے والا خود ہی موازنہ کر کے وہ معنی اخذ کر لے جس کی صحت کے بارہ میں اسکی طبیعت میں اطمینان پیدا ہوتا ہو۔

میں نے ان آیات کا ترجمہ بالخصوص چیک کیا جو قتال اور جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق ہیں، کہ شاید اس ترجمہ میں ایسے افکار کی آمیزش ہو جو جماعت احمدیہ جہاد کے بارہ میں رکھتی ہے اور جس میں جماعت احمدیہ تمام مسلمانوں سے اختلاف رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ جہاد تیر وتفنگ سے نہیں بلکہ پرامن وسائل کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ان مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ چیک کیا تو اسے بالکل درست پایا اور اس میں جس بات کا مجھے ڈر تھا اسکا ادنیٰ اشارہ بھی نہ پایا۔

مقدمہ میں مؤلف نے فلسفیانہ رنگ میں بلند پایہ اسلامی بحوث درج کی ہیں اور اسے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں سے پہلی قسم میں دنیا کی اس طبعی ضرورت کا بیان کیا ہے جو نزول قرآن کی متقاضی تھی۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلام کی تعالیم کا جزو اعظم خدا تعالیٰ کی وحدانیت ہے جو کہ تمام بنی نوع انسان کی توحید کا ضامن ہے۔ اور جب انسانی ارتقاء ہوا تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار کرنے لگے اور ایک جماعت کی تشکیل کے لئے کوشاں ہو گئے۔ چنانچہ ایسی صورت میں وہ ایک مکمل آسمانی تعلیم کے محتاج تھے جو تمام انسانوں کے لئے ہو اور ہر زمان ومکان کے لئے ہو۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسکی

عظمت پر اطلاع دے۔ چنانچہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس نے ان تمام ضرورتوں کو پورا کیا اور یہ کام سرانجام دیا۔

مقدمہ کی دوسری قسم میں مؤلف نے قرآن کریم کی محکم بناوٹ اور گزشتہ کتب اور انکی حالت کے بارہ میں ذکر کیا ہے۔اور یہ کہ قرآن کریم ہی وہ مقدس کتاب ہے جو درحقیقت خدا تعالیٰ کا نازل ہونے والا کلام ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے محفوظ رکھا ہے۔اس ضمن میں مؤلف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد باسعادت میں مختلف وسائل سے قرآن کریم کے محفوظ رہنے کا ذکر بھی کیا ہے جن میں کتابت وحی اور مختلف حفاظ کے ذریعہ اسکا محفوظ ہونا شامل ہے۔اسی طرح ترتیب آیات وسور کے ضمن میں مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی کے مطابق تھا۔

اگر ان بعض خفیف اور غیر واضح قسم کے اشارات سے صرف نظر سے کام لیا جائے جو احمدیت کے تصورِ جہاد سے متعلق ہیں تو ہمارا خیال ہے کہ یہ مقدمہ اپنی دونوں اقسام کے ساتھ نہایت مفید اور بے مثال اسلامی بحوث پر مشتمل ہے اور جرمن زبان میں قرآن کریم سے متعلق اسلامی تعالیم اور افکار کی ایک حسین صورت پیش کرتا ہے............۔

ہاں مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ مقدمہ آخر پر مسیح منتظر (مرزا غلام احمد) کے بارہ میں ایک باب پر ختم ہوتا ہے............اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس باب کو اس ترجمہ اور مقدمہ سے الگ کر کے شائع کیا جاتا۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ بہت ہی مفید ہوتا۔

احمدیت اسلام کا روشن مستقبل

۞......رسالہ ’’ھافوعیل ما تصعیر‘‘ ’’تل ابیب‘‘ نے 25/مارچ 1953ء کو لکھا:

”لا شك أن للأحمدية فی تاريخ الإسلام فضل“

یعنی بلا شبہ تحریک احمدیت کو تاریخ اسلام میں خصوصی مقام حاصل ہے۔

۞......الحاج عبد الوہاب العسکری (بغداد کے صحافی) لکھتے ہیں:

’’جماعت احمدیہ نے دین اسلام کی جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ان میں تبلیغی لحاظ سے وہ ساری دنیا پر فوقیت حاصل کر چکے ہیں۔...... یہ لوگ اعلائے کلمۃ الدین کے لئے ہر قسم کے ممکن ذرائع اختیار کرتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے کارناموں میں سے محکمہ تبشیر ایک بہت

بڑا کارنامہ ہے نیز وہ مسجدیں ہیں جو انہوں نے امریکہ ، افریقہ اور یورپ کے مختلف شہروں میں بنائی ہیں اور یہ وہ سنت ناطقہ ہے جس کو لے کر وہ کھڑے ہوئے ہیں اور اسی کے ذریعہ اسلامی خدمات بجا لا رہے ہیں۔ بلا شبہ جماعت احمدیہ کے ہاتھوں اسلام کا مستقبل اب روشن ہو گیا ہے۔''

(ماخوذ از مجلۃ البشری مجلد 46 مارچ 1989، تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 532-533)

عبدالوہاب العسکری کی ربوہ میں آمد

الحاج الدکتور عبدالوہاب العسکری (ایڈیٹر ''السلام البغدادیہ'') کا ذکر چلا ہے تو آپ کے ربوہ میں تشریف لانے اور کچھ دیر قیام کرنے کے بارہ میں بھی مختصرا یہیں پہ کچھ درج کرتے جاتے ہیں۔آپ عراق کی طرف سے مؤتمر عالم اسلامی کے نمائندہ تھے۔ 1951ء کے شروع میں سلسلہ احمدیہ کے جدید مرکز ربوہ میں تشریف لائے۔ 24/جنوری کو جامعۃ المبشرین میں آپ کے اعزاز میں ایک اہم جلسہ منعقد کیا گیا۔جس کی صدارت شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ دمشق نے کی۔اس جلسہ میں الدکتور عبدالوہاب العسکری نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''تقسیم ملک کے بعد جو تباہی آئی اس سے جس طرح دوسرے مسلمان محفوظ نہیں رہے آپ لوگ بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے۔لیکن اتنی بڑی تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد اس علاقہ میں آپ جس قسم کی جدو جہد کر رہے ہیں اور اپنی زندگی کا جو ثبوت آپ لوگوں نے پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے قابل تقلید ہے اور مَیں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔سبقت کی جو روح آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے اور آپ جس تیز رفتاری سے ترقی کر رہے ہیں بلاشک یہ حضرت صاحب المقام الجلیل امام جماعت احمدیہ کی خاص توجہات کا نتیجہ ہے۔''

پھر کہا:۔

''مَیں نے آپ کی جماعت کو بہترین جماعت پایا ہے جو نیکی کا حکم دیتی ہے نماز قائم کرتی ہے زکوٰۃ دیتی ہے۔خدا تعالیٰ نے جو کچھ انہیں دیا ہے خرچ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رستہ میں جہاد کرتی ہے۔ان صفات کی مالک جماعت اس لائق ہے کہ اس کا مستقبل شاندار اور روشن ہو کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے۔'' (الفضل 7 تبلیغ 1330 ہش صفحہ 4)

(وطن جانے کے بعد الدکتور عبدالوہاب العسکری نے اپنی کتاب ’’مشاہداتی فی سماء الشرق‘‘ میں بھی یہی رائے ظاہر کی۔ ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد نمبر 8 صفحہ 140)

کل اور آج میں فرق

ایک وقت تھا جب جماعت احمدیہ کا دفاع اور جہاد اور اسلام کی اشاعت کی مساعی کو قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس وقت جماعت احمدیہ کے ان تراجم قرآن کے بارہ میں علماء یہ رائے رکھتے تھے کہ اس سے بہتر ترجمہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اور یہ تفسیر درحقیقت اسلام کے حقیقی دفاع سے عبارت ہے۔ شاید اس وقت انکے پاس اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہ تھا کہ ان تراجم وتفاسیر کے ساتھ مسیح موعود علیہ السلام مرزا غلام احمد قادیانی کا ذکر نہ کیا جائے۔

اب سوچنے کا مقام ہے کہ کیا جماعت احمدیہ نے اپنا طریق تبلیغ بدل لیا ہے، یا نعوذ باللہ اسلام کی بجائے کسی اور دین کی اشاعت کرنے لگی ہے؟ کیونکہ اگر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو یہی علماء آج انہی تراجم قرآن کو تحریف، اسی اشاعت اسلام کو تضلیل، اور اسی دفاع اسلام کو نئے دین کا پرچار کیوں قرار دے رہے ہیں۔

جب کوئی منصف حقائق کے آئینے میں ان امور کا تجزیہ کرتا ہے تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ محض حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی عداوت میں ان لوگوں نے حقائق کو مسخ کیا، جنون کو عقل اور عقل کو جنون قرار دیا، اور اسلام کی سرحدوں کے محافظوں کو غدار کہنے کی جسارت کی ہے۔ ان سے پہلے لوگوں میں کسی قدر حیا اور حقیقت پسندی اور انصاف کا پاس تھا۔ اس لئے انکے تبصرے کسی قدر حقیقت پر مبنی تھے۔ بعد میں آنے والوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور عداوت کے پردے ڈال کر حقائق سے پہلو تہی اختیار کی ہے جس کی وجہ سے صوابِ رائے سے محروم ہوگئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے:

أنظر إلى أقوالهم و تناقض
سلب العناد إصابة الآراء

تو ان کی باتوں اور ان میں موجود تضاد کو دیکھ کہ کس طرح دشمنی نے ان سے درست رائے سلب کر لی ہے۔

قضیہ فلسطین سے متعلق چند اور امور

چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی خدمات کا ذکر پاکستانی پریس میں

مسئلہ فلسطین میں جماعت احمدیہ کی خدمات اور عربی اخبارات میں جماعت احمدیہ کی مساعی کی پذیرائی کے بیان کے بعد اب ہم اس عرصہ اور اس کے بعد کے بعض اور واقعات اور تاریخی حالات کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانان فلسطین کی حمایت میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان کی دھوم سارے عالم اسلام میں مچی ہوئی تھی۔ اس تعلق میں پاکستانی پریس کی چند خبریں بطور نمونہ یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(1) لندن یکم جون (اسٹار) لبنانی سفیر ڈاکٹر وکٹر خوری نے لیک سیکس سے واپسی پر مجلس اقوام میں عرب مقاصد سے پاکستان کی ہم آہنگی پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا:

چودھری ظفر اللہ خاں ایک بیش قیمت اور قابل ساتھی ہیں۔

(''انقلاب'' لاہور 3 1/جولائی 1949ء صفحہ 4)

(2) پیرس سٹار نیوز ایجنسی ۲۰ ستمبر: پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں کا نام یہاں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کے لئے بہت زور دار طریقے سے لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے کہ ان کا درجہ دنیا کے بہترین پارلیمنٹری سیاست دانوں میں قائم ہو گیا ہے۔ لیگ آف نیشن میں ان کے تجربے کا بھی بہت سے لوگوں کو احساس ہے۔

ان کے سب سے زیادہ حامی عرب اقوام کے وفود ہیں۔ وہ ان کے لئے اپنے تمام ووٹ

دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دیگر ممالک کے ووٹ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ خاص طور پر لاطینی امریکہ کے ممالک کے ووٹ حاصل کئے جائیں گے۔

(''انقلاب'' لاہور 22 ستمبر 1948ء صفحہ 6 کالم 3 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 121-122)

حضرت مصلح موعود کا اہم پیغام فلسطینی احمدیوں کا نام

حضرت مصلح موعودؓ نے 15 مئی 1948ء کو رتن باغ کے مشاورتی اجلاس میں ارشاد فرمایا کہ:

''شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ تنگی کے دن ہیں صبر سے گزار لیں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں۔

(تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 122)

اسرائیلی تسلط میں جماعت احمدیہ کبابیر کا مضبوط عزم و ہمت

1948ء کا سال احمدیہ مشن فلسطین کی تاریخ میں انتہائی پرفتن اور پر ابتلاء تھا۔ ارض مقدس میں بڑی بڑی طاقتوں کی سازش نے مسلمانان فلسطین کے سینے میں اسرائیلی حکومت کا خنجر گھونپ دیا۔ ایسے حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ فلسطین کی توفیق بخشی کہ اس نے نہایت جانبازی اور سرفروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کا جھنڈا اس علاقہ میں بلند رکھا اور اس کے مرکز حیفا کی مسجد میں پنجوقتہ اذانوں کی گونج سنائی دیتی رہیں۔

مارچ 1948ء سے ستمبر 1948ء تک یہاں قیامت برپا رہی۔ یہاں کے دس لاکھ مسلمان عربوں میں سے ساڑھے آٹھ لاکھ مسلمان عرب جلاوطن اور بے خانماں ہوکر پڑوس ممالک میں پناہ گزین و خیمہ زن ہوگئے اور عیسائی دنیا کی خیرات اور اسلامی ممالک کے صدقات پر بسر اوقات کرنے لگے۔

جولائی سے نومبر تک یہودیوں نے جلیل وغیرہ کے علاقوں میں بالائی ہدایتوں کے مطابق جنگ جاری رکھی۔ اور سابقہ فلسطین کا 2/3 سے زیادہ حصہ یہودیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

ماہ جون 1948ء میں یہودیوں نے اسرائیل کی پہلی مردم شماری کی۔ اس وقت ملک اسرائیل میں پچیس ہزار کے قریب غیر یہودی تھے۔ جن میں سے دس ہزار کے قریب عرب

تھے اور باقی دیگر غیر ملکی تھے اور یہ اس علاقہ کا حال تھا جہاں نومبر 1947ء میں ساڑھے چار لاکھ عرب رہتے تھے!!!

گزشتہ حکومت نے مارچ 1948ء میں سلسلہ آمدورفت ورسل ورسائل بند کردیا تھا۔ ریلیں بند کردی تھیں اور سب لوگوں کو (سوائے یہودیوں کے جنہوں نے گزشتہ حکومت میں ایک یہودی حکومت بنا رکھی تھی) اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں محصور کردیا تھا۔ 15رمئی سے جب یہودیوں نے حکومت اسرائیل قائم کرنا شروع کردی، غیر یہودیوں کو اپنی اپنی جائے رہائش میں بند رکھا اور ان پر ملٹری رول نافذ کردیا۔ اپنے جائے رہائش سے دوسری جگہ جانے کے لئے ملٹری پرمٹ لینے کا حکم دے دیا۔ پرمٹ دو باتوں کے لئے بعد تحقیقات ملتا تھا۔ کوئی دوسری جگہ ملازمت یا مزدوری کرتا ہو یا قریب ترین خونی رشتہ دار کی ملاقات کے لئے۔

23راپریل 1948ء کو یہودیوں نے حیفا پر بھی قبضہ کرلیا اور 24 اور 25راپریل کو ملحقات حیفا پر بھی تسلط قائم کرلیا۔ چنانچہ جبل کرمل پر واقع عرب آبادی کبابیر بھی ان کے قبضہ میں آ گئی۔ صبح ہوتے ہی چاروں اطراف سے مسلح فوجوں نے محاصرہ کرلیا اور اہل کبابیر کے سامنے دو شرطیں پیش ہوئیں۔ ہجرت کرنا چاہیں تو ہتھیار وغیرہ دے کر ہجرت کرجائیں۔ یہاں رہنا چاہیں تو ہتھیار وغیرہ اور جس قدر سپاہی آپ کے پاس مقیم ہوں وہ ہمارے سپرد کردیں۔ اہل کبابیر نے اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر جانا گوارا نہ کیا بلکہ ارشاد نبوی مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِه وَ عِرْضه فَهُوَ شَهِيْدٌ (جو اپنے مال اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے) پر عمل کرنے کا عزم کرلیا۔ چونکہ اہل کبابیر کے پاس کوئی سپاہی پناہ کیلئے آیا نہ تھا لہذا مغرب تک گوشہ گوشہ کی تلاش وتفتیش کرکے کلیئر قرار دیئے گئے۔

15راگست 1948ء سے جون 1949ء تک سارے اسرائیل میں صرف ہماری مسجد سیدنا محمود سے ہی پانچ وقت اذان بلند ہوتی رہی۔ باقی سب مساجد مہجور ہوگئیں۔

1947ء میں جس قدر عربی اخبارات ورسائل اس ملک میں شائع ہوتے تھے اب ان میں سے صرف ہمارا رسالہ (البشریٰ) ہی تھا جو جاری رہا۔ اگرچہ پہلے بھی سارے فلسطین میں سے کوئی بھی اسلامی دینی رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا مگر اب تو ہر قسم کے رسائل واخبارات وکتب پر بھی قیامت برپا ہوچکی تھی۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 129 تا 131)

خلافت کی اطاعت کی برکات

فلسطینیوں کی جدوجہد کو نقصان پہنچانے والے عوامل میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اکثر فلسطینیوں نے اپنے علاقوں سے ہجرت کرنی شروع کر دی۔ اور جو باقی رہ گئے انہوں نے بھاری رقوم کے بدلے یہودیوں کو اپنی جائیدادیں فروخت کر دیں۔ مہاجر ہو کر جب یہ مظلوم دیگر ممالک میں گئے تو وہاں ان کو خیمہ بستیوں میں رہنا پڑا اور معمولی ماہانہ وظیفہ پر گزارا کرنا پڑا۔ ایسے حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اہل کبابیر کو یہ نصیحت کہ تنگی کے دن ہیں صبر سے گزار لیں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں نہایت پرحکمت تھی۔ اس پر عمل کر کے نہ صرف فلسطینی احمدیوں نے اپنی زمین و جائیداد اپنے قبضہ میں رکھی بلکہ در بدر کی ٹھوکروں سے بھی محفوظ رہے۔ اور اس ملک میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔

اہل کبابیر کی اہل قادیان سے مشابہت

مکرم عبداللہ اسعد عودہ صاحب جماعت احمدیہ کبابیر کے قدیم احمدی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کے جواب میں حضورؓ نے انہیں فرمایا کہ:

”إن أهل الكبابير يتشابهون بأهل قاديان لأن كلا الحزبين مقيم في مركزهم الأول كأنهم نواة خير ينتشر منها ذكر الجماعة في البلاد۔ فلذلك لهم مكانة سامية عند الله، فاحفظوا هذه الدرجة دائمًا۔ كان الله معكم۔“

یعنی اہل کبابیر اہل قادیان سے مشابہت رکھتے ہیں کیونکہ دونوں اپنے پہلے مرکز میں مقیم ہیں۔ اس لحاظ سے دونوں گویا خیر کے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے ارد گرد کے علاقوں میں جماعت کا ذکر پھیل رہا ہے۔ اس لئے دونوں کا اللہ کے نزدیک بڑا مقام ہے۔ پس اس مقام و مرتبہ کا ہمیشہ خیال رکھیں، اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

❁❁❁❁❁

جاہلیت میں اہل عرب کی خوبیاں
(ایک علمی لیکچر)

مئی 1947ء میں شام کے مخلص احمدی مکرم منیر الحصنی صاحب قادیان میں تھے۔اس موقعہ پر آپ نے 21/مئی 1947ء بعد نماز مغرب زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کی خوبیوں کے موضوع پر عربی میں تقریر کی۔جس کے بعد پروگرام کے مطابق دوستوں کو سوالات کا موقع دینا تھا لیکن ان کی تقریر کے بعد چونکہ وقت کم رہ گیا تھا اس لئے دوستوں کو سوالات کا موقع نہ مل سکا۔تاہم 26/مئی کو نماز مغرب کے بعد مجلس عرفان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

السید منیر الحصنی صاحب کا لیکچر تو اُس روز ہو گیا تھا مگر سوالات کا حصہ رہ گیا تھا اِس کے متعلق دوستوں کو اب موقع دیا جاتا ہے اگر دوستوں نے کچھ سوالات کرنے ہوں تو وہ کر سکتے ہیں۔

اس پر تین دوستوں نے سوالات کئے اور معزز لیکچرار نے ان کے جوابات دیئے۔اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نہایت علمی رنگ میں بعض امور بیان فرمائے۔چونکہ ان امور کا عرب ممالک کی سیاسی وادبی تاریخ سے بہت گہرا تعلق ہے اور انکے بعض پہلوؤں پر نہایت بصیرت افروز روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے ہم ان کو مختصراً یہاں درج کر دیتے ہیں۔حضورؓ نے فرمایا:

’’یہ تقریر جو منیر الحصنی صاحب نے کی ہے اِس کا مفہوم یہ ہے کہ عرب کے لوگوں میں قبل از اسلام بھی بعض خوبیاں پائی جاتی تھیں اور جن دوستوں نے اعتراضات کئے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ آیا یہ خوبیاں اُن عربوں میں عام تھیں یا خاص۔اگر یہ خوبیاں ان میں عام پائی جاتی تھیں تو قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم جو ہم لیتے ہیں غلط قرار پاتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ اور اگر وہ خوبیاں خاص خاص لوگوں میں پائی جاتیں تھیں تو کچھ خوبیاں تو قریباً ہر قوم میں ہی پائی جاتی ہیں اور اس وجہ سے عربوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی ......۔

اصل بات یہ ہے کہ منیر الحصنی صاحب شام سے آئے ہوئے ہیں اور اِس وقت شام اور لبنان میں ایک تحریک پیدا ہو رہی ہے جس سے وہ متأثر ہیں اور اسی سے متأثر ہو کر انہوں نے یہ مضمون بیان کیا ہے لیکن اِس امر کو میں بعد میں کسی وقت بیان کروں گا پہلے میں پس پردہ والے حصہ کو لیتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عرب میں کچھ عیسائی آباد ہیں اور کچھ مسلمان، عیسائی کم ہیں اور مسلمان زیادہ ہیں۔ جب عربوں کا ترکوں کے ساتھ اختلاف ہوا اور عربوں نے دیکھا کہ ترک ہمیشہ ہم پر مظالم کرتے آئے ہیں اور انہوں نے ہماری آزادی کی راہ میں رُکاوٹیں ڈالی ہیں تو ان کے اندر حریت اور آزادی کی روح بیدار ہوئی۔ سیاسی طور پر جب کسی ملک میں آزادی کی روح پیدا ہو تو وہ ساری قوموں کے اتحاد کی خواہاں ہوتی ہے۔ جب عربوں کے اندر آزادی کی روح پیدا ہوئی اور اُنہوں نے بِلا لحاظ مذہب وملت ایک ہونا چاہا تو جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف مستقبل کے حالات پر نظر کر کے قومیں ایک نہیں ہوسکتیں بلکہ اتحاد کے لئے ماضی کی روایات پر بھی حصر کیا جاتا ہے اور پُرانی باتوں کو تاریخوں سے نکال نکال کر کہا جاتا ہے کہ ہم ایک ہیں اس لئے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جانا چاہئے ...... اگر ایک قوم اپنے آپ کو الگ قرار دے دے اور دوسری الگ تو اتحاد کس طرح ہوسکتا ہے۔ عرب کے متعصّب عیسائی پادریوں نے جب دیکھا کہ اتحاد کی کوششیں ہو رہی ہیں تو انہوں نے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا اور انہوں نے یہ کوششیں شروع کر دیں کہ عرب چاہے متحد ہو جائے لیکن عیسائیت کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اِسی قسم کے متعدد پادریوں کی بعض کتابیں پڑھی ہیں جن میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عربی زبان اصل میں اریمک یعنی آرامی زبان ہے اور اسی زبان کی مدد سے عربی زبان نے ترقی اور ارتقاء حاصل کیا ہے۔ ان عیسائی مصنفین نے عربی الفاظ اریمك زبان کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً اِستِفْعال کا لفظ ہے، انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ است اریمک لفظ ہے اور اسی سے عربوں نے استفعال بنالیا ہے یا ان اریمك لفظ ہے اور اسی سے عربوں نے اِنفعال بنالیا ہے حالانکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس موضوع پر بحث فرمائی ہے حقیقت یہ ہے کہ

عربی زبان اپنے اندر بہت بڑا فلسفہ رکھتی ہے اور یہ فلسفہ کسی اور زبان میں نہیں پایا جاتا۔ مثلاً دوسری زبانوں میں الفاظ زبان کی اصل ہیں لیکن عربی زبان میں الفاظ نہیں بلکہ حروف زبان کی اصل ہیں۔ شرب عربی زبان میں پینے کو کہتے ہیں مگر یہ معنی شرب کے نہیں بلکہ ش ر ب کے ہیں چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ش ر ب کسی ترتیب سے عربی میں آ جاویں ان کے مرکزی معنی قائم رہیں گے خواہ ش ر ب ہو، خواہ ش ب ر ہو، خواہ ر ب ش ہو۔ غرض ہر حالت میں مرکزی معنی قائم رہیں گے گویا عربی زبان میں حروف، ترتیب حروف اور حرکاتِ حروف کے مجموعہ سے لفظ کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ایسا ہے کہ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جب قدیم ترین زبانوں کو دیکھا جائے تو قاعدہ ابدال کے مطابق تغیرات کے ساتھ ہزاروں ایسے الفاظ ان میں پائے جاتے ہیں جو اصل میں عربی ہیں اور چونکہ ان لفظوں کو نکال کر وہ زبانیں بالکل بے کار ہو جاتی ہیں اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ وہ زبانیں مستقل نہیں بلکہ عربی سے ہی متغیر ہو کر بنی ہیں لیکن انہوں نے اریمک زبان کو عربی زبان پر فضلیت دینے کے لئے یہ کہہ دیا کہ عربی زبان نقل ہے اریمک زبان کی، جو درحقیقت یہودیوں کی زبان تھی۔ دوسری تدبیر انہوں نے یہ کی کہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ عرب کے مشہور اور اعلیٰ درجہ کے تمام شعراء عیسائی تھے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں انہوں نے قیس اور اخطل اور دوسرے شعراء کے نام پیش کر دیئے اور کہا کہ عرب کے اعلیٰ درجہ کے شاعر سب عیسائی تھے اور انہوں نے ہی عربی زبان کو معراجِ کمال تک پہنچایا ہے۔ گویا اس وجہ سے کہ مسلمان چاہتے تھے ہم ترکوں کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں عیسائی پادریوں نے جو سخت متعصّب تھے سمجھا کہ اس سے زیادہ اچھا موقع عیسائیت کے غلبہ کا اور کوئی ہاتھ نہ آئے گا اور یہ ایسا وقت ہے کہ ہم جو کچھ بھی کہیں گے مسلمان قبول کرتے جائیں گے اور ہماری کسی بات کی تردید نہیں کریں گے۔ اُس وقت حالت بالکل ایسی ہی تھی کہ اگر مسلمان عیسائیوں کی ان باتوں کی تردید کرتے اور کہتے کہ شعراء تمہارے نہیں بلکہ ہمارے اچھے ہیں تو آپس میں اُلجھ کر رہ جاتے اس لئے مسلمانوں نے اِسی میں اپنی بھلائی سمجھی کہ ان کی کسی بات کی نفی نہ کی جائے تا کہ یہ ہم سے خوش ہو جائیں۔ پس مسلمانوں کی اِس مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے متعصب عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں بے حد مبالغہ سے کام لیا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ عربی لغت اریمک کی ممنونِ احسان ہے اور عربی زبان میں جس قدر ترقی ہوئی ہے وہ عیسائی شعراء کے ذریعہ ہوئی ہے۔...... باقی رہا اصل سوال تو وہ یہ ہے کہ اگر

اسلام سے پیشتر بھی عربوں کے اندر خوبیاں پائی جاتی تھیں تو اسلام کی فوقیت اور اُس کا مَابِہِ الْاِمتیاز طُرّہ کیا ہوا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ کسی قوم کے اندر بعض خوبیاں چاہے وہ قومی ہوں یا انفرادی پایا جانا اور بات ہے اور ایک ایسی خوبی اس کے اندر ہونا جو اُسے تمام دنیا کا اُستاد بنا دے اور بات ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عربوں کے اندر پہلے کوئی خوبی نہ تھی اور نہ ہی ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا یہ مفہوم ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں کوئی خوبی نہ تھی''۔

......اس کے بعد حضورؓ نے مختلف واقعات کی روشنی میں مفصل طور پر اس مضمون پر روشنی ڈالی اور آخر پر فرمایا:

عربوں نے اس طرح اسلام کو قبول کیا اور پھر ساری دنیا میں پھیلایا کہ دنیا حیران رہ گئی اور وہ ایک قلیل عرصہ میں دنیا کے معتد بہ حصہ پر اسلام پھیلانے کا موجب ہوئے۔ پس عربوں کا بِالقوہ نیکی کا انکار کوئی اندھا ہی کرے تو کرسکتا ہے لیکن عقل اور دماغ رکھنے والا انسان کبھی اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ عربوں کے اندر جو بِالقوہ نیکی موجود تھی وہ اور کسی قوم کے اندر نہ تھی۔

(الفضل 3، 5، 7، 8، 9، 12 ستمبر 1961ء)

ربوہ کو تر امرکز توحید بنا کر...... (دعوتِ اتحاد)

ربوہ کے افتتاح کے موقعہ پر 20ستمبر 1948ء کو حضرت مصلح موعود نے ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا جس میں دعاؤں اور دیگر اہم امور کے علاوہ جماعت احمدیہ کو عالمی وحدت کا پلیٹ فارم قرار دیا جس میں عربوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ ذیل میں اس حصہ کو پیش کیا جاتا ہے۔

''جب تک احمدیت دنیا میں غالب نہیں آجاتی۔ اسلام غلبہ نہیں پاسکتا۔ اور یہ اتنی موٹی بات ہے کہ میں حیران ہوں مسلمان اسے کیوں نہیں سمجھتے اور کیوں وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ باوجود الفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دنیا میں کیوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ سیدھی بات ہے مسلمان اس وقت پچاس کروڑ ہیں اور احمدی پانچ لاکھ مگر چار پانچ لاکھ احمدی جتنی اسلام کی خدمت کر رہا ہے جس قدر اسلام کی تبلیغ کر رہا ہے اور جس قدر اشاعت اسلام کے لئے قربانیاں پیش کر رہا ہے اتنی پچاس کروڑ مسلمان نہیں کر رہا۔ اس وقت دنیا کے گوشہ گوشہ میں احمدی مبلغ پھیلے ہوئے ہیں اور وہ عیسائیت کا مقابلہ کر رہے ہیں اور مقابلہ بھی معمولی نہیں بلکہ بڑی بڑی عیسائی طاقتوں نے تسلیم کرلیا ہے کہ ان کا مقابلہ مؤثر ہے۔...... یہ طاقت ہم میں کہاں سے آئی ہے؟ اور یہ جوش ہم میں کیوں پیدا ہوا؟ اسی لئے کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہم میں ایک آگ پیدا کردی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ پھر دوبارہ اسلام کو دنیا میں غالب کردیں۔ پس مسلمان احمدیت کا جتنا بھی مقابلہ کرتے ہیں وہ اسلام کے غلبہ میں اتنی ہی روکیں پیدا کرتے ہیں اور جتنی جلدی وہ احمدیت میں شامل ہوجائیں گے اتنی جلدی ہی اسلام دنیا میں غالب آجائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جس قدر تحریکیں دنیا میں جاری ہیں وہ ساری کی ساری دنیوی

ہیں صرف ایک تحریک مسلمانوں کی مذہبی تحریک ہے اور وہ احمدیت ہے۔ پاکستان خواہ کتنا بھی مضبوط ہو جائے کیا عراقی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ کیا شامی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ کیا لبنانی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ کیا حجازی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ شامی تو اس بات کے لئے بھی تیار نہیں کہ وہ لبنانی یا حجازی کہلائیں حالانکہ وہ ان کے ہم قوم ہیں۔ پھر لبنانی اور حجازی اور عراقی اور شامی پاکستانی کہلانا کب برداشت کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ فوراً تو اتحاد کر سکتے ہیں مگر وہ ایک پارٹی اور ایک جماعت نہیں کہلا سکتے۔ صرف ایک تحریک احمدیت ہی ایسی ہے جس میں سارے کے سارے شامل ہو سکتے ہیں عراقی بھی اس میں شامل ہو کر کہہ سکتا ہے کہ میں احمدی ہوں۔ عربی بھی اس میں شامل ہو کر کہہ سکتا ہے کہ میں احمدی ہوں۔ حجازی بھی اس میں شامل ہو کر کہہ سکتا ہے کہ میں احمدی ہوں اور عملاً ایسا ہو رہا ہے۔ وہ عربی ہونے کے باوجود اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم احمدیت میں شامل ہیں جس کا مرکز پاکستان میں ہے اور اس طرح وہ ایک رنگ میں پاکستان کی ماتحتی قبول کرتے ہیں مگر یہ ماتحتی احمدیت میں شامل ہو کر ہی کی جا سکتی ہے اس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ عربی جو اس غرور میں رہتا ہے کہ میں اس ملک کا رہنے والا ہوں جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے میرا مقابلہ کوئی اور شخص کہاں کر سکتا ہے وہ احمدیت میں شامل ہو کر برعظیم ہندو پاکستان کا بھی ادب و احترام کرتا ہے اور یہاں مقدس مقامات کی زیارتوں کے لئے بھی آتا ہے۔ غرض ایک ہی چیز ہے جس کے ذریعہ دنیائے اسلام پھر متحد ہو سکتی ہے اور جس کے ذریعہ دوسری دنیا پر کامیابی اور فتح حاصل ہو سکتی ہے اور وہ احمدیت ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 436-437)

یمن میں عدن مشن کا قیام

جماعت احمدیہ عدن اگرچہ 1936ء سے قائم ہے مگر اس کے اکثر ممبر بیرونی تھے۔ باقاعدہ طور پر اس مشن کا قیام ماہ اگست 1946ء میں ہوا۔

عدن مشن کے قیام کا پس منظر

اس مشن کے قیام کا پس منظر یہ ہے کہ یہاں کچھ عرصہ سے پانچ نہایت مخلص احمدی ڈاکٹر قومی اور ملی خدمات بجالا رہے تھے۔جن کے نام یہ ہیں۔ڈاکٹر فیروزالدین صاحب، ڈاکٹر محمد احمد صاحب، ڈاکٹر محمد خان صاحب، ڈاکٹر صاحبزادہ محمد ہاشم خان صاحب اور ڈاکٹر عزیز بشیری صاحب۔ڈاکٹر فیروزالدین صاحب جو اس زمانے میں جماعت عدن کے پریذیڈنٹ تھے عدن سے قادیان آئے تو انہیں ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اپنے خط مؤرخہ 23۔جنوری 1946ء اور تار مؤرخہ 23۔جنوری 1946ء میں عدن مشن کھلوانے کی تحریک کی نیز لکھا کہ میں مبلغ کے لئے اپنا مکان چھ ماہ تک دینے کے لئے تیار ہوں۔اس عرصہ میں دارالتبلیغ کے لئے کسی اور مکان کا انتظام ہو سکے گا۔ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اس کے ساتھ ہی پانچ سو روپیہ اخراجات سفر کے لئے بھجوادیئے اور ڈاکٹر عزیز بشیری صاحب نے اتنی ہی رقم کا وعدہ اخراجات قیام کے طور پر کیا۔چنانچہ ڈاکٹر فیروزالدین صاحب جماعت عدن کی نمائندگی میں حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب کا خط اور تار پیش کیا۔اور درخواست کی کہ کوئی موزوں مبلغ عدن کے لئے تجویز فرمایا جائے۔ہم پانچوں ڈاکٹر دارالتبلیغ کا بار اٹھانے میں مدد کریں گے۔اس پر حضرت مصلح موعود نے جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل نوجوان مولوی غلام احمد صاحب مبشر کو اس خدمت کے لئے نامزد فرمایا۔

مبشرِ اسلامی کا عدن میں ورود

مولوی غلام احمد صاحب مبشر 4/ اگست 1946ء کو قادیان سے روانہ ہو کر تیسرے دن 6/اگست کو بمبئی پہنچے جہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر اور دوسرے احباب جماعت نے ان کا استقبال کیا۔ بعدازاں 9/اگست کو جہاز میں سوار ہوئے اور 19/اگست بروز سوموار عدن پہنچے۔ بندرگاہ پر ڈاکٹر فیروزالدین صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب آپ کو لینے کے لئے پہلے سے موجود تھے۔

ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں

مولوی غلام احمد صاحب مبشر حسب فیصلہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے ہاں مقیم ہوئے۔اور جلد ہی ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر فیروزالدین صاحب اور ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے ساتھ وفد کی صورت میں عدن سے دس میل کے فاصلہ پر واقع شیخ عثمان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عربی تصانیف مثلاً الاستفتاء، الخطاب الجلیل، التبلیغ اور سیرۃ الابدال وغیرہ مختلف اشخاص کو پڑھنے کے لئے دیں۔اور زبانی بھی پیغام حق پہنچایا۔علاوہ ازیں عدن میں عربوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں التبلیغ، سیرۃ الابدال، نظام نو (انگریزی)، اسلام اور دیگر مذاہب، میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں، وغیرہ کتب اور ٹریکٹ تقسیم کئے۔احمدی ڈاکٹروں نے ابتداء ہی سے یہ خاص اہتمام کیا کہ وہ اولین فرصت میں اپنے حلقہ اثر کے دوستوں کو مبشر اسلامی سے متعارف کرائیں۔اس غرض کے لئے انہوں نے بعض خاص تقریبات بھی منعقد کیں۔جن میں عدن کے باشندوں خصوصا نوجوانوں کو مدعو کیا۔خود مولوی صاحب بھی اشاعت حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے بھی مولوی صاحب کی پُر جوش تبلیغ میں ایسی برکت ڈالی کہ پہلے مہینہ میں ہی ایک دوست احمد علی صاحب جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے اور شیخ عثمان کے نواحی علاقہ کے باشندے اور عدن کے رہنے والے تھے حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔حضرت مصلح موعود نے ان کی بیعت قبول فرمائی اور مولوی غلام احمد صاحب کو ارشاد فرمایا ”تبلیغ پر خاص زور دیں“۔اس پر مولوی صاحب نے عدن، شیخ عثمان اور نواحی میں باقاعدہ پروگرام کے مطابق انفرادی

ملاقاتوں اور تقسیم لٹریچر کے ذریعہ سے زور شور سے تبلیغ شروع کر دی۔ان مقامات کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ ان میں احمدی ڈاکٹر قیام پذیر تھے۔ چنانچہ عدن میں ڈاکٹر فیروزالدین صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب، شیخ عثمان میں ڈاکٹر محمد خان صاحب اور تواہی میں ڈاکٹر کیپٹن عزیز بشیری صاحب رہتے تھے۔مولوی صاحب موصوف ہفتے میں دو دو دن شیخ عثمان اور تواہی میں اور تین دن عدن میں تبلیغی فرائض سرانجام دیتے تھے اور جمعہ بھی یہیں پڑھاتے تھے۔چنانچہ آپ نے عربی کتب میں سے سیرۃ الابدال ،اعجاز المسیح ،التبلیغ ،الاستفتاء۔اردو میں احمدی اور غیر احمدی میں فرق، پیغام صلح اور انگریزی میں احمدیہ مووومنٹ، پیغام صلح ،اور تحفہ شہزادہ ویلز۔بعض عربوں، ہندوستانیوں اور انگریزوں کو پڑھنے کے لئے دیں جس سے خصوصاً انگریزوں اور عیسائیوں میں اشتعال پھیل گیا اور انہوں نے حکام بالا تک رپورٹ کر دی۔

سرکاری مخالفت

انسپکٹر سی آئی ڈی نے مولوی غلام احمد صاحب کو بلایا۔اور وہ لٹریچر جو آپ نے تقسیم کیا تھا اس کی ایک ایک کاپی ان سے طلب کی نیز حکم دیا کہ آپ اپنا لٹریچر بازاروں میں تقسیم نہ کریں صرف اپنے گھروں میں لوگوں کو بلا کر اور دعوت دے کر لیکچر یا لٹریچر دے سکتے ہیں۔ یہ واقعہ ماہ اکتوبر 1946ء میں پیش آیا۔جس کے ڈیڑھ مہینہ بعد کیتھولک چرچ کے ایک پادری نے شکایت کر دی کہ مولوی صاحب پبلک لیکچر دیتے اور کیتھولک چرچ میں لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس عدن نے مولوی صاحب موصوف کو تنبیہ کی کہ وہ آئندہ نہ کیتھولک چرچ میں کوئی لٹریچر تقسیم کریں، نہ پبلک لیکچر دیں ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔مولوی صاحب نے بتایا کہ پبلک لیکچر دینے کا الزام غلط ہے البتہ لٹریچر میں ضرور دیتا ہوں مگر صرف اسی طبقہ کو جو علمی دلچسپی رکھتا ہے۔مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ عیسائی مشنری تو کھلے بندوں دندناتے پھر رہے ہیں کیا انہیں چھٹی ہے اور صرف مجھ پر پابندی ہے؟ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جواب دیا کہ یہ پابندی آپ پر ہی عائد کی جارہی ہے عیسائیوں پر اطلاق نہ ہوگا۔

علماء کی مخالفت

عیسائیوں کی انگیخت اور شرارت کے بعد ماہ مئی 1947ء میں بعض علماء نے بھی مخالفت

کا کھلم کھلا آغاز کر دیا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ ایک مجلس میلا د میں مولوی غلام احمد صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ پر روشنی ڈالی اور ضمناً آپ کے فرزند جلیل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ذکر کیا۔ جس پر دو علماء اور ان کے دو ساتھیوں نے آپ کو سٹیج سے اتارنے کے لئے ہنگامہ برپا کر دیا۔ مجلس میں اٹھانوے فیصد شرفاء موجود تھے جو خاموش رہے۔ اور انہی کے ایماء پر مولانا نے اپنی تقریر ختم کر دی۔ بعد ازاں شیخ عثمان کے آئمہ مساجد نے روزانہ نمازوں خصوصًا عشاء کے بعد لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا کہ وہ احمدی مبلغ کی نہ کتابیں پڑھیں اور نہ باتیں سنیں کیونکہ وہ کافر وملعون ہے۔ یہی نہیں انہوں نے پوشیدہ طور پر گورنمنٹ کو بھی احمدی مبلغ کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ رستے میں مسجد کے ایک فقیہ نے آپ کو بلند آواز سے پکارا اور آپ سے ایک کتاب یعنی استفتاء عربی مانگی جو آپ نے اسے دے دی۔ کتاب دینے کے بعد اس نے پہلے سوالات شروع کر دیئے اور پھر اونچی آواز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان مبارک میں سخت بدزبانی کی۔ مولوی غلام احمد صاحب نے پورے وقار اور نرم اور دھیمی آواز سے ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ جب آپ وہاں سے واپس آنے لگے تو اس فقیہ نے آپ کے پیچھے لڑکے لگا دیئے جنہوں نے آپ کو پتھر مارے مگر مولوی صاحب ان کی طرف التفات کئے بغیر سیدھے چلتے گئے۔

مخالفت کے اس ماحول میں آہستہ آہستہ ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہونے لگا جو مولوی صاحب کی باتوں کو غور سے سنتا تھا۔ خصوصًا عرب نوجوانوں میں حق کی جستجو کے لئے دلچسپی اور شوق بڑھنے لگا مگر چونکہ عرب کا یہ حصہ آزاد منش اور اکثر بدوی لوگوں پر مشتمل ہے اس لئے عام طور پر فضا بہت مخالفانہ رہی۔

شیخ عثمان میں دارالتبلیغ کا قیام اور اس کے عمدہ اثرات

اب تک مولوی غلام احمد صاحب مبشر، ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے یہاں مقیم تھے لیکن ماہ اکتوبر 1947ء میں جماعت احمدیہ نے 65 روپے ماہوار کرایہ پر ایک موزوں مکان حاصل کر لیا۔ مولوی صاحب موصوف نے یہاں دارالتبلیغ قائم کر کے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو پہلے سے زیادہ تیز کر دیا۔ اور خصوصاً نوجوانوں میں پیغام حق پھیلانے کی طرف خاص توجہ شروع کر دی کیونکہ زیادہ دلچسپی کا اظہار بھی انہی کی طرف سے ہونے لگا تھا۔ عدن، شیخ عثمان اور

تواہی کے علماء کو تبلیغی خطوط لکھے اور ان تک امام مہدی کے ظہور کی خوشخبری پہنچائی۔علاوہ ازیں ایک عیسائی ڈاکٹر کو جو پہلے مسلمان تھا اور پھر مرتد ہو گیا ایک تبلیغی مکتوب کے ذریعہ دعوت اسلام دی۔

مستقل دارالتبلیغ کا ایک بھاری فائدہ یہ بھی ہوا کہ عوام سے براہ راست رابطہ اور تعلق پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا اور سعید الفطرت لوگ روزانہ بڑی کثرت سے دارالتبلیغ میں جمع ہونے اور پیغام حق سننے لگے۔

عبداللہ محمد شبوطی کی قبول احمدیت

17/اکتوبر 1947ء بروز جمعۃ المبارک عدن مشن کی تاریخ میں بہت مبارک دن تھا۔جبکہ ایک یمنی عرب عبداللہ محمد شبوطی جو ان دنوں شیخ عثمان میں بودوباش رکھتے تھے ساڑھے گیارہ بجے بیعت کا خط لکھ کر داخل احمدیت ہو گئے۔اور اپنے علم اور خلوص میں جلد جلد ترقی کر کے تبلیغ احمدیت میں مولوی صاحب کے دست راست ہو گئے۔اس کامیابی نے شیخ عثمان کے علماء اور فقہاء کو اور بھی مشتعل کر دیا اور وہ پہلے سے زیادہ مخالفت کی آگ بھڑکانے لگے مگر مولوی غلام احمد صاحب اور عبداللہ محمد شبوطی صاحب نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور نہایت بے جگری ، جوش اور فداکاری کی روح کے ساتھ ہر مجلس میں اور ہر جگہ دن اور رات زبانی اور تحریری طور پر پیغام احمدیت پہنچاتے چلے گئے۔اور امراء،غرباء،علماء اور فقہاء غرض کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو ان کے گھروں میں جا کر نہایت خاکساری اور عاجزی سے دعوت حق دینے لگے۔نتیجہ یہ ہوا کہ بعض وہ لوگ جو پہلے بات تک سننا گوارا نہ کرتے تھے اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفسیر کو سن کر عش عش کرنے لگے حتی کہ بعض نے یہ اقرار کیا کہ حضرت مرزا صاحب کی بیان فرمودہ تفسیر واقعی الہامی ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے آپ کو علم لدنی سے نوازا ہے۔

علماء کی طرف سے کمشنر کو عرضی اور اس کا ردّعمل

نومبر 1947ء میں علماء نے عدن ،شیخ عثمان اور تواہی کے مختلف لوگوں سے ایک عرضی دستخط کروا کر کمشنر کو دی کہ ہم اس مبلغِ قادیان کا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے یہ ہمارے ایمانوں کو

خراب کررہا ہے۔ شیخ عثمان کے بعض نوجوانوں کو اس شکایت کا پتہ چلا تو انہوں نے علماء کے اس رویہّ کی جو انہوں نے اپنی کم علمی و بے بضاعتی کو چھپانے اور اپنی شکست خوردہ ذہنیت پر پردہ ڈالنے کے لئے اختیار کیا تھا دل کھول کر مذمت کی اور ان کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ کیا۔ بلکہ قریباً پچاس آدمیوں نے لکھا کہ ہم اس مبشر اسلامی کو دیگر سب علماء سے زیادہ پسند کرتے ہیں، اور واقعی یہ حقیقی مسلمان ہے اور جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت کے فقیہوں اور فریسیوں نے حضرت مسیح کی مخالفت کی تھی ویسے ہی یہ لوگ بھی مخالفت کررہے ہیں۔ کیونکہ انہیں خطرہ ہے کہ اگر اس شخص کا نفوذ وسیع ہوگیا تو ہماری کوئی وقعت نہ رہے گی۔ غرضیکہ اس مخالفت کا خدا کے فضل سے اچھا نتیجہ نکلا۔

ڈاکٹر فیروزالدین صاحب کا انتقال

ان دنوں عدن میں یہود اور عرب کی کشمکش بھی یکا یک زور پکڑ گئی جس کا اثر تبلیغی سرگرمیوں پر بھی پڑنا ناگزیر تھا۔ علاوہ ازیں عدن کی جماعت کے پریذیڈنٹ جناب ڈاکٹر فیروز الدین صاحب عین فسادات کے دوران میں داغ مفارقت دے گئے جس سے مشن کو بہت نقصان پہنچا۔ مرحوم نہایت مخلص، نہایت پر جوش اور بہت سی صفات حمیدہ کے مالک تھے۔ تبلیغ کا جوش اور شغف ان میں بے نظیر تھا۔ اگر کوئی مریض ان کے گھر پر آتا تو وہ اس تک ضرور محبت، اخلاص اور ہمدردی سے احمدیت کا پیغام پہنچاتے۔ احمدیت کے مالی جہاد میں بھی آمدنی میں کمی کے باوجود بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ مولوی غلام احمد صاحب مبشؔر نے اپنی 27 دسمبر 1947ء کی رپورٹ میں ان کے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا:۔

''احمدیت کی مالی خدمت کا جو جوش اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھا ہوا تھا اس کی نظیر بھی کم ہی پائی جاتی ہے...... ہمارا اندازہ ہے کہ وہ ہر سال (اپنی آمد کا) ساٹھ فیصد ہی اشاعت اسلام کے لئے خرچ کر رہے تھے۔ مساکین، غرباء سے ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ تو کُوٹ کُوٹ کر ان کے دل میں بھرا ہوا تھا۔ اگر کوئی مسکین بھی ان کے دروازے پر آجاتا اور وہ سوال کرتا تو آپ ضرور اس کی حاجت پوری کر دیتے۔ بعض اوقات اپنی نئی پہنی ہوئی قمیص وہیں اتار کر دے دیتے اور یہی باتیں بعض اوقات ان کے گھر میں کشمکش کا باعث ہو جاتیں۔ غرضیکہ آپ کی زندگی حقیقت میں یہاں کی جماعت کے لئے ایک عمدہ نمونہ تھی''۔

ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کی تدفین ''کریتر'' نامی شہر کے مرکزی قبرستان میں ہوئی اور ان کی قبر آج تک وہاں موجود ہے۔

ایک اور عالم آغوشِ احمدیت میں

اوائل 1948ء میں مولوی غلام احمد صاحب نے مرکز میں لکھا کہ اس علاقہ کے لوگ بالکل ہی اسلام سے بے بہرہ اور بدویانہ زندگی بسر کر رہے ہیں حتی کہ انہیں قرآن شریف الگ رہا نماز تک نہیں آتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو خاکسار درویشانہ فقیرانہ صورت میں اندرونی حصہ عرب میں چلا جائے اور ان لوگوں تک اسلام و احمدیت کا حقیقی پیغام بذریعہ تربیت ہی پہنچائے تو عدن کی نسبت زیادہ کامیابی کی امید ہے۔ لیکن مرکز نے اس کی اجازت نہ دی۔ اس تجویز کے ایک ماہ بعد محمد سعید احمد نامی ایک اور عرب عالم سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے جس کے بعد جماعت عدن کے بالغ افراد کی تعداد 9 (عرب 2۔ ہندی گجراتی 1۔ پنجابی 6) تک پہنچ گئی۔ اپریل 1948ء میں مولوی غلام احمد صاحب شیخ عثمان (عدن) کے نواح میں ایک گاؤں ''مُعلا'' نامی میں تبلیغ کے لئے گئے جو کہ شیخ عثمان سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک فقیہ عالم سے گفتگو کا موقع ملا۔ مولوی صاحب نے انہیں امام مہدی علیہ السلام کی خوشخبری دی اور احادیث صحیحہ اور قرآن کریم سے آپ کی آمد کی علامات بتا کر صداقت ثابت کی اور آخر میں مسئلہ وفات مسیح پر دلائل دیئے۔ قریباً ایک گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی۔ آخر انہوں نے تمام لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ حضرت مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں اور باقی مسائل پر گفتگو کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔

عیسائی مشنری کا تعاقب

نومبر 1948ء کا واقعہ ہے کہ ایک عرب نوجوان جو عیسائی مشنریوں کے زیر اثر ان کے پاس آتا جاتا تھا آپ کو گفتگو کے لئے ایک پادری کے مکان پر لے گیا۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ چار نوجوان عرب بیٹھے اناجیل پڑھ رہے ہیں۔ گفتگو شروع ہوئی تو مولوی صاحب نے اناجیل ہی کے حوالوں سے ثابت کیا کہ حضرت مسیحؑ میں کوئی خدائی صفات نہ پائی جاتی تھیں۔ پادری صاحب لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ آپ ہماری کتابوں سے کیوں حوالے دیتے ہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا ایک اس لئے کہ آپ کو وہ مسلّم ہیں دوسرے آپ ہمیں انجیلوں کی طرف

دعوت دیتے ہیں لہذا تنقید کرنا ہمارا حق ہے۔آخر پادری صاحب ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور مزید گفتگو سے انکار کر کے الگ کمرے میں چلے گئے اس پر سب عرب نوجوانوں نے آپ کا دلی شکریہ ادا کیا کہ آج آپ نے ان کا جھوٹ بالکل واضح کر دیا ہے۔

مباحثے اور انفرادی ملاقاتیں

1948ء کے وسط آخر میں مولوی صاحب کے عدن کے علماء سے وفات مسیح ،مسئلہ ناسخ و منسوخ ،مسئلہ نبوت اور یاجوج ماجوج کے مضامین پر متعدد کامیاب مباحثے ہوئے۔علاوہ ازیں آپ نے عدن کی بعض شخصیتوں مثلاً سید حسن صافی ،محمد علی اسودی تک پیغام حق پہنچایا۔ماہ ستمبر میں آپ نے عدن سے پچاس میل کے فاصلہ پر ایک مقام جعار اور لحج کا تبلیغی دورہ کیا۔جعار میں حاکم علاقہ علی محمد کو تبلیغ کی اور لحج میں بعض امراء مثلاً وزیر معارف سلطان فضل عبدالقوی ، وزیر تموین سلطان فضل بن علی وغیرہ سے ملے اور ان سے نیز مقامی علماء سے تعارف پیدا کیا۔

بیرونی شخصیتوں تک پیغام حق

عدن ایک اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہے جہاں مختلف اطراف سے لوگ بکثرت آتے تھے جن میں گردونواح کے علاقوں کے شیوخ و حکام بھی ہوتے تھے مولوی غلام احمد صاحب مبشر اور عبداللہ محمد شبوطی صاحب ہمیشہ بیرونی شخصیتوں تک پیغام حق پہنچاتے رہتے تھے۔دسمبر 1948ء میں مولوی غلام احمد صاحب نے عدن کے مشہور سادات میں سے ایک عالم شمس العلماء سید زین العدروس سے ان کے مکان میں ملاقات کی اور ان کے سامنے بڑی تفصیل سے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ اور اس کے دلائل و براہین بیان کئے۔

مبلغ عدن کی واپسی

مولوی غلام احمد صاحب ایک انتھک اور پر جوش مبشر اسلامی کی حیثیت سے 1949ء کے آخر تک عدن میں اسلام واحمدیت کا نور پھیلاتے رہے اور عدن میں کئی سعید روحوں کو حق و صداقت سے وابستہ کرنے کا موجب بنے مگر آپ کی دیوانہ وار مساعی اور جدوجہد نے صحت پر

سخت نا گوار اثر ڈالا اور آپ کو اس تبلیغی جہاد کے دوران 1949ء میں دماغی عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ احمدی ڈاکٹروں نے علاج معالجہ میں دن رات ایک کر دیا جب طبیعت ذرا سنبھل گئی اور آپ سفر کے قابل ہوئے تو آپ عدن سے 22 دسمبر 1949ء کو بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوکر 12/جنوری 1950ء کو ربوہ میں تشریف لے آئے۔

آپ کے بعد عدن کے مخلص احمدیوں خصوصًا عبداللہ محمد شبوطی اور میجر ڈاکٹر محمد خان شیخ عثمان عدن نے اشاعت اسلام واحمدیت کا کام برابر جاری رکھا اور آہستہ آہستہ جماعت میں نئی سعید روحیں داخل ہونے لگیں۔ مثلاً 1951ء میں محمد سعید صوفی وہاشم احمد ورائل حائل نے بیعت کی۔ وسط 1952ء میں چار نئے احمدی ہوئے۔ 1960ء میں علی سالم بن سالم عدنی داخل احمدیت ہوئے۔

ایک عربی مکتوب کی اشاعت

وسط 1952ء میں عبداللہ محمد الشبوطی نے ایک عالم الشیخ الفاضل عبداللہ یوسف ہروی کے نام ''مطبعة الكمال عدن'' سے ایک عربی مکتوب چھپوا کے شائع کیا جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور اختلافی مسائل پر نہایت مختصر مگر عمدہ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی تھی۔

محمود عبداللہ الشبوطی کا عزم ربوہ

چونکہ عدن میں کسی نئے مبشر و مبلغ کی اجازت ملنا ایک مشکل مسئلہ بن کے رہ گیا تھا اس لئے جماعت عدن کے مشورہ سے عبداللہ محمد الشبوطی نے اپنے ایک فرزند محمود عبداللہ الشبوطی کو بتاریخ 19/مئی 1952ء مرکز میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے عدن سے روانہ کیا۔ محمود عبداللہ الشبوطی 25 مئی کو ربوہ پہنچے اور جامعہ احمدیہ میں داخلہ لے لیا۔

پہلا پبلک جلسہ

20/نومبر 1954ء کو جماعت احمدیہ عدن کا پہلا پبلک جلسہ سیرۃ النبی منعقد ہوا۔ جلسہ کا پنڈال دار التبلیغ کے سامنے تھا اور اس میں مائیکروفون کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ قبل ازیں احمدیوں کے جلسے میں محدود اور چار دیواری کے اندر ہوتے تھے مگر اس سال یہ

جلسہ عام منانے کا فیصلہ کیا گیا اور علاوہ اخباروں میں اشتہار دینے کے قریباً 500 دعوتی کارڈ جاری کئے گئے۔ ایک روز قبل مخالف علماء نے جمعہ کے خطبوں میں نہایت زہر آلود تقریریں کر کے لوگوں کو جلسہ میں آنے سے منع کیا لیکن ان مخالفانہ کوششوں کے باوجود جلسہ بہت کامیاب رہا۔ حاضرین کے لئے تین سو کرسیاں بچھائی گئی تھیں جو مقررہ پروگرام سے بیس منٹ پہلے پُر ہو گئیں اس لئے جلسہ کی کارروائی بھی پہلے ہی شروع کر دی گئی۔ صدر جلسہ عبدہٗ سعید صوفی تھے جن کے صدارتی خطاب کے بعد بالترتیب منیر محمد خاں (ابن میجر ڈاکٹر محمد خاں) اور عبداللہ محمد الشبوطی نے مؤثر تقریریں کیں۔ کرسیوں پر بیٹھنے والوں کے علاوہ جلسہ گاہ کے اردگرد قریباً ایک ہزار نفوس نے پوری خاموشی اور دلچسپی سے تقریریں سنیں اور نہایت عمدہ اثر لے کر گئے اور بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ اس کامیاب تجربہ سے عدنی احمدیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے ہر سال جلسہ سیرۃ النبی منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میجر ڈاکٹر محمد خاں، عبداللہ محمد الشبوطی، عبدہ سعید صوفی، احمد محمد الشبوطی، سیف محمد شبوطی نے اس جلسہ کی کامیابی میں نمایاں حصہ لیا۔

عبداللہ الشبوطی اور سلطان الشبوطی کی ربوہ آمد

محمود عبداللہ الشبوطی صاحب ابھی ربوہ میں ہی تھے کہ ان کے والد عبداللہ الشبوطی اور چچا سلطان محمد الشبوطی ربوہ تشریف لے گئے جہاں انہوں نے اپنے بیٹے کی شادی مکرمہ نسرین صاحبہ بنت بشیر احمد شاہ صاحب دواخانہ خدمت خلق ربوہ سے کر دی۔ بعد از اں انہوں نے قادیان کا سفر بھی اختیار کیا اور جلسہ سالانہ قادیان میں بھی شرکت کی۔ واپسی سے قبل دونوں بھائی نئی دہلی بھی گئے جہاں ان کا یمنی دوست صالح شیبی صاحب انڈونیشین ایمبیسی میں ملازم تھا ان کو ملنے کے بعد یہ برادران واپس یمن چلے گئے۔

حضرت مصلح موعودؓ سے یادگار ملاقات

ربوہ میں قیام کے دوران ان دونوں بھائیوں کی حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات بھی ہوئی جس میں حضور نے سفر یورپ کے دوران یمن سے گزرنے کا ذکر فرمایا اور ان کو اپنا عصا عطا فرمایا جو آج بھی ان کے بیٹے محمود عبداللہ الشبوطی کے پاس موجود ہے۔

افرادِ جماعت احمدیہ یمن کی ایک پرانی تصویر

اس تصویر میں دائیں جانب سلطان محمد الشبوطی اور عبداللہ احمد الشبوطی ربوہ کی زیارت کے موقع پر بعض احمدی احباب کے ہمراہ کھڑے ہیں

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ افرادِ جماعت یمن کے درمیان

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی یمن میں آمد

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب متعدد دفعہ یمن میں تشریف لاتے رہے آپ پاکستانی احمدی ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے گھر کے قریبی ہوٹل میں ٹھہرتے تھے۔اورافراد جماعت سے ملتے اور اکثر وقت ان کے ساتھ گزارتے تھے۔اور جب عبد اللہ شبوطی اور سلطان شبوطی صاحب ربوہ گئے تو حضرت چوہدری صاحب نے خادموں کوان کی خدمت سے روک کر بنفس نفیس ان کی ضیافت کی۔

محمود عبد اللہ الشبوطی کی مراجعت اور تبلیغ حق

محمود عبد اللہ الشبوطی نے جو سالہا سال سے مرکز سلسلہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد 4؍فروری 1960ء کو اپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی اور حضرت مصلح موعودؓ نے ان کا وقف قبول فرمالیا اور ساتھ ہی عدن میں مبلغ لگائے جانے کی منظوری بھی دے دی۔ چنانچہ آپ حضور کے حکم پر 14؍اگست 1960ء کو کراچی سے روانہ ہو کر 15؍اگست کو عدن پہنچ گئے۔آپ نے اگلے سال عدن سے پہلا احمدی رسالہ ''اَلْاِسْلَام'' جاری کیا اور علمی حلقوں میں اسلام و احمدیت کی آواز بلند کرنے کے علاوہ جماعتی تربیت و تنظیم کے فرائض بھی بجالانے لگے۔

عدن پر ان دنوں برطانوی راج قائم تھا۔ مذہبی آزادی تھی لہٰذا جماعت ترقی کی منزلیں طے کرتی رہی۔ 30؍نومبر 1967ء کو عدن برطانوی تسلط سے آزاد ہو گیا۔ اس آزادی کے ساتھ ہی مذہبی آزادی کا خون ہو گیا اور جماعت کی سرگرمیاں محدود ہو گئیں۔

عدن مشن تا حال قائم ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یمن میں احمدیت کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 11 صفحہ 243 تا 252، صدر صاحب جماعت احمدیہ یمن مکرم احمد محمد الشبوطی صاحب کے 11 نومبر 2008ء کو ایک خط میں رقم فرمودہ تاریخی حالات)

مسقط مشن کی بنیاد

عمان جزیرہ عرب کی ایک مسلم ریاست ہے جو قطر اور حضرموت کے درمیان عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ مسقط اس ریاست کا دارالسلطنت اور خلیج فارس کی بڑی اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں کے عربوں کی تعلیمی اور مذہبی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی اور ان پر ایک جمود طاری تھا مگر عیسائیوں نے جگہ جگہ ہسپتال کھول رکھے تھے جہاں وہ کھلے بندوں صلیبی مذہب کا پرچار کرتے تھے اور سینکڑوں مسلمانوں کو حلقہ بگوش عیسائیت کر چکے تھے۔

اگرچہ احمدیہ مسلم مشن عدن 1946ء سے عرب کے مغربی ساحل کو عیسائیوں کی یلغار سے بچانے کے لئے ٹھوس خدمات بجالا رہا تھا مگر مشرقی ساحل میں ان کی سرگرمیوں کا نوٹس لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اور عربوں کی نئی نسل صلیبی مذہب سے متاثر ہو رہی تھی۔ اور مشکل یہ تھی کہ ان علاقوں میں داخلہ پر سخت پابندیاں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک احمدی دوست محمد یوسف صاحب بی ایس سی، جو ان دنوں مسقط حکومت کے فوڈ آفیسر تھے لاہور آئے تو حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے مولوی روشن الدین صاحب فاضل واقف زندگی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ وہ ریاست میں ذریعہ معاش تلاش کریں۔ انہیں اپنے اور اپنے بچوں کے اخراجات خود برداشت کرنا ہوں گے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف 2رفروری 1949ء کو مسقط میں پہنچے اور یوں نہایت بے بضاعتی کے عالم میں مسقط مشن کی بنیاد پڑی۔ آپ کے تشریف لے جانے سے قبل مسقط میں تین احمدی تھے۔

مسٹر محمد یوسف بی ایس سی نے ابتدائی خرچ کے طور پر کچھ رقم مولوی صاحب کو پیش کی اور کہا کہ کچھ اور رقم مرکز سے لے کر تجارتی کاروبار شروع کرنا چاہئے نیز حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت اقدس میں بھی لکھ دیا کہ اگر کچھ روپیہ مرکز سے بھی ہمیں مل جائے تو مولوی صاحب کو

تجارت پر لگا دیں مگر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تجارت میں کام زیادہ کرنا پڑتا ہے اور تبلیغ کے لئے وقت نہیں ہوتا ان کو ملازمت کروائیں۔ چنانچہ کچھ جدو جہد کے بعد مولوی صاحب کو ملازمت مل گئی لیکن تبلیغ حق کی پاداش میں فارغ کردیئے گئے۔ اور یہ صورت کئی بار پیش آئی اور تعصب کی وجہ سے کئی رکاوٹیں پیدا کی گئیں مگر آپ صبر واستقامت کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ ملازمت کے دوران جب آپ کو معقول مشاہرہ مل جاتا تو آپ مرکز کو اطلاع دے دیتے کہ میں گھر والوں کو یہاں سے خرچ روانہ کردوں گا۔ مگر جب حالات قابو سے باہر ہو جاتے تو مرکز خود ان کے بال بچوں کی مالی ذمہ داریاں سنبھال لیتا اور یہ صورت آپ کے پورے عرصہ قیام عمان تک قائم رہی۔

مسقط میں ایک لمبے عرصے تک تربیتی وتبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد آپ 15رفروری 1961ء کو دوبئی منتقل ہوگئے اور جماعتی تربیت کے ساتھ ساتھ پیغام حق پہنچاتے رہے اور بالآخر 9راگست 1961ء کو واپس مرکز احمدیت ربوہ میں تشریف لے آئے۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 169 تا 171)

ڈنڈے کے زور پر صداقت دبا نہیں کرتی

وسط 1948ء میں ایک عرب نے جو ''اہل مدینہ'' کے نام سے موسوم تھا لیگوس میں احمدیت کے خلاف زہر اگلا اور مبلغ انچارج نائیجیریا مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی کو لکھا اگر تم کسی اسلامی ملک میں ہوتے تو تمہارا سر قلم کردیا جاتا۔ جناب سیفی صاحب نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں اس کی اطلاع دی تو حضور نے تحریر فرمایا کہ:

''اس بات پر زور دیں کہ عرب ممالک کی کوشش تو سر ظفراللہ احمدی کو خاص طور پر اپنا نمائندہ مقرر کرنے کی ہے اور ابن سعود کے صاحبزادے ان کو دعوتیں دیتے ہیں۔ شام کی حکومت ان کو سب سے بڑا تمغہ دیتی ہے اور اب بھی ان کو خاص طور پر شام بلوایا گیا ہے اور تم کہتے ہو اسلامی حکومت ہوتی تو تم کو مارا جاتا۔ لیکن فرض کرو کہ مارا جاتا تو کیا مکہ میں صحابہ کو مارا نہیں جاتا تھا۔ مارا جانا تو اس امر کی علامت ہے کہ دلائل ختم ہو چکے اب ڈنڈے کے زور سے صداقت کا مقابلہ کیا جائے گا۔ مگر اس طرح صداقت نہیں دبا کرتی''۔

''اہل مدینہ'' نے جناب نسیم سیفی صاحب کو عربی میں مناظرہ کا چیلنج دیا تھا جو جناب نسیم سیفی صاحب نے منظور بھی کرلیا تھا مگر وہ صاحب پہلو تہی کرتے رہے اور مباحثہ کئے بغیر واپس چل دیئے۔

(تاریخ احمدیت جلد 12 صفحہ 134-135)

جماعت احمدیہ شام کے جلسہ سیرت النبیؐ کا اخبارات میں چرچا

جماعت احمدیہ دمشق نے 26 ؍نومبر 1950ء کو سیرت النبیؐ کا جلسہ عام منعقد کیا جس میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کے علاوہ شام کی بعض اہم شخصیات نے بھی تقریریں کیں۔

......دمشق کے اخبار ''الکفاح'' نے 27؍ نومبر 1950ء کے شمارے میں لکھا:۔

الجماعة الأحمدية تحتفل بسيرة النبیﷺ

أقامت الجماعه الأحمديه بدمشق احتفالا عظيما نهارَ أمس لبيان سيرة الرسول الأعظم محمد ﷺ وألقيت فيه خطب قيمه من قبل بعض الشخصيات السورية كما وتكلم فيها أيضا الأستاذ الباكستانی ميرزا رشيد احمد چغتائی الأحمدی الذی ذكر قوه قدسيه النبی ﷺ وتاثيرها فی قلوب أصحابه والآخرين من العرب والعجم۔ وهنّأ أهل الشام على ما بوركت بلادهم وشرفت أراضيهم بقدوم فخر الكائنات إليها حيث وطأت قدمه ﷺ عليها وكان لهذه الخطب أثرها العظيم فی قلوب الحاضرين الذين أكثروا من الصلوات والسلام على سيدنا محمد أفضل الرسل وخاتم النبين عليه أفضل الصلوات وأتم التسليم۔

ترجمہ: جماعت احمدیہ کا جلسہ سیرت النبی اجماعت احمدیہ دمشق نے کل ایک عظیم الشان جلسہ حضرت رسول اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنے کے لئے منعقد کیا جس میں بعض شامی اشخاص کی قیمتی تقاریر کے علاوہ میرزا رشید احمد چغتائی پاکستانی احمدی نے بھی تقریر کی جس میں آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور حضور کے صحابہ اور عرب و عجم کے دوسرے لوگوں کے دلوں میں اس کی تاثیر کا ذکر کیا۔ اور آپ نے اہل شام کو اس بات پر مبارکباد دی کہ ان کے ملک کو یہ خاص برکت حاصل ہوئی اور ان کی سرزمین کو حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ جبکہ حضور کے مبارک قدموں نے اس کو برکت بخشی۔ ان تقاریر کا بڑا شاندار اثر حاضرین کے قلوب پر ہوا جنہوں نے سیدنا محمد افضل الرسل خاتم النبین علیہ افضل الصلوات واتم التسلیم پر بکثرت درود وسلام بھیجا۔

......اخبار ''القبس'' نے اپنی 28 ؍نومبر 1950ء کی اشاعت میں لکھا:۔

حفلةُ سيرةِ النبی ﷺ

أقامت الجماعه الأحمديه أول أمس احتفالا تكلم فيه عدد من الخطباء عن سيرة الرسول الأعظم وتحدثوا عن قدسيه الرساله التی قام بها هذا العربی العظيم ﷺ الذی أسس مدنية۔ مازال العالم يسير بها حتى اليوم۔

ترجمہ: **جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم**

پرسوں جماعت احمدیہ نے جلسہ منعقد کیا جس میں بہت سے مقررین نے حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر تقاریر فرمائیں اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان قدسیت کو بیان کیا جنہوں نے شہریت کے ایسے اصول وضع فرمائے ہیں جن سے دنیا آج تک راہنمائی حاصل کرتی چلی آرہی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 13 صفحہ 283-284)

لیبیا کی آزادی میں
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کا کردار

1912ء کی جنگ میں اٹلی نے بآسانی ترکی افواج کو شکست دے کر لیبیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عرب آبادی کو زیر اقتدار لانے میں اٹلی کو بہت مشکل کا سامنا ہوا۔ اس مہم کے سر کرنے کی ذمہ داری مارشل بڈوگلیو پر ڈالی گئی جس نے مزعومہ قیام امن کے لئے نہایت ہولناک طریق اختیار کئے۔ مثلاً بڑے بڑے قائدین جو اطالوی اقتدار کے سامنے سرخم نہیں کرتے تھے کو جبراً ہوائی جہاز میں کئی ہزار فٹ کی بلندی پر لے جا کر جہاز سے نیچے گرا دیا جاتا۔ یا اگر کسی بستی یا علاقے کے لوگوں کی طرف سے اٹھ کھڑے ہونے کا خدشہ ہوتا تو اس کا توپوں اور ٹینکوں سے محاصرہ کر کے اس علاقے کے پانیوں میں زہر ملا دیا جاتا جس سے اکثریت تو زہریلا پانی پینے سے مر جاتی تھی لیکن جو اس علاقے سے باہر بھاگنے کی کوشش کرتا وہ توپوں اور گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا۔

1949ء میں بڑی طاقتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ لیبیا کو تین حصوں میں تقسیم کر کے گویا تین ملک بنا دیئے جائیں۔ چنانچہ طرابلس کو اٹلی کی نگرانی میں، برقہ کو برطانیہ کی جبکہ فزان فرانس کی نگرانی میں مزید دس سال تک رکھنے کا فیصلہ ہوا، جس کے بعد لیبیا کے ان تین حصوں کو آزادی دینے کی تجویز تھی۔

13رمئی 1949ء کو یہ قرار داد ووٹنگ کے لئے جنرل اسمبلی میں پیش ہوئی۔ لیکن یہ تجویز منظور نہ ہوسکی کیونکہ اس کو مطلوبہ ووٹ نہ مل سکے۔ چنانچہ جنرل اسمبلی کو 21رنومبر 1949ء کو لیبیا کی آزادی کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اور تقسیم کے بغیر متحدہ لیبیا ایک ملک کی

حیثیت سے آزاد ہو گیا۔

یہ وہ تاریخ ہے جو ہر تاریخ کی کتاب میں مل جائے گی لیکن ہم تاریخ کے اس پہلو کو بیان کرتے ہیں جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔اور وہ یہ ہے کہ لیبیا کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا تھا۔تین بڑی طاقتیں اس پر متفق تھیں اور یہ اس زمانے کی بات ہے جس میں یہ بات کافی حد تک ناقابل یقین سمجھی جاتی تھی کہ ایک بات پر یہ تین بڑی طاقتیں متفق ہوں اور پھر ایسی بات پر مشتمل قرارداد ناکام رہے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ہی وہ تاریخی شخصیت تھے جو لیبیا کی تقسیم کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور آپ ہی تھے جنہوں نے خدا داد قانونی صلاحیتوں اور ذہانت سے اس قرارداد کو ناکام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔اسکی تفصیل کا خلاصہ حضرت چوہدری صاحب کی خودنوشت ''تحدیث نعمت'' سے پیش ہے:

''اس وقت اقوام متحدہ کے ممبران ملکوں کی تعداد ساٹھ سے کم تھی اور قواعد کے مطابق کسی بھی قرارداد کی منظوری کے لئے دوتہائی اکثریت کے ووٹ درکار ہوتے تھے جبکہ اس کو ناکام کرنے کے لئے ایک تہائی سے زیادہ ووٹ مطلوب ہوتے تھے۔حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:

مغربی طاقتوں نے تو سمجھا ہوگا کہ جو تجویز وہ کریں گے اسمبلی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے گی۔میرا خیال تھا کہ اگر ہم اس تجویز کو ردّ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو لیبیا کے جلد آزاد ہونے کی صورت پیدا ہو جائے گی اور اگر لیبیا آزاد ہو جائے تو شمال مغربی افریقہ کے تینوں عرب ممالک یعنی تونس، الجزائر اور مراکش کی آزادی کا راستہ کھل جائے گا۔اس لئے میری نگہ میں مجوزہ قرارداد کا رد کیا جانا از بس ضروری تھا۔مغربی طاقتوں نے ٹریپولی (طرابلس) کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز سے لاطینی امریکن ریاستوں کی تائید حاصل کر لی تھی......اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کے بعد بھی ہمیں قرارداد کے خلاف صرف 15 آراء ملنے کا یقین تھا۔عرب ریاستیں تو قرارداد کے خلاف تھیں لیکن اس وقت صرف چھ عرب ریاستیں اقوام متحدہ کی رکن تھیں۔ان میں سے مصر کے وزیر خارجہ خشابا پاشا بھی پوری جدوجہد کر رہے تھے اور ہم دونوں آپس میں مشورے کرتے رہتے تھے۔

بحث کا آخری دن اور مضطربانہ دعا

بحث کا آخری دن آ پہنچا اور قرارداد کے خلاف 15 آراء سے زیادہ کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ میری طبیعت میں سخت اضطراب تھا۔ اسی اضطراب کی حالت میں مَیں نے نماز ظہر میں نہایت عجز وانکسار سے ربّ العالمین کی درگاہ میں زاری کی کہ اِلٰہ العالمین۔۔۔تو اپنے فضل ورحم سے ہمیں وہ رستہ دکھا جس پر چل کر ہم تیرے مظلوم بندوں کی رہائی اور مخلصی کی تدبیر کر سکیں۔تیسری رکعت کے پہلے سجدے میں جاتے ہوئے دفعۃً اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور رحم سے ایک ترکیب کی تفہیم فرمادی۔ فالحمدللہ۔

مصر کے وزیر خارجہ سے گفتگو

جونہی مَیں نے نماز ختم کی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔اقوام متحدہ میں مصر کے مستقل نمائندے محمود فوزی صاحب نے فرمایا میرے وزیر خارجہ دریافت کرتے ہیں 'تم کب تک آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ وہ چاہتے ہیں کہ جلد آجاؤ تو سہ پہر کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے کچھ مزید غور کر لیں'۔مَیں وزیر خارجہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔انہوں نے پوچھا، کچھ مزید غور کیا ہے اور کوئی تجویز ذہن میں آئی ہے؟ مَیں نے کہا ہاں آئی ہے یا یوں کہئے ذہن میں ڈالی گئی ہے۔اب تک ہم اس کوشش میں رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے پوری قرارداد کے خلاف آراء حاصل کی جائیں۔اس کوشش کے نتیجہ میں تو ہمیں صرف 15 مخالف آراء حاصل ہو سکی ہیں جو قرارداد کے ردّ کرنے کے لئے کافی نہیں......اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جو ممالک برطانیہ یا فرانس کی خوشنودی کی خاطر برطانیہ کو Cyrenaica (برقہ) اور فرانس کو فیضان (فوزان) کی نگرانی سپرد کرنے کے لئے مؤید ہیں ان میں سے تین چار کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اس قرارداد میں برطانوی اور فرانسیسی نگرانی والی شقوں کی تائید میں رائے دینے کے بعد تیسری شق جس میں ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد کرنے کی تجویز ہے کے مخالف رائے دیں۔

خشابا پاشا: اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا حاصل ہوگا؟

ظفراللہ خان: حاصل یہ ہوگا کہ تیسری شق قرارداد سے خارج ہو جائے گی۔

خشابا پاشا: لیکن ملک تو پھر بھی تقسیم ہو جائے گا۔ برطانیہ اور فرانس کو مجوزہ علاقوں کی نگرانی سپرد کر دی جائے گی۔ تم خود اب تک مصر رہے ہو کہ لیبیا کی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔ اب تم نے یکا یک اپنی رائے کیوں بدل لی ہے؟

ظفر اللہ خان: مَیں نے رائے نہیں بدلی۔ مَیں اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ لیبیا کی تقسیم ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ اگر میری بیان کردہ ترکیب سے تیسری شق قرارداد سے خارج ہوگئی تو کوئی تقسیم نہیں ہوگی۔

خشابا پاشا: وہ کیسے؟

ظفر اللہ خان: اگر ٹریپولی کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہوئی تو لاطینی امریکن ریاستیں بقیہ قرارداد کو قبول نہیں کریں گی اور تینوں شقوں پر رائے شماری کے بعد جب مجموعی طور پر ساری قرارد پر رائے شماری ہوگی تو لاطینی امریکن ریاستیں اس کے خلاف رائے دیں گی۔

خشابا پاشا: (خوشی سے اچھل کر) خوب تجویز ہے۔ میرے ذہن میں بالکل نہیں آئی۔ پھر اب کیسے کیا جائے؟ وقت بہت تھوڑا ہے۔ آج شام رائے شماری ہو جائے گی۔

ظفر اللہ خان: لاطینی امریکن ممالک میں ہائیٹی (Haiti) ایک ایسا ملک ہے جس کا اٹلی سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک تو ان کے ساتھ کوشش ہونی چاہئے۔ انکی زبان فرانسیسی ہے، آپ کے وفد میں سے کوئی صاحب ان کے ساتھ بات چیت کریں۔ سر بی این راؤ ہندوستانی نمائندے کے ساتھ مَیں بات کرتا ہوں۔''

دونوں ملکوں نے تیسری شق کے خلاف رائے دینا منظور کر لیا۔

مغربی ریاستیں مطمئن نظر آتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں قرارداد کے منظور ہونے کا پورا یقین ہے۔ رائے شماری شروع ہوئی۔ پہلی شق منظور ہوگئی، دوسری شق منظور ہوگئی، تیسری شق پر رائے شماری ہوئی تو حاضر 58، اراکین میں سے 8 نے رائے دینے سے اجتناب کیا، باقی 50 اراکین نے رائے دی۔ منظوری کے لئے کم از کم 34 آراء کی ضرورت تھی لیکن اسکے حق میں صرف 33 اور اس سے خلاف 17 آراء آئیں۔ کامیابی کے لئے مزید ایک رائے ان کو نہ مل سکی۔ اور یوں صاحب صدر کو چار و ناچار اس شق کے نامنظور ہونے کے باعث قرارداد سے خارج ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔

''مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔''

حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:

ہماری طرف سے خوشی کا اظہار تو لازم تھا ہی لیکن معلوم ہوتا ہے میرے اعصاب پر پہلے چند دنوں کی پریشانی اور اضطراب کا بوجھ تھا۔ میری طبیعت قابو میں نہ رہی اور میں جوش سے اپنے سامنے کے ڈیسک کو زور زور سے متواتر پیٹنے لگا۔ کرنل عبدالرحیم (اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے) نے آہستہ سے مجھے کہا: چوہدری صاحب کیا کر رہے ہیں؟ مَیں نے کہا: ''مغربی طاقتوں کی چھاتی پیٹ رہا ہوں۔''......کئی دن تک میرے دونوں ہاتھ اس ڈیسک کوبی کی وجہ سے متورّم رہے۔''

اس طرح طرابلس کی نگرانی اٹلی کے سپرد نہ ہوسکنے کی وجہ سے لاطینی امریکن ریاستوں کی طرف سے قرارداد کی بقیہ شقوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ساری قرارداد ردّ ہوگئی۔

لیبیا کی آزادی کا پروانہ

حضرت چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اجلاس ختم ہونے پر مَیں کراچی واپس آگیا۔ کچھ دنوں بعد اطالوی سفیر متعینہ پاکستان مجھ سے ملنے آئے اور اپنے وزیر خارجہ (کونٹ سفورزا) کا ایک خصوصی پیغام میرے نام لائے۔ کونٹ سفورزا نے کہلا بھیجا ہمیں قرارداد کے ردّ ہو جانے پر کوئی رنج نہیں۔ ہم عرب ممالک کی دوستی اور خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ اور اسمبلی کے آنے والے اجلاس میں لیبیا کی فوری آزادی کی تائید کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ 1949ء کے سالانہ اجلاس اسمبلی میں یہ قرارداد منظور ہوگئی کہ یکم جنوری 1951ء سے لیبیا آزاد ہوگا۔ اس قرارداد کے نفاذ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے اراکین میں مصر اور پاکستان دونوں شامل تھے۔ چنانچہ قرارداد کے مطابق یکم جنوری 1951ء کو لیبیا کی آزاد حکومت قائم ہوگئی۔ فالحمدللہ۔''

(ماخوذ از تحدیث نعمت صفحہ 567 تا 573)

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کا دورۂ مصر

حضرت چوہدری صاحب 1952ء میں ایک دفعہ مصر گئے تو وہاں کے اخبار ''المصور'' نے نہ صرف آپ کے بارہ میں آرٹیکل لکھے بلکہ آپ کا انٹرویو بھی کیا اور اسے اپنے تبصروں کے ساتھ شائع کیا۔ ذیل میں اس کے چند اقتباسات اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ظفر اللّٰہ خان مجاهد هندى قديم، يخطب بالإنجليزية، كأعاظم خطباء الإنجليز فى أخطر المجامع وأخطر المسائل، يخطب ارتجالا--- وشهد الذين سمعوه يخطب، أنه من أخطب خطباء العالم--- إنه يقدس الصدق، ويحذر دائما أن يزيد شيئا على الحقيقة المجردة من كل مبالغة، ويعرف متى يتحتم الكلام، ومتى يتحتم الصمت۔

(المصور المصریۃ، العدد الصادر فی 29 فبرایر 1952م صفحہ 34)

ظفر اللہ خان صاحب پرانے انڈین مجاہد ہیں، آپ انگریزی زبان میں عظیم انگریز مقرروں کی طرح دنیا کے اعلیٰ ترین اور خطرناک ترین ایوانوں میں اور خطرناک مسائل کے بارہ میں فی البدیہہ تقریر کا ملکہ رکھتے ہیں...... جنہوں نے آپ کو تقریر کرتے ہوئے سنا ہے ان کی گواہی ہے کہ آپ دنیا کے عظیم مقررین میں سے ایک ہیں۔ آپ سچائی کو مقدس سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اصل حقیقت پر کسی قسم کی مبالغہ آمیزی کا اضافہ نہ ہو۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ کہاں بولنا ضروری ہے اور کہاں خاموشی اختیار کرنا لازم

ہے۔

الرجل الذی یمسك بیده غصن الزیتون ویطیر به بین أطباق السحاب---إنه رجل خیر، تبرع بأکثر من ثلث دخله الخاص للإنفاق علی الجمعیات الخیریة فی الباکستان، وشهد له أعضاء هیئة الأمم بحرصه علی أداء فروض الصلاة بانتظام وفی ومواعیدها، حتی لقد حدث أن أزف وقت الصلاة مرة ولم یتمکن من الذهاب إلی منزله لأدائها بسبب استمرار اجتماع الهیئة، فدخل "کشك التلیفون" ووقف یقیم الصلاة--!

وقد عُرف "ظفر اللّٰه خان" بأنه لا یباری فی عرض الحجج والبراهین وسرد الحقائق، وإذا تکلم أو خطب ارتجالا بلغ الذروة، وقد ضرب الرقم القیاسی فی الخطابة بمجلس الأمن إذا استمر یخطب ست ساعات کاملة دون توقف!----

(المصور المصریة، العدد الصادر فی۲۹ فبرایر ۱۹۵۲م ص ۱۰ نقلا عن مجلة البشری المجلد ۱۸ نیسان أیار ۱۹۵۲م ص ٥٦ إلی ٥۹)

آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو پیام امن لے کر بادلوں کے درمیان اڑتی پھرتی ہے۔ ......آپ ایک نیک اور ہمدرد آدمی ہیں،آپ نے اپنی تنخواہ کا تیسرا حصہ پاکستان میں انسانی بھلائی کی تنظیموں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔اور اقوام متحدہ کے ممبران اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ اپنی فرض نمازیں ان کے اوقات پر ادا کرنے کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک اجلاس کے جاری رہنے کی وجہ سے آپ گھر میں جا کر نماز ادا نہ کر سکے چنانچہ آپ نے قریبی ٹیلیفون کے بوتھ میں داخل ہو کر کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کر لی۔

ظفر اللہ خان کے بارہ میں مشہور ہے کہ دلائل و براہین کے بیان اور حقائق کے تذکرہ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ جب بھی آپ بولتے ہیں یا زبانی خطاب فرماتے ہیں تو آپ کی گفتگو نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔آپ نے سلامتی کونسل میں چھ گھنٹے مسلسل خطاب کرنے کا ریکارڈ بھی قائم کیا ہے۔

اقوام متحدہ میں مصری نمائندہ کی شہادت

ولعل صاحبنا السيد محمد ظفر اللّٰه خان هو الشخص الوحيد من الشخصيات السياسية البارزة فى العالم بالوقت الحاضر الذى لا يفارقه القرآن المجيد أبدا۔ ويصلى خمس صلوات مستقبل إلى القبلة الشريفة تحت كل سماء وفوق كل أرض وفى جو السماء حين تحمله الطائرات من الشرق إلى الغرب ومن الشمال إلى الجنوب۔ ولا يتأخر عن بيان فضائل الإسلام ومحاسنه بالقلم واللسان والعمل بأحكامه حتى فى قاعات هيئة الأمم المتحدة۔

(جريدة الأخبار عدد ٢٣ يونيو ١٩٥٢م نقلا عن مجلة البشرى المجلد ١٨ أغسطس ١٩٥٢م ص ١١٤)

شاید ہمارے دوست مکرم محمد ظفر اللہ خان صاحب ہی اس وقت کی مشہور عالمی شخصیات میں سے وہ واحد شخصیت ہیں جو ہر وقت قرآن کریم اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور ہر آسمان اور ہر زمین حتیٰ کہ آسمان کی فضاؤں میں بھی جبکہ وہ جہازوں میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی سمت محوسفر ہوتے ہیں پانچوں نمازیں قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے ادا کرتے ہیں، اور قلم وزبان سے اسلام کے فضائل ومحاسن کے بیان سے تھکتے نہیں اور اقوام متحدہ میں بھی اسلامی احکام پر عمل کرنے سے پیچھے نہیں رہتے۔

اہل قادیان ایک عرب احمدی کی نظر میں

1950ء میں مصر کے ایک مخلص احمدی عبدالحمید افندی صاحب قادیان گئے۔ وہاں سے انہوں نے اہل قادیان کے بارہ میں جو اپنے تاثرات لکھ کر ارسال کئے وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

أما قاديان فإن أصفهم على مقدار إدراكی: فهم عبارة عن كتاب مفتوح، نقرأ بين ثناياه آية البراء ة، ملتهبين بنار الفضيلة لإنقاذ بنی نوع الإنسان من براثن الشيطان وإرشادهم إلى طريق الرحمٰن، وقد بلغوا من جمال الأخلاق ما جذبوا به ألد أعداء الإسلام إلى محبتهم واحترامهم فهذه هی المزايا والصفات التی رأيتها فيهم۔

(رسالة عبد الحميد أفندی من قاديان ١٤ أغسطس ١٩٥٠ المنشورة فی مجلة البشری)

اہل قادیان کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ وہ ایک ایسی کھلی کتاب کی طرح ہیں جس میں ہم معصومیت کی نشانیوں کا بیان پڑھتے ہیں۔ انکے دل میں بنی نوع انسان کو شیطان کے چنگل سے چھڑانے اور خدائے رحمٰن کی طرف لے جانے کے لئے ایک آگ اور تڑپ ہے۔ اوراخلاقِ حسن ان میں اس اعلیٰ درجہ کا ہے کہ جو بڑے سے بڑے اعدائے اسلام کو بھی انکی محبت کا گرویدہ اور ان کا قدردان بنا دے۔ یہ صفات اور خصائل ہیں جو مَیں نے ان میں خود دیکھے ہیں۔

اتحاد بین المسلمین
کے سلسلہ میں گیارہ ممالک کے اتحاد کی تجویز

مارچ 1952ء کے آخر پر حضرت خلیفہ ثانیؓ حیدر آباد میں مقیم تھے۔ آپ کے یہاں قیام کا اہم ترین واقعہ ''اتحاد بین المسلمین'' کے موضوع پر عظیم الشان لیکچر ہے جو 25/مارچ 1952 کو آپ نے ارشاد فرمایا۔

اس عظیم الشان لیکچر میں حضورؓ نے فرمایا کہ اجتماعیت اور ملّت کا جو احساس اسلام نے پیدا کیا ہے وہ کسی اور مذہب نے پیدا نہیں کیا۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو اجتماعیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

پھر حضور نے اسلامی اتحاد کے عناصر کے بیان میں کلمہ طیبہ، قبلہ، نماز، حج وغیرہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ چاہے کوئی سنی یا شیعہ یا کسی اور مسلک سے تعلق رکھتا ہو ان عناصر سے انکار نہیں کر سکتا، اور یہ عناصر سب میں مشترک ہیں۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال:47)

اے مسلمانو، تم آپس میں اختلاف نہ کرو۔ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو کمزور ہو جاؤ گے اور دشمن سے شکست کھا جاؤ گے۔ تم ہمیشہ اکٹھے رہنا اور ایک دوسرے کے مددگار رہنا۔ واصبروا اور چونکہ اکٹھے رہنے میں تمہیں کئی مشکلات پیش آئیں گی اس لئے تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ جب تم اجتماعیت کی طرف آؤ گے تو کئی جھگڑے پیدا ہوں گے...... پھر تم کیا

کرو۔فرمایا وَاصْبِرُوْا اور مجھ پر امید رکھو میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔
اس کے بعد حضورؓ نے اسلامی اتحاد کے دو اصول بیان فرمائے۔

پہلا اسلامی اصول اتحاد

اگر ہم اکٹھے ہو کر بیٹھ جائیں گے تو آہستہ آہستہ اتحاد کی کئی صورتیں نکل آئیں گی۔فلاں مردہ باد، فلاں زندہ باد کے نعروں سے کچھ نہیں بنتا۔اگر کوئی نقطہ مرکزی ایسا ہے جس پر اتحاد ہوسکتا ہے تو اس کو لے لو کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ اختلافات قائم رکھو......پھر یہ بیوقوفی کی بات ہے کہ ہم ان اختلافات کی وجہ سے اتحاد کو چھوڑ دیں۔

دوسرا اسلامی اصول اتحاد

دوسرا اصول اتحاد کا یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز پر قربان کر دیا جائے۔اگر تم دیکھتے ہو کہ ہر بات میں اتحاد نہیں ہوسکتا تو تم چھوٹی باتوں کو چھوڑ دو اور بڑی باتوں کو لے لو۔

عالم اسلام کو دعوت اتحاد

پس ان دونوں باتوں پر عمل کیا جائے تو اتحاد ہوسکتا ہے اس وقت پاکستان، لبنان ،عراق، اردن ،شام ،مصر، لیبیا، ایران ،افغانستان ،انڈونیشیا اور سعودی عرب یہ گیارہ مسلم ممالک ہیں جو آزاد ہیں اور ان سب میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔اگر انہوں نے آپس میں اتحاد کرنا ہے تو پھر اختلافات کو برقرار رکھتے ہوئے ان کا فرض ہے کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ کیا کوئی ایسا پوائنٹ بھی ہے جس پر وہ متحد ہوسکتے ہیں؟ اور اگر کوئی ایسا پوائنٹ مل جائے تو وہ اس پر اکٹھے ہو جائیں اور کہیں کہ ہم یہ بات نہیں ہونے دیں گے۔
مثلاً یہ سب ممالک اس بات پر اتحاد کرلیں کہ ہم کسی مسلم ملک کو غلام نہیں رہنے دیں گے اور بجائے اس کے کہ اس بات کا انتظار کریں کہ پہلے ہمارے آپس کے اختلافات دور ہو جائیں وہ سب مل کر اس بات پر اتحاد کرلیں کہ وہ کسی ملک کو غلام نہیں رہنے دیں گے اور سب مل کر اس کی آزادی کی جدوجہد کریں گے......۔
وہ اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اختلاف کے باوجود ہم دشمن سے اکٹھے ہو کر لڑیں گے

اور ہم بھی اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ باہمی اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے سے لڑیں گے نہیں۔

نازک زمانہ کی خبر

اسلام پر ایک نازک زمانہ آرہا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو کھولیں اور خطرات کو دیکھیں اور کم از کم اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مٹنے نہیں دیں گے۔ (تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ 63 تا 73)

آج بھی عالم اسلام ان نصائح پر عمل کرلے تو اسلامی ممالک ایک ایسی قوت بن کر ابھر سکتے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی کسی کو طاقت نہ ہوگی۔ آج بھی حضورؓ کے یہ الفاظ دعوت عمل دے رہے ہیں اور آپ کے ارشاد کے مطابق وہ نازک زمانہ آچکا ہے اور اسلامی ممالک کو اتحاد کی جس قدر اس زمانہ میں ضرورت ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔

بعض یورپی ممالک کی طرف سے اسلام دشمن سرگرمیوں کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز کارٹون جاری کئے تو ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی تمام عالم اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج عالم اسلام کو متحد ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کاش کہ ان کو سننا نصیب ہو اور عمل کے لئے قدم اٹھنے لگیں۔

1953ء کے فسادات پر مصری پریس

مصر کے مشہور صحافی جناب عبدالقادر حمزہ نے پاکستان میں مذہب کے عنوان سے اخبارُ البلاغ' میں ایک خصوصی مقالہ سپرد اشاعت کیا جس کا خلاصہ اخبارُ مدینہ' بجنور 28/ مارچ 1953ء میں حسب ذیل الفاظ میں شائع ہوا:۔

قاہرہ 23/ مارچ اخبار البلاغ کے پروپرائٹر عبدالقادر حمزہ پچھلے دنوں مصری اخبار نویسوں کے وفد کے رکن کی حیثیت سے پاکستان گئے تھے۔ آپ نے اپنے اخبار کے صفحہ اول پر ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں مذہب کے نام پر ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا ہے علماء اور دوسرے لوگ عوام کے کورانہ عقائد سے بے جا استفادہ کررہے ہیں۔

آج کل پاکستان اسی لعنت میں مبتلا ہے جس میں مصر مبتلا رہ چکا ہے۔ یعنی کچھ لوگ سیاسی اثر بڑھانے کے لئے مذہب سے بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور ایسے معاملات سیاسیات میں دخل دینے کی کوشش کررہے ہیں جو ان سے تعلق نہیں رکھتے۔ محض اس دعویٰ کی بناء پر کہ ہم علماء ہیں دوسرے لوگ بھی عوام کے مذہب احساسات سے بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں پر دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی نسبت مذہب کا اثر زیادہ غالب ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی مسلمان قرآن پڑھتا ہے۔ اور وہ اس کی بعض سورتوں کو ازبر کرلیتا ہے۔ لیکن وہ نہ قران کے معانی و مطالب کو سمجھتا ہے اور نہ اسلام کے متعلق کسی دوسری کتاب کو۔ نہ عربی زبان جانتا ہے اس لئے خواندہ ہونے کے باوجود ناخواندہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ عام پاکستانی محض مذہبی طور پر مسلمان ہیں اوران سے مذہب کے نام پر یا اس کے متعلق جو کچھ کہہ دیا جاتا ہے اس پر یقین کرلیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے دورہ میں جو فرقہ وارانہ گڑبڑ دیکھی

اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ مسلمان اسلام کی صحیح سپرٹ سے نا آشنا ہیں۔ میرا مقصد نہ احمدیوں کی صفائی پیش کرنا ہے اور نہ ان کے مخالفوں پر نکتہ چینی کرنا۔ اگر ایسی صورت میں کہ اختلافی بحث بلوے اور آتش زنی کی شکل اختیار کر لے اور بے گناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جانے لگے تو افسوس ہوتا ہے۔ اگر پاکستانی مسلمان زیادہ ہو جائیں اور تعلیم یافتہ افراد کی تعداد بڑھ جائے تو ایسے قابل اعتراض اعمال کا رونما ہونا ناممکن ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ جہاں جدید علوم و فنون حاصل کئے جائیں وہاں قرآن کے معانی و مفہوم سے قریب تر ہونے کی کوشش کی جائے۔

(بحوالہ بدر قادیان 7/اپریل 1953ء صفحہ 6)

یہ فسادات ابھی تک ہو رہے ہیں۔ اور نہ جانے ایسے تعلیم یافتہ افراد کی تعداد کب اتنی ہوگی کہ جس سے پاکستان کے فسادات ختم ہو سکیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اب تک تو ان فسادات کی جڑ کہلانے والے حضرات اپنے آپ کو سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور پڑھا لکھا انسان سمجھتے ہیں۔

شاہ ابن سعود کی وفات پر حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے تعزیت

شاہ عبدالعزیز ابن سعود جو نجد و حجاز مقدس کے بادشاہ اور عالم اسلام کے نہایت جری، زبردست مدبر اور مرنجاں اور جدید جنگی فنون کے ماہر اور بین الاقوامی سیاست کے خم و پیچ سے واقف تھے 10 نومبر 1953ء کو انتقال کر گئے۔ تمام عرب ملکوں نے اپنی سرکاری تقریبات ملتوی کر دیں اور قاہرہ، دمشق اور عمان کے ریڈیو سٹیشنوں سے عام پروگرام کی بجائے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی گئی۔ تمام عرب ملکوں نے اڑتالیس گھنٹوں تک سوگ منایا۔ نیویارک میں اقوام متحدہ کا پرچم شاہ ابن سعود کے ماتم میں سرنگوں رہا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 21/نومبر 1953ء صفحہ 1)

صاحب الجلالۃ شاہ مملکت سعودیہ عبد العزیز ابن سعود جیسے بیدار مغز، نیک دل اور شریف بادشاہ کے عہد حکومت میں اتحاد بین المسلمین کی تحریک کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ جلالۃ الملک ابن سعود کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ انہوں نے حج بیت اللہ کے دروازے ہر کلمہ گو مسلمان کے لئے ہمیشہ کھلے رکھے۔ ایک بار الفضل کے سیاسی نامہ نگار نے جلالۃ الملک سے مکہ معظّمہ میں ملاقات کی تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی نسبت فرمایا کہ تبلیغ اسلام میں مدد دینا ہمارا کام ہے اور احمدیوں کی نسبت جب سورت کے ایک اہلحدیث نے شکایت کی کہ یہ ایک اور نبی کے ماننے والے ہیں تو سلطان نے کہا یہ تو شرک فی النبوۃ کرتے ہوں گے مگر یہاں تو شرک فی التوحید کرنے والے بھی آتے ہیں۔ پھر احمدیوں کو

مکّہ سے نکالنے کی تجویز پر پوچھا کیا یہ کعبۃ اللہ کو بیت اللہ سمجھ کر حج کے لئے آتے ہیں ؟ جواب میں ’’ہاں‘‘ سن کر فرمایا ’’تو کیا یہ عبدالعزیز کے باپ کا گھر ہے جس سے مَیں نکال دوں؟ یہ خدا کا گھر ہے۔‘‘

(روزنامہ الفضل قادیان 24 /جولائی 1935ء صفحہ 5 کالم 3،4)

جمعیت العلمائے ہند سے خصوصی رابطہ رکھنے والے ایک صاحب علم اور صاحب قلم نے ہفت روزہ ’’صدیق جدید‘‘ لکھنؤ مورخہ 6/اگست 1965ء صفحہ 8 میں شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے زمانے کا یہ واقعہ بایں الفاظ لکھا کہ:

’’حجرہ نشین مولویوں نے مرحوم سے کہا کہ چونکہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں اس لئے انہیں حجاز مقدس سے نکال دیا جائے۔ مرحوم نے مولوی صاحبان سے پوچھا کہ قادیانی حج کو اسلام کا رُکن اور اس کو فرض سمجھتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ فرض سمجھتے ہیں۔ اس پر مرحوم نے فرمایا کہ جو شخص حج کی فرضیت کا قائل ہے اور اسے اسلام کا اہم رُکن سمجھتا ہے اسے حج سے روکنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ یہ واقعہ ہم نے مرحوم کی زندگی میں خود بعض مولویوں کی زبانی سنا تھا۔ ممکن ہے کہ بعض اخبارات میں بھی شائع ہوا ہو۔‘‘

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعودؓ کو دنیائے اسلام کی اس عظیم شخصیت کے المناک انتقال پر بہت صدمہ ہوا اور آپ نے 11/نومبر 1953ء کو اپنی اور جماعت احمدیہ کی طرف سے سعودی عرب کے نئے سلطان ہز میجسٹی شاہ سعود بن عبدالعزیز کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی کرے۔ اس سلسلہ میں حضور نے شاہ عبدالعزیز کے بیٹے کے نام ربوہ سے جو ٹیلی گرام ارسال فرمایا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

ہز میجسٹی شاہ سعودی عرب

مَیں اپنی اور جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کے نامور والد کی وفات پر آپ سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے محبوب و مقدس ملک عرب کو امن اور ترقی سے نوازے اور تمام امور میں آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ کے کندھوں پر جو بوجھ ڈالا گیا ہے اسے برداشت کرنے

میں آپ کی مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ۔ ربوہ

مورخہ 11 /نومبر 1953ء

(روزنامہ المصلح کراچی 18/نومبر 1953ء صفحہ 1، مجلّہ ''البشریٰ'' دسمبر 1953ء صفحہ 179)

صاحب الجلالۃ شاہ سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کو اس تعزیت نامہ کے جواب میں حسب ذیل ٹیلی گرام موصول ہوا:۔

"جدة

مرزا بشير الدين محمود احمد امام الجماعة الاحمدية، ربوة

نشكركم وطائفتكم على تعزيتكم ومشاركتكم فى مصابنا العظيم۔

سعود بن عبدالعزيز"

(مجله "البشرى" نومبر 1954ء)

جده

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ربوہ

آپ کی طرف سے تعزیت فرمانے اور ہمارے اس بہت بڑے دکھ میں ہمارا ساتھ دینے پر ہم آپ کے اور آپ کی جماعت کے شکر گزار ہیں۔

سعود بن عبدالعزیز

حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحبؓ کی خدمات کا اعتراف

عراق کے نائب سفیر کا اعتراف

عراق کے نائب سفیر متعینہ پاکستان السید عبدالمہدی العشیر نے پاکستان کے یوم آزادی کے موقع پر 14راگست 1953ء کو ریڈیو پاکستان سے اہل پاکستان کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے فرمایا کہ عراق پاکستان کی اس جدو جہد کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا جو اس نے اقوام متحدہ میں متعدد عرب مسائل کی تائید میں کی ہے۔ موصوف نے کہا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے اس سلسلے میں وہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ جس نے اہل عراق کے دل موہ لئے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں انہیں ایک سچا اور حقیقی دوست ملا ہے۔ آپ نے بے مثال جذبے اور کمال دلیری سے ان کے قومی مفاد کی حفاظت کی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام عراقیوں کی قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان اور عراق کے درمیان گہرے اور مستحکم تعلقات قائم ہیں۔ دونوں نے بین الاقوامی حلقوں میں عالمی امن کی سلامتی اور غلام ممالک کے باشندوں کی تحریک آزادی میں ایک دوسرے سے گہرا تعاون کیا ہے۔

(مارننگ نیوز ''Morning News'' کراچی 16راگست 1953ء بحوالہ روزنامہ المصلح کراچی 18راگست 1953ء صفحہ 3)

شاہ حسین کی طرف سے حضرت چوہدری صاحب کو دعوت

حضرت چوہدری صاحب نے 1953ء میں ایشیا کے بعض ممالک کا دورہ کیا اس دوران

اُردن جانے کا بھی اتفاق ہوا اس کے بارہ میں آپ اپنی خودنوشت ''تحدیث نعمت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''تہران میں اُردن کے سفیر تشریف لائے اور فرمایا میری حکومت کی طرف سے مجھے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ مَیں اس کی طرف سے آپ کو یہاں سے دمشق واپس جانے پر عمان آنے کی دعوت دوں۔ مَیں نے عذر کیا کہ مجھے اب جلد کراچی پہنچنا ہے۔ دوسرے دن وہ پھر تشریف لائے اور فرمایا مَیں نے تمہارا عذر عمان پہنچا دیا تھا وہاں سے مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ مَیں تمہیں جلالۃ الملک کا ذاتی پیغام پہنچاؤں کہ ان کی خواہش ہے کہ تم اس موقع پر عمان ضرور آؤ۔ مَیں نے عرض کیا کہ اب تو سوائے تعمیلِ ارشاد کے کوئی چارہ نہیں مَیں ضرور حاضر ہوں گا۔''

''جلالۃ الملک حسین ابن طلال بن عبداللہ بڑی محبت اور احترام سے پیش آئے۔ فرمایا ہم سب تہہ دل سے تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے قضیہ فلسطین کی ابتدا سے نہایت جرأت اور دانشمندی سے ہمارے حقوق کا دفاع کیا ہے اور جب حال ہی میں اسرائیلیوں نے سخت ظلم اور تعدی سے قبیہ کا عرب گاؤں ہماری حدود کے اندر بیجا مداخلت کر کے برباد کر دیا تو تم نے خود مجلسِ امن میں پیش ہو کر اسرائیلیوں کی مکّاریوں اور فریب کاریوں کا پردہ فاش کیا۔ مَیں نے عرض کیا پاکستان قضیہ فلسطین کو اپنا اور سارے عالم اسلام کا قضیہ سمجھتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جو مدد اور خدمت اس بارے میں ہمارے امکان میں ہو اس سے دریغ نہ کریں۔ جب قبیہ پر اسرائیلی یورش کا مسئلہ مجلسِ امن میں زیر بحث آیا تو پاکستان کا فرض تھا کہ حق اور انصاف کی پوری حمایت کرے۔ بے شک مجلس امن کی روایت ہے کہ عموماً ہر رکن کا مقرر کردہ مستقل نمائندہ ہی اس کی طرف سے مجلس امن میں تقریر کرتا ہے۔ لیکن امور خارجہ میں ہر ملک کا اصل نمائندہ تو وزیر خارجہ ہی ہے۔ مَیں نے قرینِ مصلحت سمجھا کہ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر مَیں خود پاکستان کی طرف سے مجلس میں نمائندگی کروں۔

جلالۃ الملک سے میری تین ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر دفعہ بڑی محبت سے پیش آئے۔ ایک ملاقات میں تو صرف مَیں حاضر خدمت تھا، بلا تکلف عرب اور عالم اسلام کے اہم مسائل پر گھنٹہ بھر سے زائد گفتگو رہی۔ دوسرے دن شام کے کھانے پر وزراء اور سفراء اور کثیر تعداد شرفاء کی مدعو تھی۔ کھانے کے بعد جلالۃ الملک نے کمال شفقت سے ''ستارۂ اردن'' کا سب سے اعلیٰ نشان مجھے مرحمت فرمایا۔''

(تحدیث نعمت صفحہ 610 تا 612)

حسن اتفاق سے وہ اردن کے بادشاہ ہیں

دوسری مرتبہ جب حضرت چوہدری صاحب اُردن تشریف لے گئے تو شام اور اُردن کی سرحد پر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ وہاں پر پریس کے لوکل نمائندہ نے چوہدری صاحب سے سوال کیا کہ آپ عمان کس غرض کیلئے جا رہے ہیں؟ چوہدری صاحب نے جواباً فرمایا:

ایک دوست کی ملاقات کے لئے۔

اس نے پوچھا: کیا جلالۃ الملک کی خدمت میں بھی حاضری کا موقع ہوگا؟

چوہدری صاحب نے فرمایا: یہاں جو میرے دوست ہیں ان کا نام حسین بن طلال ہے۔ حسن اتفاق سے وہ اردن کے بادشاہ بھی ہیں۔لیکن میری غرض دوست سے ملاقات ہے۔ دوست کو بادشاہ پر سبقت ہے۔

(تحدیث نعمت صفحہ 610 تا612)

اردن کے شاہ حسین حضرت چوہدری صاحب کو تمغہ پہناتے ہوئے

شاہِ اردن کی طرف سے تمغہ دیئے جانے کے بعد کا ایک منظر

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ اردن کے شاہ حسین کے ساتھ میٹنگ کے دوران

دو لبنانی احمدیوں کا دردانگیز قصیدہ

10/ مارچ 1954ء کو حضرت مصلح موعود پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس خبر سے احمدیوں کے قلوب و اذہان پر کیا بیتی؟ یہ ایک عجیب اور طویل داستان ہے۔ لیکن مشرق وسطی کے مخلص احمدیوں کے دل پر اس واقعہ نے کیا اثر ڈالا؟ اس سلسلہ میں دو لبنانی احمدیوں ابو صالح السید نجم الدین اور السید توفیق الصفدی کے مندرجہ ذیل دردانگیز قصیدہ سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اس حادثہ عظمیٰ سے متاثر ہو کر کہا۔ اسکے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

أمير المومنين فدتك نفسى
وبعد النفس ما كان افتداءُ

علمت بما جرى من فعل وغد
ابى فى دربهٖ الا التواء

شفاك اللّٰه من جرح بقلبى
لهٗ الم وليس لهٗ دواءُ

وعافاك المهيمن من جروح
جروحا اودعت فى الصدر،داءُ

اذا ماكان مولانا بخير
فنحن ومالك الدنيا سواء

ذكرت بجرحك الفاروق لما
رماه الوغد وانقطع الرجاءُ

وعثمان النقی قتیل بیتٍ
كذاك علی اتقی الاتقياء
تأسی فیهم یا ابن المعالی
ولا تنس شهيد الكربلاء
عليك سلام ربی كل حين
سلام مابه قط رياء

ترجمہ:

اے امیر المومنین ! میری جان آپ پر فدا ہو اور جان سے بڑھ کر کیا فدیہ ہوگا ؟ ایک شریر، سرکش اور غیر مہذب شخص نے اپنی حرکت سے آپ کو جو نقصان پہنچایا ہے، مجھے اس کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس زخم سے شفا بخشے جس کی وجہ سے میرے دل میں ایسا درد ہے، جس کا کوئی علاج نہیں ۔ اے امام ! جماعت احمدیہ آپ پر قربان ۔ اسے امیر ! میری جان آپ پر نثار۔ اے امام ! اللہ تعالیٰ آپ کو ان زخموں سے جلد شفا بخشے ۔ جنہوں نے میرے سینہ میں مستقل زخم ڈال دیئے ہیں اور مجھے بیمار کر دیا ہے۔ جب ہمارا آقا خیر و عافیت سے ہوتو ہمیں ساری دنیا کی بادشاہت ملنے کے برابر خوشی ہوتی ہے۔ اے مثیل عمرؓ! تیرے زخم سے حضرت عمرؓ کی یاد تازہ ہوگئی جب ایک کمینے نے آپ پر وار کیا اور امید حیات جاتی رہی ۔ اور ایسا ہی حضرت عثمانؓ کی یاد تازہ ہوگئی جو بے گناہ تھے اور گھر کے اندر شہید کئے گئے ۔ نیز حضرت علیؓ اتقی الاتقیاء بھی یاد آ گئے ۔ اے جلیل القدر امام ! ان بزرگوں کے مصائب ہمارے لئے اسوہ ہیں اور اس سلسلہ میں شہید کر بلا حضرت امام حسینؓ کو کون بھلا سکتا ہے ۔ اے سرمایہ حیات ! اور اے ذخیرۂ آخرت ! تجھ پر ہر گھڑی خدا تعالیٰ کا سلام ۔ تجھ پر ہر گھڑی بنی نوع انسان کا مخلصانہ سلام ۔

(از تاریخ احمدیت جلد 16 صفحہ 242-246)

جلالۃ الملک شاہ سعود سے
جماعت احمدیہ کراچی کے ایک وفد کی ملاقات

جماعت احمدیہ کراچی کے ایک وفد نے 15؍اپریل 1954ء کو شاہ سعود ابن عبدالعزیز حکمران سعودی عرب سے ملاقات کر کے جماعت کی طرف سے ان کی آمد پر مبارکباد دی۔ شاہ سعود نے جماعت کے وفد سے مل کر اظہار خوشنودی فرمایا۔ وفد مولوی عبدالمالک خانصاحب مبلغ کراچی۔ جنرل سیکرٹری صاحب جماعت کراچی۔ مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ وسیکرٹری تبلیغ کراچی اور مولوی نورالحق صاحب انوؔر سابق نائب وکیل التبشیر پر مشتمل تھا۔ جب شاہ موصوف کو بتایا گیا کہ مولوی نورالحق صاحب انور فریضہ تبلیغ ادا کرنے کیلئے امریکہ جارہے ہیں تو شاہ موصوف نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلسلہ کی کتب کا ایک سیٹ بھی پیش کیا گیا۔

(الفضل 20؍اپریل 1954ء صفحہ 1 و'بدر' قادیان 7؍مئی 1954ء صفحہ 8)

عربوں میں احمدیت کی تبلیغ کے باقی تاریخی حالات وواقعات ''مصالح العرب'' جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں جو 1955ء تا 2011ء کے تاریخی واقعات کا مجموعہ ہے، جس کی ابتداء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دوسرے سفرِ یورپ سے ہوگی۔

انڈیکس

☆☆☆

☆☆☆☆☆

اسماء

☆......☆......☆

مقامات

☆......☆......☆

کتابیات

جرائد ومجلّات

☆......☆......☆